

سونج عسَری اور کارنامے حضرت شریف فاروق

# اللہ

[www.IslamicBooksLibrary.wordpress.com](http://www.IslamicBooksLibrary.wordpress.com)

مؤلفہ  
شمس العُلماء  
مولانا شبیل نعماں

دارالإِشاعَة

ادبی و اسلامی کتب  
کراچی پاکستان 2213768

صفحہ نمبر	مصنون	صفحہ نمبر	مصنون
۳۶	صحت کے مراتب تاریخ کا طرز تاریخ اور انشا پردازی کا فرق پورپ کی بے اعتدالی سے اعتراض ترتیب کے متعلق چند امور قابل لحاظ	۲۲ ۲۲ ۲۳ ۲۳ ۲۴	تمہید تاریخ کا عصر ہر قوم میں موجود ہوتا ہے عرب کی خصوصیت عرب میں تاریخ کی ابتداء سیرت نبوی میں سب سے پہلی تصنیف قدم تاریخیں
۳۸	حضرت عمرؓ کا نام و نسب سن رشد و تربیت	۲۵ "۲۷	قدماء کی جو تلقینیفات آج موجود ہیں متاخرین کا دور متاخرین نے قدماء کی خصوصیتیں چھوڑ دیں "۲۸
۳۹	حضرت عمرؓ کے جدا مجدد اور ان کو جو مرتبہ حاصل تھا	۲۹	تاریخ کے لئے کیا چیزیں لازم ہیں؟
۴۰	حضرت عمرؓ کے برادر عم زاد زید	"	قدم تاریخوں کے نقش اور اس کے اسباب
۴۱	حضرت عمرؓ کے والد خطاب	۳۰	واقعات کی صحت کا معیار
"	حضرت عمرؓ کی ولادت	"	روایت
۴۲	سن رشد	"	درایت
"	نسب و انی کی تعلیم	۳۱	الفاروق میں قدم تاریخوں کی کیس طرح
"	فن پہلوانی کی تعلیم	۳۲	پوری کی گئی
۴۳	شسواری کی تعلیم اور مقرر ہونا	"	درایت کے اصول جن سے الفاروق میں کام لیا گیا
"	لکھنے کی تعلیم	۳۲	اصول روایت سے جن امور کا پتہ لگ سکتا ہے
"	نگر معاش		
"	تجارت کے لئے سفر		
			اصول روایت کے موجب واقعات کی

صفیہ نمبر	مضمون	صفیہ نمبر	مضمون
۴۰	واقعہ حدیبیہ سن ۱۰ ہجری (۶۲۸)	۴۵	قبول اسلام بہجرت
۴۲	حضرت عمر کا اپنی یوں کو ظلاق دینا	۴۵	حضرت عمر کی بہجرت
"	جنگ خیبر سن ۷ ہجری (۶۲۹)	۴۷	حضرت عمر کے ساتھ جن لوگوں نے بہجرت کی
۴۵	غزوہ خیبر	۴۸	حضرت عمر نے کمال قیام کیا؟
۴۷	قرطاس کا واقعہ	"	مساجرین اور انصار میں اخوت
۴۱	سقیفہ بنی ساعدہ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت اور حضرت عمر کا استخلاف	"	حضرت عمر کے اسلامی بھائی اذان کا طریقہ حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق قائم ہوا
۷۲	سقیفہ بنی ساعدہ کے متعلق جو غلطی چلی آتی ہے اس کی مفصل بحث	۴۹	سن ۱۰ ہجری (۶۲۳) تاؤفات
۷۸	خلافت اور فتوحات	۵۰	رسول اللہ ﷺ
۸۱	عراق و شام پر اسلامی حملہ کے اسباب فتوحات عراق	۵۱	غزوہ بدر قیدیوں کے معاملے میں حضرت عمرؓ کی رائے
۸۶	عراق پر لٹکر کشی واقعہ خیبر اور مسلمانوں کی ٹکست واقعہ بویب رمضان سن ۲۳ مارچ ہجری (۶۲۵)	۵۲	غزوہ سویق غزوہ احد سن ۱۱ ہجری
	یونگر دیکھنے کی تخت شیئی اور ایرانیوں کی نتی	۵۴	حضرت عمر کے واقعہ میں ثابت قدم رہنے کی بحث
		۵۸	حضرت حفصہؓ کا عقد حضرت رسول اللہؐ کے ساتھ
		"	واقعہ بنو نضیر سن ۱۲ ہجری (۶۲۶)
		۵۹	جنگ خندق یا احزاب سن ۱۳ ہجری (۶۲۷)

صفحہ نمبر	مصنفوں	صفحہ نمبر	مصنفوں
			تیاریاں حضرت عمر کا خود سپہ سالار بن کندہہ سے لکھنا
	سعد بن قاصٰ پر لوگوں کا طعن انتفار قیم میں حضرت عمرؓ کی بیتابی بائل کی فتح مدائن کی فتح اسلامی فوج کی عجیب و غریب بہادری سے دریا عبور کرنا ایوان کسری کی تصویریں کا قائم رکھنا خزانہ نوشیروان کی عجیب و غریب یادگاریں		سعد بن قاصٰ کی سپہ سالاری فتح کی ترتیب اور ایک ایک حصہ فوج کے افسر کو حضرت عمرؓ ہدایتیں تبیغ اسلام کے لئے نامور ان عرب کا انتخاب یزد گرد کے ساتھ سفرانے اسلام کا سوال و جواب
۱۱۰	جلول اسن ۲۳۰ھجری (۷۳۴ء)		
۱۱۲	فتحات شام		رمعی کا سفیرین کر رسم کے پاس جانا مخروکی سفارت
۱۱۳	فتح و مشق	۹۷	قادسیہ کی جنگ اور فتح محرم سن ۲۳۰ھجری (۷۳۵ء)
	حضرت خالدؓ کا عجیب و غریب بہادری سے شرپ چڑھنا		فتح کی ترتیب فتح کے جوش دلانے کے لئے فصحائے عرب کی آتش بیانی ابو عجمیں شفیقی کا ایک پر جوش واقعہ ایک عورت کا اپنے بیٹوں کو اپنی پر نور تقریر سے جوش دلانا آخر معرکہ رسم کامرا جانا
۱۱۴	فتح ذوق عدہ سن ۲۳۰ھجری (۷۳۵ء)		فردوسی کی غلط بیانی کا انکسار
۱۱۸	حصہ سن ۲۳۰ھجری (۷۳۵ء)		

صفحہ بزر	مصنون	صفحہ بزر	مصنون
۱۳۱	حلب کی فتح انطاکیہ وغیرہ کی فتح بیت المقدس ۲۷ محرم (۴۳۶ء)	حہا وغیرہ کی فتح حضرت عمرؓ کے سفر کی سادگی حضرت عمرؓ کا بیت المقدس میں داخل حضرت بلاں کا نماز کے وقت اذان دینا صخرہ کے ساتھ حضرت عمرؓ کا برتابہ	
۱۳۲	حضرت عمرؓ کا بیت المقدس کو روانہ ہونا جمس پر عیسائیوں کی دوبارہ کوشش کے لام بھری (۴۳۸ء)	یرموک ہر جب ہلہ بھری (۴۳۶ء)	ذمیوں کے ساتھ ملعمات کی ایک عجیب مثال جزیہ کے متعلق نہایت نتیجہ خیز واقعات ایک عیسائی قاصد کا مسلمان ہونا خالدؓ کا سفیر بن کر آنا
۱۳۳	عیسائیوں کی طرف سے حملہ آوری حضرت عمرؓ کا ہر طرف سے فوجوں کو بھیجننا حضرت عمرؓ کا خود مشق کو روانہ ہونا عیسائیوں کی ٹکست	خالدؓ کی تقریر حضرت خالدؓ کا نئے قادر سے فوج لڑانا خطیبوں کا فوج کو جوش دلانا عورتوں کا لڑانا عیسائیوں کا حملہ	
۱۳۴	حضرت خالدؓ کا معزول ہونا حضرت خالدؓ کی معزولی کے متعلق تمام مؤذنوں کی غلطی معزولی کے اسباب معزولی کی پراشر کیفیت حضرت عمرؓ کا یہ مشترکہ کہ خالدؓ کی معزولی	معاذین جبل وغیرہ کی عجیب ثابت قدی خالدؓ اور عکرمہؓ کا حملہ مسلمان افسروں کی دلیری اور ثابت قدی ایک عجیب واقعہ عیسائیوں کی ٹکست اور ان کے مقتولوں کی تعداد قیصر کا قسطنطینیہ کو بھاگنا	

صفیہ بر	مصنون	صفیہ بر	مصنون
۱۴۰	اہواز کی فتح جو لوگ لوہنڈی غلام بنائے گئے تھے حضرت عمرؓ کے حکم سے ان کا رہا ہونا ہر مژان کی تیاریاں ہر مژان کا مامن طلب کرنا ہر مژان کا شان و شوکت کے ساتھ مدینہ میں داخل ہونا اور الہل عرب کی حیرت ہر مژان کا اسلام لانا	۱۴۱	خیانت کی وجہ سے نہ تھی <b>عمواس کی وباء سن ۲۲۲ھ بھری (۳۲۹ء)</b>
۱۴۲	عراق عجم سن ۲۲۲ھ بھری (۳۲۲ء)	۱۴۳	حضرت عمرؓ کا شام کی طرف روانہ ہونا حضرت ابو عبیدہؓ کا حضرت عمرؓ پر آزادانہ معرض ہونا معاذن جبلؓ کی وفات عمرو بن العاص کا حسن تدبیر لاذقیہ کی فتح کی ایک عجیب و غریب تدبیر حضرت عمرؓ کا حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام کر کے شام روانہ ہونا سفر کی سادگی مناسب انتظامات
۱۴۴	حضرت عمرؓ کا حضرت علیؓ کی رائے پر عمل کرنا اور تمیں ہزار فوج روانہ کرنا مغیثہ کا سفیر بن کر جانا	۱۴۵	<b>تیساریہ کی فتح شوال سن ۲۲۰ھ بھری (۳۲۰ء)</b>
۱۴۶	جنگ کی تیاریاں ضبط و استقلال کی عجیب مثال عجم کی بحکمت	۱۴۷	<b>جزیرہ سن ۲۲۲ھ بھری (۳۲۲ء)</b>
۱۴۸	ایران پر عام لشکر کشی سن ۲۲۲ھ بھری (۳۲۲ء)	۱۴۹	سکریت کی فتح جزیرہ کے اور مقالات کی فتح
		۱۵۰	<b>خوزستان</b>

صفیہ نمبر	مصنفوں	صفیہ نمبر	مصنفوں
	خاقان چین کی مدد سے یزدگرد کا مسلمانوں کے خلاف معرکہ یزدگرد کی ہزیمت		حضرت عمرؓ خود حملہ کرنا نہیں چاہتے تھے لشکر کشی کی وجہ اصفہان کی فتح ہدان و غیرہ کی فتح
۱۴۰	مصر کی فتح ۳۰ مہر ہجری (۶۲۱ء)	۱۵۲	آذربایجان ۲۲ مہر ہجری (۶۲۳ء)
	سلطان کا محاصرہ حضرت زبیرؓ کی جاتبازی اور سلطان کی فتح عمرو بن العاصؓ اور عیسائیوں کی باہمی دعوییں	۱۵۳	طبرستان ۲۲ مہر ہجری (۶۲۳ء)
		۱۵۴	آرمینیہ، قارس ۲۳ مہر ہجری (۶۲۳ء)
۱۴۲	اسکندریہ کی فتح ۱۳ مہر ہجری (۶۲۱-۶۲۲ء)		فارس پر حملہ کرنے کا اتفاقی سبب اضلاع فارس کا مفترق ہونا
	قبیلوں کا مسلمانوں کو مدد دینا اسلامی فوج کا قلعہ میں گھٹنا عمرو بن العاصؓ کا مقید ہونا اور حکمت عملی سے فتح کر کل آنا	۱۵۶	کران ۳۳ مہر ہجری (۶۲۳ء)
	عبدالله بن صامتؓ کا پس سالارین کر حملہ کرنا قاصد کا حضرت عمرؓ کے پاس پیغام فتح لے کر جانا	۱۵۷	سیستان ۳۳ مہر ہجری (۶۲۳ء) //
	حضرت عمرؓ کا اسیران جنگ کو اقتدار دینا کہ جس نہ ہب کو چاہیں قبول کریں	۱۵۸	معاہدے کی پابندی کی ایک عجیب مثال مکران ۳۳ مہر ہجری (۶۲۳ء)
			خراسان کی فتح اور یزدگرد کی ہزیمت ۳۳ مہر ہجری (۶۲۳ء)
۱۴۴	حضرت عمرؓ کی شہادت ۳۲ مارچ ۲۲ مہر ہجری		یزدگرد کا خاقان چین سے مدد طلب کرنا

صفحہ نمبر	مصنون	صفحہ نمبر	مصنون
۱۷۰	فتحات پر ایک اجمالی نگاہ	(۲۳۳)	(کل مدت خلافت مابر س ۶ مہینہ ۲ دن)
"	فتحات فاروقی کی وسعت		
۱۷۱	فتح کے اسباب یورپیں مورخین کی رائے کے موافق		حضرت عمرؓ کا حضرت عائشہؓ سے اجازت طلب کرنا کہ رسول اللہؐ کے پہلو میں دفن کئے جائیں
۱۷۲	یورپیں مورخین کی رائے کی غلطی		خلافت کے انتخاب میں حضرت عمرؓ کا تردید اور اس کا سبب
۱۷۳	فتحات کے اصلی اسباب		خلافت کے معاملے میں حضرت عمرؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی تفہیم
۱۷۴	سکندر وغیرہ کی فتحات کا موازنه		حضرت عمرؓ کا حضرت علیؓ کو سب سے بڑھ کر مستحق خلافت سمجھنا
۱۷۵	فتحات میں حضرت عمرؓ کا اخلاص		حضرت عمرؓ کی وفات کے وقت و صیتیں
۱۷۶	نظام حکومت		غیرہ، بہ والوں کے ساتھ ہمدردی
۱۷۷	حضرت عمرؓ کی حکومت شخصی تھی یا جمیوری؟		حضرت عمرؓ کے قرضہ کا بندوبست
"	جمیوری اور شخصی حکومت کا موازنه		☆☆☆☆☆☆☆
"	عرب وفارس میں جمیوری حکومت نہ تھی		
"	حضرت عمرؓ کی خلافت میں مجلس شوریٰ (کونسل)		
۱۸۰	مجلس شورا کے ارکان اور اس کے انعقاد کا طریقہ		
"	مجلس شوریٰ کے جلسے		
۱۸۱	ایک اور مجلس		
۱۸۲	حکومت میں رعایا کی مداخلت		
"	خلیفہ کا عام حقوق میں سبکے ساتھ مساوی ہونا		
۱۸۳	حضرت عمرؓ کا مکمل انظامات کے لئے الگ		

فہرست مضمایں  
الفاروق حصہ دوم

صفہ میز	مصنفوں	صفہ نمبر	مصنفوں
صیغہ محاصل (خارج)	الگ میخے قائم کرنا	۱۹۸	اگل کی تقسیم صوبجات اور
خارج کا طریقہ عرب میں حضرت عزّز نے ایجاد کیا	اضلاع عمدہ داران ملکی	۱۸۵	حضرت عزّز کے مقرر کردہ صوبے
ممالک مفتوح کا اصلی باشندوں کے قبضہ	نوشیروانی عمدہ کے صوبے	۱۹۹	عمردیداروں کے افراد
میں چھوڑنا اور اس امر میں صحابہ کا اختلاف	عمردیداروں کے انتخاب میں حضرت عزّز کی	۱۹۹	جو ہر شناسی
حضرت عزّز کا استدلال	عمردیداروں کے مقرر کرنے کے لئے مجلس	۲۰۰	شوریٰ
عراق کا بندوبست	عمردیداروں کے فرانچ	۱۸۷	تباہ کا معاملہ
افسانہ کا بندوبست	عاملوں کے فرائیں میں ان کے فرانچ	۲۰۱	عاملوں سے جن باتوں کا عمدہ لیا جاتا تھا
عراق کا کل رقبہ	عاملوں کے مال و اسباب کی فہرست	۱۸۸	عاملوں کے مال و اسباب کی فہرست
لگان کی شرح	نہانہ فوج میں تمام عاملوں کی طلبی	۲۰۲	عاملوں کی تنبیہ
عراق کا خراج	عاملوں کی تحقیقات	۱۸۹	عاملوں کی تباہ
زمیندار اور تعلقدار	کمیشن	۱۹۰	عاملوں کے ناجائز افعال پر نہایت سختی کے
پیداوار اور آمنی میں تنقی	ساتھ گرفت	۱۹۱	عاملوں کی تنبیہ
ہر سال مال گذاری کی نسبت رعایا کا اظمار	عاملوں کی تباہ	۱۹۲	عاملوں کی تباہ
لیا جانا	عاملوں کی تباہ	۱۹۳	عاملوں کی تباہ
حضرت عزّز کے زمانہ میں جس قدر خراج	عاملوں کی تباہ	۱۹۴	عاملوں کی تباہ
وصول ہوا زمانہ مابعد میں کبھی نہیں ہوا	عاملوں کی تباہ	۱۹۵	عاملوں کی تباہ
خارج کا فرقہ اسی اور روی زبان میں تھا	عاملوں کی تباہ	۱۹۶	عاملوں کی تباہ
مصر میں فرعون کے زمانہ کے قواعد مال	عاملوں کی تباہ	۱۹۷	عاملوں کی تباہ
گذاری	عاملوں کی تباہ	۱۹۸	عاملوں کی تباہ
رومیوں کا اضافہ	عاملوں کی تباہ	۱۹۹	عاملوں کی تباہ
حضرت عزّز نے قدیم طریقہ کی اصطلاح کی	عاملوں کی تباہ	۲۰۰	عاملوں کی تباہ
شام میں خراج کا قدیم طریقہ	عاملوں کی تباہ	۲۰۱	عاملوں کی تباہ
قانون مال گذاری میں حضرت عزّز کی	عاملوں کی تباہ	۲۰۲	عاملوں کی تباہ
اصلاحات	عاملوں کی تباہ	۲۰۳	عاملوں کی تباہ

صفحہ نمبر	مصنون	صفحہ نمبر	مصنون
۲۲۰	محکمہ افتاء	۲۰۹	ان اصلاحات کا مکمل اثر بندوبست مال گزاری میں ذمیوں کی رائے
۲۲۱	محکمہ افتاء کی ضرورت حضرت عمرؓ کے نامے کے مفہی ہر شخص کو فتویٰ دینے کا مجاز نہ تھا	〃	لینا ترقی زراعت
۲۲۲	وجود اداری اور پولیس	۲۱۰	محکمہ آپیاشی خرابی اور عشري نشن کی تفہیق
〃	جیل خانہ کی ایجاد	〃	مسلمانوں کے ساتھ عشري نشن کی تخصیص کی وجہ
۲۲۳	جلاد و طعنی کی سزا	۲۱۱	اور قسم کی آمدیاں گھوٹوں پر زکوٰۃ
〃	جیل خانہ کی ایجاد	〃	عشور
۲۲۴	بیت المال یا خزانہ	۲۱۲	صیغہ عدالت
〃	بیت المال پلے نہ تھا	〃	محکمہ قضاۓ
〃	بیت المال کس سن میں قائم ہوا؟	〃	روم ان امپائر کے قواعدِ عدالت کا حضرت عمرؓ
۲۲۵	بیت المال کے افر	〃	کے قواعد سے موازنہ
〃	بیت المال کی عمارتیں	۲۱۳	قواعدِ عدالت کے متعلق حضرت عمرؓ کی تحریر
۲۲۶	جور قم و اخلاف کے خزانہ میں رہتی تھی	۲۱۴	قضاۓ کا انتخاب
〃	پیلک و رکس یا (نظارت نافعہ)	۲۱۵	حضرت عمرؓ کے نامہ کے حکایم عدالت
〃	حضرت عمرؓ نے نہیں تیار کرائیں	۲۱۶	قضاۓ کا امتحان کے بعد مقرر ہونا
۲۲۷	نمر عقل	۲۱۷	رشوت سے محفوظ رکھنے کے وسائل
〃	نمر سعد	〃	الاصاف میں مساوات
〃	نرم امیر المؤمنین	۲۱۸	آبادی کے لحاظ سے قضاۓ کی تعواد کا کافی ہونا
〃		۲۱۹	ماہرین فن کی شادت
〃		۲۲۰	عدالت کا مکان

صفحہ بزر	مصنموں	صفحہ بزر	مصنموں
۲۲۱	باقاعدہ فوج اور والٹیور فوجی صدر مقامات	۲۲۸	شہر سویز کی تیاری کا راہ حضرت عمرؓ کے عدید میں مختلف صیغوں کی
"	صدر مقامات میں فوج کے لئے جو انتظامات تھے ان کی تفصیل	۲۲۸	عمارتیں دارالامارة
۲۲۷	فوجی بارکیں	"	دفتر
"	گھوڑوں کی پرواز خست	۲۲۹	خزانہ
"	فوج کا دفتر	"	قید خانے
"	رسد کا غلبہ	"	مہمان خانے
"	فوجی چھاؤنیوں کا قائم کرنا اور ان کا بندوبست	"	سرکوں کا انتظام
۲۲۵	فوجی چھاؤنیاں کس اصول پر قائم تھیں	۲۳۰	مکہؓ مکہم سے مدینہ منورہ تک چوکیاں اور
۲۲۶	فوجی دفتر کی وسعت	"	سرائیں
"	ہر سال مسلم ہزار نئی فوج تیار ہوتی تھی	"	
"	حضرت عمرؓ کا فوجی انتظام کس نسل نہ تک قائم رہا اور اس کے تغیری کے متانج	"	
"	فوج میں بھی، روئی، ہندوستانی اور یہودی	۲۳۱	بصرہ
۲۲۷	بھی داخل تھے	"	کوفہ
۲۲۸	تھوڑا ہوں میں ترقی	۲۳۲	فسطاط
۲۲۹	رسد کا انتظام	"	فسطاط کی وسعت آبادی
"	رسد کا مستقل محلہ	۲۳۵	موصل
"	خوارک، کپڑا اور بجتہ	"	جیزہ
۲۵۰	تھوڑا ہوں کی تقسیم کا طریقہ	"	
"	تھوڑا ہوں کی ترقی	۲۳۷	صیغہ فوج
۲۵۱	اختلاف موسم کے لحاظ سے فوج کی تقسیم	"	
"	بھار کے نہانے میں فوج کا قیام	"	قدم سلطنتوں کے فوجی انتظامات غیر مکمل
"	آب و ہوا کا لحاظ	۲۳۸	حضرت عمرؓ کے فوجی انتظام کی ابتداء
۲۵۲	کوچ کی حالت میں فوج کے آرام کاون	۲۳۹	فوج کے رجڑ کا مرتب ہونا

صفیہ بزر

مصنفوں

صفیہ بزر

مصنفوں

۲۴۵	تعلیم قرآن کا طریقہ	۲۵۳	رخصت کے قاعدے
۲۴۹	دشمن کی مسجدیں طلبہ کی تعداد	"	فوج کا لباس
"	اشاعت قرآن کے اور وسائل حافظوں کی تعداد	۲۵۲	فوج میں خزانچی و محاسبہ و مترجم
"	صحت اعراب کی تدبیریں	"	فن جنگ میں رتی
"	ادب اور عربیت کی تعلیم	۲۵۴	فوج کے مختلف حصے
"	حدیث کی تعلیم	"	ہر سپاہی کو چھڑیں یزدگردی تھر کھنی پڑتی تھیں
"	فقہ	۲۵۵	قلعہ شکن آلات
۲۶۸	مسائل فقہ کی اشاعت کی مختلف تدبیریں	۲۵۶	سفریہ نتا
"	پہلی تدبیر	"	خبر سانی اور جاسوسی
"	دوسری تدبیر	۲۵۷	صیغہ تعلیم اور صیغہ اندھی
"	تیسرا تدبیر	"	اشاعت اسلام کا طریقہ
"	چوتھی تدبیر	۲۵۸	اشاعت اسلام کے اسباب
۲۷۰	فقہ کی تعلیم کا انتظام	"	حضرت عمر کے نامے میں جو لوگ اسلام لائے
۲۷۱	نقیباء کی تنخواہیں	۲۵۹	حضرت عمر نے قرآن مجید کی جمع و ترتیب میں جو کوشش کی
"	محلیین فقہ کی رفتہ شان	۲۶۰	قرآن مجید کی حفاظت اور صحت الفاظ اعراب کی تدبیریں
"	ہر شخص فقہ کی تعلیم کا مجازہ تھا	"	قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام مکاتب قرآن بدبوؤں کو جبری تعلیم
۲۷۲	اماموں اور مسنڈنوں کا تقرر	۲۶۲	کتابت کی تعلیم
"	حججوں کی قافلہ سالاری	"	قراء صحابہ کا تعلیم قرآن کیلئے دور راز مقامات پر بھیجا
۲۷۳	مسجد کی تعمیر	۲۶۳	
"	حرم محترم کی وسعت	"	
"	حرم کی تجدید	۲۶۷	
۲۷۴	مسجد بنوی کی مرمت اور وسعت	"	
"	مسجدیں فرش اور روشنی کا انتظام	"	
۲۷۵	متفق انتظامات		

صفہ نمبر	مضمون	صفہ نمبر	مضمون
۲۸۸	زمیوں کے حقوق کی نسبت غیر قوموں کی غلط	۲۷۵	اس بھری کا مقرر کرنا
"	فہمیوں کے وجوہ اور ان کا جواب	۲۷۶	مختلف قسم کے رجسٹر
۲۸۹	زمیوں کو خاص لباس اور زنار کے استعمال کا کیوں حکم تھا	۲۷۴	وفر خراج
۲۹۰	صلیب اور ناقوس کی بحث	۲۷۷	بیت المال کے کافزات کا حساب
"	اصطبا غ کی بحث	۲۷۸	مصارف جنگ کے کافزات
۲۹۳	یہ سائیوں کے جلاوطن کرنے کا معاملہ	"	مردم شماری کے کافزات
"	جزیہ کی بحث	۲۷۹	کافزات حساب کے لکھنے کا طریقہ
۲۹۵	غلائی کارروائی کم کرنا	۲۸۹	سکے
"	عرب کا غلام نہ ہو سکنا	"	قدم سلطنتوں کا بر تاؤ غیر قوموں کے ساتھ
"	ہمالک مفتوح میں غلام کو گھٹانا	"	حضرت عزیز نے ذمیوں کے ساتھ کیا بر تاؤ
"	حضرت شریانو کا قصہ	"	کیا؟
"	شاہی خاندان کے اسیران جنگ کے ساتھ	"	بیت المقدس کا معاملہ
۲۹۸	بر تاؤ	"	ذمیوں کے جان و مال کو مسلمانوں کے جان و
۲۹۸	عام غلاموں کے ساتھ مراعات	۲۸۱	مال کے برابر قرقرہ نہ
"	غلاموں کا اپنے عزیز و اقارب سے جدا نہ کیا جانا	۲۸۲	بندوبست مال گزاری میں ذمیوں کا خیال
۲۹۹	غلاموں میں اہل کمال کا پیدا ہونا	"	ذمیوں سے مکمل انتظامات میں مشورہ
"	سیاست و تدبیر عدل و انصاف	۲۸۳	ذمیوں کے ساتھ ہر قسم کی رعایت کی تائید
"	عام سلاطین اور حضرت عزیز کے طریق	۲۸۴	نہ ہی امور کی آزادی
"	سیاست میں فرق	۲۸۵	مسلمانوں اور ذمیوں کی ہمسزی
۳۰۱	حضرت عزیزی مشکلات	۲۸۶	ذمیوں کی عزت کا خیال
"		۲۸۷	سازش اور بغاوت کی حالت میں ذمیوں کے ساتھ سلوک
"		۲۸۸	ذمیوں پر ان رعایتوں کا کیا اثر ہوا

صفویہر	مصنفوں	صفویہر	مصنفوں
۳۲۲	امامت اور اجتہاد	۳۰۳	حضرت عمرؓ کی حکومت کی خصوصیتیں
۳۲۳	سماں اعقاری میں حضرت عمرؓ کتہ چینی	۳۰۵	اصول مساوات
۳۲۴	مسکن قضاؤ قدر	۳۰۶	امیر المؤمنین کا لقب کیوں اختیار کیا؟
۳۲۵	تقطیم شعائر اللہ	۳۰۷	سیاست
۳۲۶	نبی کے اقوال و افعال کماں تک منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں	۳۱۰	عمرہ داران سلطنت کا انتخاب بے لگ عدل و انصاف
"	حضرت عمرؓ کے نزدیک احکام شریعت کا اصلاح عقلی پر بنی ہونا	۳۱۱	قدیم سلطنتوں کے حالات اور انقلامات سے واقفیت
۳۲۷	حضرت عمرؓ نے علم اسرار الدین کی بنیادوں اخلاق اسلامی کا محفوظ رکھنا اور ترقی رہنا	۳۱۲	واقفیت کے لئے پرچہ نویں اور واقعہ نگار
۳۲۸	غورو خزر کا استیصال	۳۱۳	بیت المال کا خیال
"	ہجوں کی ممانعت	۳۱۴	تمام کاموں کا وقت پر انجام پائنا
۳۲۹	ہوا پرستی کی روک	"	رفاه عام کے کام
"	شاعر کی اصلاح	۳۱۷	غرباء اور مساکین کے روزینے
"	شراب خوری کی روک	۳۱۸	صمان خانے
"	آزادی اور حق گوئی کا قائم رکھنا	"	لاؤ اور اسٹپے
۳۳۰	حضرت عمرؓ کی اجتہادی حیثیت	۳۱۹	تیہوں کی خبرگیری
"	احادیث کا شخص	"	قطع کا انتظام
۳۳۱	حدیقوں کی اشاعت	۳۲۰	رفاه عام کے متعلق حضرت عمرؓ کتہ سنی
"	ایک دفعہ کتہ	۳۲۱	جزئیات پر توجہ
۳۳۲	احادیث میں فرقہ مرتب	"	رعایا کی شکایتوں سے واقفیت کے وسائل
"	روایات کی چھان بیں	۳۲۲	سفرات
۳۳۳	کثرت روایت سے روکنا	"	شام کا سفر اور رعایا کی خبرگیری
"	حضرت عمرؓ کم روایت کرنے کی وجہ صحابہؓ میں جلوگ کم روایت کرتے تھے	"	رعایا کی خبرگیری کے متعلق حضرت عمرؓ کی چند حکایتیں
۳۳۴			

صفحہ نمبر	مصنفوں	صفحہ نمبر	مصنفوں
۳۶۹	قوت تقریر خطبے کے لئے تیار ہونا	۳۶۱	سند اور روایت کے متعلق حضرت عمرؓ کے
"	خطبے	۳۶۲	اصول
۳۶۱	نکاح کا خطبہ اچھا نہیں دے سکتے تھے اور اس کی وجہ بعض خطبوں کے اصلی الفاظ	"	علم فقہ
۳۶۲	قوت تحریر	۳۶۴	حضرت عمرؓ کا مشکل مسائل کو قلمبند کرنا
۳۶۴	مذاق شاعری	۳۶۵	دقیق مسائل میں وفا و فاقہ خوض کرتے رہنا
"	حضرت عمرؓ ہیر کو اشعر الشعرا کہتے تھے	۳۶۶	فتاویٰ و نوادرات کی وسعت کی وجہ سے نئے مسئللوں کا پیدا ہونا
۳۶۶	زہیر کی نسبت حضرت عمرؓ کا رہاک	"	لوگوں کا حضرت عمرؓ سے استفادة کرنا
۳۶۷	تابغہ کی تعریف	۳۶۸	صحابہؓ کے مشورہ سے مسائل طے کرنا
"	امرأۃ القیس کی نسبت ان کی رائے	"	مسائل اجتماعیہ
۳۶۸	شعر کا ذوق	۳۶۹	حضرت عمرؓ کے مسائل قسمی کی تعداد
"	حفظ اشعار	"	حضرت عمرؓ کا اصولی فقہ کو مرتب کرنا
"	اشعار کو تعلیم میں داخل کرنا	۳۷۰	خبر آحاد کے قابل احتجاج ہونے کی بحث
۳۶۸	شاعری کی اصلاح	۳۷۱	قياس
۳۶۸	لطیفہ	۳۷۵	استنباط احکام کے اصول
۳۶۹	علم الالاناب	۳۷۶	مسائل مدد میں حضرت عمرؓ کے اجتہادات
"	عربی زبان سے واقفیت	۳۷۷	خس کامسلک
۳۸۰	ذہانت و طبائی	۳۷۸	فہ کامسلک
۳۸۱	حکیمانہ مقولے	۳۷۹	بان غدک کی بحث
۳۸۲	صاحب الرائے ہونا	۳۷۹	ذاتی حالات اور اخلاق و عادات
"	اسلام کے احکام جو حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق قرار پائے	"	عرب میں جو اوصاف لازمہ شرافت سمجھے جاتے تھے، حضرت عمرؓ میں سب موجود تھے
۳۸۳	جن مسائل میں اور صحابہؓ نے حضرت عمرؓ سے اختلاف کیا، ان میں حضرت عمرؓ کی	۳۸۸	

صفہ نمبر	مضمون	صفہ نمبر	مضمون
۳۰۰	لباس سادگی اور بے تکلفی	۳۸۲	رائے صائب ہونا قابلیت خلافت پر حضرت عمرؓ کی رائے
۳۰۱	حیله اولیات	"	مکثتگی اور غور رسی
۳۰۲	ازواج واولاد	۳۸۵	ندھی زندگی بے تعصی
"	ازواج	۳۸۶	علم فرائض کی درستی اور ترتیب کے لئے
"	حضرت ام کلثومؓ سے نکاح کرنا	۳۸۷	ایک یونانی عیسائی کا طلب کرنا
۳۰۴	اولاد ذکور	۳۸۸	علمی صحبتیں
"	عبداللہ بن عمرؓ	۳۸۹	ارباب صحبت
"	سلم بن عبد اللہ	۳۹۱	اہل کمال کی قدر روانی
۳۰۷	عاصم	۳۹۳	تعلقین جناب رسول اللہؐ کا پاس و لحاظ
۳۰۸	خاتمه	۳۹۴	اخلاق و عادات، تواضع و سادگی
	دنیا میں جس قدر مشہور فرمانزو اور ارباب کمال گزے ہیں سب پر حضرت عمرؓ کو ترجم	۳۹۶	زندہ ولی
		۳۹۷	مزاج کی سختی
		۳۹۸	آل و اولاد کے ساتھ صحبت
		۳۹۹	مسکن و سائل، معاش، تجارت
		"	جاگیر، مشاہرو، زراعت، غذا
★☆★☆★☆★☆★			

## بسم اللہ الرحمن الرحیم

### دیباچہ

**الفاروق** جس کا غلطہ وجود میں آنے سے پہلے تمام ہندوستان میں بلند ہو چکا ہے، اول اول اس کا نام زبانوں پر اس تقریب سے آیا کہ المامون طبع اول کے دیباچہ میں ضمناً اس کا ذکر آگیا تھا، اس کے بعد اگرچہ مصنف کی طرف سے بالکل سکوت اختیار کیا گیا تاہم نام میں کچھ ایسی دلچسپی تھی کہ خود بخود پھیلتا گیا۔ یہاں تک کہ اس کے ابتدائی اجزاء بھی تیار نہیں ہو چکے تھے کہ تمام ملک میں اس سرے سے اُس سرے تک الفاروق کا لفظ پچھے پچھے کی زبان پر تھا۔ ادھر کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ الفاروق کا سلسلہ رک گیا۔ اور اس کے بجائے دوسرے کام چھڑ گئے چنانچہ اس اثناء میں متعدد تصنیفیں مصنف کے قلم سے لکھیں اور شائع ہوئیں۔ لیکن جو لوگوں میں فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کو کہنا جالاں کا انتظار کر رہی تھیں ان کو کسی دوسرے جلوہ سے سیری نہیں ہو سکتی تھی۔ سوء اتفاق یہ کہ میرے ساتھ الفاروق کی طرف سے بیدلی کے بعض ایسے اسباب پیدا ہو گئے تھے کہ میں نے اس تصنیف سے گواہا تھا امثالیا تھا لیکن ملک کی طرف سے قاضی کی صدائیں رہ رہ کر بلند ہوتی تھیں کہ میں مجبوراً قلم ہاتھ سے رکھ رکھ کر امثالیت ادا کر رہا تھا، بالآخر ۲۸ اگست ۱۸۹۷ء کو میں نے ایک قطعی فیصلہ کر لیا۔ اور مستقل اور مسلسل طریقے سے اس کام کو شروع کیا۔ ملازمت کے فرائض اور اتفاقی موافع و فتاویٰ اب بھی سدرہ ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ متعدد وفعہ کئی کئی میئنے کا نامہ پیش آگیا لیکن چونکہ کام کا سلسلہ قطعاً بند نہیں ہوا اس لئے کچھ نہ کچھ ہو تاگیا۔ یہاں تک کہ آج پورے چار برس کے بعد یہ منزل طے ہوئی اور قلم کے مسافر نے کچھ عذنوں کے لئے آرام کیا۔

شکر کہ جمازہ منزل رسید      نورق اندیشہ باحیل رسید

یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے پہلے حصے میں تمیید کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کی ولادت سے وفات تک کے واقعات اور فتوحات ملکی کے حالات ہیں۔ دوسرے حصے میں ان کے ملکی اور مذہبی انتظامات اور علمی کمالات اور ذاتی اخلاق اور عادات کی تفصیل ہے اور یہی دو سراحد مصنف کی سی و مخت کامنامہ شاگاہ ہے۔

اس کتاب کی صحت طبع میں اگرچہ کچھ کم کوشش نہیں کی گئی۔ کاپیاں میں نے خود دیکھیں اور بینائیں۔ لیکن متواتر تجربوں کے بعد مجھ کو اس بات کا اعتراض کرنا پڑتا ہے کہ میں اس وادی کا مردمیدان نہیں اور میں اس کی کوئی تدبیر نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر صاحب مطبع اجازت دیں تو اس قدر کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ اس جرم کا میں تباہ مجرم نہیں بلکہ کچھ اور لوگ بھی شریک ہیں۔ بہرحال کتاب کے آخر میں ایک غلط نامہ لگادیا گیا ہے جو کفارہ جرم کا کام دے سکتا ہے۔

اس کتاب میں بعض الفاظ کے املا کا طریقہ نظر آئے گا۔ مثلاً اضافت کی حالت میں ”مکہ“ اور ” مدینہ“ کی بجائے ”مکے“ اور ” مدینے“ اور جمع کی حالت میں ”مسوق“ اور ”جمع“ کے بجائے ”مسوق“ اور ”جمع“ لیکن یہ میرا طریقہ املا نہیں ہے۔ بلکہ کاپی نویس صاحب کا ہے اور وہ اس کے بخلاف عمل کرنے پر کسی طرح راضی نہ ہوئے۔ یہ بھی واضح رہے کہ یہ کتاب سلسلہ آصفیہ کی فہرست میں داخل ہے لیکن پہلے سلسلہ آصفیہ کی ماہیت اور حقیقت سمجھ لینی چاہئے۔

ہمارے معزز اور محترم دوست شمس العلماء مولانا سید علی بلگرای بجمع القابہ کو تمام ہندوستان جانتا ہے وہ جس طرح بہت بڑے مصنف، بہت بڑے مترجم، بہت بڑے زبان و ادیب ہیں اسی طرح بہت بڑے علم دوست اور اشاعت علوم و فنون کے بہت بڑے مولیٰ اور سرپرست ہیں۔ اس دوسرے وصف نے ان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ انہوں نے جناب نواب محمد فضل الدین خان سکندر جنگ اقبال الدولہ، اقتدار الملک، سرو قار الامراء بہادر کے سی، آئی، ای مدارالمہماں دولت آصفیہ خلدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں یہ دخواست کی کہ حضور پر نور، رسم دوراں، افلاطون زیارات فلک بارگاہ پر سالار مظفر الملک فتح جنگ ہر ہائیں نواب میر محبوب علی خان بہادر، نظام الملک آصف جاہ سلطان و کن خلد اللہ ملکہ کے سایہ عاطفت میں علمی تراجم و تصنیفات کا ایک مستقل سلسلہ قائم کیا جائے جو سلسلہ آصفیہ کے لقب سے ملقب ہو اور وابستگان دولت آصفیہ کی جو تصنیفات خلعت قبول یا نہیں وہ اس سلسلہ میں داخل ہو جائیں۔ جناب نواب صاحب مہمود حکوم علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کی طرف ابتداء سے جو

التفات و توجہ رہی ہے اور جس کی بہت سی محسوس یادگاریں اس وقت موجود ہیں اس کے لحاظ سے جناب ممدوح نے اس درخواست کو نہایت خوشی سے منظور کیا۔ چنانچہ کئی برس سے یہ مبارک سلسلہ قائم ہے اور ہمارے نئس العلماء کی کتاب تمن عرب جس کی شریعت عالمگیر ہو چکی ہے اسی سلک کا ایک بیش بہاگو ہر ہے۔

خاکسار کو ۱۸۹۶ء میں جناب ممدوح کی پیش گاہ سے عطیہ ماہوار کی جو سند عطا ہوئی اس میں یہ بھی درج تھا کہ خاکسار کی تمام آئندہ تصنیفات اس سلسلے میں داخل کی جائیں۔

اسی بناء پر یہ تاجیز تصنیف بھی اس مبارک سلسلے میں داخل ہے۔

جلد اول کے آخر میں اسلامی دنیا کا ایک نقشہ شامل ہے جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمد مبارک سے لے کر بناویت کے زمانے تک ہر عمد کی فتوحات کا خاص خاص رنگ دیا گیا ہے۔ جس کے دیکھنے سے یہ نظر معلوم ہو سکتا ہے کہ ہر خلیفہ کے وقت میں دنیا کا کس قدر حصہ اسلام کے حلقوہ میں شامل ہو گیا۔ یہ نقشہ اصل میں جرمن کے چند لاکٹ پروفیسروں نے تیار کیا تھا۔ لیکن چونکہ وہ ہماری کتاب کے بیانات سے پورا پورا مطابق نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے ہم نے اصل کتاب کے حاشیہ میں موقع بموقع ان اختلافات کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

شیعی نعمانی

مقام اعظم گڑھ دسمبر ۱۸۹۸ء

## حصہ اول

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اے ہمسہ در پر وہ نہان راز تو بے خبر ان جام ز آغاز تو

الحمد لله رب العلمين والصلوة على رسول محمد والآل والاصحاح بهما جمعهن

### تمیید - تاریخ کا عصر

تمدن کے نامے میں جو علوم و فنون پیدا ہو جاتے ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جن کا ہیولی پہلے سے موجود ہوتا ہے تمدن کے نامے میں وہ ایک مونوں قالب اختیار کر لیتا ہے اور پھر ایک خاص نام یا القب مشہور ہو جاتا ہے مثلاً استدلال اور اثبات مدعای کے طریقے یہیشہ سے موجود تھے اور عام و خاص سب ان سے کام لیتے تھے لیکن جب اس طرزے ان جزئیات کو ایک خاص وضع سے ترتیب دیا تو اس کا نام منطق ہو گیا اور وہ ایک مستقل فن بن گیا۔ تاریخ و تذکرہ بھی اسی قسم کافی ہے دنیا میں جمال کیسی انسانوں کا کوئی گروہ موجود تھا، تاریخ و تذکرے بھی ساتھ ساتھ تھے کیونکہ تحریک و ترجیح کے موقعوں پر لوگ اپنے اسلاف کے کارنائے خواہ مخواہ بیان کرتے تھے تفریع اور گرمی صحبت کیلئے مجالس میں پچھلی لڑائیوں اور معروفوں کا ذکر ضرور کیا جاتا تھا۔ باپ وادا کی تقلید کے لیے پرانی عادات و رسوم کی یادگاریں خواہ مخواہ قائم رکھی جاتی تھیں۔ اور یہی چیزیں تاریخ و تذکرہ کا سرماہی ہیں۔ اس بناء پر عرب، جنم، تاتار، ہندی، افغانی، مصری، یونانی، غرض، نیا کی تمام قویں فن تاریخ کی قابلیت میں ہمسری کا دعویٰ کر سکتی ہیں۔

## عرب کی خصوصیت

لیکن اس عموم میں عرب کو ایک خصوصیت خاص حاصل تھی۔ عرب میں خاص خاص باتیں ایسی پائی جاتی تھیں جن کو تاریخی سلسلے سے تعلق تھا۔ اور جو اور قوموں میں نہیں پائی جاتی تھیں۔ مثلاً انساب کا چچا جس کی یہ کیفیت تھی کہ بچہ بچہ اپنے آبا و اجداد کے نام اور ان کے رشتے ناطے وس دس بارہ بارہ پیشوں تک محفوظ رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ انسانوں سے گزر کر گھوڑوں اور اونٹوں کے نسب نامے محفوظ رکھے جاتے تھے یا ایام العرب جس کی بدولت عکاظ کے سالانہ میلے میں قومی کارناموں کی روایتیں، سلسلہ بسلسلہ ہزاروں لاکھوں آدمیوں تک پہنچ جاتی تھیں۔ یا شاعری جس کا یہ حال تھا کہ اونٹ چڑانے والے بدوجن کو لکھنے پڑھنے سے کچھ سروکار نہ تھا۔ اپنی زبان آوری کے سامنے تمام عالم کو چیز بھخت تھے اور در حقیقت جس سادگی اور اصلاحیت کے ساتھ وہ واقعات اور جذبات کی تصور یہ بھیج سکتے تھے دنیا میں کسی قوم کو یہ بات کبھی نصیب نہیں ہوتی۔

## عرب میں تاریخی ابتداء

اس بناء پر عرب میں جب تدن کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے تاریخی تصنیفات وجود میں آئیں۔ اسلام سے بہت پہلے بادشاہانِ جبرة نے تاریخی واقعات قلمبند کرائے اور وہ مت نک محفوظ رہے۔ چنانچہ ابن ہشام نے کتاب التیجان میں تصریح کی ہے کہ میں نے ان تاییفات سے فائدہ اٹھایا اسلام کے عمد میں زیانی روایتوں کا ذخیرہ ابتداء ہی میں پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن چونکہ تایف و تصنیف کا سلسلہ عموماً ایک دلت کے بعد قائم ہوا۔ اس لئے کوئی خاص کتاب اس فن میں نہیں لکھی گئی۔ لیکن جب تایف کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلی کتاب جو لکھی گئی تاریخ کے فن میں تھی۔

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ المتفق میں بھری کے زمانے میں عبیدہ بن شریہ ایک شخص تھا جس نے جاہلیت کا زمانہ دیکھا اور اس کو عرب و عجم کے اکثر مرکے یاد تھے، امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو صنعت سے بلا یا اور کاتب اور محرر متعین کئے کہ جو کچھ وہ بیان کرتا جائے قلم بند کرتے جائیں۔ علامہ ابن الندیم نے کتاب الفهرست میں اس کی متعدد تاییفات کا ذکر کیا ہے۔ جن میں سے ایک کتاب کا نام کتاب الملوك والا خبار الماضین لکھا

ہے، غالباً یہ وہی کتاب ہے جس کا مسٹوہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے تیار ہوا تھا۔ عبیدہ کے بعد عوانہ بن الحکم المتنقی ۷۴ھ بھری کا نام ذکر کرنے کے قابل ہے۔ جو اخبار و انساب کا بڑا ماہر تھا۔ اس نے عام تاریخ کے علاوہ خاص ہنومیہ اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں ایک کتاب لکھی۔ ۷۴ھ بھری میں ہشام بن عبد الملک کے حکم سے جنم کی نہایت مفصل تاریخ کا ترجمہ پہلوی سے عربی میں کیا گیا۔ اور یہ پہلی کتاب تھی جو غیر زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئی۔

### سیرۃ نبوی ﷺ میں سب سے پہلی تصنیف

۷۳ھ بھری میں جب تفسیر، حدیث، فتوہ وغیرہ کی تدوین شروع ہوئی تو اور علوم کے ساتھ تاریخ و رجال میں بھی مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ چنانچہ محمد بن اسحاق المتنقی اللہ بھری نے منصور عباسی کے لیے خاص سیرۃ نبوی پر ایک کتاب لکھی جو آج بھی موجود ہے لہٰذا ہمارے مورخین کا دعویٰ ہے کہ فن تاریخ کی یہ پہلی کتاب ہے۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ اس سے پہلے موسیٰ بن عقبہ المتنقی ۷۳ھ بھری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخازی قلم بند کئے تھے موسیٰ نہایت ثقة اور محتاط شخص تھے اور صحابہ کا زمانہ پایا تھا۔ اس لئے ان کی یہ کتاب محدثین کے دائرے میں بھی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ (مخازی موسیٰ بن عقبہ ۷۳ھ عیسوی میں یورپ میں چھپ چکی ہے۔ موسیٰ بن عقبہ کے لئے تندیب، انتدیب و مقدمہ فتح الباری شرح صحیح بخاری دیکھو)

اس کے بعد فن تاریخ نے یہ نہایت ترقی کی اور بڑے بڑے نامور مؤرخ پیدا ہوئے جن میں ابو محفوظ کلبی، واقدی زیادہ مشہور ہیں۔ ان لوگوں نے نہایت عمدہ اور جدید عنوانوں پر کتابیں لکھیں۔ مثلاً کلبی نے افواج اسلام، قریش کے پیشے، قابل عرب کے مناظرات، جاہلیت اور اسلام کے احکام کا تواریخ، ان مضامین پر مستقل رسائل لکھے، رفتہ رفتہ اس سلسلے کو نہایت وسعت ہوئی۔ یہاں تک کہ چوتھی صدی تک ایک دفتر بے پایاں تیار ہو گیا اور بڑی خوبی کی بات یہ تھی کہ ہر صاحب قلم کا موضوع اور عنوان جدا تھا۔

اس دور میں بے شمار مؤرخ گزرے ہیں۔ ان میں سے جن لوگوں نے بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حالات میں کتابیں لکھیں، ان کی مختصر فہرست یہ ہے۔

۱۔ مخازی محمد اسحاق کا ایک قلمی نحمدکتبہ کو پریلی استنبول میں موجود ہے۔

## قديم تاریخیں

۷۰

نام مصنف	تصنيف	کیفیت
نجم بن مملوك	غزوات نبوی	
نصر بن مراعم کوفی	کتاب الجمل یعنی حضرت علیؑ اور حضرت عائشہؓ کی راتی کا حال	
سیف بن عمر الاسدی رضی	کتاب الفتوح الکبیر	نہایت مشور مؤرخ ہے
معمر بن راشد کوفی	کتاب المغازی	امام بخاری کے استاذ الاستاذ تھے
ابوالبغتری وہب بن وهب	کتاب صفة النبی و کتاب فضائل الانصار	۴۰۰ھ میں انتقال کیا
عبداللہ بن سعد ذہبی المعنی	فتحات خالدین ولید	
ابوالحسن علی بن محمد بن عبد اللہ الدائی المعنی ۳۲۲ھ		اس نے آنحضرت اور خلفاء کے حالات میں کثرت سے کتابیں لکھیں اور نئے نئے عنوان اختیار کئے مداہنی کا شاگرد تھا
احمد بن حارث غزار	کتاب المغازی، اسماء الخلفاء و کتابہم	
عبد الرحمن بن عبدة	مناقب قریش	نہایت ثقہ اور معتمد مؤرخ تھا
عمربن شہر المعنی ۳۲۳ھ	کتاب امراء الکوفہ، کتاب امراء البصرة	مشور مؤرخ تھا

## قدماء کی جو تصنیفات آج موجود ہیں

اگرچہ یہ تصنیفات آج ناپید ہیں۔ لیکن اور کتابیں جو اسی زمانے میں یا اس کے بعد قریب تر زمانے میں لکھی گئیں۔ ان میں ان تصنیفات کا بہت کچھ سرمایہ موجود ہے۔ چنانچہ ہم ان کے نام ان کے مصنفین کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

عبداللہ بن مسلم بن قتبہ الموقد ۳۲۳ھ بھری والمعنی ۳۲۷ھ بھری یہ نہایت نامور اور

۱۔ نجیب بن عبد الرحمن المعنی قریب مکاہ۔ ۲۔ سیف بن عمر کوفی خلیفہ بارون رشید کے نامہ میں فوت ہوا (تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۹۱)۔ ۳۔ معمر بن راشد کوفی ۳۲۳ھ (تہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۳۲۳)۔

مستند مصنف ہے محدثین بھی اس کے اعتقاد اور اعتبار کے قائل ہیں۔ تاریخ میں اس کی مشہور کتاب معارف ہے جو مصروف گیرہ میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ یہ کتاب اگرچہ نہایت منحصر ہے، لیکن اس میں ایسی مفید معلومات ہیں جو بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ملتیں۔

احمد بن داؤد ابو حنیفہ بن عوری المتفقی ۷۸۰ھ بھری یہ مشہور مصنف ہے تاریخ میں اس کی کتاب کا نام الاخبار الطوال ہے۔ اس میں خلیفہ مقتصم بالله تک کے حالات ہیں۔ خلفاء راشدین کی فتوحات میں سے محمد کی فتح کو تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ کتاب یورپ میں مقام لیٹن ۱۸۸۵ء عیسوی میں چھپی ہے۔

محمد بن سعد کاتب الواقدی، المتفقی ۲۳۰ھ بھری نہایت ثقہ اور معتمد مؤرخ ہے، اگرچہ اس کا استاد و اقدی ضعیف الروایہ ہے۔ لیکن خود اس کے ثقہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں، اس نے ایک کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین و تبع تابعین کے حالات میں نہایت بسط و تفصیل سے دس بارہ جلدیوں میں لکھی ہے اور تمام واقعات کو محدثانہ طور پر بہ سند صحیح لکھا ہے۔ یہ کتاب طبقات ابن سعد کے نام سے مشہور ہے۔ میں نے اس کا قلمی نسخہ دیکھا ہے۔ اب جرمی میں بڑے اہتمام سے چھپ رہی ہے۔

احمد بن ابی یعقوب بن واضح کاتب عبایی۔ یہ تیسرا صدی کا مؤرخ ہے۔ مجھ کو اس کے حالات رجال کی کتابوں میں نہیں ملتے۔ لیکن اس کی کتاب خود شادت ویتنی ہے کہ وہ بڑے پایہ کا مصنف ہے، چونکہ اس کو دولت عباییہ کے دربار سے تعلق تھا۔ اس نے تاریخ کا اچھا سروایہ بھی پہنچا سکا ہے۔ اس کی کتاب جو "تاریخ یعقوبی" کے نام سے مشہور ہے، یورپ میں مقام لیٹن ۱۸۸۳ء عیسوی میں چھپا گئی ہے۔

احمد بن بیہی البلاذری المتفقی و ۷۸۰ھ بھری ابن سعد کا شاگرد اور المتكلی بالله عبایی کا درباری تھا۔ اس کی وسعت نظر اور صحت روایت محدثین کے گروہ میں بھی مسلم ہے تاریخ و رجال میں اس کی دو کتابیں مشہور ہیں۔ فتوح البلدان و انساب الاشراف، پہلی کتاب کا یہ طرز ہے کہ بلا اسلامیہ میں سے ہر ہر صوبہ یا ضلع کے نام سے الگ الگ عنوان قائم کئے ہیں۔ اور ان کے متعلق ابتدائی فتح سے اپنے عمر تک کے حالات لکھے ہیں۔ دوسری کتاب تذکرے کے طور پر ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات بھی ہیں۔ فتوح البلدان یورپ میں نہایت اہتمام کے ساتھ چھپی ہے اور انساب الاشراف کا قلمی نسخہ قسطنطینیہ میں نظر سے گزارا ہے۔ (یہ کتاب تقریباً دس اجزاء میں لیٹن ۱۸۸۳ء عیسوی میں یورپ میں چھپ چکی ہے)

۴۔ طبقات ابن سعد کا مکمل ۸ جلدیوں میں پہلے ۷ جلدیوں میں لیٹن ۱۸۸۳ء عیسوی میں طبع ہوئی پھر اس کے بعد ۵ جلدیوں میں بیووت میں طبع ہوئی ہے۔

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتفق مہر بھری یہ حدیث و فتنہ میں بھی امام بانے جاتے ہیں۔ چنانچہ ائمہ اربعہ کے ساتھ لوگوں نے ان کو مجتہدین کے زمیں شمار کیا ہے۔ تاریخ میں انہوں نے نہایت مفصل اور بسیط کتاب لکھی ہے جو ۳۴ ضعیم جلدیوں میں ہے اور یورپ میں بمقام لیڈن نہایت صحت اور اہتمام کے ساتھ پھیلی ہے۔

ابوالحسن علی بن حسین مسعودی المتفق ۸۲ سر بھری فن تاریخ کا امام ہے۔ اسلام میں آج تک اس کے برابر کوئی دیسی النظر مؤسخ پیدا نہیں ہوا۔ وہ دنیا کی اور قوموں کی تاریخ کا بھی بست بڑا ماہر تھا۔ اس کی تمام تاریخی کتابیں ملتیں توکی اور تصنیف کی حاجت نہ ہوتی۔ لیکن افسوس ہے کہ قوم کی بذاتی سے اکثر تصنیف ناپید ہو گئیں، یورپ نے بڑی تلاش سے دو کتابیں مہیا کیں، ایک "مروج الذہب" اور دوسری کتاب "الاشرف والتبیہ" "مروج الذہب" مصر میں بھی پھیلی گئی ہے۔

### متاخرین کا دور

یہ تصنیفات جس زمانے کی ہیں وہ قدماء کا دور کہلاتا ہے، پانچویں صدی کے آغاز سے متاخرین کا دور شروع ہوتا ہے، جو فن تاریخ کے تزلیل کا پہلا قدم ہے۔ متاخرین میں اگرچہ بیشمار مؤسخ گزرے جن میں سے ابن اثیر، معانی ذہبی، ابو الفدرا، نویری، سیوطی وغیرہ نے نہایت شہرت حاصل کی۔ لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں نے تاریخ کے ساتھ ساتھ من حيث الفن کوئی احسان نہیں کیا۔

### قدماء کی خصوصیتیں

قدماء کی جو خصوصیات تھیں، کھدوں اور خود کوئی نئی بات پیدا نہیں کی۔ مثلاً قدماء کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ ہر تصنیف نئی معلومات پر مشتمل ہوتی تھی۔ متاخرین نے یہ طرز اختیار کیا کہ کوئی قدیم تصنیف سامنے رکھی۔ اور بغیر اس کے کہ اس پر کچھ اضافہ کر سکیں۔ تغیری اور اختصار کے ساتھ اس کا قالب بدل دیا۔ تاریخ ابن الاشیر کو علامہ ابن خلکان نے من خیار التواریخ کہا ہے۔ اور حقیقت میں اس کی قبولیت عام نے قدیم تصنیفیں ناپید کر دیں۔ زمانہ کا اشتراک ہے ایک بات بھی اس میں طبی سے زیادہ نہیں مل سکتی، اسی طرح ابن الاشیر کے بعد جو لوگ پیدا ہوئے انہوں نے اپنی تصنیف کا مدار صرف ابن الاشیر پر رکھا۔ وہلم جرا

اس سے بڑھ کر یہ کہ متاخرین نے قدماء کی کتابوں کا جواختصار کیا۔ اس طرح کیا کہ جہاں جو بات چھوڑ دی وہی اس تمام واقعہ کی روح تھی۔ چنانچہ ہماری کتاب کے دوسرے حصے میں اس کی بہت سی مثالیں آئیں گی۔

قدماء میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ تمام واقعات کو حدیث کی طرح مسند متصل نقل کرتے تھے، متاخرین نے یہ التزام بالکل چھوڑ دیا۔ ایک اور خصوصیت قدماء میں یہ تھی کہ وہ اگرچہ کسی عمد کی معاشرت و تمدن پر جدا عنوان نہیں قائم کرتے تھے لیکن ضمناً ان جزئیات کو لکھ جاتے تھے جن سے تمدن و معاشرت کا کچھ کچھ پتہ چلتا تھا۔ متاخرین نے یہ خصوصیت بھی قائم نہ رکھی۔

لیکن اس عام نکتہ چینی میں ابن خلدون کا نام شامل نہیں ہے۔ اس نے فلسفہ تاریخ کا فن ایجاد کیا۔ اور اس پر نہ صرف متاخرین بلکہ مسلمانوں کی کل قوم ناز کر سکتی ہے۔ اسی طرح اس کا شاگرد علامہ مقریزی بھی نکتہ چینی کی بجائے مسح و ستائش کا مستحق ہے۔

بہر حال الفاروق کی تالیف کے لئے جو سرمایہ کام آسلکا تھا وہ یہی قدماء کی تقسیمات تھیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاریخ و تذکرے کے فن نے جو آج ترقی کی ہے اس کے لحاظ سے یہ بے بہار رہا نے بھی چند اس کا رہا نہیں، اس اجمال کی تفصیل سمجھنے کے لئے پہلے یہ جانا چاہئے کہ فن تاریخ کی ماہیت اور حقیقت کیا ہے۔

### تاریخ کی تعریف

تاریخ کی تعریف ایک بڑے مصنف نے یہ کی ہے کہ فطرت کے واقعات نے انسان کے حالات میں جو تغیرات پیدا کئے ہیں اور انسان نے عالم فطرت پر جواہر ڈالا ہے، ان دونوں کے مجموعہ کا نام تاریخ ہے۔ ایک اور حکیم نے یہ یہ تعریف کی ہے ان حالات اور واقعات... کا پتہ لگانا جن سے یہ دریافت ہو کہ موجودہ زمانہ گزشتہ زمانے سے کیونکر بطور نتیجہ کے پیدا ہو گیا ہے۔ یعنی چونکہ یہ مسلم ہے کہ آج دنیا میں جو تمدن، معاشرت، خیالات اور مذاہب موجود ہیں، سب گزشتہ واقعات کے نتائج ہیں جو خواہ خواہ ان سے پیدا ہونے چاہئے تھے۔ اس لئے ان گزشتہ واقعات کا پتہ لگانا اور ان کو اس طرح ترتیب دینا جس سے ظاہر ہو کہ موجودہ واقعہ گزشتہ واقعات سے کیونکر پیدا ہوا۔ اسی کا نام تاریخ ہے۔

## تاریخ کے لئے کیا کیا چیزیں لازم ہیں

ان تعریفات کی بناء پر تاریخ کے لئے دو باتیں لازم ہیں۔

ایک یہ کہ جس عمد کا حال لکھا جائے اس نامے کے ہر قسم کے واقعات قلم بند کئے جائیں، یعنی تمدن، معاشرت، اخلاق، عادات، نمہب، ہر چیز کے متعلق معلومات کا سرمایہ مہیا کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ تمام واقعات میں سبب اور مسبب کا سلسلہ تلاش کیا جائے۔

## قدمیم تاریخوں کے نقش اور ان کے اسباب

قدمیم تاریخوں میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں، رعایا کے اخلاق و عادات اور تمدن و معاشرت کا تو سرے سے ذکر ہی نہیں آتا، فرمانروائے وقت کے حالات ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں بھی فتوحات اور خانہ بنگیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ یہ نقش اسلامی تاریخوں تک ہی محدود نہیں بلکہ ایشیائی تاریخوں کا یہی انداز تھا اور ایسا ہونا مقتضائے انصاف تھا، ایشیا میں ہمیشہ شخصی سلطنتوں کا رواج رہا۔ اور فرمانروائے وقت کی عظمت و اقتدار کے آگے تمام چیزیں یقینی تھیں اس کا لازمی اثر یہ تھا کہ تاریخ کے صفوں میں شاہی عظمت و جلال کے سوا اور کسی چیز کا ذکر نہیں آیا۔ اور چونکہ اس نامے میں قانون اور قاعدہ جو کچھ تھا، باوشہ کی زبان تھی۔ اس نے سلطنت کے اصول اور آئین کا بیان کرنا بھی گویا بے فائدہ تھا۔

واقعات میں سلسلہ اسباب پر توجہ نہ کرنے کا بڑا سبب یہ ہوا کہ فن تاریخ ہمیشہ ان لوگوں کے ہاتھ میں رہا جو فلسفہ اور عقليات سے آشنا نہ تھے اس نے فلسفہ تاریخ کے اصول و مبنای کچھ پر ان کی نظر نہیں پڑ سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث و سیر میں روایات کا پلے ہمیشہ درایت سے بھاری رہا۔ بلکہ انصاف یہ ہے کہ درایت سے جس قدر کام لیا گیا نہ لئے جانے کے برابر تھا۔ آخر میں ابن خلدون نے فلسفہ تاریخ کی بنیاد ڈالی اور اس کے اصول و آئین منضبط کئے، لیکن اس کو صرف اس قدر فرصت نہ ملی کہ اپنی تاریخ میں ان اصولوں سے کام لے سکتا۔ اس کے بعد مسلمانوں میں علمی تنزل کا ایسا سلسلہ قائم رہا کہ کسی نے پھر اس طرف خیال بھی نہ کیا۔

ایک بڑا سبب جس کی وجہ سے تاریخ کا فن نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ تمام قوموں میں ناتمام رہا۔ یہ ہے کہ تاریخ میں جو واقعات بذریعہ کو رہتے ہیں ان کو مختلف فنون سے رابطہ ہوتا

ہے مثلاً لڑائی کے واقعات فن حرب سے انتظامی امور قانون سے اخلاقی تذکرے علم اخلاق سے تعلق رکھتے ہیں۔ مؤخر اگر ان تمام امور کا ماہر ہو تو واقعات کو علمی حیثیت سے دیکھ سکتا ہے۔ ورنہ اس کی نظری اصمم کی سرسری اور سطحی ہوگی۔ جیسی کہ اپک عالمی کی ہو سکتی ہے اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی عمدہ عمارت پر ایک ایسے واقعہ نگار انشاء پرداز کا گزر ہو جو انجینئری کے فن سے ناواقف ہے تو گوہ اس عمارت کا بیان ایسے دلکش پیرایہ میں کرے گا جس سے عمارت کی رفتار اور وسعت اور ظاہری حسن و خوبی کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے۔ لیکن اگر اس میں خاص انجینئری کے علمی اصول اور اس کی پاریکیاں ڈھونڈی جائیں تو نہ مل سکیں گی۔ یہی سبب ہے کہ تاریخوں میں حالات جنگ کے ہزاروں صفحے پڑھ کر بھی فن جنگ کے اصول پر کوئی معتقدہ اطلاع نہیں حاصل ہوتی۔

انتظامی امور کے ذکر میں قانونی حیثیت کا اسی وجہ سے پختہ نہیں لگتا کہ مؤخر خیں خود قانون دان نہ تھے، اگر خوش قسمتی سے تاریخ کافن ان لوگوں کے ہاتھ میں رہا ہوتا۔ جو تاریخ کے ساتھ فن جنگ، اصول قانون، اصول سیاست اور علم اخلاق سے بھی آشنا ہوتے تو آج یہ فن کماں سے کماں تک پنچا ہوتا۔

یہ بحث اس لفاظ سے تھی کہ قدمی تاریخوں میں تمام ضروری واقعات مذکور نہیں ہوتے اور جس قدر ہوتے ہیں ان میں اسباب و عمل کا سلسلہ نہیں ملتا، لیکن ان کے علاوہ ایک اور ضروری بحث ہے، وہ یہ کہ جو واقعات مذکور ہیں خود ان کی صحت پر کماں تک اعتبار ہو سکتا ہے۔

### واقعات کی صحت کا معیار

واقعات کے جانپنے کے صرف دو طریقے ہیں۔

روایت و درایت۔ روایت سے یہ مراد ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کے ذریعے سے بیان کیا جائے جو خود اس واقعہ میں موجود تھا۔ اور اس سے لے کر اخیر راوی تک روایت کا سلسلہ متصل بیان کیا جائے۔ اس کے ساتھ تمام راویوں کی نسبت تحقیق کیا جائے کہ وہ صحیح الروایہ اور ضابط تھی یا نہیں۔

درایت سے یہ مراد ہے کہ اصول عقلی سے واقعہ کی تنقید کی جائے۔

### روایت

اس امر پر مسلمان بے شبه غیر کر سکتے ہیں کہ روایت کے فن کے ساتھ انہوں نے جس

قد راعتانا کیا کسی قوم نے کبھی نہیں کیا تھا۔ انہوں نے ہر قسم کی روایتوں میں مسلسل سند کی جستجو کی اور راویوں کے حالات اس تفھص اور تلاش سے بھم پہنچائے کہ ان کو ایک مستقل فن بنادیا جو فن رجال کے نام سے مشہور ہے یہ توجہ اور اہتمام اگرچہ اصل میں احادیث نبوی کے لئے شروع ہوا تھا۔ لیکن فن تاریخ بھی اس نیفی سے محروم نہ رہا۔ طبری، "فتح البلدان" طبقات ابن سعد وغیرہ میں تمام واقعات۔ سند متصل نہ کوئی ہیں۔ یورپ نے فن تاریخ کو آج کمال کے درجہ پر پہنچا دیا ہے۔ لیکن اس خاص امر میں وہ مسلمان مؤرخوں سے بہت پیچھے ہیں۔ ان کو واقعہ نگار کے نقہ اور غیر نقہ ہونے کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ وہ جرح و تعلیل کے نام سے بھی آشنا نہیں۔

### درایت

درایت کے اصول بھی اگرچہ موجود تھے چنانچہ ابن خزم، ابن القیم، خطابی، ابن عبد البر نے متعدد روایتوں کی تنقید میں ان اصولوں سے کام لیا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ اس فن کو جس قدر ترقی ہوئی چاہئے تھی نہیں ہوئی۔ اور تاریخ میں تو اس سے بالکل کام نہیں لیا گیا، البتہ علامہ ابن خلدون نے جو آٹھویں صدی ہجری میں گزارا ہے جب فلسفۃ تاریخ کی بنیاد ڈالی تو درایت کے اصول نہایت نکتہ سمجھی اور باریک بینی کے ساتھ مرتب کئے چنانچہ اپنی کتاب کے دریافت میں لکھتا ہے۔

ان الأخبار إذا اعتمد فيها على مجرد النقل لم تحكم أصول  
العادة و قواعد السياسة طبيعة العمر إن والا حوال في  
الاجتماع الإنساني ولا قيس الغائب منها بالشاهد والحاضر  
بالذاهب فيها لم يؤمن فيها من العقول.

”یہ بحثوں میں اگر صرف روایت پر اعتبار کر لیا جائے اور عادت کے اصول اور سیاست کے قواعد اور انسانی سوسائٹی کے اقتضا کا لحاظ اچھی طرح نہ کیا جائے اور غائب کو حاضر پر، اور حال کو گزشتہ پر نہ قیاس کیا جائے تو اکثر لغزش ہو گی۔“

علامہ موصوف نے تصریح کی ہے کہ واقعہ کی تحقیق کے لئے راویوں کی جرح و تعلیل سے بحث نہیں کرنی چاہئے بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں۔ کیونکہ

اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو راوی کا عامل ہونا بیکار ہے۔ علامہ موصوف نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ موقوں میں امکان سے امکان عقلی مراد نہیں بلکہ اصول عادت اور قواعد تمدن کی رو سے ممکن ہونا مراد ہے۔

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ جو شخص قدیم تاریخوں کے متعلق بیان کئے گئے ان کی آج کہاں تک تلاذی کی جاسکتی ہے۔ یعنی ہم اپنی کتاب (الفاروق) میں کس حد تک اس کی کوپورا کر سکتے ہیں۔ اگرچہ یہ امر بالکل صحیح ہے کہ جو کتابیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں مستقل حیثیت سے لکھی گئی ہیں ان میں ہر قسم کے ضروری و اتعات نہیں ملتے لیکن اور قسم کی تصنیفوں سے ایک حد تک اس کی تلاذی ہو سکتی ہے۔ مثلاً "الاحکام السلطانية" لابن الورودی مقدمہ ابن خلدون و کتاب الخراج سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق حکومت اور آئین انتظام کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف الوریع سے خاص صیغہ و قضاۓ کے متعلق ان کا طریق معلوم ہوتا ہے کتاب الاولائل لابن هلال العسكري و محسن الوسائل الی الاخبار الاولائل میں ان کی اولیات کی تفصیل ہے۔ عقد الفرید و کتاب البیان والتبیین للجاحظ میں ان کے خطبے منقول ہیں۔ کتاب العمدۃ لابن رشیق القیرداني سے ان کا شاعرانہ مذاق معلوم ہوتا ہے میدانی کتاب الامثال میں ان کے حکیمانہ مقولے نقل کئے ہیں۔ ابن جوزی نے سیرۃ العرین میں ان کے اخلاق و عادات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں ان کے فقرہ اور اجتہاد پر اس مجتہدانہ طریقے سے بحث کی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ (ان تصنیفات میں سے کتاب الاولائل اور کتاب العمدۃ کا قلمی نسخہ میرے کتب خانہ میں موجود ہے سیرۃ العرین، اخبار القضاۃ اور محسن الوسائل کے نسخے قططہ نظریہ کے کتب خانہ میں موجود ہیں اور میں نے ان سے ضروری عبارتیں نقل کیلی تھیں۔ باقی کتابیں چھپ گئی ہیں۔ اور میرے پاس موجود ہیں)۔

یہ تمام تصنیفات میرے پیش نظر ہیں اور میں نے ان سے فائدہ اٹھایا ہے ریاض النصرۃ للحب الطبری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات تفصیل سے ملتے ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اسی کتاب کو اپنا مأخذ قرار دیا ہے لیکن اس میں نہایت کثرت سے موضوع اور ضعیف روایتیں مذکور ہیں۔ اس لئے میں نے وانتہ اس سے احتراز کیا۔

واتعات کی تحقیق و تنقید کے لئے درایت کے اصول سے بہت بڑی مدد مل سکتی ہے۔ درایت کافن ایک مستقل فن بن گیا ہے۔ اور اس کے اصول و قاعدے نہایت خوبی سے

منضبط ہو گئے ہیں۔ ان میں سے جو اصول ہمارے کام آسکتے ہیں حسب ذیل ہیں۔

- ۱ واقعہ کو رہ اصول عادت کی رو سے ممکن ہے یا نہیں؟
- ۲ اس زمانے میں لوگوں کا میلان عام واقعہ کے خلاف تھایا موافق؟
- ۳ واقعہ اگر کسی حد تک غیر معمولی ہے تو اسی نسبت سے ثبوت کی شادادت زیادہ قوی ہے یا نہیں؟
- ۴ اس امر کی تفییش کہ راوی جس چیز کو واقعہ ظاہر کرتا ہے اس میں اس کی قیاس و رائے کا کس قدر حصہ شامل ہے؟
- ۵ راوی نے واقعہ کو جس صورت میں ظاہر کیا وہ واقعہ کی پوری تصویر ہے یا اس امر کا اختال ہے کہ راوی اس کے ہر پہلو پر نظر نہیں ڈال سکا۔ اور واقعہ کی تمام خصوصیتیں نظر میں نہ آسکیں۔
- ۶ اس بات کا اندازہ کہ زمانے کے امتداد اور مختلف راویوں کے طریقہ ادا نے روایت میں کیا کیا اور کس کس قسم کے تغیرات پیدا کر دیتے ہیں۔

ان اصولوں کی صحت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا اور ان کے ذریعے سے بہت سے مخفی راز معلوم ہو سکتے ہیں۔ مثلاً آج جس قدر تاریخیں متداول ہیں، ان میں غیر قوموں کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نہایت سخت احکام منقول ہیں۔ لیکن جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ یہ اس زمانے کی تصنیفیں ہیں جب اسلامی گروہ میں تعصب کا مذاق پیدا ہو گیا تھا اور اسی کے ساتھ قدم نما نہ کی تصنیفات پر نظر ڈالی جائے جن میں اس قسم کے واقعات بالکل نہیں یا بہت کم ہیں۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر تعصب آتا گیا اسی قدر روایتیں خود بخود تعصب کے سانچے میں ڈھلتی گئی ہیں۔

### اصول درایت سے جن امور کا پتہ لگ سکتا ہے

تمام تاریخوں میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا کہ عیسائی کسی وقت اور کبھی ناقوس نہ بجائے پائیں۔ لیکن قدیم کتابوں (کتاب الخراج طبری وغیرہ) میں اصول درایت سے جن امور کا پتہ لگ سکتا ہے یہ روایت اس قید کے ساتھ منقول ہے کہ جس وقت مسلمان نماز پڑھتے ہوں اس وقت عیسائی ناقوس نہ بجائیں ابن الاشیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا کہ قبیلہ تغلب کے عیسائی اپنے بچوں کو

اصطباغ نہ دینے پائیں۔ لیکن یہی روایت تاریخ طبری میں ان الفاظ سے مذکور ہے کہ ”جو لوگ اسلام قبول کرچکے ہو ان کے پھون کو زبردستی اصطباغ نہ دیا جائے۔“

یا مثلاً بستی تاریخوں میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحقیر و تذلیل کے لئے عیسائیوں کو خاص لباس پر مجبور کیا تھا۔ لیکن زیادہ تر تدقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ صرف اس قدر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عیسائیوں کو ایک خاص لباس اختیار کرنے کی ہدایت کی تھی۔ تحقیر کا خیال راوی کا قیاس ہے۔ چنانچہ اس کی مفصل بحث آگے آئے گی۔

یا مثلاً وہ روایتیں جو تاریخی ہونے کے ساتھ مذہبی حیثیت بھی رکھتی ہیں۔ ان میں یہ خصوصیت صاف محسوس ہوتی ہے کہ جس قدر ان میں تنقید ہوتی گئی ہے اسی قدر مشتبہ اور مشکوک باتیں کم ہوتی گئی ہیں۔ فدک، قرطاس، سقیفہ بنی ساعدة کے وقایت ابن عساکر، ابن سعد، یہقی، مسلم، بخاری سب نے نقل کئے ہیں۔ لیکن جس قدر ان بزرگوں کے اصول اور شدت احتیاط میں فرق مراتب ہے اسی نسبت سے روایتوں میں مشتبہ اور نزاع انگیز الفاظ کم ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ خود مسلم و بخاری میں فرق مراتب کا یہ اثر موجود ہے۔ چنانچہ اس کا بیان ایک مناسب موقع پر تفصیل سے آئے گا۔

ان ہی اصول عقلی کی بناء پر مختلف قسم کے واقعات میں صحت و اعتبار کے مدارج بھی مختلف قائم کرنے ہوں گے۔ مثلاً یہ مسلم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے واقعات سوبرس کے بعد تحریر میں آئے اس بناء پر یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ معزکوں اور لڑائیوں کی نہایت جزئی تفصیلیں مثلاً صاف آرائی کی کیفیت فریقین کے سوال و جواب، ایک ایک بہادر کی معزکہ آرائی، پہلوانوں کے داؤ پچ اس قسم کی جزئیات کی تفصیل کا رتبہ یقین تک نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن انتظامی امور اور قواعد حکومت چونکہ مدت تک محسوس صورت میں موجود رہے اس لئے ان کی نسبت جو واقعات منقول ہیں وہ بے شبه یقین کے لائق ہیں۔ اکبر نے ہندوستان میں جو آئیں اوز قاعده جاری کئے ایک ایک بچہ ان سے واقف ہے۔ اور ان کی نسبت شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ جس کی یہ وجہ نہیں کہ حدیث کی طرح اس کے لئے قطعی روایتیں موجود ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ انتظامات مدت تک قائم رہے اور اکبر کے نام سے ان کو شریت تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبے اور حکمت آمیز منقولے جو منقول ہیں ان کی نسبت یہ قیاس کرنا چاہئے کہ جو فقرے زیادہ تر پراثر اور فصح و بلیغ ہیں وہ ضرور صحیح ہیں۔ کیونکہ

ایک فصح مقرر کے وہ فقرے ضرور محفوظ رہ جاتے ہیں اور ان کا مدت تک چرچا رہتا ہے، جن میں کوئی خاص قدرت اور اثر ہوتا ہے۔ اسی طرح خطبوں کے وہ جملے ضرور قابل اعتماد ہیں جن میں احکام شرعیہ کا بیان ہے۔ کیونکہ اس قسم کی باقی کو لوگ فقہ کی حیثیت سے محفوظ رکھتے ہیں۔

جو واقعات اس زمانے کے مذاق کے لحاظ سے چند اس قابل ذکر نہ تھے اور باوجود اس کے ان کا ذکر آجاتا ہے۔ ان کی نسبت سمجھنا چاہئے کہ اصل واقعہ اس سے زیادہ ہو گا۔ مثلاً ہمارے مورخین رزم برم کی معرکہ آرائیوں اور رنگینیوں کے مقابلے میں انتظامی امور کے بیان کرنے کے بالکل عادی نہیں ہیں با ایں ہمہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں عدالت، پولیس، بندوبست، مردم شماری وغیرہ کا ضمناً جو ذکر آجاتا ہے اس کی نسبت یہ خیال کرنا چاہئے کہ جس قدر قلمبند ہوا اس سے بہت زیادہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زہدو تقشُف، سخت مزاجی اور سخت گیری کی نسبت سینکڑوں روایتیں مذکور ہیں۔ اور بے شبه اور صحابہ کی نسبت یہ اوصاف ان میں زیادہ تھے لیکن اس کے متعلق تمام روایتوں کو صحیح نہیں خیال کرنا چاہئے۔ جو حلیۃ الاولیاء ابن عساکر، کنز العمال، ریاض النصرۃ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ چونکہ اس قسم کی روایتیں عموماً گرمی محفل کا سبب ہوتی تھیں۔ اور عوام ان کو نہایت ذوق سے سنتے تھے اس لئے خود بخود ان میں مبالغہ کارنگ آتا گیا ہے۔ اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ جو کتابیں زیادہ مستند اور معتبر ہیں ان میں یہ روایتیں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ اسی لئے میں نے اس قسم کی جو روایتیں اپنی کتاب میں نقل کی ہیں ان میں بڑی احتیاط کی ہے۔ اور ریاض النصرۃ وابن عساکر و حلیۃ الاولیاء وغیرہ کی روایتوں کو بالکل نظر انداز کیا ہے۔

آخر میں طرز تحریر کے متعلق کچھ لکھنا بھی ضروری ہے۔ آج کل کی اعلیٰ درجہ کی تاریخیں جنہوں نے قبول عام حاصل کیا ہے۔ فلفہ اور انشاع پردازی سے مرکب ہیں۔ اور اس طرز سے بہٹھ کر اور کوئی طرز مقبول عام نہیں ہو سکتا۔ لیکن درحقیقت تاریخ اور انشاع پردازی کی خدیں بالکل جدا ہیں ان دونوں میں جو فرق ہے وہ نقشہ اور تصویر کے فرق سے مشابہ ہے۔ نقشہ کھینچنے والے کا یہ کام ہے کسی حصہ زمین کا نقشہ کھینچے تو نہایت دیدہ ریزی کے ساتھ اسی کی ہیئت، شکل، سمت، جست، اطراف، اضلاع ایک ایک چیز کا احاطہ کرے۔ بخلاف اس کے مصور صرف ان خصوصیتوں کو لے گا یا ان کو زیادہ نمایاں صورت میں دکھلائے گا جن میں

کوئی خاص ابجودگی ہے اور جن سے انسان کی قوت منفعت پر اثر پڑتا ہے مثلاً رستم و سراب کی داستان کو ایک مؤخر لکھے گا تو سادہ طور پر واقعہ کی تمام جزئیات بیان کروے گا۔ لیکن ایک انشاء پر وازان جزئیات کو اس طرح ادا کرے گا کہ سراب کی مظلومی و نیکی اور رستم کی نذامت و حسرت کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے اور واقعہ کے دیگر جزئیات باوجود سامنے ہونے سے نظر نہ آئیں۔

مؤخر کا اصلی فرض یہ ہے کہ وہ سارا واقعہ نگاری کی حد سے تجاوز نہ کرنے پائے۔ یورپ میں آجکل جو بڑا مؤخر گذر رہا ہے اور جو طرز حال کا موجود ہے رہنگی ہے، اس کی تعریف ایک پروفیسر نے ان الفاظ میں کی ہے۔

”اس نے تاریخ میں شاعری سے کام نہیں لیا۔ وہ نہ ملک کا ہدروینانہ  
نمہب اور قوم کا طرفدار ہوا۔ کسی واقعہ کے بیان کرنے میں مطلق پتہ  
نہیں لگتا کہ وہ کن باتوں سے خوش ہوتا ہے اور اس کا ذاتی اعتقاد  
کیا ہے۔“

یہ امر بھی جدار بنا ضروری ہے کہ اگرچہ میں نے واقعات میں اسباب و عمل کے سلسلے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس باب میں یورپ کی بے اعتدالی سے احتراز کیا ہے۔ اسباب و عمل کے سلسلے پیدا کرنے کے لیے اکثر جگہ قیاس سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس لئے مؤخر کو اجتہاد اور قیاس سے چارہ نہیں۔ لیکن یہ اس کالازی فرض ہے کہ وہ قیاس اور اجتہاد کو واقعہ میں اس قدر مخلوط کروے کہ کوئی شخص دونوں کو الگ کرنا چاہے تو نہ کر سکے۔ اہل یورپ کا عام طرز یہ ہے کہ وہ واقعہ کو اپنے اجتہاد کے موافق کرنے کیلئے الیتی ترتیب اور انداز سے لکھتے ہیں کہ وہ واقعہ بالکل ان کے اجتہاد کے قالب میں ڈھل جاتا ہے اور کوئی شخص قیاس اور اجتہاد کو واقعہ سے الگ نہیں کر سکتا۔

اس کتاب کی ترتیب اور اصول تحریر کے متعلق چند امور لاحاظ رکھنے کے قابل ہیں۔

① بعض واقعات مختلف حیثیتیں رکھتے ہیں اور مختلف عنوانوں کے تحت میں آسکتے ہیں۔ اس لئے اس قسم کے واقعات کتاب میں مکرر آگئے ہیں اور ایسا ہونا ضروری تھا۔ لیکن یہ التزام رکھا گیا ہے کہ جس خاص عنوان کے نیچے وہ واقعہ لکھا گیا ہے وہاں اس عنوان کی حیثیت زیادہ تر دکھائی گئی ہے۔

② کتابوں کا حوالہ زیادہ تر انہیں واقعات میں دیا گیا ہے جو کسی حیثیت سے قابل تحقیق

تھے اور کوئی خصوصیت خاص رکھتے تھے

③ جو کتابیں روایت کی حیثیت سے کم رتبہ مثلاً ازالۃ الحفاء و ریاض النفرة وغیرہ ان کا جمال حوالہ دیا ہے اس بناء پر دیا ہے کہ خاص ایسی روایت کی تصدیق اور معتبر کتابوں سے کرنی گئی ہے۔ غرض کئی برس کی سعی و مخت اور تلاش و تحقیق کا جو نتیجہ ہے وہ قوم کے سامنے ہے۔

من کہ یک چند نوم مر خوش بر لب  
 کس چہ داند کہ دریں پڑہ چہ سوا کرم  
 پیکرے تانہ کہ خواہم بہ عزیزاں بخوبو  
 لختے انزوں خوش نیز تماشا کرم  
 محفل ازیادہ دو شیش نیا سودہ ہنوز  
 بادہ تدرتا دوش بہ بینا کرم  
 باز خواہم کہ دم درتن اندیشہ رواں  
 من کہ دریوزہ فیض ازدم عیسیٰ کرم  
 ہمیں نکتہ حکمت ز شریعت می جست  
 لختے از نخڈ روح القدس الہا کرم  
 شاہد راز کہ کس پڑہ ز رویش گرفت  
 گرہ از بند قبایش ہے فیوں وا کرم!  
 بکہ ہر بار گھر بار گذشم زین راہ  
 دشت معنی ہمہ پر لولوے ولا له کرم

## نام و نسب سے رشد و تربیت

سلسلہ نسب یہ ہے عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیز بن رباح بن عبد اللہ بن قرط  
بن زرائے بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔

اہل عرب عموماً عدنان یا قحطان کی اولاد ہیں عدنان کا سلسلہ حضرت اسماعیل علیہ السلام  
تک پہنچتا ہے، عدنان کے نیچے گیارہویں پشت میں فہر بن مالک بڑے صاحب اقتدار تھے ان  
ہی کی اولاد ہے جو قریش کے لقب سے مشہور ہے قریش کی نسل میں سے دس شخصوں نے  
اپنے نور لیاقت سے بڑا امتیاز حاصل کیا، اور ان کے انتساب سے دس جدا نامور قبیلے بن گئے  
یعنی ہاشم، امية، نوبل، عبد الدار، اسد، تم، مخزوم، عدی، مجع، محج، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
عدی کی اولاد سے ہیں، عدی کے دوسرے بھائی مرّہ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے  
اجداد سے ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلسلہ نسب رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم سے آٹھویں پشت میں جا کر مل جاتا ہے۔ قریش چونکہ خانہ کعبہ کے مجاور بھی تھے  
اس لئے دنیاوی جاہ و جلال کے ساتھ مذہبی عظمت کا چھتر بھی ان پر سایہ افگن تھا۔ تعلقات کی  
و سعت اور کام کے پھیلاؤ سے ان لوگوں کے کاروبار کے مختلف صنیفے پیدا ہو گئے تھے اور ہر  
صنیفے کا اہتمام جدا تھا۔ مثلاً خانہ کعبہ کی نگرانی، مجاج کی خبر گیری، سفارت، شیوخ قبائل کا  
انتخاب، فصل مقدمات، مجلس شورا وغیرہ وغیرہ، عدی جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے  
جد اعلیٰ تھے ان صینوں میں سفارت کے صنیفے کے افراد تھے یعنی قریش کو کسی قبیلے کے ساتھ  
کوئی معاملہ پیش آتا تو یہ سفیر بن کر جایا کرتے۔ اس کے ساتھ مناقرہ کے معروکوں میں ثالث  
بھی ہوا کرتے تھے عرب میں دستور تھا کہ برا بر کے دور میسوں میں سے کسی کو افضلیت کا  
دعویٰ ہوتا تو ایک لاکھ اور پانچ شناس ہالث مقرر کیا جاتا۔ اور دونوں اس کے سامنے اپنی اپنی  
ترجم کے دلائل بیان کرتے تھیں کبھی کبھی ان جھگٹوں کو اس قدر طول ہوتا کہ میینوں معمر کے قائم  
رہتے، جو لوگ ان معروکوں میں حکم مقرر کئے جاتے ان میں معاملہ فہمی کے علاوہ فضاحت اور  
زور تقریر کا جو ہر بھی در کار ہوتا یہ دونوں منصب عدی کے خاندان میں نسل بعد نسل چلے آتے

تھے

۱۔ یہ تمام تفصیل عقد الفرد باب فضائل عرب میں ہے۔

## حضرت عمر بن الخطاب کے جید امجد

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دادا نفیل بن عبد العزیز نے اپنے اسلاف کی طرح ان خدمتوں کو نہایت قبلیت سے انجام دیا، اور اس وجہ سے بڑے عالی رتبہ لوگوں کے مقدمات ان کے پاس فیصلہ کرنے کے لئے آتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد عبدالمطلب اور حرب بن امیہ میں جب ریاست کے دعویٰ پر زدای ہوئی تو دونوں نے نفیل ہی کو حکم مانا۔ نفیل نے عبدالمطلب کے حق میں فیصلہ کیا۔ اور اس وقت حرب کی طرف مخاطب ہو کر یہ جملے کہے

اتنا فرو جلاً هو اطول منك قامةً واسم وسامٌ واعظم منك  
هامةً واكثر منك ولذاً او جزل منك مقدماً اواني لا اقول هذا  
وانك لبعيد الغضب رفع الصوت في العرب جلد العريقة  
لعبد العشيرة۔

## حضرت عمر بن الخطاب کے برادر عم زاد

نفیل کے دو بیٹے تھے عمرو و خطاب عمرو معمولی لیاقت کے آؤ تھے لیکن ان کے بیٹے زید جو نفیل کے پوتے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چیازار بھائی تھے نہایت اعلیٰ درجہ کے شخص تھے وہ ان ممتاز بزرگوں میں تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اپنے اجتہاد سے بت پرسی کو ترک کر دیا تھا۔ اور موحد بن گنے تھے ان میں کہ زید کے سواباقیوں کے یہ نام ہیں۔ قیس بن ساعہ و رقر بن نوبل۔

زید بت پرسی اور رسوم جاہلیت کو علانیہ برائی تھے اور لوگوں کو دین ابراہیمی کی ترغیب دلاتے تھے اس پر تمام لوگ ان کے دشمن ہو گئے جن میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد خطاب سب سے زیادہ سرگرم تھے۔ خطاب نے اس قدر ان کو شنگ کیا کہ وہ آخر مجبور ہو کر مکہ معظمه سے نکل گئے اور حراء میں جا رہے تاہم کبھی کبھی چھپ کر کعبہ کی زیارت کو آتے زید کے اشعار آج بھی موجود ہیں۔ جن سے ان کے اجتہاد اور روشن ضمیری کا اندازہ ہو سکتا ہے دو شعر یہ ہیں۔

أَرْبَّاً وَاحِدًا أَمْ الْفَ رَبْ

ادن اذا تقسم الامور

تركت الالات والعزى جميعاً

كذلك يفعل الرجل البصير

ایک خدا کو مانو یا ہزاروں کو؟ جبکہ امور تقسیم ہو گئے میں نے لات  
اور عزی (بتول کے نام تھے) سب کو خیر باد کیا اور سمجھدار آدمی ایسا  
ہی کرتا ہے۔

### حضرت عمر بن الخطاب کے والد خطاب

خطاب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد قریش کے متاز آدمیوں میں سے  
تھے۔ قبیلہ عدی اور بنو عبد الشمس میں مدت سے عداوت چلی آتی تھی اور چونکہ بنو  
عبد الشمس کا خاندان بردا تھا، اس لئے غلبہ انہیں کو رتا تھا، عدی کے تمام خاندان نے جس میں  
خطاب بھی شامل تھے مجبور ہو کر سُم کے دامن میں پناہ لی، اس پر بھی مخالفوں نے لڑائی کی  
و حسم کی دی تو خطاب نے یہ اشعار کے

ایو عد نی ایو عمر وودونی

رجال لا ینهنها الوعید

رجال من بني سهم لن عمرو

الی ایا تمہ یاوی الطربید

کل آٹھ شعر ہیں اور علامہ ارنقی نے تاریخ مکہ میں ان کو تبماہہ نقل کیا ہے، عدی  
کا تمام خاندان مکہ مظہر میں مقام صفا میں سکونت رکھتا تھا۔ لیکن جب انہوں نے بنو سُم سے  
تعلق پیدا کیا تو مکانات بھی انہی کے ہاتھ پیچ ڈالنے لیکن خطاب کے متعدد مکانات صفا میں  
باقی رہے جن میں سے ایک مکان حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رواشت میں پہنچا تھا۔ یہ مکان  
صفا اور مروہ کے پیچ میں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ڈھا کر  
حاجیوں کو اترنے کے لئے میدان بنایا۔ لیکن اس کے متعلق بعض دو کانیں مدت تک حضرت  
عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان کے قبضے میں رہیں۔ خطاب نے متعدد شاہراہیاں اونچے  
گھر انوں میں کیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماں کا نام ختمہ تھا، ابن ہشام بن  
المغيرة کی بیٹی تھیں، مغيرة اس رتبہ کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی سے لڑنے کے لئے جاتے

تھے تو فوج کا اہتمام انہی کے متعلق ہوتا تھا۔ اسی مناسبت سے ان کو صاحب الاعنہ کا لقب حاصل تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہی کے پوتے تھے۔ مغیو کے بیٹے ہشام بھی جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ناتا تھے۔ ایک متاز آدمی تھے۔

### حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور روایات کے مطابق، بحیرت نبوی سے ۳۰ برس قبل پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت اور بچپن کے حالات بالکل نامعلوم ہیں۔ حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں عمرو بن عاصی کی زبانی ایک روایت نقل کی ہے۔ کہ میں چند احباب کے ساتھ ایک جلسہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ دفعہ ایک غل اٹھا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ خطاب کہ گھر بیٹا پیدا ہوا ہے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیدا ہونے پر غیر معمولی خوشی کی گئی تھی۔ ان کے سن رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں اور کیونکہ معلوم ہوتے اس وقت کس کو خیال تھا کہ یہ جوان آگے چل کر فاروق اعظم ہونے والا ہے تاہم نہایت تفہیص اور تلاش سے کچھ کچھ حالات بہم پہنچے جن کا نقل کرنا ناموزوں نہ ہو گا۔

### سن رشد

سن رشد کو پہنچ کر ان کے باپ خطاب نے ان کو جو خدمت سپرد کی وہ اونٹوں کو چڑانا تھا۔ یہ شغل اگرچہ عرب میں معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ قومی شعار تھا لیکن خطاب نہایت بے رحمی کے ساتھ ان سے سلوک کرتے تمام تمام دن اونٹ چرانے کا کام لیتے اور جب کبھی تحک کر دم لینا چاہتے تو سزادیتے۔ جس میدان میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ مصیبت انگیز خدمات انجام دینی پڑتی تھی۔ اسکا نام فجحان تھا۔ جو مکہ معظمه کے قریب تدید سے مہر میل کے فاصلہ پر ہے۔ خلافت کے زمانے میں ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادھر سے گذر ہوا تو ان کو نہایت عبرت ہوئی۔ آبیدیہ ہو کر فرمایا کہ اللہ اکبر ایک وہ زمانہ تھا کہ میں نہ کہ کر کر پہنچے ہوئے اونٹ چرایا کرتا تھا اور تحک کر بیٹھ جاتا تو بیاپ کے ہاتھ سے مار کھاتا۔

آج یہ دن ہے کہ خدا کے سوا میرے اور کوئی حاکم نہیں۔ (طبقات ابن سعد)

شباب کا آغاز ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان شرفانہ مشغلوں میں مشغول ہوئے جو شرافتی عرب میں عموماً معمول تھے، عرب میں اس وقت جن چیزوں کی تعلیم دی جاتی تھی اور جو لازمہ شرافت خیال کی جاتی تھیں، نسب دانی، سپہ گری، پسلوانی اور مقرری تھی،

نسب دانی کافن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان میں موروثی چلا آتا تھا، جاخط نے کتاب الہیان والشیعین میں بصریح لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے باپ اور دادا نفیل تینوں بڑے نسباء تھے، غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان میں جیسا کہ ہم ابھی لکھ آئے ہیں سفارت اور منافرۃ یہ دونوں منصب موروثی چلے آتے تھے اور ان کے انجام دینے کے لئے انساب کا جاننا سب سے مقدم امر تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انساب کافن اپنے باپ سے سیکھا۔ جاخط نے بصریح کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب انساب کے متعلق کچھ بیان کرتے تھے تو ہمیشہ اپنے باپ خطاب کا حوالہ دیتے تھے۔

پہلوانی اور کشتی کے فن میں بھی کمال حاصل تھا، یہاں تک کہ عکاظ کے دنگل میں معرکے کی گشتوں لڑتے تھے، عکاظ جبل عرفات کے پاس ایک مقام تھا جہاں سال کے سال اس غرض سے میلہ لگتا تھا کہ عرب کے تمام اہل فن جمع ہو کر اپنے کمالات کے جو ہر دکھاتے تھے اس لئے وہی لوگ یہاں پیش ہو سکتے تھے جو کسی فن میں کمال رکھتے تھے نابغہ، نبیانی، حسان بن ثابت، قیس بن ساعدة، خباء جن کوشاعری اور ملکہ، تقریر میں تمام عرب مانتا تھا، اسی تعلیم گاہ کے تعلیم یافتہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت علامہ بلاذری لے کتاب الاشراف میں بہ سند روایت نقل کی ہے کہ عکاظ کے دنگل میں کشتی لڑاکرتے تھے اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فن میں پورا کمال حاصل کیا تھا۔

شہسواری کی نسبت ان کا کمال عموماً مسلم ہے چنانچہ جاخط نے لکھا ہے کہ وہ گھوڑے پر اچھل کر سوار ہوتے تھے اور اس طرح جم کر بیٹھتے تھے کہ جلدیدن ہو جاتے تھے قوت تقریر کی نسبت اگرچہ کوئی مصروف شہادت موجود نہیں لیکن یہ امر تمام مورخین نے باافقاً لکھا ہے کہ اسلام لانے سے پہلے قریش نے ان کو سفارت کا منصب دے دیا تھا۔ اور یہ منصب صرف اس شخص کو مل سکتا تھا جو قوت تقریر اور معاملہ فتحی میں کمال رکھتا تھا۔

اس کتاب کے دوسرے حصے میں ہم نے اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شاعری کا نہایت عمدہ مذاق رکھتے تھے اور تمام مشور شعراء کے چیدہ اشعار ان کو یاد تھے اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ یہ مذاق انہوں نے جاہلیت میں ہی عکاظ کی تعلیم گاہ میں حاصل کیا ہو گا۔ کیونکہ اسلام لانے کے بعد وہ مذہبی اشغال میں ایسے محو ہو گئے

تھے کہ اس قسم کے چرچے بھی چند اس پسند نہیں کرتے تھے۔ اسی زمانے میں انہوں نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا۔ اور یہ وہ خصوصیت تھی جو اس زمانے میں بت کم لوگوں کو حاصل تھی، علامہ بلاذری نے بہ سند لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علی وسلم مبعوث ہوئے تو قریش کے تمام قبیلے میں کام آدمی تھے جو لکھنا جانتے تھے، ان میں ایک عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ (فتح البلد ان بلاذری صفحہ ۲)

ان فنون سے فارغ ہو کروہ فگر معاش میں مصروف ہوئے، عرب میں معاش کا ذریعہ زیادہ تر تجارت تھا، اس لئے انہوں نے بھی یہی شغل اختیار کیا۔ اور یہی شغل ان کی بہت بڑی ترقیوں کا سبب ہوا، وہ تجارت کی غرض سے دور دور ملکوں میں جاتے تھے اور بڑے بڑے لوگوں سے ملتے تھے، خوداری، بلند حوصلگی، تجربہ کاری، معاملہ دانی، یہ تمام اوصاف جوان میں اسلام لانے سے قبل پیدا ہو گئے تھے، سب انہی سفروں کی بدولت تھے، ان سفروں کے حالات اگرچہ نہایت دلچسپ اور نتیجہ خیز ہوں گے لیکن افسوس ہے کہ کسی مؤرخ نے ان پر توجہ نہیں کی۔ علامہ سعودی نے اپنی مشہور کتاب موجودۃ الذہب میں صرف اس قدر لکھا ہے کہ :

ولعمربن الخطاب اخبار کثیر فی اسفارہ فی العجاهلیة الی الشام

والعراق مع کثیر من ملوک العرب والمعجم وقد اذینا علی

مبسوطہ فی کتابنا اخبار الزمان والكتب الاوسط

”عمر بن خطاب نے جاہلیت کے زمانے میں عراق اور شام کے جو سفر کئے ان سفروں میں جس طرح وہ عرب و عجم کے بادشاہوں سے ملنے اس کے متعلق بہت سے واقعات ہیں جن کو میں نے تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب اخبار الزمان اور کتاب الاوسط میں لکھا ہے۔“

علامہ موصوف نے جن کتابوں کا حوالہ دیا اگرچہ وہ فن تاریخ کی جان ہیں۔ لیکن قوم کی بدمذائقی سے مدت ہوئی ناپید ہو چکیں، میں نے صرف اس غرض سے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان حالات کا پتہ لگ سکے قسطنطینیہ کے تمام کتب خانے چھان مارے۔ لیکن کچھ کامیابی نہ ہوئی۔

محمد بن عساکر نے تاریخ دمشق میں جس کی بعض جلدیں میری نگاہ سے گذریں ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سفر کے بعض واقعات لکھے ہیں۔ لیکن ان میں کوئی دلچسپی نہیں۔

مختصریہ کے عکاظ کے معزکوں اور تجارت کے تجویں نے ان کو تمام عرب میں روشناس کرونا اور لوگوں پر ان کی قابلیت کے جو ہر روز بروز کھلتے گئے یہاں تک کہ قریش نے ان کو سفارت کے منصب پر مامور کروایا۔ قبائل میں جب کوئی پر خطر معاملہ پیش آتا تو انہی کو سفیر بنانے کا صحیح تھا۔

## قبول اسلام اور هجرت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ستائیسواں سال تھا کہ عرب میں آفتاب رسالت ظلوغ ہوا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعث ہوئے اور اسلام کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھرانے میں زید کی وجہ سے توحید کی آواز بالکل ناموس نہیں رہی تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعید اسلام لائے۔ سعید کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی فاطمہ سے ہوا تھا۔ اس تعلق سے فاطمہ بھی مسلمان ہو گئیں اسی خاندان میں ایک اور معزز شخص نعیم بن عبد اللہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی تک اسلام سے بیگانہ تھے ان کے کانوں میں جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے۔ یہاں تک کہ قبیلے میں جو لوگ اسلام لاچکے تھے ان کے دشمن بن گئے لہینہ ان کے خاندان میں ایک کنیز تھی جس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کو بے تحاشہ مارتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے ذرا دم لے لوں تو پھر ماروں گا۔ لہینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا تھا زد و کوب سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ لیکن اسلام کا نشر ایسا تھا کہ جس کو چڑھ جاتا تھا اتر تھا، ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بدل نہ کر سکے۔ آخر مجبور ہو کر فیصلہ کیا کہ (فعوزی اللہ) خود بانی اسلام کا قصہ پاک کر دیں، تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے کارکنان قضاۓ کے مارے۔

آمد آں یارے کہ ماہی خواستیم

راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبد اللہ مل گئے۔ ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر تھا؟ بولے کہ ”نہج کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں“۔ انہوں نے کہا کہ ”پہلے اپنے گھر کی خبر لو، خود تمہاری بیٹی اور بہنوئی اسلام لاچکے ہیں۔“ فوراً پہنچے اور بیٹی کے ہاں پہنچے وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں۔ اور قرآن کے اجزاء چھپائے تھے لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑھ چکی تھی۔ بیٹی سے پوچھا کہ یہ کیا آواز تھی۔ بیٹی نے کہا کہ کچھ نہیں۔ بولے کہ نہیں میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گردان ہو گئے اور جب ان کی بیٹی بچانے کو آئیں تو ان کی بھی خبری۔ یہاں تک کہ ان کا بدن ٹھوٹھا ہو گیا۔ اسی حالت میں

ان کی زبان سے نکلا کہ ”عمر! جو بن آئے کرو۔ لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا۔“ ان الفاظ نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل پر خاص اثر کیا۔ بن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا۔ ان کے بدن سے خون جاری تھا۔ یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی فرمایا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ۔ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قرآن کے اجزاء لاکر سامنے رکھ دیئے۔ اٹھا کر دیکھا تو یہ سورۃ تھی۔

سبح لله مافي السموات والارض وهو العزيز الحكيم۔

ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے امنوا  
بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ توبے اختیار پکارا ٹھے کہ  
اشهدان لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللّٰهِ۔

یہ وہ نہانہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارقم کے مکان میں جو کوہ صفا کی تلی میں واقع تھا پناہ گزین تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بیٹھ گئے تھے۔ اور اس تانہ واقعہ کی کسی کو اطلاع نہ تھی اس لئے صحابہ کو تردد ہوا۔ لیکن حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آنے دو۔ مخلصانہ آیا ہے۔ تو بترورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا ”کیوں عمر کس ارادہ سے آیا ہے؟“ نبوت کی پر رعب آواز نے ان کو کپکپایا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کیا کہ ”ایمان لانے کے لئے“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے ساختہ اللہ اکبر پکارا ٹھے اور ساتھ ہی تمام اصحاب نے مل کر نزور سے اللہ اکبر کا نعرومارا کہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

(ذاب الاعراف بلاذری و طبقات ابن سعد و اسد الغابہ ابن عساکر و کامل ابن الاشر)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان لانے نے اسلام کی تاریخ میں نیا دور پیدا کر دیا۔ اس وقت تک ۴۰۵ھ آدمی اسلام لاچکے تھے۔ عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہ سید الشہداء نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ تاہم اپنے مذہبی فرائض علانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے۔ اور کعبہ میں تو نماز پڑھنا بالکل ناممکن تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام کے ساتھ دفعہ یہی حالت بدل گئی۔ انہوں نے اپنا اسلام ظاہر کیا کافروں نے اول اول ان پر بڑی شدت کی۔ لیکن وہ برابر ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی۔ ابن ہشام نے اس واقعہ کو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی زبانی ان الفاظ میں روایت کیا۔

فَلَمَّا سِلَمَ عُمَرُ قاتِلَ قُرْبَشَاهِيَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ

”جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے تو قریش سے لڑے، یہاں

تک کہ کعبہ میں نماز پڑھی اور اُنکے ساتھ ہم نے بھی پڑھی۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام کا واقعہ سنہ نبوی کے چھٹے سال میں واقع ہوا۔

## ہجرت

### حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہجرت

اہل قریش ایک مدت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کو بے پرواںی کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔ لیکن اسلام کو جس قدر شیوع ہوتا جاتا تھا ان کی بے پرواںی غصہ اور ناراضی سے بدلتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ جب ایک جماعت کثیر اسلام کے حلقوں میں آگئی تو قریش نے نور اور قوت کے ساتھ اسلام کو مٹانا چاہا۔ حضرت ابو طالب کی زندگی تک تو علانیہ کچھ نہ کر سکے لیکن ان کے انتقال کے بعد کفار ہر طرف سے اٹھ کھڑے ہوئے اور جس جس مسلمان پر قابو ملا اس طرح ستانہ شروع کیا کہ اگر اسلام کے جوش اور وار فتنگی کا اثر نہ ہوتا تو ایک شخص بھی اسلام پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ حالت پانچ چھ برس تک رہی اور یہ زمانہ اس سختی سے گزارا کہ اس کی تفصیل ایک نہایت دراگنیزڈ استان ہے۔

اسی اثناء میں مدینہ منورہ کے ایک معزز گروہ نے اسلام قبول کر لیا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جن لوگوں کو کفار کے ستم سے نجات نہیں مل سکتی وہ مدینہ کو ہجرت کر جائیں سب سے پہلے ابو سلمہ عبد اللہ بن اشہل رضی اللہ تعالیٰ عنہم پھر حضرت بلاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ موزان اور عمار بن یا سر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت کی، ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس آمویوں کے ساتھ مدینہ کا قصد کیا، صحیح بخاری میں ۰۶۰ کا عدد ذکر ہے۔ لیکن ناموں کی تفصیل نہیں، ابن ہشام نے بعضوں کے نام لکھے اور وہ یہ ہیں۔

## حضرت عمرؓ کے ساتھ جن لوگوں نے ہجرت کی

زید بن خطاب، سعید بن زید بن خطاب، خیس بن حذافہ، سمی، عمرو بن سراقة، عبد اللہ بن سراقة، واقد بن عبد اللہ تمی، خولی بن الی خولی، مالک بن الی خولی، ایاس بن بکیر، عاقل بن بکیر، عامر بن بکیر، خالد بن بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان میں سے زید حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی سعید بنتجہ، خیس داماد اور باقی دوست احباب تھے۔

## حضرت عمرؓ کی قیام گاہ

مدینہ منورہ کی وسعت چونکہ کم تھی، مهاجرین زیادہ ترقا میں (جومینہ سے دو تین میل ہے) قیام کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہیں رفقاء بن عبد المنذر کے مکان پر ٹھہرے۔ قباء کو عوالیٰ بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ان کے فروع گاہ کا نام عوالیٰ ہی لکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد اکثر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ہجرت کی۔ یہاں تک کہ (۴۲۶ھ) سالہ ہجری نبوی میں جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ چھوڑا اور آنکہ رسالت مدینہ کے افق سے طالع ہوا۔

## مهاجرین اور انصار میں اخوت

مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مهاجرین کے رہنے سنئے کا انتظام کیا، انصار کو بلا کر ان میں اور مهاجرین میں برادری قائم کی جس کا اثر یہ ہے کہ جو مهاجر جس انصاری کا بھائی بن جاتا انصاری مهاجر کو اپنی جائیداد، اسباب، نقدی تمام چیزوں میں سے آدھا آدھا پاش و دیتا تھا، اس طرح تمام مهاجرین اور انصار بھائی بھائی بن گئے، اس رشتہ کے قائم کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طرفیں کے رتبہ اور حیثیت کا فرق مراتب ملحوظ رکھتے تھے، یعنی جو مهاجر جس درجے کا ہوتا اسی رتبے کے انصاری کو لے کا بھائی بناتے تھے۔

## حضرت عمرؓ کے اسلامی بھائی

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جس کا بھائی قرار دیا، ان کا نام عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا، جو قبیلہ بنو سالم کے لے سوار تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھوپرست این ہشام حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری (صفحہ ۳۲۱) میں عتبان کی بجاۓ اوس بن خولی کا نام لکھا ہے لیکن تجب ہے کہ خود علامہ موصوف نے اصل میں این سعد کے حوالہ سے عتبان ہی کا نام لکھا ہے اور اوس بن خولی کا جمال حال لکھا ہے حضرت عمرؑ کی اخوت کا ذکر نہیں کیا۔

تشریف لانے پر بھی اکثر صحابہ نے قباءہ میں قیام رکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بیس مقیم رہے لیکن یہ معمول کر لیا کہ ایک دن ناغہ دے کر بالاتر زام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتے اور دوں بھر خدمت القدس میں حاضر رہتے ناغہ کے دن یہ بندوبست کیا تھا کہ ان کے پرادر اسلامی عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر روایت کرتے تھے، چنانچہ بخاری نے متعدد ابواب مثلاً باب الحلم، باب النکاح وغیرہ میں نہیں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

مدینہ پہنچ کر اس بات کا وقت آیا کہ اسلام کے فرانس وار کان محمود اور معین کے جائیں کیونکہ مکہ، مظہمہ میں جان کی حفاظت ہی سب سے بڑا فرض تھا، یہی وجہ تھی کہ زکوٰۃ، روزہ، نماز جمعہ، نماز عیدین، صدقہ فطر کوئی چیز و حوصلہ نہیں آئی تھی۔ نمازوں میں بھی یہ اختصار تھا کہ مغرب کے سوا باقی نمازوں میں صرف دودو رکعتیں تھیں۔ یہاں تک کہ اعلان کا طریقہ بھی نہیں تھیں معین ہوا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انتظام کرنا چاہا۔ یہودیوں اور یهساویوں کے ہاں نماز کے اعلان کے لئے بوق اور ناقوس کا رواج تھا۔ اس لئے صحابی یہی رائے دی، ابن ہشام نے روایت کی ہے کہ یہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز تھی۔ بہر حال میں لذیر بحث تھا، اور کوئی رائے قرار نہیں پائی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنکھے اور انہوں نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کے لئے کیوں نہ مقرر کیا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت حضرت بلاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری کتاب الاذان)

### ازان کا طریقہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کے موافق قائم ہوا

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان نماز کا دیباچہ اور اسلام کا بڑا شعار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اس سے زیادہ کیا فخر کی بات ہو سکتی ہے کہ یہ شعار اعظم انہی کی رائے کے موافق قائم ہوا۔

## سن اہر ہجری (۶۲۳ء) تاوفات رسول اللہ ﷺ

### غزوہ و دیگر حالات

سن اہر ہجری (۶۲۳ء) سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعات اور حالات درحقیقت سیرۃ نبوی کے اجزاء ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو لذائیاں پیش آئیں غیر قوموں سے جو معابدات عمل میں آئے وفا فوتاً جو انتظامات جاری کئے گئے، اشاعت اسلام کے لئے جو تدبیر اختریار کی گئیں ان میں سے ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرکت کے بغیر انجام پایا ہو، لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر تمام واقعات پوری تفصیل کے ساتھ لکھے جائیں تو کتاب کا یہ حصہ سیرۃ نبوی سے بدل جاتا ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ کارنامے گوئتے ہوں لیکن چونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ حالات سے وابستہ ہیں، اس لئے جب قلبند کئے جائیں گے تو تمام واقعات کا عنوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نای قرار پائے گا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کارنامے ضمناً ذکر میں آئیں گے اس لئے ہم نے مجبور آیہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ یہ واقعات نہایت اختصار کے ساتھ لکھے جائیں۔ اور جن واقعات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاص تعلق ہے ان کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا جائے اس صورت میں اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کارنامے نمایاں ہو کر نظر نہ آئیں گے کیونکہ جب تک کسی واقعہ کی پوری تصویر نہ دکھائی جائے اس کی اصل شان قائم نہیں رہتی تاہم اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہ تھی۔

اب ہم اختصار کے ساتھ ان واقعات کو لکھتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ کو ہجرت کی تو قریش کو خیال ہوا کہ اگر مسلمانوں کا جلد استیصال نہ کروایا جائے تو وہ نور پکڑ جائیں گے اس خیال سے انہوں نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں۔ تاہم ہجرت کے دوسرے سال تک کوئی قابل ذکر معرکہ نہیں ہوا، صرف اس قدر ہوا کہ دو تین دفعہ قریش چھوٹے چھوٹے گروہ کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبپا کر ان کو روکنے کے لئے تھوڑی تھوڑی سی

فوجیں بھیجن اور وہ وہیں رک گئے

### غزوہ بد ر سن مارہجری (۳۲۴)

مارہجری (۳۲۴) میں بد ر کا واقعہ پیش آیا جو نہایت مشور معزکہ ہے۔ اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ ابوسفیان جو قریش کا سودا ر تھا تجارت کامل لے کر شام سے واپس آ رہا تھا کہ راہ میں یہ (غلط) خبر سن کر کہ مسلمان اس پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، قریش کے پاس قاصد بھیجا اور ساتھ ہی تمام مکہ امّہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ خبر سن کر تین سو آدمیوں کے ساتھ مدینے سے روانہ ہوئے۔ عام موڑ خیں کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کامدینے سے نکلا صرف قافلہ کے لوٹنے کی غرض سے تھا۔ لیکن یہ امر محض غلط ہے۔ قرآن مجید جس سے زیادہ کوئی قطعی شہادت نہیں ہو سکتی، اس میں جمال اس واقعہ کا ذکر ہے یہ الفاظ ہیں۔

كما أخرجك ربك من بيتك بالحق وان فريقاً من المؤمنين  
لکارهون بجادلوك فی الحق بعد ما تبعن کانما یساقون الى  
الموت وهم ينتظرون وان بعد کم اللہ احد یے الطالفتین انها  
لکم وتو دون ان غیر ذات الشوکہ تكون لكم۔

”بھیسا کہ تجھ کو تیرے پروردگارنے تیرے گھر (مدینہ) سے سچائی پر نکلا اور بیشک مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش تھا وہ تجھ سے سچی بات پر جھگڑتے تھے۔ بعد اس کے سچی بات ظاہر ہو گئی گویا کہ وہ موت کی طرف ہائے جاتے ہیں اور وہ اس کو دیکھ رہے ہیں اور جب کہ خدا وہ گروہوں میں سے ایک کامن سے وعدہ کرتا تھا اور تم چاہتے تھے کہ جس گروہ میں کچھ نور نہیں ہے وہا تھ آئے“

① جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے نکلا چاہا تو مسلمانوں کا ایک گروہ بچکچا تھا۔ اور سمجھتا تھا کہ موت کے منہ میں جاتا ہے۔  
② مدینے سے نکلنے کے وقت کافروں کے دو گروہ تھے ایک غیر ذات الشوکہ یعنی ابوسفیان کا کاروان تجارت اور دوسرا قریش کا گروہ جو مکہ سے حملہ کرنے کے لئے سو سالان کے ساتھ نکل چکا تھا۔

اس کے علاوہ ابوسفیان کے قافلہ میں ۲۰ آموی تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

مدینے سے تین سو بہادروں کے ساتھ نکلے تھے تین سو آدمی کے مقابلہ کو کسی طرح موت کے منہ میں جانا نہیں خیال کر سکتے تھے اس لئے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قافلے کے لوٹنے کے لئے نکلتے تو خدا ہرگز قرآن مجید میں یہ نہ فرماتا کہ مسلمان ان کے مقابلے کو موت کے منہ میں جانا سمجھتے تھے۔

بہر حال ۸ محرم ۱۰ ہجری کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۳۳ آدمیوں کے ساتھ جن میں سے ۸۳ مہاجرین اور باقی انصار تھے، مدینہ سے روانہ ہوئے قریش کے ساتھ مدد کی جیت تھے، جن میں بڑے بڑے مشہور بہادر شریک تھے مقام بدر میں جو مدینہ منورہ سے قریباً ۶۰ مغلب ہے معرکہ ہوا اور کفار کو شکست ہوئی۔ مسلمانوں میں سے ۲۷ آدمی شہید ہوئے جن میں ۶ مہاجر اور ۲۱ انصار تھے قریش کی طرف میں منتقل اور اسی گرفتار ہوئے مقتولین میں ابو جہل، عقبہ بن ریبیعہ، شیبہ اور بڑے بڑے رہسائے مکہ تھے، اور ان کے قتل ہونے سے قریش کا نور ٹوٹ گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ اس معرکہ میں رائے و تدبیر جانبازی فپا مردگی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو رہے۔ لیکن ان کی شرکت کی مخصوص خصوصیات یہ ہیں۔

۱) قریش کے تمام قبائل اس معرکہ میں آئے لیکن بونحدی یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبیلے میں سے ایک تنفس بھی شریک جنگ لئے نہیں ہوا اور یہ امر جہاں تک قیاس کیا جاسکتا ہے صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رعب و ادب کا اثر تھا۔

۲) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کے قبیلے اور خلفاء کے ۲۷ آدمی شریک جنگ تھے جن کے نام یہ ہیں۔ زید عبید اللہ بن مارہ، عمرو بن سراقة، والدن عبد اللہ، خولی بن ابی خولی، عامر بن ریبیعہ، عامر بن بکیر، خالد بن بکیر، ایاس بن بکیر، عاقل بن بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم

۳) سب سے پہلے جو شخص اس معرکہ میں شہید ہوا وہ تاجح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام تھا۔ (ابن ہشام صفحہ ۲۹۵)

۴) عاصی بن ہشام بن مغیرہ جو قریش کا ایک معزز سردار اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ماموں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ (ابن جریر صفحہ ۲۹۵ و استیعاب)

یہ بات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خصوصیات میں شامل کی گئی ہے کہ اسلام کے معاملات میں قرابت اور محبت کا اثر ان پر کبھی غالب نہیں آسکتا تھا۔ چنانچہ یہ واقعہ اس کی

۵) طبری کبیر میں ہے: قلم يكى بقى من قريش يطن الانفر منهم ناس الاناس الابنى على بن كعبا لم يخرج رجال واحد صفحہ ۳۰۰۔

پہلی مثال ہے

اس معرکہ میں مخالف کی فوج میں سے جو لوگ زندہ گرفتار ہوئے ان کی تعداد کم و بیش می تھی۔ اور ان میں سے اکثر قریش کے بڑے بڑے سردار تھے۔ مثلاً حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عقیل (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی) ابوالعاص بن الربيع، ولید بن الولید ان سرداروں کا ذلت کے ساتھ گرفتار ہو کر آنا ایک عبرت خیز سماں تھا جس نے مسلمانوں کے دل پر بھی اثر کیا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نوجہ مبارکہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نظر جب ان پر پڑی تو بے اختیار بول اٹھیں کہ "اعطتیم ہایدیکم هلا متم کراما" تم مطیع ہو کر آئے ہو۔ شریفوں کی طرح کو مر نہیں گئے

### قیدیوں کے معاملے میں حضرت عمر رض کی رائے

اس بناء پر یہ بحث پیدا ہوئی کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے، رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے تمام صحابہ سے رائے لی۔ اور لوگوں نے مختلف رائیں دیں، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ یہ اپنے ہی بھائی بندی ہیں، اس لئے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اختلاف کیا اور کہا کہ اسلام کے معاملے میں رشتہ و قربت کو دخل نہیں ان سب کو قتل کرونا چاہئے۔ اور اس طرح کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کرے علی عقیل کی گروہ ماریں، حمزہ عباس کا سرازائیں، اور فلاں شخص جو میرا عزیز ہے اس کا کام میں تمام کروں یہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شان رحمت کے اقتداء سے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے پسند کی۔ اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ما کان لنبی ان یکون لہ اسری حتی یعنی فی الا وض الخ  
”کسی پیغمبر کے لئے یہ زیبا نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک  
کہ وہ خوب خوزیری نہ کر لے۔“

بدر کی فتح نے اگرچہ قریش کے نور کو گھٹایا لیکن اس سے اور نئی مشکلات کا ایک سلسلہ شروع ہوا، مدینہ منورہ اور اس کے اطراف پر ایک دست سے یہودیوں نے قبضہ کر رکھا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو ملکی انتظامات کے سلسلے میں سب سے پہلے کام یہ کیا کہ یہودیوں سے معابدہ کیا کہ ”مسلمانوں کے برخلاف دشمن کو مدد نہ دیں گے“

اور کوئی دشمن مدینہ پر چڑھ آئے تو مسلمانوں کی مدد کریں گے۔ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے فتحیاب آئے تو ان کو ڈر پیدا ہوا کہ مسلمان نور پکڑ کر ان کے برابر کے حریف نہ بن جائیں۔ چنانچہ خود چھیڑ شروع کی۔ اور کما کہ ”قریش“ والے فن حرب سے نا آشنا تھے۔ ہم سے کام پڑتا تو ہم دکھادیتے کہ لڑنا اس کو کہتے ہیں ”نوبت یہاں تک پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو معاهدہ کیا تھا تو ڈالا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال ہر ہجری میں ان پر چڑھائی کی۔ اور بالآخر وہ گرفتار ہو کر مدینہ سے جلاوطن کر دئے گئے۔ اسلام کی تاریخ میں یہودیوں سے لڑائیوں کا جو ایک متصل سلسلہ نظر آتا ہے اس کی ابتداء اسی سے ہوئی تھی۔

### غزوہ سویق

قریش بدر میں نکست کھا کر انتقام کے جوش میں بیتاب تھے۔ ابوسفیان نے عمد کر لیا تھا کہ جب تک بدر کا انتقام نہ لوں گا غسل تک نہ کروں گا۔ چنانچہ ذوالحجہ ہر ہجری میں دوسو شتر سواروں کے ساتھ مدینہ کے قریب پہنچ کر ہوتے سے دو مسلمانوں کو پکڑا۔ اور ان کو قتل کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے تعاقب کیا۔ لیکن ابوسفیان نکل گیا تھا۔ اس قسم کے چھوٹے چھوٹے واقعات اور بھی پیش آتے رہے یہاں تک کہ شوال سحر ہجری (۶۲۵ء) میں جنگ احمد کا مشہور واقعہ ہوا۔

### غزوہ احمد سدر ہجری

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ عکرمہ بن ابی جمل اور دیگر بست سے سردار ان قریش نے ابوسفیان سے جا کر کہا کہ اگر تم مصارف کا ذمہ الھاؤ تو اب بھی بدر کا انتقام لیا جا سکتا ہے۔ ابوسفیان نے قبول کیا۔ اور اسی وقت حملہ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ کنانہ اور تمامہ کے تمام قبائل بھی ساتھ ساتھ ہو گئے۔ ابوسفیان ان کا پسہ سالار بن کریم سے سروسامان کے ساتھ کہ سے روانہ ہوا۔ اور ماہ شوال بدھ ننہ مدینہ منورہ کے قریب پہنچ کر مقام کیا۔ آنحضرت کی رائے تھی کہ مدینہ میں ٹھہر کر قریش کا حملہ رو کا جائے لیکن صحابہ نے نہ مانا اور آخر مجبور ہو کر جمعہ کے دن مدینہ سے نکلے، قریش کی تعداد تین ہزار تھی جس میں ۴۰۰ سوار اور ۴۰۰ زندہ پوش تھے۔ میمنہ کے افرخالد بن الولید اور میسرہ کے عکرمہ بن ابی جمل تھے۔ اس وقت تک یہ دونوں

صاحب اسلام نہیں لائے تھے) اور کل میں آئی۔ صحیح جن میں سوزدہ پوش اور صرف دوسوار تھے۔ مدینہ سے قریباً تین میل پر احمد ایک پہاڑ ہے۔ اس کے دامن میں دونوں فوجیں صاف آ رہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن جبیر کو ۵۵ تیر اندازوں کے ساتھ فوج کے عقب پر متین کیا کہ ادھر سے کفار حملہ نہ کرنے پائیں یہ رشوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی، سب سے پہلے نبیر نے اپنی رکاب کی فوج کو لے کر حملہ کیا۔ اور قریش کے مینہ کو شکست دی، پھر عام جنگ شروع ہوئی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو وجادہ و شمن کی فوج میں گھس گئے۔ اور ان کی صفیں اللہ دیں۔ لیکن فتح کے بعد لوگ غنیمت پر ٹوٹ پڑے، تیر اندازوں نے سمجھا کہ اب معکر کہ ختم ہو چکا ہے۔ اس خیال سے وہ بھی لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ تیر اندازوں کا ہتا تھا کہ خالد نے، فتحاً عقب سے بڑے نزد و شور کے ساتھ حملہ کیا، مسلمان چونکہ ہتھیار ڈال کر غنیمت میں مصروف ہو چکے تھے۔ اس ناگہانی نہ کوئی رُک سکے، کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پھولوں اور تیوں کی بوچھاڑ کی۔ یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے۔ پیشانی پر زخم آیا اور رخساروں میں مغفر کی کڑیاں چھجھ گئیں۔ اس کے ساتھ آپ ایک گڑھے میں گر پڑے۔ اور لوگوں کی نظر ہے چھپ گئے، اس بھی میں یہ غل پڑ گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اڑے گئے۔ اسی خبر نے مسلمانوں کے استقلال کو متزلزل کر دیا۔ اور جو جہاں تھا وہیں سراسیدہ ہو کر رہ گیا۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخیر تک کس قدر صحابہ ثابت قدم رہے صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ احمد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف سات انصار اور دو قبیلی یعنی سعد اور علیہ رہ گئے تھے۔ نبی اور بیہقی میں بسند صحیح منقول ہے کہ گیارہ انصار اور علیہ کے سوا اور کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں رہا تھا۔ محمد بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۲۳ آمویوں کا نام لیا ہے۔ اسی طرح اور بھی مختلف روایتیں ہیں۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ان روایتوں میں اس طرح تقطیق دی ہے کہ لوگ جب ادھر ادھر پھیل گئے تو کافروں نے وفتحاً عقب سے حملہ کیا۔ اور مسلمان سراسیدہ ہو کر جو جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ پھر جس طرح موقع ملتا گیا لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچتے گئے۔

تمام روایتوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر مشور ہوئی تو کچھ تو ایسے سراسیدہ ہوئے کہ انہوں نے مدینہ آگر دوم لیا۔ کچھ لوگ

جان پر کھیل کر لڑتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جینا بیکار ہے۔ بعضوں نے مجبور مایوس ہو کر سپرڈاں دی کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس تیرے گروہ میں تھے، علامہ طبری میں بسند متصل جس کے روایہ حمید بن سلمہ، محمد بن اسحاق، قاسم بن عبد الرحمن بن رافع ہیں۔ روایت کی ہے کہ اس موقع پر جب انس بن نصر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور چند مجاہدین اور انصار کو دیکھا کہ ما یوس ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ تو پوچھا کہ بیٹھے کیا کرتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ نے جوشادت پائی۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے کہ رسول اللہ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے تم بھی اُنکی کی طرح لا کر مرجاو۔ یہ کہہ کر کفار پر حملہ آور ہوئے۔ اور شادت حاصل ہوئی۔ قاضی ابو یوسف نے خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی نقل کیا ہے کہ انس بن نصر میرے پاس سے گزرے اور مجھ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گذری۔ میں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ آپ شہید ہوئے۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ شہید ہوئے تو ہوئے خدا تو زندہ ہے۔ یہ کہہ کر تکوار میان سے کھینچ ل۔ اور اس قدر لڑے کہ شادت حاصل ہوئی۔ ابن ہشام میں ہے کہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقعہ میں ستر زخم کھائے۔

طبری کی روایت میں یہ امر لخاظ کے قالب ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں میں طلبه رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بھی ہے اور یہ مسلم ہے کہ اس معركہ میں ان سے زیادہ کوئی ثابت قدم نہیں رہا تھا۔ برعکالت یہ امر تمام روایتوں سے ثابت ہے کہ سخت برہمی کی حالت میں بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان جنگ سے نہیں ہٹے۔ اور جب آخر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ ہونا معلوم ہوا تو فوراً خدمت میں پہنچے، طبری اور سیرت ہشام میں ہے۔

فَلِمَاعْرَفُ الْمُسْلِمُونَ رَسُولُ اللَّهِ نَهْمُوا بِهِ وَنَهْضُ نَحْوَ الشَّعْبِ

مَعْدَهُ عَلَى إِنْ أَنِ طَالِبٌ وَابْوِي كَرْبَلَاءِ قَعَدَهُ وَعُمَرُ بْنُ الخطَّابِ

وَطَلَعَهُنَّ عَبِيدَ اللَّهِ وَالْزَيْرَانَ الْعَوَامَ وَالْحَارِثَيْنَ صَمَّةَ

”پھر جب مسلمانوں نے رسول اللہ کو دیکھا تو آخر حضرت کے پاس پہنچے

اور آپ لوگوں کو لے رکھا تو آپ کے درہ پر چڑھ گئے اس وقت آپ

کے ساتھ حضرت علی، حضرت ابو بکر، حضرت عمر، طلبه بن عبید اللہ، زیر

بن العوام اور حارث بن سمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔

علامہ بلاذری صرف ایک مؤرخ ہیں جنہوں نے انساب الاشراف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں یہ لکھا ہے

وَكَانَ مِنْ أَنْكَشْفِ يَوْمِ الْحِدْلَفَرْلَه

”یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں میں تھے جو احمد کے دن بھاگ گئے تھے۔ لیکن خدا نے ان کو معاف کر دیا۔“

علامہ بلاذری نے ایک اور روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اپنی خلافت کے زمانے میں لوگوں کے روزینے مقرر کئے تو ایک شخص کے روزینے کی نسبت لوگوں نے کہا اس سے زیادہ مستحق آپ کے فرزند عبداللہ ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نہیں کیونکہ اس کا باپ احمد کی لڑائی میں ثابت قدم رہا تھا۔ اور عبداللہ کا باپ (یعنی حضرت عمر) نہیں رہا تھا۔ لیکن یہ روایت لطع نظر اس کے درایہ غلط ہے کیونکہ معرکہ جہاد سے بھاگنا ایک ایسا نجک تھا جس کو کوئی شخص علائیہ تشییم نہیں کر سکتا تھا۔ اصول روایت کے لحاظ سے بھی ہم اس پر اعتبار نہیں کر سکتے، علامہ موصوف نے جن روایات کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے ان میں عباس بن عبداللہ الباکسی اور عینی بن اسحاق ہیں اور دونوں مجبول الحال ہیں۔ اس کے علاوہ اور تمام روایتیں اس کے خلاف ہیں۔

اس بحث کے بعد ہم پھر اصل واقعہ کی طرف آتے ہیں۔

خلال ایک دستے فوج کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھے رسول اللہ اس وقت تھیں (۳۰) صحابہ کے ساتھ پہاڑ پر تشریف رکھتے تھے۔ خالد کو آتا دیکھ کر فرمایا کہ خدا یا۔ یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چند مهاجرین اور انصار کے ساتھ آگے بڑھ کر حملہ کیا اور ان لوگوں کو ہٹا دیا۔ ابوسفیان سالار قریش دہو کے قریب پہنچ کر پکارا کہ اس گروہ میں محمد ہیں یا نہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا کہ کوئی جواب نہ دے۔ ابوسفیان نے پھر حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا نام لے کر کہا کہ یہ دونوں اس مجمع میں ہیں یا نہیں؟ اور جب کسی نے کچھ جواب نہ دیا تو بولا کہ ”ضوری یہ لوگ مارے گئے“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رہانے گیا، پکار کر کہا ”ود شمن خدا! ہم

سب زندہ ہیں” ابوسفیان نے کہا اعلیٰ ہبیل ”میل (ایک بیت کا نام تھا) بلند ہو“ رسول اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا جواب وہ اللہ اعلیٰ واجل یعنی خدا بلند ویرت ہے (سیرتہ شام صفحہ ۵۸۳ و طبری صفحہ ۲۷۵)

### حضرت حفصہؓ کا عقد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ

اس سال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں۔ حفصہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح جاہلیت میں خنس بن خذافہ کے ساتھ ہوا۔ خنس کے انتقال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خواہش کی کہ حفصہؓ کو اپنے نکاح میں لائیں۔ انہوں نے کچھ جواب نہ دیا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی وہ بھی چپ رہے۔ کیونکہ ان دونوں صاحبوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حفصہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ سہر ہجری شعبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا۔

### واقعہ بنو نصیر سہر ہجری (۳۶۴)

سہر ہجری (۳۶۴) میں بنو نصیر کا واقعہ پیش آیا، اور ہم لکھ آئے ہیں کہ مدینہ منورہ میں یہود کے جو قبائل آباد تھے۔ آنحضرت نے ان سے صلح کا معابدہ کر لیا تھا۔ ان میں سے بنو قینقاع نے بدر کے بعد تفہیم عمد کیا اور اس جرم میں مدینے سے نکال دیئے گئے۔ دوسرا قبلہ بنو نصیر کا تھا۔ یہ لوگ بھی اسلام کے سخت دشمن تھے۔ سہر ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک معاٹی میں استعانت کے لئے حضرت عمر اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ساتھ لے کر ان کے پاس گئے، ان لوگوں نے ایک شخص کو جس کا نام عمرو بن حجاج تھا آمادہ کیا کہ چھت پر چڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر پھر کی سل گرادے۔ وہ چھت پر چڑھ کا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہو گئی، آپ اٹھ کر چلے آئے۔ اور کہلا بھیجا کہ تم لوگ مدینے سے نکل جاؤ انہوں نے انکار کیا۔ اور مقابلے کی تیاریاں کیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر قابو پا کر جلاوطن کر دیا۔ چنانچہ ان میں سے کچھ شام کو چلے گئے کچھ خیر

میں جا کر آباد ہوئے۔ اور وہاں حکومت قائم کرلی۔ (طبی صفحہ ۲۵۳)

خیر والوں میں اسلام بن الی الحفیظ، کنانہ بن الرنچ اور حسین بن اخطب بڑے بڑے معزز سردار تھے۔ یہ لوگ خیر میں پیچ کر مطمئن ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انقام لینا چاہا، مکہ مغفرہ میں جا کر قریش کو ترغیب دی، قبائل عرب کا دورہ کیا اور تمام ممالک میں ایک آگ لگادی۔

### جنگ خندق یا احزاب ہر ہجری (۷۴)

چند روز میں دس ہزار آدمی قریش کے علم کے نیچے جمع ہو گئے۔ اور شوال ہر ہجری میں ابوسفیان کی پہ سالاری میں اس سیلاپ نے مدینہ کا رخ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے باہر نکل کر سلحہ کے آگے ایک خندق تیار کرائی، عرب میں خندق کا رواج نہ تھا۔ اس لئے کفار کو اس کی کچھ نیبر بن نہ آئی مجبوراً محاصرہ کر کے ہر طرف فوجیں پھیلاؤں اور رسروں غیرہ بند کر دی، ایک مہینے تک محاصرہ رہا۔ کفار کبھی کبھی خندق میں اتر کر حملہ کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غرض سے خندق کے اوہرا دھر کچھ فاصلہ پر اکابر صحابہ کو متعین کر دیا تھا کہ دشمن ادھر سے نہ آنے پائیں، ایک حصے پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ متعین تھے۔ چنانچہ یہاں ان کے نام کی ایک مسجد آج بھی موجود ہے۔ ایک دن کافروں نے حملہ کا رادہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نیبر کے ساتھ آگے بڑھ کر روا کا۔ اور ان کی جماعت درہم برہم کر دی۔ ایک اور دن کافروں کے مقابلے میں اس قدر ان کو مصروف رہنا پڑا کہ عصر کی نماز قضا ہوتے ہوتے رہ گئی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اگر عرض کیا کہ آج کافروں نے نماز پڑھنے تک کاموں قع نہ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے بھی اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی۔

اس لڑائی میں عمرو بن عبدود عرب کا مشورہ بدار جو مدد سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا، اس کے مارے جانے کے بعد ادھر تو قریش میں کچھ بیدلی پیدا ہوئی، ادھر نعیم بن مسعود نے جو اسلام لاچکے تھے اور کافروں کو ان کے اسلام کی خبر نہ تھی۔ جوڑ توڑ سے قریش اور یہود میں پھوٹ ڈلوادی، منصریہ کہ کفر کا ابرسیاہ جو مدینہ کے افق پر چھا گیا تھا روز بروز چھٹا گیا۔ اور چند روز کے بعد مطلع بالکل صاف ہو گیا۔

لے مدینہ سے ملا ہوا ایک پیار ہے۔ لے یہ واقعہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے۔ لیکن میں نے کسی کتاب میں اس کی سند نہیں پائی۔

## واقعہ حدیبیہ لاہوری (۳۸)

لاہوری میں آنحضرت نے صحابہ کے ساتھ خانہ کعبہ کی زیارت کا قصد کیا۔ اور اس غرض سے کہ قریش کو لڑائی کا شہر نہ ہو۔ حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کرنے پلے نواحیں ( مدینہ سے چھ میل پر ایک مقام ہے) پہنچ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیال ہوا کہ اس طرح چلانا مصلحت نہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی۔ اور آپ نے ان کی رائے کے موافق مدینہ سے ہتھیار منگولتے۔ جبکہ کہ معمتمہ دو منزلہ گیا تو مکہ سے بشوں سفیان نے آگر خبر دی کہ ”تمام قریش نے عمد کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں قدم نہ رکھنے دیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ اکابر صحابہ میں سے کسی کو سفارت کے طور پر بھیجنیں کہ ہم کو لہذا مقصود نہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس خدمت پر مأمور کرنا چاہا۔ انہوں نے عرض کی کہ قریش کو مجھ سے سخت عداوت ہے اور میرے خاندان میں وہاں کوئی میرا حامی موجود نہیں۔ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عزیز واقارب وہیں ہیں، اس لئے ان کو بھیجا مناسب ہو گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ بھیجا۔ قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روک رکھا۔ اور جب کئی دن گزر گئے تو یہ مشورہ ہو گیا کہ وہ شہید کروئے گئے رسول اللہ نے یہ سن کر صحابہ سے جو تعداد میں چودہ سوتھے جہاد پر بیعت لی۔ اور چونکہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی تھی، یہ واقعہ بیعت الشجرۃ کے نام سے مشہور ہوا۔ قرآن مجید کی اس آیت میں ”لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ يبايعونك تحت الشجرۃ“ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور آیت کی متناسب سے اس کو بیعت رضوان بھی کہتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت سے پہلے لڑائی کی تیاری شروع کر دی تھی۔ صحیح بخاری (غزوہ حدیبیہ) میں ہے کہ حدیبیہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے عبد اللہ کو بھیجا کہ فلاں النصاری سے گھوڑا مانگ لائیں۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہر نکلے تو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے جہاد پر بیعت لے رہے ہیں۔ انہوں نے بھی جا کر بیعت کی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس واپس آئے تو دیکھا کہ وہ ہتھیار سجار ہے ہیں۔ عبد اللہ نے ان سے بیعت کا واقعہ بیان کیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی وقت اٹھے اور جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔

قریش کو اصرار تھا کہ رسول اللہ مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتے۔ بڑے روپیل کے

بعد ان شرائط پر معاہدہ ہوا کہ اس دفعہ مسلمان اللہ واپس جائیں۔ لیکن تین دن سے زیادہ نہ تھیں، معاہدہ میں یہ شرط بھی داخل تھی کہ دس برس تک لاٹی موقوف رہے۔ اور اس اثناء میں اگر قریش کا کوئی آدمی رسول اللہ کے ہاں چلا جائے تو رسول اللہ اس کو قریش کے پاس واپس بھیج دیں۔ لیکن مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص قریش کے ہاتھ آجائے تو ان کو اختیار ہو گا کہ اس کو اپنے پاس روک لیں۔ اخیر شرط چونکہ بظاہر کافروں کے حق میں زیادہ مفید تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہایت اضطراب ہوا۔ معاہدہ ابھی لکھا نہیں جا چکا تھا کہ وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے اور کہا کہ اس طرح دب کر کیوں صلح کی جائے۔ انہوں نے سمجھایا کہ رسول اللہ جو کچھ کرتے ہیں اسی میں مصلحت ہوگی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تسلیم نہیں ہوئی خود رسول اللہ کے پاس گئے۔ اور اس طرح بات چیزیں کی۔

یا رسول اللہ! کیا آپ رسول خدا نہیں ہیں؟

رسول اللہ! بے شک ہوں۔

حضرت عمر! کیا ہمارے دشمن مشرک نہیں ہیں؟

رسول اللہ! ضرور ہیں۔

حضرت عمر! پھر ہم اپنے ذہب کو کیوں ذلیل کریں۔

رسول اللہ! میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم کے خلاف نہیں کرتا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ گفتگو اور خصوصاً انداز گفتگو اگرچہ خلاف ادب تھا، چنانچہ بعد میں ان کو سخت نہ امت ہوئی۔ اور اس کے کفارہ کے لئے روزے رکھے نظریں پڑھیں، خیرات دی، غلام آزاد کئے، تاہم سوال و جواب کی اصل بناء اس نکتہ پر تھی کہ رسول کے کون سے افعال انسانی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور کون سے رسالت کے منصب سے چنانچہ اس کی مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصے میں آئے گی۔

غرض معاہدہ صلح لکھا گیا اور اس پر ہر بڑے بڑے اکابر صحابہ کے جن میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی داخل تھے دستخط ثبت ہوئے۔ معاہدہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ راہ میں سورہ فتح نازل ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ مجھ پر وہ سورہ نازل ہوئی جو مجھ کو دنیا کی تمام چیزوں سے

نیا وہ محبوب ہے یہ کہہ کر آپ نے یہ آئیں پڑھیں انا لکھنال کفت حامی بنگا۔

(سچ بخاری واقعہ حدیبیہ)

محدثین نے لکھا ہے کہ اس وقت تک مسلمان اور کفار بالکل الگ الگ رہتے تھے صلح ہو جانے سے آپس میں میل جول ہوا۔ اور رات دن کے چھپے سے اسلام کے مسائل اور خیالات روز بروز پھیلتے گئے اس کا یہ اثر ہوا کہ دو برس کے اندر اندر جس کثرت سے لوگ اسلام لائے ۱۸ برس قبل کی وسیع مدت میں نہیں لائے تھے۔ جس بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کی تھی اور ابتداء حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فہم میں نہ آسکی وہ یہی مصلحت تھی۔ اور اسی بناء پر خدا نے سورہ فتح میں اس صلح کو فتح کے لحاظ سے تعبیر کیا۔

### حضرت عمر بن الخطاب کا اپنی یویوں کو طلاق دینا

اس زمانے تک کافرہ عورتوں کو عقد نکاح میں رکھنا جائز تھا۔ لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی ولا تمسکو هن بعصم الکوافر تو یہ امر منزع ہو گیا، اس بناء پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دونوں یویوں کو جو کافرہ تھیں طلاق دے دی۔ ان میں سے ایک کا نام قربیہ اور دوسری کا ام کلثوم بنت جبول تھا۔ ان دونوں کو طلاق دینے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جبیلہ سے جوابت بن ابی الاجل کی بیٹی تھیں نکاح کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند عاصم انبی کے بطن سے تھے۔ اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین اور والیان ممالک کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے۔

### جنگ خیر سے رہجری (۴۳۹ء)

کے رہجری میں خیر کا مشہور معزکہ پیش آیا۔ اور تم پڑھ آئے ہو کہ قبیلہ بنو نظیر کے یہودی جو مدینہ منورہ سے نکالے گئے تھے خیر میں جا کر آباد ہوئے انہی میں سے سلام و کنانہ وغیرہ نے ہر رہجری میں قریش کو جا کر بھڑکایا۔ اور ان کو مدینہ پر چڑھالا تے اس تدبیر میں اگرچہ ان کو ناکامی ہوئی۔ لیکن انتقام کے خیال سے وہ باز نہ آئے اور اس کی تدبیریں کرتے رہتے تھے چنانچہ اہر رہجری میں قبیلہ بنو سعد نے ان کی اعانت پر آمادگی ظاہر کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر معلوم ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا۔ بنو سعد بھاگ گئے اور یارخ سوانح غیمت میں باقاعدہ آئے۔ پھر قبیلہ غطفان کو آمادہ کیا، چنانچہ جب آنحضرت صلی

لے فتح الباری مطبوعہ مصروف جلدے صفحہ ۲۳۲ مذکور حدیبیہ لے طبعی واقعات ۱۶۔ گمراهب لدنیہ وزرقانی ذکر سرہ علی الائی سعد۔

اللہ علیہ وسلم خیر کی طرف بڑھے تو سب سے پہلے اسی قبیلہ نے سدرہ ہونا چاہا۔ ان حالات کے لحاظ سے ضروری تھا کہ یہودیوں کا نور توڑ دیا جائے ورنہ مسلمان ان کے خطرے سے مطمئن نہیں ہو سکتے تھے۔

غرض سے رہجی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو پیڈل اور دو سو اربوں کے ساتھ خیر کا رخ کیا۔ خیر میں یہودیوں نے بڑے مضبوط قلعے بنائے تھے مثلاً حسن ناعم، حسن قوص، حسن صعب و طیح اور سلام، یہ سب قلعے جلد از جلد فتح ہو گئے لیکن و طیح و سلام جن پر عرب کا مشہور بہادر مرحب قابض تھا۔ آسانی سے فتح نہیں ہو سکتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہہ سالار زنا کر بھیجا۔ لیکن وہ ناکام آئے پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مأمور ہوئے وہ برا بر دو دن جا کر رٹے لیکن دونوں دن ناکام رہے۔ آنحضرت نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جو حملہ آور ہو گا اگلے دن تمام اکابر صحابہ علم نبوی کی امید میں بڑھو سامان سے ہتھیار بیج کر آئے ان میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے اور ان کا خود بیان ہے کہ میں نے کبھی اس موقع کے سوا علم برداری اور افسری کی آرزو نہیں کی، لیکن قضا و قدر نے یہ فخر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اخخار کھا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی طرف توجہ نہیں کی۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر علم ان کو عنایت کیا۔ مرحب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا اور اس کے قتل پر اس معمر کہ کا بھی خاتمہ ہو گیا خیر کی نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدوں کو تقسیم کر دی چنانچہ ایک نکڑا جس کا نام شمع تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں آیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا۔ چنانچہ صحیح مسلم باب الوقف میں یہ قصہ بہ تفصیل مذکور ہے اور اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا وقف تھا جو عمل میں آیا۔

اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ۳۰۰ آدمیوں کے ساتھ قبیلہ ہوازن کے مقابلے کو بھیجا۔ ان لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد سنی تو بھاگ نکلے اور کوئی معمر کہ پیش نہیں آیا۔

۸ رہجی میں مکہ فتح ہوا، اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ حدیبیہ میں جو صلح قرار پائی تھی اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ قبائل عرب میں جو چاہے قریش کا ساتھ دے اور جو چاہے اسلام کے سایہ امن میں آئے چنانچہ قبیلہ خزانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خاندان بنو بکر نے قریش کا ساتھ دیا۔ ان دونوں قبیلوں میں مدت سے ان بن تھیں۔ اور بہت سے

معرکے ہو چکے تھے، لہائی کا سلسلہ جاری تھا کہ حدیبیہ کی صلح و قوع میں آئی اور شرائطِ معاهدہ کی رو سے دونوں قبیلے لہائی سے دست بروار ہو گئے لیکن چند روز بعد بوکرنے لئے عمد کیا۔ اور قریش نے ان کی اعانت کی۔ یہاں تک کہ خرامہ نے حرم میں جا کر پناہ لی۔ تب بھی ان کو پناہ نہ ملی، خرامہ نے جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا، ابوسفیان کو یہ خبر معلوم ہوئی تو پیش بندی کے لئے مدینہ منورہ پہنچا اور آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر قریش کی طرف سے تجدید صلح کی درخواست کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہ دیا وہ اٹھ کر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پھر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا کہ آپ اس معاملے کو طے کر ادیج، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سختی سے جواب دیا کہ وہ بالکل ناامید ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی تیاریاں شروع کیں۔ اور رمضان ۸ھ بھری میں ۱۰ ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے لکھے، مقام مرالنهران میں نزول اجلال ہوا۔ تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خچپر سوار ہو کر مکہ کی طرف چلے، اور ہر سے ابوسفیان آہتا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے کہا، آئیں تھجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امن ولادوں، ورنہ آج تیری خیر نہیں، ابوسفیان نے غنیمت سمجھا اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہو لیا راہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سامنا ہوا۔ ابوسفیان کو ساتھ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خیال کیا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی سفارش کے لئے جا رہے ہیں۔ بڑی تیزی سے بڑھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کما کہ موقوں کے بعد اس دشمن اسلام پر قابو ملا ہے۔ اجازت دیجئے کہ اس کی گردان ماروں۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ «عمر! ابوسفیان اگر عبد مناف کے خاندان سے نہ ہوتا، اور تمہارے قبیلہ کا آدمی ہوتا تو تم اس کی جان کے خواہاں نہ ہوتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ خدا کی قسم میرا باپ خطاب اسلام لاتا تو مجھ کو اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی اس وقت ہوئی تھی۔ جب آپ اسلام لائے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سفارش قبول کی۔ اور ابوسفیان کو امن دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑے جاہ جلال سے مکہ میں داخل ہوئے اور درکعبہ پر کھڑے ہو کر نہایت فصح و بلیغ خطبہ پڑھا۔ جو بعینہ تاریخوں میں منقول ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر مقام صفا پر لوگوں سے بیعت لینے کے لئے تشریف فراہوئے لوگ جو حق آتے تھے اور بیعت کرتے جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

عنه آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب لیکن کسی قدر نیچے بیٹھے تھے جب عورتوں کی باری آئی تو چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیگانہ عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کرتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ تم ان سے بیعت لو، چنانچہ عورتوں نے انہی کے ہاتھ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔

### غزوہ حنین

اسی سال ہوازن کی لڑائی پیش آئی جو غزوہ حنین کے نام سے مشور ہے، ہوازن عرب کا مشور اور معزز قبلہ تھا۔ یہ لوگ ابتداء سے اسلام کی ترقی کو رقاہت کی نگاہ سے دیکھتے آتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے ارادہ سے مدینہ سے نکلے تو ان لوگوں کو گمان ہوا کہ ہم پر حملہ کرنا مقصود ہے۔ چنانچہ اسی وقت جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور جب یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ پہنچے تو مکہ پر حملہ کے لئے بڑے ساز و سامان سے روانہ ہو کر حنین میں ڈیرے ہٹوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سنی تو بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ مکہ مظہم سے روانہ ہوئے حنین میں دونوں فوجیں صاف آراء ہوئیں مسلمانوں نے پہلے حملہ میں ہوازن کو سکھا گاریا۔ لیکن مال غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہوئے تو ہوازن نے حملہ کیا۔ اور اس قدر تیر بر سائے کہ مسلمانوں میں ہائل مج گئی۔ اور بارہ ہزار آدمیوں سے معدودے چند..... کے سواباقی شب بھاگ نکلے۔ اس معركہ میں جو صحابہ ثابت تدم رہے ان کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے اور ان میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل ہیں۔ چنانچہ علامہ طبری نے صاف تصریح کی ہے۔ محمد بن اسحاق جو امام بخاری کے شیوخ حدیث میں داخل ہیں۔ اور مخازی و سیر کے امام مانے جاتے ہیں۔ کتاب المغازی میں لکھا ہے کہ ”بِيَاضْبَرْجَنْدْ تَنْ أَزْمَاجِرِينَ وَالنَّاصَارَ وَالْأَلَى“ بیت بازمانہ یودند مثل ابو بکر و علی و عمرو عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم معاذخ۔ لڑائی کی صورت بگذر کر پھر بن گئی۔ یعنی مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ اور ہوازن کے چھ ہزار آدمی گرفقا رہوئے۔

ہر ہجری میں خبر مشور ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر صحابہ کو تیاری کا حکم دیا، اور چونکہ یہ نہایت تسلی اور عسرت کا لے حنین عرفات کے پیچے ایک وادی کا نام ہے جو مکہ مدنظر سے فوروس میل ہے۔ ۱۔ تاریخ طبری۔ ۲۔ صحیح مسلم غزوہ حنین۔ ۳۔ ابن اسحاق کی اصل کتاب میں نہیں دیکھی۔ لیکن اس کا ایک نہایت قدیم ترجمہ فارسی زبان میں میری نظر سے گزر ہے اور عبارت مقولہ اسی سے ماخوذ ہے، یہ ترجمہ ۷۷ھ میں سعد بن زکریٰ کے حکم سے کیا گیا تھا۔ اور اس ایک نہایت قدیم ترجمہ والا آباد کے کتب خانہ عام میں موجود ہے۔

نماہ تھا۔ اس لئے لوگوں کو زر وال سے اعانت کی ترغیب دلائی۔ چنانچہ اکثر صحابہ نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقع پر تمام مال و اسباب میں سے آدھا لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش لے کیا۔ غرض اسلحہ اور رسدا کا سامان میا کیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے روانہ ہوتے لیکن مقام تبوک میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی۔ اسی لئے چند روز قیام فرمایا کرو اپس آئے۔

اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر ان سے علیحدگی اختیار کی۔ اور چونکہ لوگوں کو آپ کے طرز عمل سے یہ خیال ہوا تھا کہ آپ نے ازواج کو طلاق دے دی اس لئے تمام صحابہ کو نمایت رنج و افسوس تھا۔ تاہم کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ کہنے سننے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضر ہونا چاہا۔ لیکن بار بار اذن مانگنے پر بھی اجازت نہ ملی۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پکار کر دریان سے کہا کہ ”شاید رسول اللہ کو یہ گمان ہے کہ میں حضر (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ) کی سفارش کے لئے آیا ہوں خدا کی قسم اگر رسول اللہ حکم دیں تو میں جا کر حضر کی گروں ٹھاروں“۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً بیلایا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ ”کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کو طلاق دے دی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”نہیں“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ تمام مسلمان مسجدیں سو گوار بیٹھے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں تو انہیں یہ مرشدہ سنا اکوں، اس واقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کے تقرب کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہی واقعات کے سلسلے میں ایک موقع پر کہا کہ ”عمر! تم ہر چیز میں دخیل ہو گئے۔ یہاں تک کہ اب ازواج میں بھی دخل دننا چاہتے ہو۔“

ہر ہجری (۴۳۷ء) میں تمام اطراف عرب سے نمایت کثرت سے سفارتیں آئیں۔ اور ہزاروں لاکھوں آدمی اسلام کے حلقتے میں آئے۔ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے لئے مکہ مظہمہ کا قصد کیا اور یہ حج آپ کا آخری حج تھا۔ ہر ہجری (۴۳۷ء) ماہ صفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں کے مقابلے کے لئے اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مامور کیا۔ اور تمام اکابر صحابہ کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ جائیں، لوگ تیار ہو چکے تھے کہ اخیر صفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیار ہو گئے اور تجویز الملوکی رہ گئی۔

۱۔ تذدی و أبو داؤد میں واقعہ فضائل ابو بکرؓ کے تحت میں منقول ہے۔ لیکن غزوہ کی تعریف نہیں ہے۔ ۲۔ صحیح مسلم  
باب العام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بروایت مشهور سالدن بیمار رہے۔ بھقی نے بہ سند صحیح ان کی تعداد دس دن بیان کی ہے۔ سلیمان تھی میں بھی مخازی میں یہی تعداد لکھی ہے، بیماری کی حالت یکماں نہ تھی کبھی بخار کی شدت ہو جاتی تھی اور کبھی اس قدر افاقت ہو جاتا تھا کہ مسجد میں جا کر نماز ادا فرماتے تھے، یہاں تک میں وفات کے مذہب نجیر کے وقت طبیعت اس قدر بحال تھی کہ آپ دروازے تک آئے اور پردہ اٹھا کر لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھانیافت مخطوط ہوئے اور تبسم فرمایا۔

### قرطاس کا واقعہ

بیماری کا بڑا مشہور واقعہ قرطاس کا واقعہ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ نے وفات سے قبل روز پہلے قلم اور دوات طلب کیا۔ اور فرمایا کہ ”میں تمہارے لئے ایسی چیز لکھوں گا کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو گے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو درود کی شدت ہے اور ہمارے لئے قرآن کافی ہے حاضرین میں سے بعضوں نے کہا کہ ”رسول اللہ بھکی باقیں کر رہے ہیں۔“ (غوث بالله) روایت میں ہجر کا لفظ ہے جس کے معنی بہیان کے ہیں۔

یہ واقعہ بظاہر تعب انجیز ہے ایک مفترض کہہ سکتا ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا گستاخی اور سرکشی ہو گی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بستر مرگ پر ہیں اور امت کے درد و غمہ اری کے لحاظ سے فرماتے ہیں کہ ”لاو میں ایک بدایت نامہ لکھ دوں جو تم کو گمراہی سے محفوظ رکھے۔“ یہ ظاہر ہے کہ گمراہی سے بچانے کے لئے جو بدایت ہو گی وہ منصب نبوت کے لحاظ سے ہو گی۔ اور اس لئے اس میں سو و خطا کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ باوجود اس کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ بے پرواہی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ ضرورت نہیں ہم کو قرآن کافی ہے۔ طریقہ کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو بہیان سے تعبیر کیا تھا۔ (غوث بالله)

یہ اعتراض ایک دست سے چلا آتا ہے اور مسلمانوں کے دو مختلف گروہ نے اس پر بڑی طبع آنہایاں کی ہیں۔ لیکن چونکہ اس بحث میں غیر متعلق باقی چھڑ گئیں۔ اور اصول درایت سے کسی نے کام نہیں لیا۔ اس لئے مسئلہ نا منفصل رہا اور عجیب عجیب بیکار بھیں پیدا ہو گئیں۔ یہاں تک کہ یہ مسئلہ چھڑ گیا کہ پیغمبر سے بہیان ہونا ممکن ہے۔ کیونکہ بہیان انسانی عوارض میں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عوارض انسانی سے بری نہ تھے۔

یہاں دراصل یہ امر غور طلب ہے کہ جو واقعہ جس طریقے سے روایتوں میں منقول ہے اس سے کسی امر پر استناد ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس بحث کے لئے پہلے واقعات ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کم بیش سالان تک بیمار رہے۔

(۲) کاغذ و قلم دوات طلب کرنے کا واقعہ جمعرات کے دن کا ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں بصرخند کو رہے اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوشنبہ کے دن انتقال فرمایا۔ اس لئے اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاروں تک زندہ رہے۔

(۳) اس تمام مدت بیماری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت اور کوئی واقعہ اختلال حواس کا کسی روایت میں کہیں مندرجہ نہیں۔

(۴) اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے۔ لیکن یہ حدیث باہر جو دو اس کے بہت سے طریقوں سے مروی ہے (چنانچہ صرف صحیح بخاری میں سات طریقوں سے مذکور ہے) باسیں ہجہ بجز عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا درکری محابی یعنی انہوں نے تعلق ایک ہفت بھی منقول نہیں۔

(۵) عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر اس وقت صرف ۳۷۔ ۳۸ برس کی تھی۔

(۶) سب سے بڑھ کر یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس موقع پر عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود موجود نہ تھے اور یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ انہوں نے کس سے سنائے۔ بخاری باب کتابۃ العلم میں ہو حدیث مذکور ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ واقعہ میں موجود تھے۔ اس لئے محدثین نے اس پر بحث کی ہے اور بہ دلائل قطعیہ ثابت کیا ہے کہ موجود نہ تھے۔ دیکھو فتح الباری باب کتابۃ العلم

(۷) تمام روایتوں میں مذکور ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کاغذ قلم مانگا تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ بھکی ہوئی باقیل کر رہے ہیں۔ علاسہ قرطبی نے یہ تاویل کی ہے اور اس پر ان کا ناز ہے کہ ”لوگوں نے یہ لفظ انکار و استجواب کے طور پر کما تھا۔ یعنی یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعلیم کرنی چاہئے۔ خدا نخواست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بہیان تو نہیں کہ اس پر خلاصہ کیا جاوے یہ تاویل لگتی ہوئی ہے۔ لیکن بخاری و مسلم کی بعض روایتوں میں ایسے الفاظ ہیں جن میں اس تاویل کا احتمال نہیں۔ مثلاً هجر هجر (دوفند) یا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم هجر (صحیح مسلم)

اب سب سے پہلے یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ جب اور کوئی واقعہ یا قرینة آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اختلال و حواس کا کہیں کسی روایت میں مذکور نہیں تو صرف اس قدر کہنے سے کہ ”قلم دوات لا او“ لوگوں کو بہیان کا کیوں نکر خیال پیدا ہو سکتا تھا؟ فرض کر لو کہ انبیاء سے

ہذیان سرزد ہو سکتا ہے لیکن اس کے یہ تو معنی نہیں کہ وہ معمولی بات بھی کہیں تو ہذیان سمجھی جائے ایک پیغمبر کا وفات کے قریب یہ کہنا کہ قلم دوات لاویں ایسی چیزیں لکھ دوں کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو اس میں ہذیان کی کیا بات ہے ؟ یہ روایت اگر خواہ مخواہ صحیح سمجھی جائے تب بھی اس قدر بہرحال تسلیم کرنا ہو گا کہ راوی نے روایت میں وہ واقعات چھوڑ دئے ہیں جن سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوش میں نہیں ہیں اور بیویتی کی حالت میں قلم دوات طلب فرمائے ہیں۔ پس ایسی روایت سے جس میں راوی نے واقعہ کی نہایت ضروری خصوصیتیں چھوڑ دیں۔ کسی واقعہ پر کیونکرا استدلال ہو سکتا ہے۔ اس کے ساتھ جب ان امور کا لحاظ کیا جائے کہ اتنے بڑے عظیم الشان واقعہ میں تمام صحابہ میں سے صرف حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے راوی ہیں۔ اور یہ کہ ان کی عمر اس وقت ۳۳-۳۴ برس کی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ واقعہ کے وقت موجود نہ تھے۔ تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس روایت کی حیثیت کیا ہو جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ کسی کوتاه نظر پر یہ امر گراں گزرے کہ بخاری اور مسلم کی حدیث پر شبہ کیا جائے لیکن اس کو سمجھنا چاہئے کہ بخاری اور مسلم کے کسی راوی کی نسبت یہ شبہ کرنا کہ وہ واقعہ کی پوری ہیئت محفوظ نہ رکھ سکا۔ اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہذیان اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت گستاخی کا الزام لگایا جائے۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کے بعد چاروں تک زندہ رہے۔ اور اس اشاعت میں تاؤف تاؤہ ہی ہدایتیں اور وصیتیں فرمائیں، عین وفات کے دن آپ کی حالت اس قدر سنبھل گئی تھی کہ لوگوں کو بالکل صحت کا مکان ہو گیا تھا۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی خیال سے اپنے مکان کو جو مدنیہ منورہ سے دو میل پر تھا اپس پلے گئے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفات کے وقت تک موجود رہے۔ آنحضرت نے ۲۷ ربیع الاول مہاجری دو شنبہ کے دن دوپر کے وقت حضرت عائشہ کے گھر میں انتقال فرمایا سہ شنبہ کو دوپر ڈھلنے پر مدفن ہوئے۔ جماعت اسلام کو آپ کے وفات سے جو صدمہ ہوا اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ عام روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر خود رفتہ ہوئے کہ مسجد نبوی میں جا کر اعلان کیا کہ ”جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرت نے وفات پائی اس کو قتل کر دوں گا“۔

لے ہمارے نکتے بخوبی نے مضمون آؤتی کی ہے کہ رسول اللہ لکھنا نہیں جانتے تھے اس لئے آپ کا یہ فرمانا کہ میں لکھ دوں ہذیان کا قریب تھا۔ لیکن ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ لکھنے کے معنی لکھوانے کے بھی آتے ہیں۔ اور یہ مجاز عموم شائع و ذاتی ہے۔ ۲ طبعی صفحہ ۳۴۔

لیکن قرائیں اس روایت کی تصدیق نہیں کرتے، ہمارے نزدیک چونکہ مدینے میں کثرت سے  
منافقین کا گروہ موجود تھا۔ جو فتنہ پروازی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا منتظر  
تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصلحتاً اس خبر کو پھیلنے سے روکا ہو گا۔ اسی واقعہ  
نے روایتوں کے تغیرات سے مختلف صورت اختیار کر لی ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ صحیح  
بخاری وغیرہ میں اس قسم کی تصریحات موجود ہیں جو ہمارے اس قیاس کے مطابق نہیں ہو  
سکتیں۔

## سقیفہ بنی ساعدہ حضرت ابو بکر رض کی خلافت اور حضرت عمر رض کا استخلاف

یہ واقعہ بظاہر تجуб سے خالی نہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی زبان پیدا ہو گئی۔ اور اس پات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پسلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجیزوں تکفین سے فراغت حاصل کی جائے۔ کس کے قیاس میں آسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو ان کے عشق و محبت کا دعویٰ ہو وہ ان کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائیں۔ اور اس بندوبست میں مصروف ہوں کہ مند حکومت اوروں کے قبضہ میں نہ آجائے۔

تجب پر تجub یہ ہے کہ یہ فعل ان لوگوں (حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے سرزد ہوا جو آسان اسلام کے مہماہ تسلیم کئے جاتے ہیں، اس فعل کی ناگواری اس وقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فطری تعلق تھا، یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و خاندان بنی ہاشم ان پر فطری تعلق کا پورا پورا اثر ہوا اور اس وجہ سے آنحضرت کے درد غم اور تجیزوں تکفین سے ان باقیوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی۔

ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب حدیث ویرے سے بظاہر اسی قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ یہ حق ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ <sup>و ابوبکر و عمار</sup> آنحضرت کی تجیزوں تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے۔ یہ بھی حق ہے کہ انہوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ کر خلافت کے باب میں انصار سے معرکہ آرائی کی۔ اور اس طرح ان کوششوں میں مصروف رہے کہ گویا ان پر کوئی حادثہ پیش ہی نہیں آیا تھا۔ یہ بھی حق ہے کہ انہوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنوہاشم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بزور مزاہا چاہا گو بنوہاشم نے آسانی سے ان کی خلافت تسلیم نہیں کی۔ لیکن اس بحث میں جو غور طلب باتیں ہیں وہ یہ ہیں۔

① کیا خلافت کا سوال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے چھیڑا تھا؟

② کیا یہ لوگ خود اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے تھے؟

- ۳ کیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بنوہاشم خلافت کی فکر سے باکل فارغ تھے؟  
 ۴ ایسی حالت میں جو کچھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے کیا، وہ کتنا چاہئے تھا یا نہیں؟

پہلی دو بحثوں کی نسبت ہم نہایت مستند کتاب مسند ابو یعلوٰ کی عبارت نقل کرتے ہیں جس سے واقعہ کی کیفیت بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ  
 يَنْهَا مُحَمَّدُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَى جَنِيداً مِنْ وَرَاءِ الْجَدَرِ أَنَّ أَخْرَجَ إِلَيْهِ مَا بِأَيْمَانِهِ فَقَاتَلَ إِلَيْكَ  
 عَنِ الْفَانِيَةِ عَنْكَ مَا شَاغَلَكَ بَعْدَ مَا أَمْرَاهُ سَلَّمُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ قَدْ حَدَثَ أَمْرٌ فَإِنَّ الْأَنْصَارَ اجْتَمَعُوا فِي سَقِيفَةِ بَنِي  
 سَاعِدٍ فَادْرَكُوهُمْ أَنْ يَعْدُ ثُوا أَمْرًا يَكُونُ فِيهِ حُربٌ فَقَاتَلُوكُمْ لَا يَنْظَرُونَ  
 بَكْرًا نَطَقَ -

”حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خانہ امبارک میں پیش ہے تھے کہ دفتداریوار کے پیچھے سے ایک آدمی نے آواز دی کہ این الخطاب (حضرت عمر) ذرا باہر آؤ میں نے کما چلو ہو ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بندوبست میں مشغول ہیں اس نے کما کہ ایک خادشہ پیش آیا ہے۔ یعنی انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکھٹے ہوئے ہیں۔ اس نے جلد پہنچ کر ان کی خبر لو، ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی باتیں کرائیں جس سے لڑائی چھڑ جائے۔ اس وقت میں نے حضرت ابو بکرؓ سے کما کہ چلو۔“

اس سے ظاہر ہو گیا کہ نہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے خلافت کی بحث کو چھیڑا رہتا ہے اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ کو جانا چاہئے تھے۔

تیسرا بحث کی کیفیت یہ ہے کہ اس وقت جماعت اسلامی کو تین گروہوں میں تقسیم کی جاسکتی تھی۔ ۱) بنوہاشم جس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شامل تھے ۲) مہاجرین کے رہمیں وافر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ تھے ۳) انصار جن کے شیخ القیلہ سعد بن عبادہ تھے۔ ان تینوں میں سے ایک گروہ بھی خلافت کے خیال سے خالی نہ تھا۔ انصار نے اپنا ارادہ ظاہر کر دیا تھا۔ بنوہاشم کے خیالات ذیل کی روایت سے معلوم ہوں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکان سے باہر نکلے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ کامراج کیسا ہے، چونکہ آنحضرت کی ظاہری حالت بالکل سنبھل گئی تھی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ خدا کے فضل و کرم سے آپ اچھے ہو گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا باتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کی قسم تم تین دن کے بعد غلامی کرو گے۔ میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ عنقریب اس مرض میں وفات پائیں گے۔ کیونکہ مجھ کو اس کا تجربہ ہے کہ خاندان عبدالمطلب کا چھوٹا سوت کے قریب کس طرح متغیر ہوتا ہے۔ اُو چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد منصب (خلافت) کس کو حاصل ہو گا۔ اگر ہم اس کے مستحق ہیں تو رسول اللہ ہمارے لیے وصیت فرمادیں گے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "میں نہ پوچھوں گا کیونکہ اگر پوچھنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا تو پھر آئندہ کوئی امید نہ رہے گی۔  
(صحیح بخاری باب مرض النبی مع فتح الباری)

اس روایت سے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال تو صاف معلوم ہوتا ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نکات کا اس وقت تک لیقین نہ تھا اس لئے انہوں نے کوئی تحریک کرنا مناسب نہیں سمجھا اس کے علاوہ اپنے انتخاب کئے جانے پر بھروسہ نہ تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت قاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں ایک مجمع ہوا تھا جس میں تمام بنوہاشم اور ان کے اتباع شریک تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پیشوخت تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی روایت ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الحدود باب رحم المیل)

كَانَ مِنْ خَبْرِ نَاهِيْنَ تُو فِي اللَّهِ نَبِيْهِ أَنَ الْأَنْصَارَ خَالِفُونَا  
وَاجْتَمَعُوا بَاسِرَهُمْ فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةِ وَخَالِفُ عَنَا عَلِيَّ

وَالزَّيْرُ مِنْ مَعْهُمَا وَاجْتَمَعَ الْمَهَاجِرُونَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ۔

"ہماری سرگذشت یہ ہے کہ جب خدا نے اپنے پیغمبر کو اٹھا لیا تو انصار نے قاطبۃ ہماری مخالفت کی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور علی اور زیبر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے ساتھیوں نے بھی مخالفت کی۔ اور مهاجرین ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جمع

ہوئے۔

یہ تقریر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بڑے مجمع میں کی تھی جس میں سینکڑوں صحابہ موجود تھے اسلئے اس بات کا گلگان نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے کوئی امر خلاف واقع کیا ہو، ورنہ یہ لوگ ان کو وہیں ٹوکتے۔ امام مالکؓ کی روایت میں یہ واقعہ اور صاف ہو گیا ہے۔ اس کے یہ الفاظ ہیں۔

**وَإِنْ عَلَيْهَا وَالزَّيْرُ وَمَنْ كَانَ مَعَهَا نَخْلُفُهَا فَإِنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ**

**رَسُولِ اللَّهِ** (فتح الباری شرح حدیث ذکر)

”اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زیبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے وہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں ہم سے الگ ہو کر جمع ہوئے۔“

تاریخ طبری میں ہے

**وَتَخَفَّفَ عَلَى وَالزَّيْرِ وَأَخْتَرَطَ الْزَّيْرَ سِينَهُ وَقَالَ لَا أَعْمَلُهُ حَتَّى**

**بِيَاعِ عَلَى**۔ (تاریخ طبری صفحہ ۱۸۰)

”اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زیبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علیحدگی اختیار کی اور زیبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تلوار میان سے کھینچ لی اور کہا جب تک علی کے ہاتھ پر بیعت نہ کی جائے میں تلوار میان میں نہ ڈالوں گا۔“

ان تمام روایتوں سے صاف یہ نتائج نکلتے ہیں کہ

۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ ہی خلافت کے باب میں تین گروہ ہو گئے

(۱) النصار (۲) مهاجرین (۳) بنوہاشم

۲) مهاجرین حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور بنوہاشم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے

۳) جس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر سقیفہ کو چلے گئے تھے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے چلے آئے تھے۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں بنوہاشم کا مجمع ہوا تھا۔

سقیفہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نہ جانا اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غم والم میں مصروف تھے، اور ان کو ایسے پروردہ موقع پر خلافت کا خیال نہیں آسکا تھا۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ سقیفہ میں مہاجرین اور انصار جمع تھے۔ اور ان دونوں گروہ میں سے کوئی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دعویٰ کی تائید نہ کرتا۔ کیونکہ مہاجرین حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیشوَا تعلیم کرتے تھے۔ اور انصار کے رئیس سعد بن عبادہ تھے۔

اخیر بحث یہ ہے کہ جو کچھ ہوا وہ بے جا تھا یا بجا؟ اس کو ہر شخص جو ذرا بھی اصول تدبیس واقفیت رکھتا ہو با آسانی سمجھ سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت وفات پائی مدینہ منورہ مخالفوں سے بھرا پڑا تھا جو حدت سے اس بات کے..... منتظر تھے کہ رسول اللہ کا سایہ اٹھ جائے تو اسلام کو پامال کر دیں۔ اس نازک وقت میں آیا یہ ضروری تھا کہ لوگ جزع اور گریہ زاری میں مصروف رہیں یا یہ کہ فوراً خلافت کا انتظام کر لیا جائے۔ اور ایک منتظم حالت قائم ہو جائے انصار نے اپنی طرف سے خلافت کی بحث چھیڑ کر حالت کو اور نازک کر دیا۔ کیونکہ قریش جو انصار کو اس قدر حیرت کھلتے تھے کہ جنگ بد رہیں جب انصار ان کے مقابلے کو نکلے تو عتبہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا کہ «هم ناجنوں سے نہیں لڑ سکتے»، کسی طرح انصار کے آگے سر تسلیم ختم نہیں کر سکتے تھے۔ قریش پر کیا موقف ہے، تمام عرب کو انصار کی متابعت سے انکار ہوتا، چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سقیفہ میں جو خطبہ دیا اس میں صاف اس خیال کو ظاہر کیا اور کہا "وَإِنَّ الْعَرَبَ لَا تَعْرِفُ هَذَا إِلَّا مِنْ لِهُمْ مِنْ قُرْبَى" اس کے علاوہ انصار میں خود گروہ تھے، اوس اور خزرج اور ان میں باہم اتفاق نہ تھا۔ اس حالت میں ضروری تھا کہ انصار کے دعویٰ خلافت کو دیا دیا جائے، اور کوئی لا قبض فوراً انتخاب کر لیا جائے۔ مجمع میں جو لوگ موجود تھے ان میں سب سے با اثر بزرگ اور معتر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اور فوراً ان کا انتخاب بھی ہو جاتا۔ لیکن لوگ انصار کی بحث وزدایع میں پھنس گئے تھے۔ اور بحث طول پکڑ کر قریب تھا کہ تکواریں میان سے نکل آئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ رنگ دیکھ کر دفعہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا کہ سب سے پہلے میں بیعت کرتا ہوں۔ ساتھ ہی حضرت عثمان، ابو عبید بن جراح، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی ہاتھ بیعت دی اور پھر عام خلقت ثوث پڑی۔ اس کا روائی سے ایک اٹھتا ہوا طوفان رک

۔ ابن الماوردی نے الأحكام السلطانية میں لکھا ہے کہ اول صرف پانچ شخصوں نے بیعت کی تھی۔

گیا۔ اور لوگ مطمئن ہو کر کاروبار میں مشغول ہو گئے صرف بونا شم اپنے ادعا پر رکے رہے، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں وقار فوتا جمع ہو کر مشورے کرتے رہتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنوران سے بیعت لئی چاہی۔ لیکن بونا شم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کسی کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ ابن الہی شیبہ نے مصنف میں اور علامہ طبری نے تاریخ مکہ میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے دووازے پر کھڑے ہو کر کہا ”یا بنت رسول اللہ خدا کی قسم آپ ہم سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ تاہم اگر آپ کے یہاں لوگ اس طرح مجمع کرتے رہے تو میں ان لوگوں کی وجہ سے گھر میں آگ لگاؤں گا۔“ اگرچہ سند کے اعتبار سے اس روایت پر ہم اپنا اعتبار ظاہر نہیں کر سکتے کیونکہ اس روایت کے روایۃ کا حال ہم کو معلوم نہیں ہو سکا۔ تاہم درایت کے اعتبار سے اس وقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ جو کاروائیاں کیں ان میں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ کہ انہی بے اعتدالیوں نے اٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا۔ بونا شم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اسی وقت جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا۔ اور وہیں خانہ جنگیاں برباہو جاتیں جو آگے چل کر جناب علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں واقع ہوئیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی مدت سو ادو برس ہے کیونکہ انہوں نے جمادی الثانی سالہ ہجری میں انتقال کیا۔ اس عمد میں اگرچہ جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرکت سے انجام پائے تاہم ان واقعات کو ہم الفاروق نہیں لکھ سکتے کیونکہ وہ پھر بھی عمد صدیقی کے واقعات ہیں۔ اور اس شخص کا حصہ ہیں جس کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح عمری لکھنے کا شرف حاصل ہو۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اگرچہ مذوق کے تجربہ سے یقین ہو گیا تھا کہ خلافت کا بارگراں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اور کسی سے اٹھ نہیں سکتا تاہم وفات کے قریب انہوں نے رائے کا اندازہ کرنے کے لئے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا۔ سب سے پہلے عبد الرحمن بن عوف کو بلا کر پوچھا۔ انہوں نے کہا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قابلیت میں کیا کلام ہے لیکن مزاج میں سختی ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”ان کی سختی اس لئے

تھی کہ میں نرم تھا۔ جب کام اُنہی پر آپ نے گاتو وہ خود بخود نرم ہو جائیں گے پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر پوچھا، انہوں نے کہا کہ ”میں اس قدر کہ سکتا ہو کہ عمر کا باطن ظاہر سے اچھا ہے اور ہم لوگوں میں ان کا جواب نہیں۔“ جب اس بات کے چرچے ہوئے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ کرنا چاہتے ہیں تو بعضوں کو تردد ہوا۔ چنانچہ طلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر کہا کہ ”آپ کے موجود ہوتے ہوئے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہم لوگوں کے ساتھ کیا برداز تھا؟ اب وہ خود خلیفہ ہونگے تو خدا جانے کیا کریں گے اب آپ خدا کے ہاں جاتے ہیں۔ یہ سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیجئے گا؟“ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”میں خدا سے کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو افسر مقرر کیا جو تیرے بندوں میں سب سے زیادہ اچھا تھا۔“ یہ کہہ کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا یا۔ اور عمد نامہ لکھوانا شروع کیا۔ ابتدائی الفاظ لکھوائے جا چکے تھے کہ غش آگیا، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دیکھ کر یہ الفاظ اپنی طرف سے لکھ دیئے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد ہوش آیا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ کیا لکھا ہے مجھ کر پڑھ کر سناؤ۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھا تو بے ساختہ اللہ اکبر پکارا ٹھے اور ”کہا کہ خدا تم کو جزاء خیر دے“ عمد نامہ لکھا جا چکا تھا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلام کو دیا کہ مجمع عام میں سنائے پھر خود بالا خانے پر جا کر لوگوں سے جو یونچے جمع تھے مخاطب ہوئے اور کہا کہ میں نے اپنے کسی بھائی بند کو خلیفہ مقرر نہیں کیا۔ بلکہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر کیا۔ کیا تم لوگ اس پر راضی ہوئے سب نے سمعنا و اطعنا کہا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہایت مؤثر اور مفید پیشیں کیں جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے عمدہ و ستور العلی کی جگہ کام آئیں۔

## خلافت اور فتوحات

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمد میں تین عرب اور مدینہ عیان نبوت کا خاتمہ ہو کر فتوحات ملکی کا آغاز ہو چکا تھا۔ خلافت کے دو سرے ہی برس یعنی ۱۱ ہجری میں عراق میں لشکر کشی ہوئی اور حیو کے تمام اضلاع فتح ہو گئے۔ سال ہجری (۳۴۳ء) میں شام پر حملہ ہوا۔ اور اسلامی فوجیں تمام اضلاع میں پھیل گئیں۔ ان مہماں کا ابھی آغاز ہی تھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عنان خلافت اپنے ہاتھ میں لی تو سب سے ضروری کام ہنہیں ہمایات کا انجام دینا تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم ان واقعات کی تفصیل لکھیں یہ بتانا ضروری ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کے فارس و شام سے کیا تعلقات تھے۔

عرب کا نامیت قدم خاندان جو عرب بادیہ کے نام سے مشور ہے۔ اگرچہ اس کے حالات نامعلوم ہیں تاہم اس قدر ہے کہ عاد اور عماليق نے عراق پر قبضہ کر لیا تھا۔ عرب عرباء جو یمن کے فرازدا تھے ان کی حکومت ایک زمانہ میں بہت زور پکڑ گئی تھی۔ یہاں تک کہ چند بار عراق پر قابض ہو گئے اور سلطنت فارس کے ساتھ ان کو ہمسری کا دعویٰ رہا۔

رفتہ رفتہ عرب خود حکومت فارس کے علاقہ میں آباد ہونے شروع ہو گئے جخت نصر نے جو پائل کا بادشاہ تھا۔ اور بیت المقدس کی بیادی نے ان کے نام کو شہرت دے دی ہے۔ جب عرب پر حملہ کیا تو بہت سے قبیلے اس کے مطیع ہو گئے اور اس تعلق سے عراق میں جا کر آباد ہو گئے۔ رفتہ رفتہ معد بن عدنان کی بہت سی نسلیں ان مقامات میں آباد ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ ریاست کی بنیاد پکڑ گئی۔ اور چونکہ اس زمانے میں سلطنت فارس میں طوائف الملوكی قائم ہو گئی تھی، عربوں نے مستقل حکومت قائم کر لی۔ جس کا پہلا فرمازوں امیر بن فہم عدنانی تھا۔ اس خاندان میں جزیرۃ الابرش کی سلطنت نہایت وسیع ہوئی۔ اس کا بھانجہ عمُر بن عدی جو اس کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس نے حیو کو ذار السلطنت قرار دیا۔ اور عراق کا بادشاہ کہلایا، اس دور میں اس قدر تمدن پیدا ہو گیا تھا کہ شام کلبی کا بیان می ہے کہ میں نے عرب کے زیادہ تر حالات اور فارس و عرب کے تعلقات زیادہ تر انی کتابوں سے معلوم کئے جو حیو میں اس زمانے

۔ ہشام کلبی نے یہ تصریح کتاب استیحان میں کی ہے۔

میں تصنیف ہوئی تھیں۔ اسی زمانے میں ارد شیر بن مالک نے طوائف الملوكی مٹا کر ایک وسیع سلطنت قائم کی اور عمرو بن عدی کو با گجرار بنا لیا۔ عمرو بن عدی کا خاندان اگرچہ متک عراق میں فرمائزا رہا۔ لیکن درحقیقت وہ سلطنت فارس کا ایک صوبہ تھا۔

شاہ پور بن ارد شیر جو سلسلہ ساسانیہ کا دوسرا فرمائزا رہا تھا۔ اس کے عمد میں حجاز و یمن دونوں با گجرار ہو گئے اور امراء القیس کندی ان صوبوں کا گورنر مقرر ہوا۔ تاہم مطیع ہو کر رہنا عرب کی فطرت کے خلاف تھا۔ اس لئے جب کبھی موقع ملتا تھا تو بغاوت برپا ہو جاتی تھی چنانچہ شاہ پورذی الاتکاف جب صغرنی میں فارس کے سخت پر بیٹھا تو تمام عرب میں بغاوت پھیل گئی۔ یہاں تک کہ قبیلہ عبد القیس نے خود فارس پر حملہ کر دیا۔ اور ایاد نے عراق کے صوبے دیا لئے شاہ پورڈا ہو کر بڑے عزم و استقلال کا باڈ شاہ ہوا۔ اور عرب کی بغاوت کا انتقام لینا چاہا۔ بھر میں پہنچ کر نہایت خوزیزی کی اور قبیلہ عبد القیس کو برباد کرتا ہوا مرتبہ منورہ تک پہنچ گیا۔ رہاسنے عرب جو گرفتار ہو کر اس کے سامنے آتے تھے ان کے شانے اکھڑواڑا تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے عرب میں وہ الاتکاف کے لقب سے مشور ہے۔

سلطین حیرہ میں سے نہمان بن منذر نے جو کسری پرویز کے نامہ میں تھا۔ عیسوی مذہب قبول کر لیا۔ اور اس تبدیل مذہب پر پیا کسی اور سبب سے پرویز نے اسکو قید کر دیا۔ اور قید ہی میں اس نے وفات پائی، نہمان نے اپنے ہتھیار وغیرہ ہانی کے پاس امانت رکھوادیئے جو قبیلہ بکر کا سردار تھا، پرویز نے اس سے وہ چیزیں طلب کیں۔ اور جب اس نے انکار کیا تو ہر مزان کو دو ہزار فوج کے ساتھ بھیجا کر بنور چھین لائے بکر کے تمام قبیلے ذی وقار ایک مقام میں بڑے سروسامان سے جمع ہوئے۔ اور سخت معزکہ ہوا۔ فارسیوں نے شکست کھائی۔ اس لڑائی میں جناب رسول اللہ بھی تشریف رکھتے تھے اور آپ نے فرمایا کہ

**هذا اول يوم انتصفت العرب من العجم**

یعنی ”یہ پہلا دن ہے کہ عرب نے عجم سے بدله لیا۔“

عرب کے تمام شعراء نے اس واقعہ پر بڑے غنچہ اور جوش کے ساتھ قصیدے اور اشعار لکھے۔ سنہ ۱۶ ہجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بادشاہوں کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے تو باوجود اس کے کہ ان خطوط میں جنگ و جدل کا اشارہ تک نہ تھا۔ پرویز نے خط پڑھ کر کہا کہ میرا غلام ہو کر مجھ کو یوں لکھتا ہے۔ اس پر بھی تقاضہ نہ کی بلکہ بازان کو جو یمن کا عامل تھا لکھا کہ کسی کو بھیج دو کہ ”محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر کے دربار میں لائے۔“

اتفاق سے اسی نہانے میں پرویز کو اس کے بیٹھنے پر بلاک کر دیا اور معاملہ بیسیں تک رہ گیا۔ روی سلطنت سے عرب کا جو تعلق تھا یہ تھا کہ عرب کے چند قبیلے سُلیخ و غسان و جذام وغیرہ شام کے سرحدی اضلاع میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ ان لوگوں نے رفتہ رفتہ شام کے اندر یعنی اضلاع پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور زیادہ قوت و جمیعت حاصل کر کے شام کے بادشاہ کملانے لگے تھے لیکن یہ لقب خود انکا خانہ ساز لقب تھا۔ ورنہ جیسا کہ مولانا ابن الاشیر نے تصریح کی ہے در حقیقت وہ روی سلطنت کے صوبہ دار تھے۔

ان لوگوں نے اسلام سے بہت پسلے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا۔ اور اس وجہ سے ان کو رومیوں کے ساتھ ایک قسم کی لیگانگت ہو گئی، اسلام کا نامانہ آیا تو مشرکین عرب کی طرح وہ بھی اسلام کے دشمن نکل سنا۔ ۶ هجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کو دعوت اسلام کا خط لکھا۔ اور وحیہ کلبی (جو خط لے کر گئے تھے) واپس آتے ہوئے ارض جذام میں پہنچے تو انہی شامی عربوں نے وحیہ پر حملہ کر دیا۔ اور تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ اسی طرح جب رسول اللہ نے حارث بن عمر کو خط دے کر بھڑی کے حاکم کے پاس بھیجا تو عمرو بن شریل نے ان کو قتل کر دیا۔ چنانچہ اس کے انتقام کیلئے رسول اللہ نے سنہ ۸ هجری میں لشکر کشی کی اور غزوہ موتہ کا واقعہ پیش آیا، اس لڑائی میں نید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبد اللہ بن رواجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بڑے رتبہ کے صحابہ تھے، شہید ہوئے۔ اور گو خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکمت عملی سے فوج صحیح و سلامت نکل آئی تاہم نتیجہ جگہ حقیقت نکلت تھا۔

۹ هجری میں رومیوں نے خاص مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کیں۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود پیش قدمی کر کے مقام تبوک تک پہنچے تو ان کو آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اگرچہ اس وقت عارضی طور سے لڑائی رک گئی لیکن روی اور غسانی مسلمانوں کی فکر سے کبھی غافل نہیں رہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو ہمیشہ کھلا لگا رہتا تھا کہ مدینہ پر چڑھنے آئیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت مشورہ ہوا کہ آپ نے ازواج مطررات کو طلاق دے دی تو ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر کہا کہ کچھ تم نے سننا! حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا؟ کیسی غسانی تو نہیں چڑھ آئے۔

اسی حفظ ماقدم کے لئے ۹ هجری میں رسول اللہ امامہ بن نید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

سردار بنا کر شام کی مسما پر بھیجا۔ اور چونکہ ایک عظیم الشان سلطنت کا مقابلہ تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور برے برے نامور صحابہ مأمور ہوئے کہ فوج کے ساتھ جائیں۔ اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی روانہ نہیں ہوئے تھے کہ رسول اللہ نے یہاں ہو کر انتقال فرمایا۔ غرض جب حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر متمن کن ہوئے تو عرب کی یہ حالت تھی کہ دونوں ہمسایہ سلطنتوں کا ہدف بن چکا تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام پر لشکر کشی کی تو فوج سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم میں جو شخص مارا جائے گا شہید ہو گا۔ اور جو نجع جائے گا مدافع عن الدین ہو گا۔ یعنی دین کو اس نے دشمنوں کے حملے سے بچایا ہو گا۔ ان واقعات سے ظاہر ہو گا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کام شروع کیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس کی تحریکی کی اس کے کیا اسباب تھے؟ اس تحریکی بیان کے بعد ہم اصل مطلب شروع کرتے ہیں۔

## فتواتِ عراق

فارس کی حکومت کا چوتھا درجہ ساسانی کھلا تا ہے نوشیروان عاول کی وجہ سے بست نام آور ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسی کا پوتا پرویز تخت نشین تھا۔ اس مغورو بادشاہ کے زمانے تک سلطنت نہایت قوی اور نور آور رہی لیکن اس کے مرنے ساتھ دفعہ ایسی اپتری پیدا ہو گئی کہ ایوان حکومت مدت تک متزلزل رہا۔ شیرودیہ اس کے بیٹے نے کل آٹھ مہینے حکومت کی اور اپنے تمام بھائیوں کو جو کم بیش پندرہ تھے قتل کرا دیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ارشیرے برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا لیکن ڈیرہ برس کے بعد دوبار کے ایک افرانے اس کو قتل کر دیا۔ اور آپ بادشاہ بن بیٹھا یہ سنہ ہجری کا بارہواں سال تھا۔ چند روز کے بعد درباریوں نے اس کو قتل کر کے جوان شیر کو تخت نشین کیا۔ وہ ایک برس کے بعد قضا کر گیا۔ اب چونکہ خاندان میں بیوگرد کے سوا جو نہایت صغير السن تھا، اولاد ذکور بیانی نہیں رہی تھے۔

۱۔ جغرافیہ نویسوں نے عراق کے دو حصے کے ہیں یعنی جو حصہ عرب سے ملت ہے۔ اس کو عراق عرب اور جو حصہ عمّ سے ملت ہے اس کو عراق بگم کہتے ہیں عراق عرب کی حدود اربعہ یہ ہیں شمال میں بزریہ جنوب میں بخارس، مشرق میں خوزستان اور مغرب میں دیار بکر ہے جس کا مشہور شہر موصل ہے اور دارالسلطنت اس کا بقیدار ہے اور جو برے برے شر اس میں آیا ہیں وہ بصرہ کوفہ و اسطڑہ وغیرہ ہیں۔ ۲۔ ہمارے مورخین کا عام طریقہ یہ ہے کہ وہ سنبھین کو عنوان قرار دیتے ہیں لیکن اس میں یہ تفصیل ہے کہ واقعات کا سلسلہ ثبوت جاتا ہے مثلاً وہ ایران کی فتوحات لکھتے آئے ہیں کہ سنہ خشم ہوا چاہتا ہے اور ان کو اس سنہ کے تمام واقعات لکھتے ہیں۔ اس لئے قبل اس کے کہ ایران کی فتوحات تمام ہوں یا مونزوں موقع ران کا سلسلہ ثوڑے شام و مصر کے واقعات کو جو اسی سنہ میں پیش آئے تھے چھیڑ دیا پڑتا ہے اس لئے میں نے ایران کی تمام فتوحات کو ایک جا شام کو ایک جا اور مصر کو ایک جا لکھا ہے۔

پوران دخت کو اس شرط پر تخت نشین کیا گیا کہ یہ زگرسن شعور کو پہنچ جائے گا تو وہی تخت و تاج کا مالک ہو گا۔ (شیرودیہ کے بعد سلہ حکومت کی ترتیب اور ناموں کی تفہیں میں موجود ہیں اس قدر مختلف ہیں کہ دو مورخ بھی باہم متفق نہیں، فروہی کا بیان سب سے الگ ہے میں نے بخطاط قدم الحد اور فارسی انسن ہونے ابوحنیفہ دنوری کے بیان کو ترجیح دی ہے)

پوریز کے بعد جو انقلابات حکومت ہوتے رہے اس کی وجہ سے ملک میں جام جما بے امنی پھیل گئی پوران کے زمانے میں یہ مشہور ہو گیا کہ فارس میں کوئی وارث تاج و تخت نہیں رہا۔ برائے نام ایک عورت کو ایوان شاہی میں بٹھا رکھا ہے۔ اس خبر کی شہر کے ساتھ عراق میں قبیلہ واکل کے دو سرداروں شیخ اشیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی سی جمعیت بھیم پہنچا کر عراق کی سرحد حیرہ والہ کی طرف غارت گری شروع لے لی۔ یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا اور خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیف اللہ یمامہ اور دیگر قبائل عرب کی مسممات سے فارغ ہو چکے تھے۔ شیخ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عراق پر حملہ کرنے کی اجازت حاصل کی، شیخ خود اگرچہ اسلام لا چکے تھے۔ لیکن اس وقت تک ان کا تمام قبیلہ عیسائی یا بت پرست تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت سے واپس آگر انہوں نے اپنے قبیلہ کو اسلام کی ترغیب دی اور قبیلہ کا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ ان نو مسلموں کے ایک بڑے گروہ نے کر عراق کا رخ کیا۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالد کو مدد کے لئے بھیجا۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عراق کے تمام سرحدی مقام فتح کر لئے۔ اور حیرہ پر علم فتح نصب کیا۔ یہ مقام کوفہ سے تین میل ہے۔ اور چونکہ یہاں نعمان بن منذر نے حوزق ایک مشہور محل ہے نایا تھا وہ ایک یاد گار مقام خیال کیا جاتا تھا۔

عراق کی یہ فتوحات خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بڑے بڑے کارناموں پر مشتمل ہیں، لیکن ان کے بیان کرنے کا یہ محل نہیں تھا۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسممات عراق کا خاتمه کر دیا ہوتا۔ لیکن چونکہ اوہ رشام کی مہم در پیش تھی اور جس نور شور سے وہاں عیسائیوں نے اڑتے کی تیاریاں کی تھیں اس کے مقابلے کا وہاں پورا سامان نہ تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ربيع الثانی سہر ہجری (۳۳۷ء) میں خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم بھیجا کہ فوراً شام کو روانہ ہوں اور شیخ اکوپنا جانشین کرتے جائیں، اور خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روانہ ہوئے اور عراق کی فتوحات دفعہ دو کر گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر بیٹھے تو سب سے پہلے عراق کی مہم پر توجہ

کی بیعت خلافت کے لئے تمام اطراف و بیمار سے بیشتر آدمی آئے تھے۔ اور تین دن تک ان کا  
تامبا بندھا رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقع کو غیمت سمجھا۔ اور مجمع عام  
میں جماد کا وعظ کمال۔ لیکن چونکہ لوگوں کا عام خیال تھا کہ عراق حکومت فارس کا پایہ تخت ہے۔  
اور وہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بغیر فتح نہیں ہو سکتا۔ اس لئے سب خاموش رہے۔ حضرت  
عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کئی دن تک وعظ کیا، لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر چوتھے دن اس جوش  
سے تقریر کی کہ حاضرین کے دل مل گئے۔ متن شیبانی نے اٹھ کر کہا کہ ”مسلمانو!“ میں نے  
جو سیوں کو آنالیا ہے۔ وہ مردمیان نہیں ہیں عراق کے بڑے بڑے اضلاع کو ہم نے فتح کر لیا  
ہے۔ اور عجم ہمارا الوہامان گئے ہیں۔ ”حاضرین میں سے ابو عبیدہ ثقیل بھی تھے جو قبیلہ شیعیت کے  
مشہور سردار تھے وہ جوش میں آگرا اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ انا الہنا یعنی اس کام کے  
لئے میں حاضر ہوں۔ ابو عبیدہ کی ہمت نے تمام حاضرین کو گردادیا۔ اور ہر طرف سے غلغلہ اٹھا  
کہ ہم بھی حاضر ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ اور مصافت سے ہزار  
آدمی انتخاب کئے اور ابو عبیدہ کو سپہ سلار مقرر کیا۔

ابو عبیدہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل نہ تھا۔ یعنی صحابی نہ  
تھے اس وجہ سے ان کی افسری پر کسی کو خیال ہوا۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے آزادانہ کہا کہ  
”عمرا!“ صحابہ میں سے کسی کے یہ منصب لو، فوج میں سینکڑوں صحابہ ہیں اور ان کا افسر بھی صحابی  
ہی ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کی طرف دیکھا اور کہا کہ ”تم کو جو  
شرف تھا وہ ہمت اور استقلال کی وجہ سے تھا۔ لیکن اس شرف کو تم نے خود کھو دیا، یہ ہرگز  
نہیں ہو سکتا کہ جو لڑنے سے جی چرائے وہ افسر مقرر کئے جائیں۔“ تاہم چونکہ صحابہ کی ولجوئی  
ضروری تھی، ابو عبیدہ کو ہدایت کی کہ ان کا ادب ملحوظ رکھنا اور ہر کام میں ان سے مشورہ لینا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمد میں عراق پر جو حملہ ہوا اس نے ایران کو  
چونکا دیا تھا۔ چنانچہ پورا ان دخت نے رستم کو جو فرخ زاد گورنر خراسان کا بیٹا اور نایت شجاع  
اور صاحب تدبیر تھا دربار میں طلب کیا۔ اور وزیر حرب مقرر کر کے کہا کہ تو سیاہ سپید کا مالک ہے  
یہ کہہ کر اس کے سر پر تاج رکھا۔ اور درباریوں کو جن میں تمام امرا اور اخیان سلطنت شامل  
تھے تاکید کی کہ رستم کی اطاعت سے کبھی انحراف نہ کریں۔ چونکہ اہل فارس اپنی ناقلوں کا  
نتیجہ دیکھے چکے تھے۔ انہوں نے دل سے ان احکام کی اطاعت کی اس کا یہ اثر ہوا کہ چند روز میں  
تمام بدانتظامیاں مست گئیں اور سلطنت نے پھر وہی نور و قوت پیدا کی گئی جو ہر مزو پرویز کے

لے بلاذری کی روایت ہے ابو حنفہ دیوری نے ۵ ہزار تعداد تسلی ہے

نہ نے میں اس کو حاصل تھی۔

رستم نے پسلے تدبیریہ کی کہ اضلاع عراق میں ہر طرف ہر کارے اور نقیب دوڑادیے جنوں نے مذہبی حیث کا جوش دلا کر تمام ملک میں مسلمانوں کے خلاف بغاوت پھلا دی۔ چنانچہ ابو عبیدہ کے پہنچنے سے پسلے فرات کے تمام اضلاع میں ہنگامہ بپا ہو گیا اور جو مقامات مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے ان کے ہاتھ سے نکل گئے پوارن دخت نے رستم کی اعانت کے لئے ایک اور فوج گراں تیار کی۔ اور نزی وجہاں کو پسہ سالار مقرر کیا۔ جاہاں عراق کا ایک مشہور رئیس تھا۔ اور عرب سے اس کو خاص عداوت تھی۔ نزی کسری کا غالہ زاد بھائی تھا۔ اور عراق کے بعض اضلاع قدیم اس کی جا گیر تھے۔ یہ دونوں افسر مختلف راستوں سے عراق کی طرف بڑھے ادھر ابو عبیدہ اور شیخ حیرہ تک پہنچ چکے تھے کہ دشمن کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا۔ مصلحت دیکھ کر خان کوہٹ آئے جاہاں نمازوں پہنچ کر خیہہ زن ہوا۔

ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس اثناء میں فوج کو سروسامان سے آراستہ کر لیا۔ اور پیش قدمی کر کے خود حملے کے لئے بڑھے نمازوں پر دونوں فوجیں صاف آرا ہوئیں، جاہاں کے میمنہ و میسر پر جو شوش شاہ اور مروان شاہ دو مشہور افسر تھے جو بڑی ثابت قدمی سے لڑے لیکن بالآخر شکست کھائی اور عین معركہ میں گرفتار ہو گئے مروان شاہ بد قدمتی سے اسی وقت قتل کر دیا گیا۔ لیکن جاہاں اس حیلے سے نجیگیا کہ جس شخص نے اس کو گرفتار کیا تھا وہ اس کو پچھانتا نہ تھا۔ جاہاں نے اس سے کہا کہ اس بمحابی میں میں کس کام کا ہوں، مجھ کو چھوڑ دو۔ معاوضہ میں مجھ سے دو جوان غلام لو۔ اس نے منظور کر لیا۔ بعد کولوگوں نے جاہاں کو پچھانا تو غل مچایا کہ ہم ایسے دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ لیکن ابو عبیدہ نے کہا کہ اسلام میں بد عمدی جائز نہیں۔

ابو عبیدہ نے اس بعد کسکر کارخ کیا۔ جہاں نزی فوج لئے پڑا تھا۔ سقطیہ میں دونوں فوجیں مقابل ہوئیں۔ نزی کے ساتھ بست بڑا شکر تھا۔ اور خود کسری کے دو ماموں زاد بھائی بندویہ اور تیرویہ میمنہ اور میسر پر تھے۔ تاہم نزی اس وجہ سے لڑائی میں دیر کر رہا تھا کہ پایہ تخت سے امدادی فوجیں روانہ ہو چکی تھیں۔ ابو عبیدہ کو بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی۔ انہوں نے بڑھ کر جنگ شروع کر دی۔ بست بڑے معركے کے بعد نزی کو شکست فاش ہوئی۔ ابو عبیدہ نے خود سقطیہ میں مقام کیا۔ اور تھوڑی سی فوجیں ہر طرف پہنچ دیں کہ ایرانیوں نے جہاں جمال پناہی ہے ان کو وہاں سے نکال دیں۔

فرخ اور فراوند جو بارو سما اور نزاویہ کے رئیس تھے۔ مطیع ہو گئے، چنانچہ اظہار خلوص کے لئے ایک دن ابو عبیدہ کو نہایت عمدہ عمدہ کھانے پکاؤ کر بھیجے، ابو عبیدہ نے دریافت کیا

کہ یہ سامان کل فوج کے لئے ہے یا صرف میرے لئے؟ فرج نے کہا کہ اس جلدی میں ساری فوج کا اہتمام نہیں ہو سکتا تھا۔ ابو عبیدہ نے دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ مسلمانوں میں ایک کو دو سرے پر کچھ ترجیح نہیں۔

اس نگست کی خبر سن کر رستم نے موان شاہ کو جو عرب سے دلی عداوت رکھتا تھا۔ اور جس کو نو شیروال نے نقصان کے لحاظ سے بمن کا خطاب دیا تھا۔ چار ہزار فوج کے ساتھ اس سامان سے روانہ کیا کہ در فرش کاریانی جو کئی ہزار برس سے کیا نی خاندان کی یادگار چلا آتا تھا۔ اور فتح و ظفر کا دینیا پہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کے سر پر سایہ کرتا جاتا تھا۔ مشقی فرات کے کنارے ایک مقام پر جس کا نام حموہ تھا۔ دونوں حریف صاف آرا ہوئے چونکہ نیچ میں دریا حائل تھا۔ بمن نے کہا بھیجا کہ یا تم اس پار اتر کر آؤ یا ہم آئیں، ابو عبیدہ کے تمام سرداروں نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم کو اس طرف رہنا چاہئے۔ لیکن ابو عبیدہ جو شجاعت کے نئے میں سرشار تھے کہا کہ یہ نامروہی کی ولیل ہے۔ سرداروں سے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ جانبازی کے میدان میں جوسی ہم سے آگے بڑھ جائیں موان شاہ جو پیغام لے کر آیا تھا۔ اس نے کہا کہ ہماری فوج میں عام خیال ہے کہ "عرب مو میدان نہیں ہیں"۔ اس جملے نے اور بھی اشتعال دلایا۔ اور ابو عبیدہ نے اسی وقت فوج کو کربنڈی کا حکم دے دیا۔ مٹنی اور سلیط وغیرہ بڑے بڑے افسران فوج اس رائے کے بالکل مخالف تھے اور عظمت و شان میں ان کا رتبہ ابو عبیدہ سے بڑھ کر تھا۔

جب ابو عبیدہ نے اصرار کیا تو ان لوگوں نے کہا کہ اگرچہ ہم کو قطعی یقین ہے کہ اس رائے پر عمل کرنے سے تمام فوج غارت ہو جائے گی۔ تاہم اس وقت تم افسر ہو اور اپنی مخالفت ہمارا شیوه نہیں، غرض کشیوں کا پل باندھا گیا اور تمام فوج پار اتر کر غنیم سے معرکہ آرائے ہوئی۔ پار کا میدان نگ اور نہ ہمارا تھا۔ اس لئے مسلمانوں کو موقع نہیں مل سکتا تھا کہ فوج کو ترتیب سے آراستہ کر سکتے۔

ایرانی فوج کاظراہ نہایت مہیب تھا، بہت سے کوہ پیکر ہاتھی تھے جن پر گھنٹے لکھتے تھے، اور بڑے نور سے بختے جاتے تھے گھوٹوں پر آہنی پاکھریں تھیں، سوار سور کی لمبی نوپیاں اوڑھے ہوئے صحرا کی جانور معلوم ہوتے تھے عرب کے گھوٹوں نے یہ مہیب نظارہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بدک کر پیچھے ہٹے ابو عبیدہ نے دیکھا کہ ہاتھیوں کے سامنے کچھ نور نہیں چلتا۔ گھوڑے سے کوڈڑے اور ساتھیوں کو للاکارا کہ جانبازوں ہاتھیوں کو نیچ میں لے لو اور ہودوں کو سواروں سمیت الٹ دو، اس آواز کے ساتھ سب گھوٹوں سے کوڈڑے اور ہودوں کی رسیاں کاٹ کر فیل نشینوں کو خاک پر گرا دیا۔ لیکن ہاتھی جس طرف جھکتے تھے صاف کی صفائض جاتی

تھی۔ ابو عبیدہ یہ دیکھ کر پول سفید پر جو سب کا سردار تھا حملہ آور ہوئے اور سونڈپر تلوار ماری کہ متک سے الگ ہو گئی ہاتھی نے بڑھ کر ان کو نہیں پر گرا دیا اور سینے پر پاؤں رکھ دئے کہ ہڈیاں تک چور چور ہو گئیں۔

ابو عبیدہ کے مرنے پر ان کے بھائی حکم نے علم ہاتھ میں لیا۔ اور ہاتھی پر حملہ آور ہوئے اس نے ابو عبیدہ کی طرح ان کو بھی پاؤں میں لپیٹ کر مسل دیا۔ اس طرح ساتھ آدمیوں نے جو سب کے سب ابو عبیدہ کے ہم نسب اور خاندان شیفت سے تھے، باری باری سے علم ہاتھ میں لئے اور مارے گئے۔ آخر میں شنی نے علم لیا۔ لیکن اس وقت لاٹی کا نقشہ گڑ چکا تھا۔ اور فوج میں بھاگر پڑ چکی تھی۔ طویل ہوا کہ ایک شخص نے دوڑ کر پل کے تختے توڑ دیئے کہ کوئی شخص بھاگ کر جانے نہ پائے۔ لیکن لوگ اس طرح بد حواس ہو کر بھاگے تھے کہ پل کی طرف راستہ نہ ملا تو دریا میں کوڑ پڑے۔ شنی نے دوبارہ پل بند ہوا اور سواروں کا ایک دستہ بھیجا کہ بھاگتوں کو اطمینان سے پار آتا رہے۔ خود پنجی کبھی فوج کے ساتھ دشمن کا آگاروک کر کھڑے ہوئے اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ ایرانی جو مسلمانوں کو دیتا تھے رک گئے اور آگے نہ بڑھ سکے۔ تاہم حباب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ نو ہزار فوج میں سے صرف تین ہزار رہ گئی۔ اسلام کی تاریخ میں میدان جنگ سے فرار نمایت شافعونا در وقوع میں آیا ہے اور اگر کبھی ایسا واقعہ پیش آبھی گیا تو اس کا عجیب افسوس ناک اثر ہوا ہے۔ اس لڑائی میں جن لوگوں کو یہ ذلت نصیب ہوئی وہ مت تک خانہ بدوش پھرتے رہے اور شرم سے اپنے گھروں کو نہیں جاتے تھے۔ اکثر رویا کرتے اور لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں یہ خبر پہنچی تو ماتم پڑ گیا۔ لوگ مسلمانوں کی بد قسمی پر افسوس کرتے تھے۔ اور روتے تھے، جو لوگ مدینہ پہنچ کر گھروں میں روپوش تھے۔ اور شرم سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس جا کر ان کو تسلی دیتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ تم اُمّتِ ہیزَّا الٰی فُتُّھٰ میں داخل ہو، لیکن ان کو اس سے تسلی نہیں ہوتی تھی۔

یہ واقعہ (حسب بیان بلاذری) ہفتہ کے دن رمضان میں واقع ہوا، اس لڑائی میں نامور صحابیوں میں سے جو لوگ شہید ہوئے وہ سلیط، ابو زید الانصاری، عقبہ و عبد اللہ پسران قبطی بن قیس، یزید بن قیس الانصاری، ابو امیہ الفرازی وغیرہ تھے۔

## واقعہ بویب رمضان ملہ بھری (۶۳۵)

اس شکست نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت برہم کیا۔ اور نمایت زور شور

سے حملہ کی تیاریاں کیں۔ تمام عرب میں خطباء اور نقیب بھیج دیئے جنہوں نے پر جوش تقریروں سے تمام عرب میں ایک آگ لگادی۔ اور ہر طرف سے عرب کے قبائل امنڈ آئے۔ قبیلہ ازد کا سردار حفت بن سلیم سات سو سواروں کو ساتھ لے کر آیا۔ بنو تمیم کے ہزاروں آدمی حصین بن معبد کے ساتھ آئے۔ حاتم طائی کے بیٹے عدی ایک جمعیت کثیر لے کر پہنچے، اسی طرح قبیلہ رباب بنو کنانہ فشم بیٹھلہ بنو قبیر کے بڑے بڑے جھٹتے اپنے سواروں کے ساتھ آئے، یہ جوش یہاں تک پہنچا کہ ”نمرو تغلب“ کے سواروں نے جونہ بیانی تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ ”آج عرب و عجم کا مقابلہ ہے اس قوی معرکہ میں ہم بھی قوم کے ساتھ ہیں۔ ان دونوں سرداروں کے ساتھ ان کے قبیلے کے ہزاروں آدمی تھے اور عجم کے مقابلہ کے جوش میں لمبڑا تھا۔

اتفاق سے انہی دونوں جریب بھلی دربار خلافت میں حاضر ہوا، یہ ایک مشہور سرادر تھا۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی تھی کہ اپنے قبیلے کا سردار مقرر کروایا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ درخواست منظور کر لی تھی لیکن تعیل کی نوبت نہیں آئی تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے عرب کے تمام عمال کے نام احکام بھیج دیئے کہ جہاں جہاں اس قبیلے کے آدمی ہوں، تاریخ میں پر اس کے پاس پہنچ جائیں، جریب یہ جمعیت اعظم لے کر دوبارہ مدینہ میں حاضر ہوئے۔

ادھر شفیق نے عراق کے تمام سرحدی مقامات پر نقیب بھیج کر ایک بڑی فوج جمع کر لی تھی ایرانی جاسوسوں نے یہ خبریں شاہی دربار میں پہنچائیں پورا ان وخت نے حکم دیا کہ فوج خاصہ سے بارہ ہزار سوار انتخاب کئے جائیں۔ اور میران بن مسیویہ ہمانی افسر مقرر کیا جائے۔ میران کے انتخاب کی وجہ یہ تھی کہ اس نے خود عرب میں تربیت پائی تھی اور اس وجہ سے وہ عرب کے نور قوت کا اندازہ کر سکتا تھا۔ کوفہ کے قریب بوب نام ایک مقام تھا، اسلامی فوجوں نے یہاں پہنچ کر ڈیرے ڈالے۔ میران پاپیہ تخت سے روانہ ہو کر سیدھا بوب پہنچا اور دریائے فرات کو پہنچ میں ڈال کر خیمه زن ہوا۔ سچ ہوتے ہی فرات اتر کر بڑے سرو سامان سے لٹکر آرائی شروع کی۔ شفیق نے نمایت ترتیب سے صفر درست کی، فوج کے مختلف حصے کر کے بڑے بڑے ناموروں کی ماتحتی میں دیئے چنانچہ میمنہ پرند عور، میسر و پر نیز پیدل پر مسعود، والٹیز پر عاصم گشت کو فوج پر عصر کو مقرر کیا۔ لٹکر آراستہ ہو چکا تو شفیق نے اس سرے سے اس سرے تک ایک بار چکر لگایا۔ اور ایک ایک علم پاس کھڑے ہو کر کہا ”بہادر لوگ یہاں تماری وجہ سے تمام عرب پر بدناہی کا داغ نہ آئے۔“

اسلامی فوج کی لڑائی کا یہ قاعدہ تھا کہ سردار تن دفعہ اللہ اکبر کہتا تھا۔ پہلی تکمیر پر فوج حربہ و تھیار سے آراستہ ہو جاتی تھی۔ دوسری تکمیر پر لوگ تھیار قول لیتے تھے۔ اور تیرے نعوب پر حملہ کر دیا جاتا تھا۔ شنی نے دوسری تکمیر میں ہی کہا تھی کہ ایرانیوں نے حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر مسلمان ضبط نہ کر سکے اور کچھ لوگ جوش میں اگر صرف سے آگے نکل گئے۔ شنی نے غصے میں آگرڈاڑھی دانتوں میں دبایا، اور پکارے کے ”خدا کے لئے اسلام کو رسوانہ کرو“ اس آواز کے ساتھ فوراً لوگ پیچھے ہٹے اور جس شخص کی جہاں جگہ تھی وہیں آگر جنم گیا، چو تھی تکمیر کہ کہ شنی نے حملہ کیا۔

عمجی اس طرح گرتھتے ہوئے بڑھے کہ تمام میدان گنج اٹھا، شنی نے فوج کو لکارا کہ گھبرا نہیں یہ نامروانہ غل ہے۔ عیسائی سرداروں کو جو ساتھ تھے بلا کر کہا کہ تم اگرچہ عیسائی ہو لیکن ہم قوم ہو۔ اور آج قوم کا معاملہ ہے۔ میں مران پر حملہ کرتا ہوں تم ساتھ بہنا۔ انہوں نے لبیک کہا، شنی نے ان سرداروں کو دونوں بازوں پر لے کر حملہ کیا۔ اور پہلے حملہ میں مران کا مینڈ توڑ کر قلب میں گھس گئے۔ عمجی دوبارہ سنبھلے اور اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ شنی نے لکارا کہ ”مسلمانو! اہم جاتے ہو، میں یہ کھڑا ہوں“۔ اس آواز کے ساتھ سب پلت پڑ لئے شنی نے ان کو سمیٹ کر حملہ کیا۔ عین اس حالت میں مسعود جو شنی کے بھائی اور مشورہ بہادر تھے زخم کھا کر گرے ان کی رکاب کی فوج بیدل ہوا چاہتی تھی، شنی نے لکارا کہ ”مسلمانو! میرا بھائی مارا گیا تو کچھ پو انہیں، شرفاء یوں ہی جان دیا کرتے ہیں۔ دیکھو تمہارے علم جھکنے نہ پائیں“۔ خود مسعود نے گرتے گرتے کہا کہ ”میرے منے سے بے دل نہ ہونا“۔

دیر تک بڑی گھسان کی لڑائی رہی۔ انس بن ہلال جو عیسائی سردار تھا اور بڑی جانبازی سے لڑ رہا تھا خشم کھا کر گرا، شنی نے خود گھوڑے سے اتر کر اس کو گود میں لیا۔ اور اپنے بھائی مسعود کے برابر لٹادیا۔ مسلمانوں کی طرف بڑے بڑے افسرارے گئے لیکن شنی کی ثابت قدم کی وجہ سے لڑائی کا پله اسی طرف بھاری رہا۔ عجم کا قلب خوب جم کر دیا۔ مگر کل کا کل برباد ہو گیا۔ شربراز جو ایک مشورہ افسر تھا۔ قرط کے ہاتھ سے مارا گیا، تاہم سپہ سالار مران ثابت قدم تھا۔ اور بڑی بہادری سے تیغ بکفت لڑ رہا تھا۔ کہ قبیلہ تغلب کے ایک نوجوان نے تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ مران گھوڑے سے گرا تو نوجوان نے اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھا اور فخر کے لجھے میں پکارا۔ ”میں تغلب کا نوجوان ہوں اور رئیس عجم کا قاتل ہوں“۔

مہران کے قتل پر لڑائی کا خاتمه ہو گیا۔ عجم نہایت احتی سے بھاگے۔ شیخ نے فوراً پل کے پاس پہنچ کر رستہ روک لیا کہ عجم بھاگ کرنے جانے پائیں۔ موڑ خین کا بیان ہے کہ کسی لڑائی نے اس قدر بے شمار لاشیں اپنی یاد گار میں نہیں چھوڑیں۔ چنانچہ مذوق کے بعد جب مسافروں کا ادھر گزر ہوا۔ تو انہوں نے جا بجا بیویوں کے انبار پر اس فتح کا ایک خاص اثر یہ ہوا کہ عربوں پر عجم کا جور عرب چھایا ہوا تھا جاتا رہا۔ ان کو تین ہو گیا کہ اب سلطنت کسری کے آخر دن آگئے خود شنی کا بیان ہے کہ اسلام سے پہلے میں باہر ہا عجم سے لڑکا ہوں۔ اس وقت سو عجمی ہزار عرب پر بھاری تھے۔ لیکن آج ایک عرب دس عجمی پر بھاری ہے۔

اس معرکہ کے بعد مسلمان عراق کے تمام علاقوں میں پھیل پڑے۔

جہاں اب بغداد آباد ہے اس نہانے میں وہاں بست بڑا بازار لگتا تھا شیخ نے عین بازار کے دن حملہ کیا۔ بازاری جان بچا کر ادھر بھاگ گئے اور بے شمار نقد اور اساباب ہاتھ آیا، پائے تخت میں یہ خبریں پہنچیں تو سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ”زنانہ حکومت اور آپس کے اختلافات کا یہی نتیجہ تھا“ اسی وقت پوراں دخت کو تخت سے اتار کر یزد گرد کو جو سولہ لمبرس کا جوان تھا۔ اور خاندان کسری کا وہی ایک زینہ یاد گارہ گیا تھا۔ تخت نشین کیا۔ رسم اور فیروز جو سلطنت کے دست بازو تھے۔ آپس میں عناد رکھتے تھے۔ درباریوں نے ان سے کہا کہ اب بھی اگر تم دونوں متفق ہو کر کام نہیں کرتے تو ہم خود تمہارا فیصلہ کئے دیتے ہیں۔ غرض یزد گرد کی تخت نشینی کے ساتھ سلطنت میں نئے سرے سے جان آگئی۔ ملکی اور فوجی افسر جہاں جہاں جس کام پر تھے مستعد ہو گئے تمام قلعے اور چھاؤنیاں محکم کر دی گئیں۔ عراق کی آبادیاں جو فتح ہو چکی تھیں عجم کا سارا پاکروہاں بھی بغوات پھیل گئی۔ اور تمام مقامات مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خبریں پہنچیں تو فوراً شیخ کو حکم بھیجا کہ فوجوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر عرب کی سرحد کی طرف ہٹ آؤ۔ اور ریحہ و مضر کے قبائل جو عراق کی حدود میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کو ظلی کا حکم بھیج دو کہ تاریخ معین پر جمع ہو جائیں۔

اس کے ساتھ خود ہرے سازو سامان سے فوجی تیاریاں شروع کیں۔ ہر طرف نقیب دوڑائے کہ اضلاع عرب میں جہاں جہاں کوئی ریسیں صاحب تدبیر، شاعر، خطیب، اہل الرائے ہو۔ فوراً ذریبار خلافت میں آئے، چونکہ حج کا زمانہ آچکا تھا۔ خود مکہ مظہمہ کو روانہ ہوئے اور حج سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ہر طرف سے قبائل عرب کا طوفان امنڈ آیا۔ سعد بن ابی وقار

<sup>ل</sup> لے یہ ابوحنیفہ ثوری کی روایت ہے۔ طبری نے ۲۱ برس کی عمر بیان کی ہے۔

نے تین ہزار آدمی بھیج۔ جن میں سے ایک ایک شخص تیغ و علم کا مالک تھا۔ حضرموت صدف، منج، قیس، غیلان، کے بڑے بڑے سردار ہزاروں کی جمیعت لے کر آئے مشہور قبائل میں سے یمن کے ہزار، بنو تمیم و رباب کے چار ہزار، بنو اسد کے تین ہزار آدمی تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج کر کے واپس آئے تو جہاں تک نگاہ جاتی تھی آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ حکم دیا کہ شکر نہایت ترتیب سے آراستہ ہو۔ میں خود پہ سالار بن کر چلوں گا۔ چنانچہ ہر اول پر طلاق، یمنہ پر زیر، میسر پر عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مقرر کیا۔ فوج آراستہ ہو چکی، تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر خلافت کے کاروبار پر دکٹے اور خود میں سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس مستعدی سے ایک عام جوش پیدا ہو گیا۔ اور سب نے مرنے پر کمیں باندھ لیں۔ صرار جو میں سے تین میں پر ایک چشمہ ہے وہاں پہنچ کر مقام کیا۔ اور یہ اس سفر کی گویا پہلی منزل تھی۔

چونکہ امیر المؤمنین کا خود معزکہ جنگ میں جانا بعض مصلحتوں کے لحاظ سے مناسب نہ تھا۔ اس لئے صرار میں فوج کو جمع کر کے تمام لوگوں سے رائے طلب کی۔ عوام نے یک زبان ہو کر کہا کہ امیر المؤمنین! یہ ممکن آپ کے بغیر سرنہ ہوگی۔ لیکن بڑے بڑے صحابہ نے جو معاملہ کا نشیب و فراز سمجھتے تھے اس کے خلاف رائے دی۔ عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ لڑائی کے دونوں پہلوں ہیں۔ اگر خدا انخواستہ شکست ہوئی اور آپ کو کچھ صدمہ پہنچا تو پھر اسلام کا خاتمه ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے کہ ایک پر اثر تقریر کی۔ اور عوام کی طرف خطاب کر کے کہا کہ ”میں تمہاری رائے پر عمل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اکابر صحابہ اس رائے سے متفق نہیں“ غرض اس پر اتفاق ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود پہ سالار بن کرنہ جائیں۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ اور کوئی شخص اس بارگاری کے اٹھانے کے قابل نہیں ملتا۔ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کی مہمات میں مصروف تھے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی گئی تو انہوں نے انکار کیا۔ لوگ اسی جیسی میں تھے کہ دفعہ عبدالرحمن بن عوف نے اٹھ کر کہا کہ میں نے پالیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کون! بولے کہ ”سعد بن ابی وقار“ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے مرتبہ کے صحابی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے۔ ان کی بہادری اور شجاعت بھی مسلم تھی۔ لیکن تدبیر جنگ اور پہ سالاری کی قابلیتوں کی طرف سے اطمینان نہ تھا۔ اس بنا پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی تردود تھا۔

لیکن جب تمام حاضرین نے عبد الرحمن بن عوف کی رائے کی تائید کی چاروں چار منظور کیا۔ تاہم احتیاط کے لحاظ سے لشکر کی تمام مہمات قبضہ اختیار میں رکھیں۔ چنانچہ ان معروکوں میں اول سے آخر تک فوج کی نقل و حرکت، حملہ کا بندوبست، لشکر کی ترتیب، فوجوں کی تقسیم وغیرہ کے متعلق ہمیشہ احکام صحیح رہتے تھے اور ایک کام بھی ان کی خاص ہدایت کے بغیر انجام نہیں پاسکتا تھا۔ یہاں تک کہ مدینے سے عراق تک کی فوج کی منزلیں بھی خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے نامزد کر دی تھیں۔ چنانچہ مؤذن طبری نے نام بنا مان ان کی تصریح کر دی ہے۔

غرض سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر کا نشان چڑھایا اور مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ ۱۸ منزلیں طے کر کے نعلبیہ لمپنچے اور یہاں مقام کیا، نعلبیہ کوفہ سے تین منزل پر ہے اور پانی کی افراط اور موقع کی خوبی کی وجہ سے یہاں میئنے کے مینے بازار لگتا تھا۔ تین مینے یہاں قیام رہا۔ شنی موضع ذی قار میں آٹھ ہزار آدمی لئے پڑے تھے جن میں خاص بکر بن واکل کے چھ ہزار جوان تھے۔ شنی کو سعد کی آمد کا انتظار تھا کہ ساتھ ہو کر کوفہ پر بڑھیں۔ لیکن جسر کے معرکے میں جو زخم کھائے تھے بگڑتے گئے اور آخر اسی صدمے سے انقال کیا۔ سعد نے نعلبیہ سے چل کر مشرف میں ڈیرے ڈالے، یہاں شنی کے بھائی ان سے آگر طے اور شنی نے جو ضوری مشورے دیئے تھے، سعد سے بیان کئے چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم تھا کہ فوج کا جماں پڑاؤ ہو وہاں کے تمام حالات لکھ کر آئیں۔ سعد نے اس مقام کا نقشہ، لشکر کا پیرواء، فرودگاہ کا ڈھنگ، رسد کی کیفیت ان تمام حالات سے ان کو اطلاع دی وہاں سے ایک مفصل فرمان آیا۔ جس میں بستی ہدایتیں اور فوج کی ترتیب کے قواعد تھے۔ سعد نے ان احکام کے موافق پہلے تمام فوج کا جائزہ لیا۔ جو کم و بیش تیس ہزار ٹھہری۔ پھر میمنہ و میسوہ کی تقسیم کر کے ہر ایک پر جدا جدا افسر مقرر کئے۔ فوج کے جدا جدا حصوں اور ان کے افسروں کی تفصیل طبری کے میان کے موافق ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگی۔

حصہ	نام افسر	محض حال
ہر اول	زہرہ بن عبد اللہ بن قادہ	جالیت میں یہ بھریں کے باڈشاہ تھے رسول اللہؐ کے خدمت میں اپنی قوم کی طرف سے وکیل ہو کر آئے تھے اور اسلام لائے تھے

۱۔ بلاذری نے نعلبیہ اور طبری نے زور لکھا ہے۔ یہ دونوں مقام آپس میں نہایت مغلظ اور بالکل قریب ہیں۔

صحابی تھے نوجوان آدمی تھے، مرتدین کی جگ میں نمایت شہرت حاصل کی تھی۔	عبداللہ بن امعتن شربیل بن الحمد	یمنہ (دایاں حصہ) میسر (دایاں حصہ)
	عاصم بن عمرو التمیمی سواہ بن مالک سلمان ریعیہ الباطلی جمال بن مالک الاسدی عبداللہ بن ذی الحسین عبداللہ بن ریعیہ الباطلی سلمان فارسی	ساقد (پچھلا حصہ) طلایع (گشت کی فرج) مجرو (بے قاعدہ فرج) پیدل شترسوار قاضی و خزانچی راید لیعنی رسدو غیرہ کا بندوبست کرنے والے
مشور صحابی ہیں فارس کے رہنے والے تھے	ہلال بھری زیاد بن ابی سفیان	مترجم مشی طبیبد

امراۓ اعشار میں سے سترہ صحابہ تھے جو غزوہ بدر میں شریک تھے، تین سوہہ جو بیعتہ الرضوان میں حاضر تھے، اسی قدر وہ بزرگ جو فتح مکہ میں شریک تھے سات سو ایسے جو صحابہ نہ تھے لیکن صحابہ کی اولاد تھے۔

سعد شرافی میں تھے کہ دربار خلافت سے ایک اور فرمان آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ شراف سے آگے بڑھ کر قادیہ (کوفہ سے ۳۵ میل پر ایک چھوٹا سا شہر ہے) میں مقام کرو اور اس طرح مورچے جماو کہ سامنے عجم کی زمین اور پشت پر عرب کے پہاڑ ہوں تاکہ فتح ہوتا جماں تک چاہو بڑھتے جاؤ اور خدا انخواستہ دوسری صورت پیش آئے تو ہٹ کر پہاڑوں کی پناہ میں آسکو۔

قادیہ نمایت شاداب، نسروں اور پلوں کی وجہ سے محفوظ مقام تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاہلیت میں ان مقامات سے اکثر گذرتے تھے اور اس موقع کی ہیئت اور کیفیت سے واقف تھے۔ چنانچہ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو فرمان بھیجا اس میں قادیہ کا موقع اور لفوس ہے کہ طبری نے نسبوں کے نام نہیں لکھے۔ صرف اسی قدر لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جوں کے ساتھ طبیب بھیجے۔

محل بھی مذکور تھا۔ تاہم چونکہ پرانا تجربہ تھا۔ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ قادیسہ پہنچ کر سرنین کا پورا نقشہ لکھ بھجو کیونکہ میں نے بعض ضروری باتیں اسی وجہ سے نہیں لکھیں کہ موقع اور مقام کے پورے حالات مجھ کو معلوم نہ تھے۔ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت تفصیل سے موقع جنگ کی حدود اور حالات لکھ کر بھجو۔ دربار خلافت سے روانگی کی اجازت آئی۔ چنانچہ سعد شراف سے چل کر عذیب پہنچے یہاں بعیشوں کا میگزین رہا کرتا تھا جو مفت ہاتھ آیا۔ قادیسہ پہنچ کر سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر طرف ہر کارے دوڑائے کہ غنیم کی خبریں لا لیں۔ انہوں نے آگریان کیا کہ رستم پر فرخ زاد جو آرمینیہ کارمیں ہے سپہ سالار مقرر ہوا ہے اور مائن سے چل کر سا باط میں ٹھرا ہے۔ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دی وہاں سے جواب آیا کہ لڑائی سے پسلے لوگ سفیر بن کر جائیں اور ان کو اسلام کی رغبت دلائیں۔ سعد نے سردارن قبائل میں سے چودہ نامور اشخاص انتخاب کئے جو مختلف صفتوں کے لحاظ سے تمام عرب میں انتخاب تھے، عطار بن حاجب، شعث بن قیس، حارث بن حسان، عاصم بن عمرو، عمرو بن معدی کرب، مخیہ بن شعبہ، معنی بن حارث، قدو قامت اور ظاہری رعب و داب کے لحاظ سے تمام عرب میں مشور تھے، نعمان بن مقرن، بسر بن ابی رہم، حملہ بن جوتیہ، حنبلہ الریعنی، تیمی، فرات بن حیان، الجل، عدی بن سیمیل، مخیہ بن زارارہ، عقل و تدیر اور حزم و سیاست میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

ساسائیوں کا پائے تخت قدم نہیں میں اضطخر تھا۔ لیکن نوشیروان نے مائن کو دارالسلطنت قرار دیا تھا۔ اسی وقت سے وہی پایہ تخت چلا آتا تھا، یہ مقام سعد کی فرودگاہ یعنی قادیسہ سے ۳۰ میل کے فاصلے پر تھا۔ سفر اگھوڑے اڑاتے ہوئے سیدھے مائن پہنچ راہ میں جدھر سے گزر ہوتا تھا۔ تماشا یوں کی بھیڑ لگ جاتی تھی، یہاں تک کہ آستانہ سلطنت کے قریب پہنچ کر ٹھرے۔ اگرچہ ان کی ظاہری صورت یہ تھی کہ گھوڑوں پر زین اور ہاتھوں میں ہتھیار تک نہ تھا۔ تاہم بیباکی اور دلیری ان کے چہروں سے پیکتی تھی اور تماشا یوں پر اس کا اثر پڑتا تھا۔ گھوڑے جو سواری میں تھے رانوں سے نکلے جاتے تھے اور بار بار نہیں پر ٹاپ مارتے تھے۔ چنانچہ ناپول کی آواز یزو گرد کے کان تک پہنچی اور اس نے دریافت کیا کہ یہ کیسی آواز ہے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے سفراء آئے ہیں۔ یہ سن کر بڑے سازو سامان سے دربار سجا لیا اور سفراء کو طلب کیا۔ یہ لوگ عین جبے پسے کانڈھوں پر یعنی چادریں ڈالے ہاتھوں میں کوڑے لئے موزے چڑھائے دربار میں داخل ہوئے پچھلے معروکوں نے تمام ایران میں عرب

کی دھاک بھادی تھی۔ یزدگرد نے سفیروں کو اس شان سے دیکھا تو اس پر ہتیبت طاری ہوئی۔

ایرانی عموماً ہر چیز سے فال لینے کے عادی تھے، یزدگرد نے پوچھا کہ عربی میں چادر کو کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ برد (فارسی کے معنی کے لحاظ سے) کہا "جہاں بُرْد" پھر کوڑے کی عربی پوچھی۔ ان لوگوں نے کہا کہ "سوط" وہ سوخت سمجھا اور بولا کہ "پارس راسو خند" ان بدقالیوں پر سارا دربار برہم ہوا جاتا تھا۔ لیکن شاہی آداب کے لحاظ سے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ پھر سوال کیا کہ تم اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ نعمان بن مقرن جو سرگرد تھے جواب دینے کے لئے آگے بڑھے، پہلے مختصر طور پر اسلام کے حالات بیان کئے پھر کہا کہ ہم تمام دنیا کے سامنے دو چیزوں پیش کرتے ہیں۔ جزیہ یا تواریز یا گرونے کہا تم کویا دنیا میں تم سے زیادہ ذلیل اور بد بخت کوئی قوم نہ تھی، تم جب کبھی ہم سے سرکشی کرتے تھے تو سرحد کے زمینداروں کو حکم بھیج دیا جاتا تھا، اور وہ تمہارا مل نکال دیتے تھے۔

اس پر سب نے سکوت کیا۔ لیکن مخیو بن زراہ ضبط نہ کر سکے اٹھ کر کہا کہ "یہ لوگ اپنے رفقوں کی طرف اشارہ کر کے) رہ سائے عرب ہیں۔ حلم و قارکی وجہ سے زیادہ گوئی نہیں کر سکتے۔ انہوں نے جو کچھ کہا یہی نہیا تھا۔ لیکن کہنے کے قابل باشیں نہ گئیں۔ ان کو میں بیان کرتا ہوں، یہ سچ ہے کہ ہم بد بخت اور گمراہ تھے۔ آپس میں لکھتے مرتبے تھے اپنی لڑکوں کو زندہ گاڑھ دیتے تھے۔ لیکن خداۓ تعالیٰ نے ہم پر ایک پیغمبر بھیجا جو حسب و نسب میں ہم سے ممتاز تھا اول ہم نے اس کی مخالفت کی۔ وہ سچ کہتا تھا تو ہم جھلاتے تھے، وہ آگے بڑھتا تو ہم پیچھے بہنے تھے لیکن رفت رفت اس کی باتوں نے دلوں میں اثر کیا وہ جو کچھ کہتا تھا خدا کے حکم سے کہتا تھا۔ اور جو کچھ کہتا تھا، خدا کے حکم سے کہتا تھا، اس نے ہم کو حکم دیا کہ اس نہ ہب کو تمام دنیا کے سامنے پیش کرو۔ جو لوگ اسلام لا سئیں وہ تمام حقوق میں تمہارے برابر ہیں، جن کو اسلام سے انکار ہو، اور جزیہ پر راضی ہوں وہ اسلام کی حمایت میں ہیں۔ جس کو دونوں باتوں سے انکار ہواں کے لئے تواریز ہے۔" یزدگرد غصے سے چتاب ہو گیا اور کہا کہ اگر قاصدوں کا قتل جائز ہوتا تو تم میں سے کوئی زندہ نجیگانہ جاتا۔ یہ کہہ کر مٹی کا توکرا منگوایا۔ اور کہا تم میں سب سے معزز کون ہے؟ عاصم بن عمر نے بڑھ کر کہا "میں" ملازموں نے تو کرآن کے سر پر رکھ دیا وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے سعد کے پاس پہنچے کہ "فتح مبارک! وشن نے اپنی نیشن خود ہم کو دے دی۔"

اس واقعہ کے بعد کئی مہینے تک دونوں طرف سکوت رہا۔ رسم جو سلطنت فارس کی طرف سے اس مضم پر مأمور تھا۔ ساپاٹ میں لشکر لئے پڑا تھا۔ اور یزو گرد کی تائید پر بھی اڑائی کو ثالتا جاتا تھا۔ ادھر مسلمانوں کا یہ معمول تھا کہ آس پاس کے دیہات پر چڑھ جاتے تھے اور رسد کے لئے موئیشی وغیرہ لوٹ لاتے تھے۔ اس عرصہ میں بعض بعض رئیس ادھر سے ادھر آگئے ان میں جوش ماہ بھی تھا جو سرحد کی اخبار نویسی پر مأمور تھا۔ اس حالت نے طحل کھینچا تو رعایا جو ق در جو ق یزو گرد کے پاس پہنچ کر فریادی ہوئی کہ اب ہماری حفاظت کی جائے ورنہ ہم اہل عرب کے مطیع ہوئے جاتے ہیں۔ چاروں ناچار رسم جو مقابلے کے لئے برپھنا پڑا۔ ساٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ ساپاٹ سے لکھا اور قادیسہ پہنچ کر ڈیرے ڈالے۔ لیکن فوج جن جن مقامات سے گزری ہر جگہ نہایت بے اعتدالیاں کیں۔ تمام افسر شراب پی کر بدستیاں کرتے تھے اور لوگوں کے ناموں تک کا لحاظ نہیں رکھتے تھے۔ ان باتوں نے عام ملک میں یہ خیال پھیلا دیا کہ سلطنت عجم اب فنا ہوتی نظر آتی ہے۔

رسم کی فوجیں جس دن ساپاٹ سے بڑھیں، سعد نے ہر طرف جاؤں پھیلا دئے کہ دم دم کی خبریں پہنچتی رہیں۔ فوج کا رینگ ڈھنگ، لشکر کشی کی ترتیب، اتارے کا رخ ان باتوں کے دریافت کے لئے فوتو افسر معین کئے۔ اس میں کبھی کبھی دشمن کا سامنا بھی ہو جاتا تھا۔ چنانچہ علیحدہ ایک دفعہ رات کے وقت رسم کے لشکر میں لباس بدل کر گئے، ایک جگہ بیش بہا گھوڑا تھاں پر بندھا دیکھا تلوار سے باغ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باغ ڈور سے لٹکا۔ اس عرصہ میں لوگ جاگ اٹھے اور ان کا تعاقب کیا۔ گھوڑے کا سوار ایک مشور افسر تھا۔ اور ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا اس نے قریب پہنچ کر برچھی کاوار کیا۔ انہوں نے خالی دیا۔ وہ نہیں پر گرا انہوں نے جھک کر برچھی ماری کہ سینے کے پار ہو گئی۔ اس کے ساتھ دوسوار تھے ان میں سے ایک ان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور دوسرے نے اس شرط پر امان طلب کی کہ میں قیدی بن کر ساتھ چلتا ہوں، اتنے میں تمام فوج میں ہل چل پڑی اور لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے لیکن علیحدہ لڑتے بھڑتے صاف نکل آئے اور ساٹھ ہزار فوج دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ قیدی نے سعد کے سامنے اسلام قبول کیا۔ اور کہا کہ دونوں سوار جو علیحدہ کے ہاتھ سے مارے گئے۔ میرے ابن عم تھے اور ہزار ہزار سوار کے برابر مانے جاتے تھے اسلام کے بعد قیدی کا نام مسلم رکھا گیا اور اس کی وجہ سے دشمن کی فوج کے بہت سے ایسے حالات معلوم ہوئے جو اور کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتے تھے، وہ بعد کے تمام معزکوں میں شریک رہا اور ہر موقع پر ثابت

تدمی اور جانبازی کے جو ہر دھکائے

رسم چونکہ لڑنے سے جی چراتا تھا، ایک دفعہ اور صلح کی کوشش کی سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ تمہارا کوئی معتمد آدمی آئے تو صلح کے متعلق گفتگو کی جائے سعید بن عاصم کو اس خدمت پر مأمور کیا۔ وہ عجیب و غریب بیت سے چلے عقیر کی زردہ بنائی اور اسی کا ایک ٹکڑا سر سے پیٹ لیا۔ کمریں رسی کا پکا باندھا اور توار کے میان پر چیخڑے پیٹ لئے اس بیت کذائی سے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے اور ہر اینیوں نے بڑے سائز سامان سے دربار سجا یا، دبایا کا فرش زرین گاؤں تکنے، حریر کے پردے، صدر میں مرصن تخت، برعی فرش کے قریب اگر گھوڑے سے اترے اور بیگ ڈور کو گاؤں تکنے سے انکا دیا۔

درباری بے پرواٹی کی ادا سے اگرچہ کچھ نہ بولے تاہم دستور کے موافق، تھیار رکھوا لیتا چاہا۔ انہوں نے کہا میں بلا یا ہوا آیا ہوں تم کو اس طرح میرا آتا منظور نہیں تو میں اتنا پھر جاتا ہوں درباریوں نے رسم سے عرض کی اس نے اجازت دی۔ یہ نہایت بے پرواٹی کی ادا سے آہستہ آہستہ تخت کی طرف بڑھے لیکن برچھی جس سے عصا کا کام لیا تھا۔ اس کی انی کو اس طرح فرش میں چھوٹے جاتے تھے کہ پر ٹکف فرش اور قالین جو بچھے ہوئے تھے جا بجا سے کٹ پھٹ کر بیکار ہو گئے تخت کے قریب پہنچ کر نہیں پر نیزہ مارا، جو فرش کو آرپار کر کے نہیں میں گزگیا۔ رسم نے پوچھا کہ اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ”اس لئے کہ مخلوق کی بجائے خالق کی عبادت کی جائے“ رسم نے کہا میں ارکان سلطنت سے مشورہ کر کے جواب دوں گا۔ درباری بار بار برعی کے پاس اگر ان کے تھیار دیکھتے تھے اور کہتے تھے اسی سامان پر ایرانی فتح کا ارادہ ہے؟ لیکن جب برعی نے توار میان سے نکالی تو آنکھوں میں بھل کوندی گئی۔ اور جب اس کے کاث کی آزانائش کے لئے ڈھالیں پیش کی گئیں کی تبعی نے ان کے ٹکڑے اڑا دیے۔ برعی اس وقت چلے آئے لیکن نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رہا۔

اخیر سفارت میں مخیو گئے اس دن ایرانیوں نے بڑے ٹھانٹھ سے دربار جمایا۔ جس قدر نہیں اور افرستھے تاج پہن کر کر سیبوں پر بیٹھے خیے میں دبایا و سجا ب کا فرش بچھایا گیا۔ اور خدام اور منصب وار قرینے سے دو رویہ پرے سے جما کر کھڑے ہوئے مخیو گھوڑے سے اتر کر سیدھے صدر کی طرف بڑھے اور رسم سے زانو سے زانوں ملا کر بیٹھے گئے۔ اس گستاخی پر تمام دربار رہم ہو گیا۔ یہاں تک کہ چوبیاروں نے بازو پکڑ کر ان کو تخت سے اٹا رہا۔ مخیو نے افسران دربار کی طرف خطاب کر کے کہا کہ ”عین خود نہیں آیا بلکہ تم نے بلا یا تھا۔ اس لئے

سمان کے ساتھ یہ سلوک زبانہ تھا۔ تماری طرح ہم لوگوں میں یہ دستور نہیں کہ ایک شخص خدا بن بیٹھے اور تمام لوگ اس کے آگے بندہ ہو کر گردن جھکائیں مترجم جس کا نام عبد تعالیٰ ہوا باشندہ تھا، اس تقریر کا ترجمہ کیا تو سارا دربار متاثر ہوا۔ اور بعض بعض ائمہ کہ ہماری غلطی تھی جو ایسی قوم کو ذیل سمجھتے تھے، رستم بھی شرمندہ ہوا اور نہادت مٹانے کو کہا کہ ”یہ نوکروں کی غلطی تھی۔ میرا ایما یا حکم نہ تھا“ پھر بے تکلفی کے طور پر مغیو نے ترش سے تیر نکالے اور ہاتھ میں لے کر کہا کہ ”ان تکلوں سے کیا ہو گا؟“ مغیو نے کہا کہ ”اگل کی تو گوچھوٹی ہے پھر بھی اگ ہے۔“ رستم نے ان کی تکوار کا نیام دیکھ کر کہا ”کس قدر یوسیدہ ہے۔“ انہوں نے کہا کہ ”ہاں لیکن تکوار پر باڑھ ابھی رکھی گئی ہے۔“ اس نوک جھونک کے بعد معاملے کی بات شروع ہوئی۔ رستم نے سلطنت کی شان و شوکت کا ذکر کر کے اظہار احسان کے طور پر کہا کہ اب بھی واپس چلے جاؤ تو ہم کو کچھ ملاں نہیں، بلکہ کچھ انعام دلایا جائے گا۔ مغیو نے تکوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ ”اگر اسلام و جزیہ منظور نہیں تو اس سے فیصلہ ہو گا“ رستم غصہ سے بھڑک اٹھا اور کہا کہ آتاب کی قسم کل تمام عرب کو برباد کروں گا۔ مغیو اٹھ کر چلے آئے اور صلح و آشتی کی تمام امیدوں کا خاتمه جو گیا۔

## نے قادریہ کی جنگ اور فتح محرم ۱۲۳ھجری (۱۸۵۴ء)

rstم اب تک لڑائی کو برادریاں جاتا تھا لیکن مغیو کی گفتگو نے اس کو اس قدر غیرت دلائی کہ اسی وقت کمر بندی کا حکم دیا۔ نہ جو فوج میں حاکم تھی حکم دیا صبح ہوتے ہوتے پاٹ کر سڑک بنادی جائے صبح تک یہ کام انجام کو پہنچا۔ اور دوپر سے پہلے پہلے فوج نر کے اس پار آگئی۔ خود سامان جنگ سے آراستہ ہوا۔ دو ہری زریں پہنیں سر پر خود رکھا۔ ہتھیار لگائے پھر اس پر خاصہ طلب کیا۔ اور سوار ہو کر جوش میں کہا کہ ”کل عرب کو چکنا چور کروں گا“ کسی سپاہی نے کہا ”ہاں اگر خدا نے چاہا“ بولا کہ ”خدا نہ چاہا تب بھی۔“

فوج کو نہایت ترتیب سے آراستہ کیا۔ آگے پیچھے صفين قائم کیں۔ قلب کے پیچھے ہاتھیوں کا قلعہ باندھا، ہو دجوں اور عماریوں میں ہتھیار بند پاہی بٹھائے مینہ و میزو کے پیچھے۔ قادریہ عراق عرب کا مشہور شریق اور مدائن سعد کے وسط میں قہاب دیران پر ہوا ہے جاہرے نقشے میں اس کو شر مدائن کے مصلح سمجھنا چاہئے

قلعہ کے طور پر ہاتھیوں کے پرے جمائے خبر سانی کے لئے موقع جنگ سے پایہ تخت تک کچھ کچھ فاصلے پر آدمی بیٹھا دے جو واقعہ پیش آتا تھا۔ موقع جنگ کا آدمی چلا کر کھتاتا تھا۔ اور درجہ بدرجہ مائن تک خبر پہنچ جاتی تھی۔

قادیسہ میں ایک قدیم شاہی محل تھا جو میں میدان کے کنارے پر واقع تھا۔ سعد کو چونکہ عز النساء کی شکایت تھی اور چلنے پھرنے سے مغضور تھے اس لئے فوج کے ساتھ شریک نہ ہو سکے بالا خانے پر میدان کی طرف رع کر کے تکمیل کے سارے سے بیٹھے اور خالد بن عوف کو اپنے بجائے پہ سالار مقرر کیا۔ تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے یعنی جس وقت جو حکم دینا مناسب ہوتا تھا پر چوں پر لکھوا کر اور گولیاں بنا کر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے اور خالد انہی ہدایتوں کے موافق موقع بیو قلعہ لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے تمدن کے ابتدائی زمانے میں فن جنگ کا اس قدر ترقی کرنا تجب کے قابل اور عرب کی تیزی طبع اور لیاقت جنگ کی دلیل ہے۔

فوجیں آراستہ ہو چکیں تو عرب کے مشہور شعراء اور خطیب صفوں سے نکلے اور اپنی آتش فشانی سے تمام فوج میں آگ لگادی۔ شعراء میں شاعر "خطینہ" اوس بن مغراہ، عبدہ بن الخطیب عمرو بن معدی کرب اور خطیبوں میں قیس بن ہبیر غلب، بن ہبندیل الاسدی، بسریون ابی رہم، الجمنی، عاصم بن عمرو، ربیع معدی، ربیع بن عامر میدان میں کھڑے تقریں کر رہے تھے اور فوج کا یہ حال تھا کہ ان پر کوئی جادو کر رہا ہے۔ ان تقریروں کے بعض جملے یاد رکھنے کا قابل ہیں۔

ابن النذیل اسدی کے الفاظ یہ تھے۔

يامعاشر سعد! أجعلوا حصونكم السيف و كونوا عليهم كاسود  
الا جم وادرعوا العجاج الا بصارو اذا كلت السيف

فارسلوا العجادل فانها يوذن لها فيما لا يوذن للحديد

”خاذدان سعد! تواروں کو قلعہ بناؤ اور وشنوں کے مقابلے میں شیر بن کرجاؤ۔ گرد کی زندہ پین لو اور نگاہیں نیچی کر لوجب تواریں تحک جائیں تو تیروں کی باغ چھوڑ دو کیونکہ تیروں کو جہاں باریل جاتا ہے تواروں کو نہیں ملتا۔“

اس کے ساتھ قاریوں نے میدان میں نکل کر نہایت خوشحالی اور جوش سے سورہ جہاد کی آیتیں پڑھنی شروع کیں۔ جس کی تاثیر سے دل ہل گئے اور آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ سعد نے قاعدے کے موافق تین نفرے مارے اور چوتھے پر لڑائی شروع ہوئی۔ سب

سے پہلے ایک ایرانی قدر انداز دبای کی قبانی بدن کئے، زریں کمر بند لگائے ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنے میدان میں آیا۔ ادھر سے عمرو بن معدی کرب اس کے مقابلے کو نکلے اس نے تیر کمان میں جوڑا اور ایسا تاک کر رکھا ہے یہ بال بال نج گئے انہوں نے گھوڑے کو دبا اور قریب پہنچ کر کمیں ہاتھ ڈال کر محلت اٹھانیں پر دے پہنچا۔ اور تلوار سے گرون اڑا کر فوج کی طرف مخاطب ہوئے کہ یوں لڑا کرتے ہیں۔ ”لوگوں نے کہا“ ہر شخص معدی کرب کیونکر ہو سکتا ہے۔“

اس کے بعد اور بہادر دونوں طرف سے نکلے اور شجاعت کے جو ہر دھماکے پھر عام جنگ شروع ہوئی، ایرانیوں نے بجیلہ کے رسالہ پر حسب میں ممتاز تھا، ہاتھیوں کو ریلا اُعرب کے گھوٹوں نے یہ کالے پہاڑ کمال دیکھے تھے وفعہ بد کے منتشر ہو گئے پہلی فوج ثابت قدی سے لڑی۔ لیکن ہاتھیوں کے ریلے میں ان کے پاؤں بھی اکھڑ جاتے تھے سعد نے یہ ڈھنگ دیکھ کر فوراً قبیلہ اسد کو حکم بھیجا کہ بجیلہ کو سنجھالو، ملیحہ نے جو قبیلہ کے مژرا در مشہور ہزار تھی ساتھیوں سے کہا“ عزیزو! سعد نے کچھ سمجھ کر تم سے ڈمائلی ہے۔ تمام قبیلے نے جوش میں آکر باگیں اٹھائیں اور ہاتھوں میں بچھیاں لے کر ہاتھیوں پر حملہ آور ہوئے، ان کی پامروی سے اگرچہ یہ کالی آندھی ذرا تھم گئی لیکن ایرانیوں نے بجیلہ کو چھوڑ کر سارا نور اس طرف دیا۔ سعد نے قبیلہ تمیم کو جو تیر اندازی اور نیزہ بازی میں مشور تھے کہلا بھیجا کہ تم سے ہاتھیوں کی کچھ تدبیر نہیں ہو سکتی؟ یہ سن کر وہ وفعہ بڑھے اور اس قدر تیر بر سائے کہ فیل نشینوں کو گرا دیا۔ پھر قریب پہنچ کر تمام ہو دے اور عماریاں الٹ دیں۔ شام تک یہ ہنگامہ رہا۔ جب بالکل تاریکی چھا گئی تو دونوں حریف میدان سے ہٹے۔ قادریہ کا یہ پہلا معرکہ تھا اور عربی میں اس کو یوم الاراثت کہتے ہیں۔

سعد جس وقت بالا خانہ پر بیٹھے فوج کو لڑا رہے تھے ان کی بی بی سلمی بھی ان کے برابر بیٹھی تھیں۔ ایرانیوں نے جب ہاتھیوں کو ریلا اور مسلمان پیچھے ہٹئے تو سعد غصے کے مارے بیتاب ہوئے جاتے تھے اور بار بار کروٹیں بدلتے تھے سلمی یہ حالت دیکھ کر بے اختیار چلا اٹھیں کہ ”افوس آج شنی نہ ہوا“ سعد نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ کر اکا کہ ”شنی ہوتا تو کیا کر لیتا“ سلمی نے کہا ”سبحان اللہ بنوی کے ساتھ غیرت بھی“ یہ اس بات پر طعن تھا کہ سعد خود لڑائی میں شریک نہ تھے۔

اگلے دن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے میدان جنگ سے مقتولوں کی

لاشیں اٹھوا کر دفن کرائیں اور جس قدر زخمی تھے، مرہم پیٹ کے لئے عورتوں کے حوالے کئے پھر فوج کو کمر بندی کا حکم دیا۔ لڑائی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ شام کی طرف سے غبار اٹھا۔ گرد پھٹی تو معلوم ہوا کہ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام سے جو امدادی فوجیں بھیجی تھیں وہ آپنچیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس ننانے میں عراق پر حملے کی تیاریاں کی تھیں اسی ننانے میں ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو شام کی مہم پر مامور تھے لکھ بھیجا تھا کہ عراق کو جو فوج وہاں بھیج دی گئی تھی اس کو حکم دو کہ بعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فوج سے جار کر مل جائے چنانچہ یعنی وقت پر یہ فوج پہنچی اور تائید یعنی سمجھی گئی۔ چھ ہزار سپاہی تھے جن میں پانچ ہزار ریبعہ و مصرا اور ہزار خاص جماز کے تھے ہاشم بن عتبہ سعد کی بھائی پر سالار تھے اور ہراول تھقانع کی رکاب میں تھا، تھقانع نے پونچتے ہی صفت سے نکل کر پکارا کہ ایرانیوں میں کوئی بہادر ہو تو مقابلے کو آئے اور ہر سے بسن نکلا۔ تھقانع جسرا واقعہ یاد کر کے پکارا ہے کہ ”طیبا ابو عبیدہ کا قاتل جانے نہ پائے“ دونوں حریف تواریخے کر مقابلہ ہوئے اور کچھ دری کی روبدل کے بعد بسن مارا گیا۔ دری تک دونوں طرف کے بہادر تنہا تنہا میدان میں نکل کر شجاعت کے جو ہر دکھاتے رہے سیستان کا شزارہ براز، اعون بن قطبہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بزر مہر ہدانی جو ایک مشہور بہادر تھا۔ تھقانع سے لڑ کر قتل ہوا۔ غرض ہنگامہ ہونے سے پہلے ایرانی فوج نے اکثر انہیں ناموں بہادر کھو دیئے تاہم بڑے نور شور سے دونوں فوجیں حملہ آور ہوئیں۔ شام کی امدادی فوج کو تھقانع نے اس تدبیر سے زوانہ کیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے دستے کر دیئے تھے اور جب ایک دستہ میدان جنگ میں پانچ جاتا تھا تو دوسرا دوسرے نمودار ہوتا تھا۔ اس طرح تمام دن فوجوں کا تاثنا بندھا رہا۔ اور ایرانیوں پر رعب چھاتا گیا۔ ہر دستہ اللہ اکبر کے نزدے مارتا ہوا آتا تھا اور تھقانع اس کے ساتھ ہو کر دشمن پر حملہ آور ہوتے تھے ہاتھیوں کے لئے تھقانع نے یہ تدبیر کی کہ اونٹوں پر جھوول ڈال کر ہاتھیوں کی طرح میسیب بنایا، یہ مصنوعی ہاتھی جس طرف رخ کرتے تھے ایرانیوں کے گھوڑے بدک کر سواروں کے قابو سے نکل جاتے تھے۔

یعنی ہنگامہ جنگ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاصد پانچ جن کے ساتھ نہایت بیش قیمت علی گھوڑے اور تواریں تھیں، ان لوگوں نے فوج کے سامنے پکار کر کہا کہ امیر المؤمنین نے یہ انعام ان لوگوں کو بھیجا ہے جو اس کا حق ادا کر سکیں۔ چنانچہ تھقانع نے جمال بن مالک، ربیل بن عمرو و طیبہ بن خوبیل، عاصم بن عمرو، نعیمی کو تواریں حوالہ کیں اور

قبيله يروع کے چار بہادروں کو گھوڑے عنایت کئے رہیں نے فخر کے جوش میں آکر فی البدیل  
یہ شعر بڑھا۔

**لقد علم الا قوام انا الحقهم اذا حصلوا بالمرهفات البواتر**

”سب لوگوں کو معلوم ہے کہ میں سب سے زیادہ مستحق ہوں بھس وقت لوگوں نے کائے والی  
نازک تلواریں پائیں“

جس وقت لڑائی کا ہنگامہ گرم تھا، ابو مجبن ثقفی جو ایک مشور بہادر شاعر تھے اور جن کو شراب  
پینے کے جرم میں سعد نے قید کر دیا تھا۔ قید خانے کے درپیچے سے لڑائی کا تماشہ دیکھ رہے تھے  
اور شجاعت کے جوش میں بے اختیار ہوتے جاتے تھے۔ آخر ضبط نہ کر سکے، سلمی (سعد کی  
بیوی) کے پاس گئے کہ خدا کے لئے اس وقت مجھ کو چھوڑ دو۔ لڑائی سے جیتا بجا تو خود آگر بیڑا  
پہن لوں گا۔ سلمی نے انکار کیا یہ حضرت کے ساتھ واپس آئے اور بار بار پروردہ بھی میں یہ اشعار  
پڑھتے تھے۔

**كفى حزنًا ان تردى العليل بالقنا واتر كمشدو داعلى و قاقيا**

”اس سے بھٹھ کر کیا غم ہو گا کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں، اور میں زنجیروں میں بندھا ہوا  
ہوں“

**اذا قمت عنافي العديد واغلفت مصارع من دوني تصم المناديا**

”جب کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیر اٹھنے نہیں دیتی، اور دروازے اس طرح بند کر دیئے جاتے ہیں  
کہ پکارنے والا پکارتے پکارتے تھک جاتا ہے۔“

ان اشعار نے سلمی کے دل پر یہ اثر کیا کہ خود آگر بیڑاں کاٹ دیں انہوں نے فوراً  
اصطبل میں جا کر سعد کے گھوڑے پر جس کا نام بلقا تھا زین کسا اور میدان جنگ پہنچ کر بھالے  
کے ہاتھ نکالتے ہوئے ایک دفعہ میمنہ سے میسر و تک کا چکر لگایا۔ پھر اس نزور و شور سے حملہ کیا  
کہ جس طرف نکل گئے صاف کی صاف الٹ دی۔ تمام لشکر متیر تھا کہ کون بہادر ہے۔  
سعد بھی حیران تھے اور دل میں کہتے تھے کہ حملہ کا انداز ابو مجبن کا ہے۔ لیکن وہ قید  
خانے میں قید ہے۔ شام ہوئی تو ابو مجبن نے آگر خود بیڑاں پہن لی۔ سلمی نے یہ تمام حالات  
سعد سے بیان کئے۔ سعد نے اسی وقت ان کو رہا کر دیا اور کہا ”خدا کی قسم مسلمانوں پر جو شخص  
یوں شمار ہو میں اس کو سزا نہیں دے سکتا۔“

ابو مجبن نے کہا ”بحدا میں بھی آج سے پھر کبھی شراب کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔“

(کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۱۸)

خشاء جو عرب کی مشورہ شاعر تھی۔ اس معركے میں شریک تھی اور اس کے چاروں بیٹے بھی تھے۔ لایا جب شروع ہوئی تو اس نے بیٹوں کی طرف خطاب کیا اور کہا۔

لَمْ تُنْبِتْ بَكُمُ الْبَلَادُ وَلَمْ تَقْعُدْ كُمُ الْسَّنَةُ ثُمَّ جَثَّتْ بِاَنْكَمْ  
عَجُوزٌ كَبِيرٌ فَوَضَعْتُمُوهَا بَيْنَ أَيْدِيِّ أَهْلِ فَارسٍ وَاللَّهُ أَنْكَمْ  
لِبَنْوَةِ جَلْ وَاحِدَ كَمَا أَنْكَمْ بَنْوَ اِمْرَأَةً وَاحِدَةً مَا خَتَّ اَبَاكُمْ وَلَا  
فَضَحَّتْ خَالِكُمْ اَنْطَلَقُوا فَاسْهَدُوا اَوْلَى القَتْلَ وَالْآخِرَةِ۔

”پیارے بیٹو! تم اپنے ملک کو دو بھرنہ تھے نہ تم پر قحط پڑا تھا باوجود  
اس کے تم اپنی کہن سال مان کو یہاں لائے اور فارس کے آگے ڈال  
دیا۔ خدا کی قسم جس طرح تم ایک ماں کی اولاد ہو۔ اسی طرح ایک  
باپ کے بھی ہو۔ میں نے تمہارے باپ سے بد دیانتی نہیں کی، نہ  
تمہارے ماموں کو رسوا کیا، تو جاؤ! آخر تک لڑو۔“

بیٹوں نے ایک ساتھ بائیں اٹھائیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑے جب لگاہ سے او جھل ہو  
گئے تو خشاء نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا ”خدا یا میرے بیٹوں کو بچانا۔“  
اس دن مسلمان دو ہزار اور ایرانی دس ہزار مقتول و مجموع ہوئے تاہم فتح و شکست کا کچھ  
فیصلہ نہ ہوا۔ یہ معركہ اغواٹ کے نام سے مشہور ہے۔

تیرا معركہ یوم العباس کے نام سے مشہور ہے، اس میں تعقای نے یہ تدبیر کی کہ  
رات کے وقت چند رساں اور پیل فوج کو حکم دیا کہ پڑاوے دور شام کی طرف نکل جائیں۔  
پوچھئے سو سوار میدان جنگ کی طرف گھوڑے اڑاتے ہوئے آئیں۔ اور رسالے اسی طرح  
برابر آتے جائیں۔ چنانچہ صبح ہوتے ہوتے پہلا رسالہ پہنچا۔ تمام فوج نے اللہ اکبر کا انعامار۔  
اور غل پڑ گیا۔ کہ نئی امدادی فوجیں آگئیں، ساتھ ہی حملہ ہوا۔ حسن اتفاق سے یہ کہ ہشام جن  
کو ابو عبیدہ نے شام سے مدد کے لئے بھیجا تھا۔ میں موقع پر سو سواروں کے ساتھ پہنچ گئے یہ زد  
گرد کو دم دم کی خبریں پہنچتی تھیں اور وہ برادر فوجیں بھیجا جاتا تھا۔ ہشام نے فوج کی طرف  
خطاب کیا اور کہا تمہارے بھائیوں نے شام کو فتح کر لیا ہے اور فارس کی فتح کا جو خدا کی طرف  
سے وعدہ ہے وہ تمہارے ہاتھ سے پورا ہو گا۔ معمول کے موافق جنگ کا آغاز یوں ہوا کہ

لے خشائی و اقدامات نہیں دلچسپ اور عجیب و غریب ہیں اس کا دیوان ہیروت میں چھپ گیا ہے اور اس کے مفصل  
حالات ابو الفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی میں لکھے ہیں۔ امناف شعریں، مرغیہ گولی میں اس کا کوئی نظر نہیں  
گزرا چنانچہ بازار عکاظ میں اس کے خیے کے دروازے پر ایک علم نصب کیا جاتا تھا جس پر لکھا ہوا تھا ارشی العرب یعنی  
تمام عرب میں سب سے بڑہ کر مرغیہ گوہ اسلام بھی لالی اور حضرت عمرؓ کے دربار میں حاضر ہوئی تھی۔

ایرانیوں کی فوج سے ایک پہلوان شیر کی طرح دھاڑتا ہوا میدان میں آیا۔

اس کا ذیل ڈول دیکھ کر لوگ اس کے مقابلے سے جی چراتے تھے لیکن عجیب اتفاق سے وہ ایک کمزور سپاہی کے ہاتھوں سے مارا گیا، ایرانیوں نے تجوہ اٹھا کر ہاتھیوں کے دامیں باسیں پیدل فوجیں قائم کر دیں تھیں۔ عموم عدی کرب نے رفیقوں سے کہا "میں مقابلہ ہاتھی پر حملہ کرتا ہوں، تم ساتھ رہنا، ورنہ عموم عدی کرب مارا گیا تو پھر عدی کرب پیدا نہ ہو گا"۔ یہ کہ کرت مواریان سے گھیٹ لی۔ اور ہاتھی پر حملہ کیا۔ لیکن پیدل فوجیں جو دامیں باسیں تھیں دفعہ ان پر ثبوت پڑیں اور اس قدر گرد اٹھی کہ یہ نظر سے چھپ گئے یہ دیکھ کر ان کی فوج حملہ آور ہوئی اور بڑے مuar کے کے بعد دشمن پیچھے ہٹے۔ عموم عدی کرب کا یہ حال تھا کہ تمام جسم خاک سے اٹا ہوا تھا، بدن پر جا بجا بر چھیوں کے زخم تھے۔ تاہم توار قبضے میں تھی۔ اور ہاتھ چلتا جاتا تھا، اسی حالت میں ایک ایرانی سوار بر ابر سے نکلا، انہوں نے اس کے گھوڑے کی دم پکڑ لی۔ ایرانی نے بار بار مہیز کیا لیکن گھوڑا جگہ سے مل نہ سکا، آخر سوار اتر کر ہاک نکلا۔ اور یہ اچھل کر گھوڑے کی پیچھے پر جائیشے۔

سعد نے یہ دیکھ کر کہ ہاتھی جس طرف رخ کرتے ہیں دل کا دل پھٹ جاتا ہے۔ ضخم و سلم وغیرہ کو جو پاری تھے اور مسلمان ہو گئے تھے بلا کرو پوچھا کہ اس بلائے سیاہ کا کیا علاج ہے انہوں نے کہا کہ ان کی سوندھ اور آنکھیں بیکار کر دی جائیں۔ تمام غول میں دو ہاتھی نہایت مہیب اور کوہ پیکر گویا کل ہاتھیوں کے سردار تھے۔ ایک ابیض دوسرے اجرب کے نام سے مشہور تھا، سعد نے تعقایع، عاصم، حمال، رہیل کو بلا کر کہا کہ یہ مم تمہارے ہاتھ ہے۔ تعقایع نے پہلے کچھ سوار اور پیادے بھیج دیئے کہ ہاتھیوں کو نرفہ میں کر لیں۔ پھر خود بر چھا ہاتھ میں لے کر ہبھے سفید کی طرف بڑھے۔ عاصم بھی ساتھ تھے۔ دونوں نے ایک ساتھ بر چھے مارے کہ آنکھوں میں پیوست ہو گئے ہاتھی جھر جھری لے کر پیچھے ہٹا، ساتھی تعقایع کی توار پڑی اور سوندھ متک سے الگ ہو گئی۔ ادھر رہیل و حمال نے اجرب پر حملہ کیا۔ وہ زخم کھا کر ہاگا تو تمام ہاتھی اس کے پیچے ہو لئے اور دم کے دم میں یہ سیاہ باول بالکل چھٹ گیا۔

اب بادروں کو حوصلہ آنہائی کا موقع ملا اور اس نور کارن پڑا کہ نعروں کی گرج سے نہیں دل پڑتی تھی۔ چنانچہ اسی مناسبت سے اس معزکہ کو لیلة البر رکھتے ہیں۔ ایرانیوں نے فوج نئے سرے سے ترتیب دی قلب میں اور دامیں باسیں تیرہ تیرہ صیفیں قائم کیں۔ مسلمانوں نے بھی تمام فوج کو سمیٹ کر کیجا کیا۔ اور آگے پیچے تین پرے جماں سب سے آگے سواروں کا رسالہ ان کے بعد پیدل فوجیں اور سب سے پیچے تیر انداز۔ سعد رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا کہ تیری تکبیر پر حملہ کیا جاوے لیکن ایرانیوں نے جب تیر بر سانے شروع کئے تو تعقّاع سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور اپنی رکاب کی فوج لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ فوجی اصولوں کے لحاظ سے یہ حرکت نافرمانی میں داخل تھی۔ تاہم لڑائی کا ڈھنگ اور تعقّاع کا جوش دیکھ کر سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ سے بے خیار تکلا۔ اللهم اغفره وانصره۔

”یعنی اے خدا تعقّاع کو معاف کرنا اور اس کا مدد و گار رہنا۔“ تعقّاع کو دیکھ کر بنو اسد اور بنو اسد کی دیکھا دیکھی تھی، بھجیلہ، کندہ سب ٹوٹ پڑے۔ سعد ہر قبیلے کے حملے پر کھتے جاتے تھے کہ خدا یا اس کو معاف کرنا اور یا اور رہنا، اول اول سواروں کے رسائلے نے حملہ کیا۔ لیکن ایرانی فوجیں جو دیوار کی طرح جمی کھڑی تھیں۔ اس ثابت قدمی سے لڑیں کہ گھوڑے آگے نہ بڑھ سکے۔ یہ دیکھ کر سب گھوڑوں سے کوپڑے اور پیادہ حملہ آور ہوئے۔

ایرانیوں کا ایک رسالہ سرتاپا لوئے میں غرق تھا۔ قبیلہ جمیفہ نے اس پر حملہ کیا۔ لیکن تلواریں زر ہوں پر اچٹ اچٹ کر رہ گئیں۔ سردار ان قبیلے نے للاکارا۔ سب نے کما زر ہوں پر تلواریں کام نہیں دیتیں۔ اس نے غصے میں اگر ایک ایرانی پر بر جھے کا وار کیا کہ کمر توڑ کر نکل گیا۔ یہ دیکھ کر اوروں کو بھی ہمت ہوئی اور اس بہادری سے لڑے کہ رسالہ کا رسالہ پریاہ ہو گیا۔

تمام رات ہنگامہ کا رزار گرم رہا۔ لوگ لڑتے لڑتے تحک کر چور ہو گئے تھے اور نیند کے خمار میں ہاتھ پاؤں بیکار ہوئے جاتے تھے۔ اس پر بھی جب فتح و شکست کا فیصلہ نہ ہوا تو تعقّاع نے سردار ان قبائل میں سے چند نامور بہادر انتخاب کئے اور پہ سالار فوج (رسمی) کی طرف رخ کیا ساتھ ہی قیس، اشعت، عمرو معدی کرب، ابن ذی البوین نے جوابنے اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ ساتھیوں کو للاکارا کہ دیکھو! یہ لوگ خدا کی راہ میں تم سے آگے نکلنے نہ پائیں اور سرداروں نے بھی جو بہادری کے ساتھ زبان آور بھی تھے اپنے قبیلوں کے سامنے کھڑے ہو کر اس جوش سے تقریس کیں کہ تمام لشکر میں ایک آگ لگ گئی۔ سوار گھوڑوں سے کوڈ پڑے اور تیر و مکان پھینک کر تلواریں گھسیٹ لیں۔ اس جوش کے ساتھ تمام فوج سیلاں کی طرح بڑھی اور فیروز و ہرمزان کو دیاتے ہوتے رسم کے قریب پہنچ گئے۔ رسم تخت پر بیٹھا فوج کو لڑا رہا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر تخت سے کوپڑا اور دری تک مردانہ وار لڑتا رہا۔ جب زخمیوں سے بالکل چور ہو گیا تو بھاگ تکلا۔ ہلال نامی ایک سپاہی نے تعاقب کیا، اتفاق سے ایک نسر سامنے آگئی۔ رسم کوپڑا کہ تیر کر نکل جائے۔ ساتھ ہی ہلال بھی کوئے اور ناٹکیں پکڑ کر بیاہر پھیجنے لائے پھر تلوار سے کام تمام کر دیا۔

ہلال نے لاش خچوں کے پاؤں میں ڈال دی۔ اور تخت پر چڑھ کر پکارے کہ ”رستم کا میں نے خاتمه کرویا۔“ ایرانیوں نے دیکھا تو تخت پر سالار سے خالی تمام فوج میں بھگدڑ بیٹھ گئی۔ مسلمانوں نے دور تک تعاقب کیا اور ہزاروں لاشیں میدان میں بچھادیں۔

افسوس ہے کہ اس واقعہ کو ہمارے ملک الشعلہ نے قوی جوش کے اثر سے بالکل غلط

لکھا ہے

برآمد خوشے بکر دار عد  
زیک سوئے رستم زیکوئی سعد  
چودیدار رستم بخون تیرہ گشت  
جو ان مو تازی برد چیرہ گشت

ہمارے شاعر کو یہ بھی معلوم نہیں کہ سعد اس واقعہ میں سے سرشاریک ہیا نہ تھے۔  
ٹکست کے بعد بھی چند نامور افسر جو ریاستوں کے مالک تھے میدان میں ثابت قدم  
رہے ان میں شریار، ابن الرید، فرخان اہوازی، خرسو شنوم، ہدانی نے مرواہ وارجان دی۔  
لیکن ہر مزان اہوز، قارلن موقع پا کر بھاگ نکلے ایرانیوں کے کشتوں کا تو شمارہ تھا، مسلمان  
بھی کم و بیش چھ ہزار کام آتے۔ اس فتح میں چونکہ سعد خود شریک جنگ نہ تھے، فوج کو ان کی  
طرف سے بدگمانی رہی یہاں تک کہ ایک شاعر نے کہا۔

وقاتلت حتى انزل اللعنصرة و سعد بباب القدسية معصم

”میں برابر لڑا کیا یہاں تک کہ خدا نے اپنی مدد بھیجی، لیکن سعد قادریہ کے دروازے ہی پہنچے ہے۔“

فابنا و قدامت نساء كثيرة و نسوة سعد لميس فيهن ايم

”هم واپس پھرے تو سینکڑوں عورتیں یہوہ ہو چکی تھیں، لیکن سعد کی یہوی یہوہ نہیں ہوئی۔“

یہ اشعار اسی وقت بچے بچے کی زبان پر چڑھ گئے یہاں تک کہ سعد نے تمام فوج کو جمع کر کے آبلوں کے زخم و کھائے اور اپنی معذوری ثابت کی۔

سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نامہ فتح لکھا اور دونوں طرف کے مقتولوں کی تفصیل لکھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ جس دن سے قادریہ کا معرکہ شروع ہوا تھا ہر روز آفتاب نکلتے مدینے سے نکل جاتے اور قابضہ کی راہ

لے علامہ بازاری نے لکھا ہے کہ رستم کے قاتل کا نام معلوم نہیں۔ لیکن عمرو معدی کرب، ملحوظ بن خوبیل، قحط بن جمال ان تینوں نے اس پر حملہ لیا تھا۔ میں نے جو روایت لکھی ہے وہ الاخبارۃ للحوالی کی روایت ہے۔

دیکھتے۔ ایک دن معمول کے موافق نکلے اور سے ایک شترسوار آ رہا تھا۔ بڑھ کر پوچھا کہ کہ در سے آتے ہو۔ وہ سعد کا قاصد تھا اور مژده فتح لے کر آیا تھا۔ جب معلوم ہوا کہ سعد کا قاصد ہے تو اس سے حالات پوچھنے شروع کئے اس نے کماکہ خدا نے مسلمانوں کو کامیاب کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رکاب کے برادر دوڑتے جاتے تھے اور حالات پوچھتے جاتے تھے شترسوار شہر میں داخل ہوا تو دیکھتا جو شخص آتا ہے ان کو ”میر المومنین“ کے لقب سے پکارتا ہے ذر سے کانپ اٹھا۔ اور کماکہ حضرت نے مجھ کو اپنا نام کیوں نہ بتایا کہ میں اس گستاخی کا مرکب نہ ہوتا۔ فرمایا ”نمیں کچھ حرج نہیں۔ تم سلسلہ کلام کونہ توڑو۔ چنانچہ اسی طرح اس کے رکاب کے ساتھ ساتھ گھر تک آئے مدینے پہنچ کر مجع عالم میں فتح کی خوشخبری سنائی۔ اور ایک نہایت پراثر تقریر کی جس کا اخیر فقرہ یہ تھا۔ ”مسلمانوں! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنانا چاہتا ہوں، میں خدا کا غلام ہوں۔ البتہ خلافت کا بار میرے سرپر رکھا گیا ہے۔ اگر میں اسی طرح تمہارا کام کروں کہ تم چین سے گھوول میں سوؤ تو میری سعادت ہے اور اگر یہ میری خواہش ہو کہ تم میرے دروازے پر حاضری دو تو میری بد مختی ہے۔ میں تم کو تعلیم دینا چاہتا ہوں، لیکن باتوں سے نہیں عمل سے۔“

قادیہ کے معمر کے میں جو عجم یا عرب مسلمانوں سے لڑتے تھے ان میں ایسے بھی تھے جو دل سے لڑنا نہیں چاہتے تھے بلکہ زردستی فوج میں پکڑے آئے تھے۔ بہت سے لوگ گھر چھوڑ گئے تھے فتح کے بعد یہ لوگ سعد کے پاس آئے اور امن کی درخواست کی سعد نے دربار خلافت کو لکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کو بیلا کر رائے لی۔ اور سب نے بالاتفاق منظور کیا۔ غرض تمام ملک کو امن دیا گیا جو لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے۔ والپس آگر آباد ہوتے گئے۔ رعایا کے ساتھ یہ ارتباٹ بھاکہ اکثر بزرگوں نے ان میں رشتہ داریاں کر لیں۔ ایرانیوں نے قادیہ سے بھاگ کر بابل میں مقام کیا اور جونکہ یہ ایک محفوظ و محکم مقام تھا اطمینان کے ساتھ جنگ کے تمام سامان میا کرنے تھے اور فیروزان کو لشکر قرار دیا تھا۔ سعد نے ان کے استیصال کے لئے ہر ہجری میں بابل کا راہ کیا اور چند سو دار آگے روانہ کئے کہ راستہ صاف کرتے جائیں۔ چنانچہ مقام برس میں بصیری سدر را ہوا اور میدان جنگ میں زخم کھا کر بابل کی طرف بھاگ گیا۔ برس کے رئیس نے جس کا نام بسطام تھا، صلح کر لی۔ اور بابل تک موقع بہ موقع پل تیار کر دیئے کہ اسلامی فوجیں بے تکلف گذر جائیں، بابل میں اگرچہ عجم کے بڑے بڑے سردار نفعیں جان، ہر مزان، مہران، مہر جان وغیرہ جمع تھے۔ لیکن پہلے ہی حملے میں بھاگ نکلے۔ سعد نے خود بابل میں مقام کیا اور زہرہ کی افسری میں فوجیں آگئے

روانہ کیں۔ عجمی فوجیں بابل سے بھاگ کر کوئی میں نہ تھیں اور شریار جو رئیس زادہ تھا ان کا پسہ سالار تھا زہر کوئی سے جب گزرے تو شریار آگے بڑھ کر مقابلہ ہوا اور میدان جنگ میں اُگر پکارا کہ جو بہادر تمام لشکر میں انتخاب ہو مقابلہ کو آئے زہر نے کما میں نے خود تیرے مقابلے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن جب تیرا یہ دعویٰ ہے تو کوئی غلام تیرے مقابلے کو آجائے گا۔ یہ کہہ کر نائل کو جو قبیلہ تمیم کا غلام تھا اشارہ کیا۔ اس نے گھوڑا آگے بڑھایا۔ شریار دیو کا ساتن و توش رکھنا تھا۔ نائل کو نزور دیکھ کر نیزہ ہاتھ سے پھینک گردان میں ہاتھ ڈال کر نور سے کھینچا۔ اور نئیں پر گرا کر سینے پر چڑھ بیٹھا۔ اتفاق سے شریار کا انگوٹھا نائل کے منہ میں آگیا۔ نائل نے اس نور سے کاثا کہ شریار تملکا گیا۔ نائل موقع پا کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور توار سے پیٹ چاک کر دیا۔ شریار نمایت عمدہ لباس اور اسلحہ سے آراستہ تھا۔ نائل نے زرد وغیرہ اس کے بدن سے اتار کر سعد کے آگے لا کر رکھ دیں۔ سعد نے عبرت کے لئے حکم دیا نائل وہی لباس اور اسلحہ سجا کر آئے چنانچہ شریار کے زبق برق لباس اور اسلحہ سے آراستہ ہو کر جب مجمع عام میں ایسا تو لوگوں کی آنکھوں میں نہانے کی نیرنگیوں کی تصویر پھر گئی۔

کوئی ایک تاریخی مقام تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمودنے میں قیدیں کھاتھا۔ چنانچہ قید خانے کی جگہ اب تک محفوظ تھی۔ سعد اس کی زیارت کو گئے اور نزور پڑھ کر آبیت پڑھی تلک الا یام نداولها یعنی الناس کوئی سے آگے پائے تخت کے قریب بہرہ شیر ایک مقام تھا۔ یہاں ایک شاہی رسالہ رہتا تھا۔ جو ہر روز ایک بار قسم کھا کرتا تھا کہ ”جب تک ہم ہیں سلطنت فارس میں کبھی نوال نہیں آسکتا“۔ یہاں ایک شیر پلا ہوا تھا جو کسری سے بت پلا ہوا تھا۔ اور اسی لئے اس کو بہرہ شیر کہتے تھے سعد کا لشکر قریب پہنچا تو وہ ترب کر نکلا۔ لیکن ہاشم نے جو ہر اول کے افسر تھے اس صفائی سے توار ماری کے وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ سعد نے اس بہادری پر ان کی پیشانی چوم لی۔

آگے بڑھ کر سعد نے بہرہ شیر کا محاصرہ کیا۔ اور فوج نے اوہراوہر پھیل کر ہزاروں آدمی گرفتار کر لئے شیرزاد نے جو ساپاٹ کار نہیں تھا۔ سعد سے کہا کہ یہ معمولی کاشتکار ہیں۔ ان کے قید کرنے سے کیا حاصل چنانچہ سعد نے ان کے نام و فtern میں درج کر لیئے اور چھوڑ دیا۔ آس پاس کے تمام رئیسوں نے جزیہ قبول کر لیا۔ لیکن شرپر قبضہ نہ ہو سکا۔ وہ مینے تک برابر محاصرہ رہا۔ ایرانی بھی کبھی قلعہ سے نکل کر معمر کہ آ را ہوتے تھے، ایک دن بڑے جوش و خوش سے سب نے مرنے پر کمیں باندھ لیں اور تیر بر ساتھ ہوئے آنکھے مسلمانوں نے برابر

کا جواب دیا۔ زہرہ جو ایک مشہور افسر تھے اور معاشر کوں میں سب سے آگے رہتے تھے ان کی زندہ کی کثیاں کہیں کہیں سے ٹوٹ گئیں۔ لوگوں نے کہا کہ اس زندہ کو بدل کرنی پہن بچھے بولے کہ میں ایسا خوش قسمت کماں کہ دشمن کے تیر سب کو چھوڑ کر میری ہی طرف آئیں۔ اتفاق یہ کہ پہلا تیر انہی کو اگر لگا۔ لوگوں نے نکالنا چاہا تو انہوں نے منع کیا کہ جب تک یہ بدن میں ہے اسی وقت تک زندہ بھی ہوں۔ چنانچہ اسی حالت میں جملہ کرتے ہوئے بڑھے اور شر برآز کو جو ایک نای افسر تھا۔ تکوار سے مارا تھوڑی دیر لڑ کر ایرانی بھاگ چلے اور شروالوں نے صلح کا پھر ریا۔

بہرہ شیر اور مدائن میں صرف دجلہ حائل تھا۔ سعد بہرہ شیر سے بڑھے تو آگے دجلہ تھا۔ ایرانیوں نے پہلے سے جہاں جہاں پل بننے تھے تو ڈکر بیکار کر دیئے تھے سعد دجلہ کے کنارے پہنچنے پل تھا نہ کشتی فوج سے مخاطب ہو کر کہا ”بڑا و ان اسلام! دشمن بنے ہر طرف سے مجبور ہو کر دیریا کے دامن میں پناہ لی ہے۔ یہ مم بھی سر کر لو تو پھر مطلع صاف ہے۔“ یہ کہہ کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ ان کو دیکھ کر اور لوں نے بھی ہمت کی۔ اور دفعتہ سب نے گھوڑے دریا میں ڈال دی۔ دریا اگرچہ نہایت زخار اور مواد تھا، لیکن ہمت اور جوش نے طبیعتوں میں آگریہ استقلال پیدا کر دیا کہ موجودین برابر گھوٹوں سے آئے کر لائی تھیں اور یہ رکاب ملا کر آپس میں باشیں کرتے جاتے تھے، یہاں تک کہ بیمین ویسار کی جو ترتیب تھی اس میں بھی فرق نہ آیا۔ دوسرے کنارے پر ایرانی یہ حریت انگیز تماشہ دیکھ رہے تھے جب فوج کنارے کے قریب آگئی تو ان کو خیال ہوا کہ یہ آدمی نہیں جن ہیں۔ چنانچہ ”لہیوان آمدند“ دیوان آمدند“ کہتے ہوئے بھاگ کے تاہم سپہ سالار خرزاد تھوڑی سی فوج کے ساتھ جمارہ اور گھاث پر تیر اندازوں کے دستے متین کر دیئے ایک گروہ دریا میں اتر کر سدرہ ہوا۔ لیکن مسلمان سیلاپ کی طرح بڑھتے چلے گئے اور تیر اندازوں کو خس خاشک کی طرح مٹاتے پار نکل آئے یہ زد گرد نے حرم اور خاندان شاہی کو پہلے ہی حلوان روانہ کر دیا تھا۔ یہ خرس کر خود بھی شہر چھوڑ کر نکل گیا۔ سعد مابین میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا۔ نہایت عبرت ہوئی۔ اور بے اختیار آئیں زبان سے نکلیں۔ کم تو کوا من جنتٰ و عیونٰ و زروع و مقام کریم و نعمتٰ کانوافیها فکھیں کذلک واور ثناها قوماً اخرین۔

ایوان کسری میں تخت شاہی کے بجائے منبر نصب ہوا۔ چنانچہ جمعہ کی نماز اسی میں ادا کی گئی اور یہ پہلا جمعہ تھا جو عراق میں ادا کیا گیا۔ ہمارے فقماء کو تجھ ہو گا کہ سعد نے باوجود

۱۔ تاریخ طبری میں بھینہ کی الفاظ ہیں۔

یہ کہ اکابر صحابہ میں سے تھے اور برسوں جناب رسالت مآب کی صحبت میں رہے تھے۔ عالمگیر و مجدد کی تخلید نہیں کہ بلکہ ایوان میں جس قدر مجسم تصویریں تھیں سب برقرار رہنے دیں۔  
(علام طبری نے جو بڑے حدث بھی تھے تصریح کے ساتھ اس وقعہ کو لکھا ہے)

دو تین دن ٹھہر کر سعد نے حکم دیا کہ دیوانات شاہی کا خزانہ اور نادرات لا کر کیجا کئے جائیں۔ کیانی سلسلے سے لے کر نو شیروان کے عہد تک کی ہزاروں یادگاریں تھیں۔ خاقان چین، راجہ داہ، قیصر روم، نہمان بن منذر، سیاوش، بہرام چوبیں کی زریں اور تکواریں تھیں۔ کسری ہرمزا اور کیقباو کے خبر تھے نو شیروان کا تاج زرنگار، اور ملبوس شاہی تھا، سونے کا ایک گھوڑا تھا جس پر چاندی کا زین کسا ہوا تھا، اور سینے پر یا قوت اور زمرہ سے جڑے ہوئے تھے چاندی کی ایک اونٹنی تھی جس پر سونے کی پالان تھی اور مہار میں بیش قیمت یا قوت پر ہوئے تھے، ناقہ سوار کے پاؤں تک جواہرات سے مرصع تھا۔ سب سے عجیب و غریب ایک فرش تھا، جس کو ایرانی بمار کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ فرش اس غرض سے تیار تھا کہ جب بمار کا موسم نکل جاتا تھا تو اس پر بیٹھ کر شراب پیتے تھے اس رعایت سے اس میں بمار کے تمام سامان میا کئے تھے۔ بیچ میں بزرے کا چمن تھا۔ چاروں طرف جدولیں تھیں۔ ہر قسم کے درخت اور درختوں میں ٹکلوں اور پھولوں پھل تھے۔ طریقہ یہ کہ جو کچھ تھا زرو جواہرات کا تھا۔ یعنی سونے کی نہیں، زمرہ کا سبزہ، پکھراج کی جدولیں، سونے چاندی کے درخت، حریر کے پتے، جواہرات کے پھل تھے۔

یہ تمام سامان فوج کی عام غار تگریری میں ہاتھ آیا تھا۔ لیکن اہل فوج ایسے راست باز اور دیانتدار تھے کہ جس نے جو چیز پائی تھی بجسمہ لا کر افر کے پاس حاضر کر دی۔ چنانچہ جب سب سامان لا کر سمجھا گیا اور دور تک میدان جگہ کا اٹھا تو خود سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حیرت ہوئی۔ بار بار تجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جن لوگوں نے ان نادرات کو ہاتھ نہیں لگایا، بے شبہ انتہاء کے دیانتدار ہیں۔

مال غنیمت حسب قاعده تقسیم ہو کر پانچواں حصہ دربار خلافت میں بھیجا گیا، فرش اور قدیم یادگاریں، بجسمہ بھیجی گئیں کہ اہل عرب اپر انبوں کے جاہ و جلال اور اسلام کی فتح و اقبال کا تماشاہ دیکھیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جب یہ سامان چنے گئے تو ان کو بھی فوج کی دیانت اور استغفار پر حیرت ہوئی۔

غلام نام کا مدینہ میں ایک شخص تھا جو نہایت موزوں قامت اور خوبصورت تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ نو شیروان کے ملبوسات اس کو لا کر پہنائے جائیں۔ یہ ملبوسات مختلف حالتوں کے تھے سواری کا جدا، دربار کا جدا، جشن کا جدا، تئیت کا جدا، چنانچہ باری باری تمام ملبوسات مغلوم کو پہنائے گئے جب ملبوس خاص اور تاج زرنگار پہناؤ تو تماشا یوں کی آنکھیں خیر ہو گئیں اور دیر تک لوگ حیرت سے تکتے رہے فرش کی نسبت لوگوں کی رائے تھی کہ تقسیم نہ کیا جائے خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی مشا تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصرار سے اس بمار پر بھی خزان آئی اور دولت نو شیروانی کے مرقع کے پرزاے اڑ گئے

یورپ کے موجودہ مذاق کے موافق یہ ایک وحشیانہ حرکت تھی لیکن ہر نمانے کا مذاق جدا ہے وہ مقدس نمانہ جس میں زخارف دنیوی کی عزت نہیں کی جاتی تھی۔ دنیاوی یاد گاروں کی کیا پرواہ کر سکتا تھا۔

## لہ جلواء عالہ بھری (۷۳۶)

یہ معرکہ فتوحات عراق کا خاتمہ تھا۔ مائن کی فتح کے بعد ایرانیوں نے جلواء میں جنگ کی تیاریاں شروع کیں۔ اور ایک بڑی فوج جمع کر لی۔ خرزاد نے جور ستم کا بھائی اور سر لشکر تھا۔ نہایت تبدیل سے کام لیا۔ شر کے گرد خندق تیار کرائی اور راستوں اور گذرگاہوں پر لگو کھرو بچا دیئے۔ سعد کو یہ خبر پہنچی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا وہاں سے جواب آیا کہ ہاشم بن عقبہ باہر ہزار فوج لے کر اس صمیم پر جائیں اور مقدمۃ الجیش پر قعقاع، میمنہ پر مشرب بن مالک، میسر پر عمرو بن مالک، ساقہ پر عمرو بن مروہ مقرر ہوں، ہاشم مائن سے روانہ ہو کر جو تھے روز جلواء پہنچے اور شر کا محاصرہ کیا۔ میمنوں محاصرہ رہا۔ ایرانی وقتاً فوقاً قلعہ سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے، اس طرح اسی (۸۰) معرکے ہوئے لیکن ایرانیوں نے ہمیشہ نکلت کھائی۔ تاہم چونکہ شر میں ہر طرح کا ذخیرہ تھا اور لاکھوں کی جمعیت تھی۔ بیدل نہیں ہوتے تھے ایک دن بڑے نور شور سے نکلے مسلمانوں نے بھی جم کر مقابلہ کیا۔ اتفاق یہ کہ دنھتناً اس نور کی آندھی چلی کہ نہیں آسمان میں اندر ہرا ہو گیا۔ ایرانی مجبور ہو کر پیچھے ہٹئے لیکن گرد و غبار کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ہزاروں آدمی خندق میں گر کر مر گئے ایرانیوں نے یہ دیکھ کر جا جندق کو

لہ جلواء بغداد کے سوا میں ایک شہر ہے جو بسب چھوٹے ہونے کے نتیجے میں مندرج نہیں ہے۔ بغداد سے خراسان جاتے وقت راہ میں ڈنتا ہے تک گورہ ایک کاننا جو سہ گوشہ ہوتا ہے (چخالی) بکڑا لوہے کے بننے ہوئے کانے جو دشمن کی راہ میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ فیروز اللغات (انوار الحجت قاسی)

پاٹ کر راستہ بنایا۔ مسلمانوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے اس موقعہ کو غیمت سمجھا اور حملہ کی تیاریاں کیں۔ ایرانیوں کو بھی دم دم کی خبریں پہنچتی تھیں۔ اسی وقت مسلمانوں کی آمد کے بعد گوکھروں پھوادے اور فوج کو سازو سامان سے درست کر کے قلعہ کے دروازے پر جماڑیا۔ دونوں حریف اس طرح دل توڑ کر لڑے کہ لیلیۃ البریر کے سوا کبھی نہیں لڑے تھے اول تیوں کا مینہ برسا، ترکش خالی ہو گئے تو بہادروں نے نیزے سنجھاں لئے یہاں تک کہ نیزے بھی ٹوٹ ٹوٹ کر ڈھیر ہو گئے تو تیخ و خجراں معرکہ شروع ہوا۔ تھقاع نہایت دلیری سے لڑ رہے تھے اور آگے بڑھتے جاتے تھے یہاں تک کہ قلعہ کے پھانک تک پہنچ گئے لیکن پہ سالار فوج یعنی ہاشم پیچھے رہ گئے تھے اور فوج کا بڑا حصہ انہیں کی رکاب میں تھا۔ تھقاع نے نسبتوں سے کھلوا دیا کہ پہ سالار قلعہ کے دروازے تک پہنچ گیا۔ فوج نے تھقاع کو ہاشم سمجھا اور دفعہ ٹوٹ کر گری۔ ایرانی گھبرا کر ادھر ادھر بھاگے لیکن جس طرف جاتے جاتے تھے گوکھروں پھوئے تھے مسلمانوں نے بے دریغ قتل کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ مورخ طبری کی روایت کے موافق لاکھ آدمی جان سے مارے گئے اور تین کروڑ غیمت ہاتھ آئی۔

سعد نے مرشدہ فتح کے ساتھ پانچواں حصہ مہینہ منونہ بھیجا۔ زیاد نے جو مرشدہ فتح لے کر گئے تھے نہایت فصاحت کے ساتھ جنگ کے حالات بیان کئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ان واقعات کو اسی طرح جمع میں بیان کر سکتے ہو؟ زیاد نے کہا میں کسی سے مرعوب ہوتا تو آپ سے ہوتا، چنانچہ جمع عام ہوا اور انہوں نے اس فصاحت اور بلاغت سے تمام واقعات بیان کئے کہ معرکہ کی تصویر کھینچ دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بول اٹھے کہ خطیب اس کو کہتے ہیں انہوں نے برجستہ کہا۔

### ان جندنا اطلقونا بالتعال لساننا

اس کے بعد زیاد نے غیمت کا ذخیرہ حاضر کیا۔ لیکن اس وقت شام ہو چکی تھی اسی لئے تقسیم ملتوی رہی اور صحنِ مسجد میں ان کا ڈھیر لگا دیا گیا، عبد الرحمن بن عوف اور عبد اللہ بن ارقم نے رات بھر پہر دیا صبح کو مجمع عام میں چادر بھائی گئی۔ درہم و دینار کے علاوہ انبار کے انبار جواہرات تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے ساختہ روپڑے لوگوں نے تجب سے پوچھا کہ یہ رونے کا کیا محل ہے؟ فرمایا کہ جہاں دولت کا قدم آتا ہے رہنگ و حسد بھی ساتھ آتا ہے۔ یہ دُگر دُک جلواء کی شکست کی خبر پہنچی تو طوان چھوڑ کر رے کروانہ ہوا اور خرسو شنوم کو جو ایک معزز افسر تھا چند رساں کے ساتھ طوان کی حفاظت کے لئے چھوڑ ڈاگیا۔ سعد خود

جلواعیں ٹھہرے اور تھقانع کو حلوان کی طرف روانہ کیا۔ تھقانع قصر شریں (حلوان سے تین میل پر ہے) کے قریب پہنچے تھے کہ خروشنوم خود آگے بڑھ کر مقابل ہوا۔ لیکن شکست کھا کر ہاگ نکلا۔ تھقانع نے حلوان پہنچ کر مقام کیا۔ اور ہر طرف امن کی منادی کرادی۔ اطراف کے رئیس آآ کر جزیہ قبول کرتے جاتے تھے اور اسلام کی حمایت میں آتے جاتے تھے۔ یہ فتح عراق کی فتوحات کا خاتمه تھی۔ کیونکہ عراق کی حدیہاں ختم ہو جاتی ہے۔

## فتوات شام

سلسلہ واقعات کے لحاظ سے ہم اس موقع پر شام کی شکر کشی کے ابتدائی حالات بھی نہایت اجمال کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آغاز سہر بھری (۴۳۲ھ) شام پر کتنی طرف سے شکر کشی کی، ابو عبیدہ کو حصہ پر، یزید بن ابی سفیان کو دمشق پر، شرجیل کو ارون پر، عمرو بن العاص کو فلسطین پر مأمور کیا۔ فوجوں کی مجموعی تعداد ۴۰۰۰۰ ہزار تھی، عرب کی سرحد سے نکل کر ان افسروں کو ہر قدم پر رومیوں کے بڑے بڑے جھنے ملے جو پہلے سے مقابلہ کے لئے تیار تھے ان کے علاوہ قیصر نے تمام ملک سے فوجیں جمع کر کے الگ الگ افسروں کے مقابلے پر بھیجنیں، یہ دیکھ کر افرانِ اسلام نے اس پر اتفاق کیا کہ کل فوجیں یکجا جمع ہو جائیں۔ اس کے ساتھ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ اور فوجیں مدد کو روانہ کی جائیں، چنانچہ خالد بن ولید جو عراق کی سہم پر مأمور تھے عراق سے جل کر راہ میں چھوٹی چھوٹی روایاں لڑتے اور فتح حاصل کرتے دمشق پہنچے اور اس کو صدر مقام قرار دے کر وہاں مقام کیا، قیصر نے ایک بہت بڑی فوج مقابلے کے لئے روانہ کی جس نے اجنا دین پہنچ کر جنگ کی تیاریاں شروع کیں۔ خالد اور ابو عبیدہ خود پیش قدی کر کے اجنا دین پر بڑے اور افسروں کو لکھ بھیجا کر دیں آگر مل جائیں چنانچہ شرجیل، یزید، عمرو بن العاص وقت مقرر پر اجنا دین پہنچ گئے۔ خالد نے بڑھ کر حملہ کیا اور بہت بڑے معز کے کے بعد جس میں تین ہزار مسلمان مارے گئے فتح کامل حاصل ہوئی، یہ واقعہ حسب روایت ابن اسحاق ۲۸۸ھ جمادی الاول سہر بھری (۴۳۲ھ) میں واقع ہوا، اس سہم سے فارغ ہو کر خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر مشق کا رخ کیا۔ اور دمشق پہنچ کر ہر طرف سے شر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ اگرچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمد میں شروع ہوا چونکہ فتح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمد میں حاصل ہوئی، اس لئے ہم اس معز کے کا حال تفصیل سے لکھتے ہیں۔

## فتح دمشق

یہ شر شام کا ایک بڑا صدر مقام تھا اور چونکہ جاہلیت میں اہل عرب تجارت کے تعلق سے اکثر وہاں آیا جایا کرتے تھے اس کی عظمت کا شہر تمام عرب میں تھا۔ ان وجوہ سے خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے اہتمام سے محاصرہ کے سامان کئے شہر زناہ کے بڑے بڑے دروازوں پر ان افسروں کو مقرر کیا، جو شام کے صوبوں کی فتح پر مأمور ہو کر آئے تھے چنانچہ عمرو بن العاص باب توما پر، شرجیل باب الفرا دیں پر، ابو عبیدہ باب الجابیہ پر متعین ہوئے اور خود خالد نے پانچ ہزار فوج ساتھ لے کر باب الشرق کے قریب ڈیرے ڈالے محاصرہ کی تختی دیکھ کر عیسائی ہمت ہارے جاتے تھے خصوصاً اس وجہ سے کہ ان کے جاسوس جو دریافت حال کے لئے مسلمانوں کی فوج میں آتے تھے اگر دیکھتے تھے کہ تمام فوج میں ایک جوش کا عالم ہے ہر شخص پر ایک نشہ سا چھایا ہوا ہے۔ ہر ہر فرد میں دلیری، ثابت قدمی، راستبازی عزم اور استقلال پایا جاتا ہے تاہم ان کو یہ سارا تھا کہ ہر قل سپر موجود ہے اور حمى سے اندادی فوجیں چل چکی ہیں اسی اثناء میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتقال کیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مند آرائے خلافت ہوئے۔

عیسائیوں کو یہ بھی خیال تھا کہ اہل عرب ان ممالک کی سرحدی کو برواشت نہیں کر سکتے اس لئے موسم سرما تک یہ باول آپ سے آپ چھٹ جائے گا۔ لیکن ان کی دونوں امیدیں بیکار گئیں، مسلمانوں کی سرگرمی جائزوں کی شدت میں بھی کم نہ ہوئی۔ ادھر خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذوالکاع کو کچھ فوج دے کر دمشق سے ایک منزل کے فاصلے پر متعین کر دیا تھا کہ ادھر سے مدنه آنے پائے چنانچہ ہر قل نے حمى سے جو فوجیں بھی تھیں وہیں روک لی گئیں۔ دمشق والوں کو اب بالکل یا س ہو گئی اسی اثناء میں اتفاق سے ایک واقعہ پیش آیا جو مسلمانوں کے حق میں تائید غیری کا کام دے گیا۔ یعنی بطريق دمشق کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا۔ جس کی تقریب میں تمام شر نے خوشی کے جلے کئے اور کشت سے شرابیں پیں کہ شام سے پڑ کر سو رہے خالد را توں کو سوتے کم تھے اور محصورین کی ذرا ذرا اسی بات کی خبر رکھتے تھے اس سے عمدہ موقع کمال پا تھا۔..... اسی وقت اٹھے اور چند بہادر افسروں کو ساتھ لیا۔ شہر زناہ کے نیچے خندق پانی سے لبرز تھی۔ مشک کے سارے پار اترے اور کمنڈ کے ذریعے سے دیوار پر چڑھ گئے اور جا کر رہی کی سیڑھی کند سے انکا کر نیچے لٹکا دی۔ اور اس ترکیب سے تھوڑی دیر میں بست سے جاثمار فصیل پر پہنچ گئے خالد نے اتر کر پہلے دریا نوں کو تیز کیا۔ پھر قفل توڑ کر یہ طبی کی روایت ہے بلاذری کا میان ہے کہ خالد کو عیسائیوں کے جشن کی خبر خود ایک عیسائی نے دی تھی اور یہ رسمی بھی عیسائی لائے تھے۔

دروازے کھول دیئے اور فوج پہلے سے تیار کمڑی تھی دروازے کھلنے کے ساتھ سیالاب کی طرح گھس آئی اور پھر وہ کی فوج کو تفعیل کر دیا۔ عینماں یوں نے یہ رنگ دیکھ کر شہر بناد کے تمام دروازے کھول دیئے اور ابو عبیدہ سے باتچی ہوئے کہ تم کو خالد سے بچائیے مقتلاط میں جو شہیروں کا بازار تھا۔ ابو عبیدہ اور خالد کا سامنا ہوا۔ خالد نے شر کا جو حصہ فتح کر لیا تھا۔ اگرچہ بڑا فتح کیا تھا۔ لیکن ابو عبیدہ نے چونکہ صلح منظور کیا تھا۔ مفتود حصے میں بھی صلح کی شرطیں تسلیم کی گئیں۔ یعنی نہ نیمت کی احجازت دی گئی نہ کوئی شخص اونٹی غلام بنایا گیا۔ یہ مبارک فتح ہوئی۔ تمام بلاد شامیہ کی فتح کا ویباپن تھی رجب ۱۳ جرمی (۵۳۴ء) میں ہوئی۔

## خیل ذوق عده الار بحری (۵۳۴ء)

دمشق کی نگاہ نے رو میوں کو سخت برہم کر دیا اور وہ ہر طرف سے جمع ہو کر پڑے نور اور وقت کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لئے آمادہ ہوئے۔ دمشق کی فتح کے بعد چونکہ مسلمانوں نے ارون کا ریخ کیا تھا۔ اس لئے انہوں نے اسی صوبے کے ایک مشہور شہر بیسان میں فوجیں جمع کرنی شروع کیں، شہنشاہ ہرقل نے دمشق کی امداد کے لئے جو فوجیں بھیجنیں تھیں اور دمشق تک نہ پہنچ سکتی تھیں، وہ بھی اس میں اگر شامل ہو گئیں۔ اس طرح تھیں چالیس ہزار کا جمع جمع ہو گیا۔ جس کا پس سالار سکار نام کا ایک روئی افسر تھا۔

موقعہ جنگ سمجھنے کے لئے یہ بتارنا ضروری ہے کہ شام کا ملک چھ ضلعوں میں منقسم ہے جن میں سے دمشق، حمص، ارون، فلسطین مشہور اضلاع ہیں ارون کا صدر مقام طبریہ ہے جو دمشق سے چار منزل ہے۔ طبریہ کے مشرقی جانب بارہ میل کی لمبی ایک صدیل ہے جسکے قریب چند میل پر لیک چھوٹا شہر جماکارہ نامہ اسلا اور نایمنی علیہما فخر ہے پرانی اسی شہر کے نام سے مشہور ہے یہ مقام اب بالکل قیران ہے تاہم اس کے کچھ کچھ آثار اب بھی سمندر کی سطح سے چھ سو فٹ بلندی پر محسوس ہوتے ہیں۔ بیسان طبریہ کی جنوبی طرف ۸۰ میل پر واقع ہے

غرض روئی فوجیں جس طرح بیسان میں جمع ہوئیں۔ اور مسلمانوں نے ان کے سامنے خل میں پڑاؤ۔ الار رو میوں نے اس ڈر سے کہ مسلمان و فتحتہ نہ آپڑیں۔ آس پاس جس قدر نہیں تھیں سب کے بند توڑ دیے اور خل سے بیسان تک تمام عالم آب ہو گیا۔ پچھڑا اور پانی کی وجہ سے تمام راستے رک گئے لیکن اسلام کا سیالاب کب رک سکتا تھا۔ مسلمانوں کا استقلال دیکھ کر عیسائی صلح پر آمادہ ہوئے اور ابو عبیدہ کے پاس پیغام بھیجا کہ کوئی شخص سفیر بن کر آئے۔ ابو عبیدہ نے معاذ بن جبل کو بھیجا۔ معاذ رو میوں کے لشکر میں پہنچے تو دیکھا کہ خیسے میں

دیباۓ زوین کا فرش بچا ہے ویں ٹھہر گئے ایک عیسائی نے اگر کماکہ گھوڑا میں تھام لیتا ہوں آپ دیوار میں جا کر پیشے معاز کی بڑگی اور تقدس کا عام چرچا تھا اور عیسائی تک اس سے واقف تھے، ان لئے وہ واقعی ان کی عزت کرنی چاہتے تھے اور انکا باہر کھڑا رہنا ان کو گران گزرتا تھا۔ معاز نے کماکہ میں اس فرش پر جو غریبوں کا حق چھین کرتیا ہوا ہے بیٹھنا نہیں چاہتا۔ یہ کہہ کر نہیں پر بیٹھ گئے عیسائیوں نے افسوس کیا اور کہا کہ ہم تمہاری عزت کرنا چاہتا۔ یہ کہہ کر نہیں پر بیٹھ گئے عیسائیوں نے افسوس کیا اور کہا کہ ہم تمہاری عزت کرنا چاہتے تھے لیکن تم کو خود اپنی عزت کا خیال نہیں تو مجبوری ہے معاز کو غصہ آیا۔ گھنٹوں کے مل کھڑبے ہو گئے اور کماکہ جس کو تم عزت سمجھتے ہو مجھ کو اس کی پرواہ نہیں۔ اگر نہیں پر بیٹھنا غلاموں کا شیوه ہے تو مجھ سے پڑھ کر کون خدا کا غلام ہو سکتا ہے؟ یعنی ان کی بے پرواہی اور آزادی پر حیرت نہہ تھے میں تک ایک شخص نے پوچھا کہ مسلمانوں میں تم سے بھی کوئی بڑھ کر ہے؟ انہوں نے کماکہ ”معاذ اللہ یکی“ بتا ہے کہ میں سب سے بدترہ ہوں“ یعنی چبھ ہو گئے معاز نے کچھ دیر انتظار کر کے مترجم سے کماکہ ”ان سے کہہ دو کہ اگر تم کو مجھ سے کچھ نہیں کہتا ہے تو میں واپس جاتا ہوں“ رومیوں نے کہا، ہم کو یہ پوچھنا کہ تم اس طرف کس غرض سے آئے ہو۔ ابی سینا کا ملک تم سے قرب ہے فارس کا بادشاہ مردھا ہے اور سلطنت ایک عورت کے ہاتھ میں ہے۔ ان کو چھوڑ کر تم نے ہماری طرف کیوں رُخ کیا؟ حالانکہ ہمارا بادشاہ سب سے بڑا بادشاہ ہے اور تعداد میں ہم آسمان کے ستاروں اور نہیں کے ذروں کے برابر ہیں۔

معاز نے کماکہ سب سے پہلے ہماری یہ درخواست ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ ہمارے کعبہ کی طرف نمازِ رہبو، شراب پینا چھوڑو۔ سور کا گوشہ نہ کھاؤ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو ہم تمہارے بھائی ہیں۔ اگر اسلام لانا منظور نہیں تو ترجیہ دو۔ اس سے بھی انکار ہو تو آگے تلوار ہے۔ اگر تم آسمان کے ستاروں کے برابر ہو تو ہم کو قلمت اور کثرت کی پرواہ نہیں۔ ہمارے خدا نے کہا ہے کہ کم من فتنۃ قلملۃ غلبت فتنۃ کثیرۃ باذن اللہ۔ تم کو اس پر ناز ہے کہ تم ایسے شہنشاہ کی رعایا ہو جس کو تمہاری جان و مال کا اختیار ہے لیکن ہم نے جس کو اپنا بادشاہ بنالرکھا ہے وہ کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ اگر وہ زنا کرے تو اس کو دوڑے لگائے جائیں، چوری کرے تو ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں، وہ پرے میں نہیں پیٹھتا اپنے آپ کو ہم سے بڑا نہیں سمجھتا، مال و دولت میں اس کو ہم پر ترجیح نہیں“ رومیوں نے کہا ”چھا ہم تم کو بالقاء کا ضلع اور اردن کا وہ حصہ جو تمہاری نہیں سے متصل ہے دیتے ہیں۔ تم یہ ملک چھوڑ کر فارس جاؤ۔ معاز نماز کار کیا اور اٹھ کر چلے آئے۔ رومیو نے براہ راست ابو عبیدہ سے گفتگو کرنی چاہی۔

چنانچہ اس غرض سے ایک خاص قاصد بھیجا۔ جس وقت وہ پہنچا ابو عبیدہ نہیں پر بیٹھے ہوئے تھے اور ہاتھ میں تیر تھے جن کو الٹ پلٹ کر رہے تھے قاصد نے خیال کیا تھا کہ سپہ سالار بڑا جاؤ و حشم رکھتا ہو گا۔ اور یہی اس کی شناخت کا ذریعہ ہو گا۔ لیکن وہ جس طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا تھا سب ایک رنگ میں ڈوبے نظر آتے تھے آخر گھبرا کر پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ لوگوں نے ابو عبیدہ کی طرف اشارہ کیا۔ وہ حیران رہ گیا اور تعجب سے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا کیا درحقیقت تم ہی سردار ہو؟۔

ابو عبیدہ نے کہا! ”ہاں“ قاصد نے کہا! تم تمہاری فوج کو فی کس دودو اشرفیاں دیں گے تم یہاں سے چلے جاؤ۔ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کیا۔ قاصد بڑا ہم ہو کر اٹھا۔ ابو عبیدہ نے اس کے تیور دیکھ کر فوج کو کمر بندی کا حکم دیا اور تمام حالات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھ لیجیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب مناسب لکھا اور ”حوصلہ والا یا کہ ثابت قدم رہو خدا تمہارا یا اور اور مدد گار ہے۔“

ابو عبیدہ نے اسی دن کمر بندی کا حکم دے دیا تھا۔ لیکن روی مقابله میں نہ آئے اگلے دن تبا خالد میدان میں گئے۔ صرف سواروں کا رسالہ رکاب میں تھا۔ رویوں نے بھی تیاری کی اور فوج کے تین حصے کر کے باری باری میدان میں بھیجی، پہلا دستہ خالد کی طرف باگیں اٹھائے چلا آتا تھا کہ خالد کے اشارے سے قیس بن ہیرو نے صاف سے نکل کر ان کا آگا روا کا اور سخت کشت و خون ہوا۔ یہ معزکہ ابھی سر نہیں ہوا تھا کہ دوسری فوج نکلی۔ خالد نے سبڑہ بن مسوق کو اشارہ کیا وہ اپنی رکاب کی فوج کو لے کر مقابلہ ہوئے، تیرا لٹکر بڑے سازو سامان سے نکلا۔ ایک مشہور سردار اس کا سپہ سالار تھا۔ اور بڑی تدبیر سے فوج کو پرہاتا آتا تھا۔ قریب پہنچ کر خود ٹھہر گیا۔ اور ایک افسر کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ خالد کے مقابلہ پر بھیجا۔ خالد نے یہ حملہ بھی نہایت استقلال سے سن چالا۔ آخر پہ سالار نے خود حملہ کیا اور پہلی دونوں فوجیں بھی آگر مل گئیں، دیر تک معزکہ رہا۔ مسلمانوں کی ثابت قدی دیکھ کر رویوں نے زیادہ لڑتا بیکار سمجھا، اور اثاثا و اپس جانا چاہا۔ خالد نے ساتھیوں کو لکھا کر کہ روی اپنا نور صرف کچھے ہیں۔ اب ہماری باری ہے۔ اس صدائے ساتھ مسلمان دفعہ ثوٹ پڑے اور رویوں کو برابر دیاتے چلے گئے۔

عیسائی مدد کے انتظار میں لڑائی ٹالتے جاتے تھے خالدان کی یہ چال سمجھ گئے اور ابو عبیدہ سے کہا کہ روی ہم سے مرعوب ہو چکے ہیں۔ حملے کا یہی وقت ہے چنانچہ اسی وقت لد فتح الشام ازدی میں ہے کہ یہ خط ایک شای لے کر گیا اور حضرت عمری ترغیب سے مسلمان ہو گیا۔

نقیب فوج میں جا کر پکار آئے کہ کل حملہ ہو گا۔ فوج سازو سامان سے تیار رہے رات کے پچھلے پر ابو عبیدہ بستر خواب سے اٹھے اور فوج کی ترتیب شروع کی۔ معاذ بن جبل کو مینہ پر مقرر کیا، ہاشم بن عقبہ کو میسرو کی افسری دی۔ پہلی فوج پر سعید بن نزید متعین ہوئے سوار خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں دیئے گئے فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سرے سے اس سرے تک کا ایک چکر لگایا ایک ایک علم کے پاس جا کر کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے

عبداللہ استر حبوا من اللہ النصر بالصبر فان اللہ مع الصابرين

”یعنی خدا سے مدد چاہتے ہو تو ثابت قدم رہو کیونکہ خدا ثابت

قدموں کے ساتھ رہتا ہے۔“

رومیوں نے جو تقریباً ۵۰ ہزار تھے آگے پیچھے پانچ صفیں قائم کیں جن کی ترتیب یہ تھی کہ پہلی صفائی میں ہر ہر سوار کے دائیں بائیں دودو قدر انداز مینہ اور میسرو پر سواروں کے رسائے پیچھے پیادہ فوجیں، اس ترتیب سے نقارہ و دمامہ بجائے مسلمانوں کی طرف بڑھے خالد چونکہ ہر اول پر تھے پسلے انہی سے مقابلہ ہوا رومی قدر اندازوں نے تیروں کا اس قدر مینہ بر سایا کہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ادھر سے پہلو دے کر مینہ کی طرف بھکلے کیونکہ اس میں سواری سوار تھے، قدر انداز نہ تھے رومیوں کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے کہ مینہ کا رسالہ فوج سے الگ ہو کر خالد پر حملہ آور ہوا۔ خالد آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے تھے یہاں تک کہ رسالہ فوج سے دور نکل آیا۔ خالد نے موقع پا کر اس نور سے حملہ کیا کہ صفائی کی صفائی الثالث دیں۔ گیارہ بڑے بڑے افران کے ہاتھ سے مارے گئے ادھر قیس بن ہبیرہ نے میسرو پر حملہ کر کے دوسرا بانو بھی کمزور کر دیا۔ تاہم قلب کی فوج تیر اندازوں کی وجہ سے حفظ تھی۔ ہاشم بن عقبہ نے جو میسرو کے سردار تھے علم ہلا کر کہا ”خدا کی قسم جب تک اس قلب میں پہنچ کر نہ کاٹوں گا، پھر نہ آؤں گا“ یہ کہہ کر گھوڑے سے کوڈڑے ہاتھ میں پر لے کر لڑتے بھڑتے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ تیرو خدگ سے گزد کر تیغ و شمشیر کی نوبت آئی۔ کامل گھنٹہ بھر لڑائی رہی۔ اور تمام میدان خون سے رنگیں ہو گیا۔ آخر رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور نمایت بدحواسی سے بھاگے۔ ابو عبیدہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نامہ فتح لکھا اور پوچھا کہ مفتوجین کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واقع غل کی تفصیل فتوح الشام ازدی سے لی گئی ہے طبی وغیرہ میں نمایت اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے اور واقع کی کیفیت میں بھی اختلاف ہے۔

جواب میں لکھا کہ ”رعایا ذی قرار دی جائے اور نہیں بدستور زمینداروں کے قبضے میں چھوڑ دی جائے۔“

اس معرکے کے بعد ضلع ارون کے تمام شہر اور مقامات نہایت آسانی سے فتح ہو گئے، اور ہر جگہ شراکٹر صلح میں یہ لکھ دیا گیا کہ مفتون حین کی جان مال نہیں، مکانات، اگرچہ عبادت گاہیں سب تحفظ رہیں گی۔ صرف مسجدوں کی تعمیر کے لئے کسی قدر نہیں لے لی جائے گی۔

### حصہ ۳۲، بحری (۳۵ء)

شام کے اضلاع میں سے یہ ایک بڑا ضلع اور قلمی شہر ہے انگریزی میں اس کو ایسا کہتے ہیں۔ قدیم نامے میں اس کی شہرت زیادہ اس وجہ سے ہوتی کہ یہاں آنکتاب کے نام پر ایک بڑا ہیکل تھا جس کے تیرتھ کے لئے دور دور سے لوگ آتے تھے اور اس کا پچاری ہونا بڑے خوبی بات سمجھی جاتی تھی۔ دمشق اور ارون کے بعد تین بڑے بڑے شریروں کے تھے جن کا منفتح ہونا شام کا منفتح ہونا تھا۔ بیت المقدس، حصہ اور انطا کیہ جہاں خود ہرقل مقیم تھا، حصہ ان دونوں کی بہ نسبت زیادہ قریب اور جمعیت و سامان میں دونوں سے کم تھا۔ اس لئے لشکر اسلام نے اول اسی کا ارادہ کیا۔ راہ میں بعلیک پڑتا تھا وہ خفیف سی لڑائی کے بعد فتح ہو گیا۔ حصہ کے قریب رو میوں نے خود بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا۔ چنانچہ فوج کیسے نکل کر جو یہ میں مسلمانوں کے مقابلہ ہوتی لیکن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلے ہی حملے میں ان کے پاؤں اکھڑ گئے خالد نے ببرة بن مسروق کو تھوڑی سی فوج دے کر حصہ کو روانہ کیا۔ راہ میں رو میوں کی نوئی پھوٹی فوجوں سے جو ادھر ادھر پھیلی ہوتی تھیں مشہ بھیڑ ہوتی اور مسلمان کامیاب رہے۔

اس معرکے میں شریل حیری نے اکیلے سات سو سواروں کو قتل کیا اور فوج سے الگ ہو کر جریدہ حصہ کی طرف بڑھے شرکے قریب رو میوں کے ایک رسالہ نے ان کو تھادیکھ کر حملہ کیا۔ انہوں نے بڑی ثابت قدمی سے جنگ کی۔ یہاں تک کہ جب دس گیارہ شخص ان کے ہاتھ سے مارے گئے تو روی بھاگ نکلے اور ایک گرجا میں جو دیر مصل کے نام سے مشهور تھا جا کر پناہ لی۔ ساتھ ہی یہ بھی پہنچے۔ گرجا میں ایک جماعت کیشہ موجود تھی۔ یہ چاروں طرف سے گھر گئے اور ڈھیلوں اور پھرتوں کی بوچھاڑی میں زخمی ہو کر شہادت حاصل کی سبڑہ کے بعد خالد نے اور ابو عبیدہ نے بھی حصہ کا رخ کیا۔ اور محاصرہ کے سامان پھیلا دیئے۔ چونکہ نہایت شدت کی سردی تھی اور رو میوں کو یقین تھا کہ مسلمان کھلے میدان میں دیر تک نہ لڑ سکیں

گے اس کے ساتھ ہرقل کا قاصد آپ کا تھا کہ بست جلد امدادی فوج بھیجی جاتی ہے چنانچہ اس حکم کے موافق جزیرہ سے ایک جمیعت غنیم روانہ ہوتی۔ لیکن سعد بن ابی وقاص نے جو عراق کی حملہ پر مأمور تھے، یہ خبر سن کر پچھوڑ جو جیسے بھیج دیں۔ جس نے ان کو وہیں روک لیا۔ اور آکے بڑھنے نہ لعیا۔ حفص والوں نے ہر طرف سے مایوس ہو کر صلح کی درخواست کی۔ ابو عبیدہ نے عبادہ بن صامت کو وہاں چھوڑا اور خود حماۃ کی طرف روانہ ہو گئے حماۃ والوں نے ان کے پیچے کے ساتھ صلح کی درخواست کی اور جزیرہ دینا منظور کیا۔ وہاں سے روانہ ہو کر شیراز اور شیراز سے مرغہ النعمان پیچے اور ان مقامات کے لوگوں نے خود اطاعت قبول کر لی ان سے فارغ ہو کر لاذقیہ کا رجع کیا۔ یہ ایک نہایت قدیم شر فیشیں عہد میں اس کو لامائنا کہتے تھے حضرت ابو عبیدہ نے یہاں سے کچھ فاصلہ پر مقام کیا۔ اور اس کی مضبوطی اور استواری دیکھ کر ایک نی تدبیر اختیار کی۔ یعنی میدان میں بست سے غار کھدوائے یہ غار اس تدبیر اور احتیاط سے تیار ہوئے گردشتوں کو خبر سکنے ہونے پائی۔ ایک دن فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ اور حاصلہ چھوڑ کر حفص کی طرف روانہ ہوئے شرو والوں نے جو دت کی قلعہ بندی سے تک آگئے تھے اور ان کا تمام کاروبار بند تھا۔ اس کو تائید غیری خیال کیا۔ اور شریناہ کا دروازہ کھول کر کاروبار میں مصروف ہوئے، مسلمان اسی رات کو واپس آگر غاروں میں چھپ رہے تھے صبح کے وقت کمین گاہوں سے نکل کر وضٹہ حملہ کیا۔ اور دوم میں شر فتح ہو گیا۔ حفص کی فتح کے بعد ابو عبیدہ نے خاص ہرقل کے پائے تخت کا ارادہ کیا اور کچھ فوجیں اس طرف بھیج بھی دیں۔ لیکن دربار خلافت سے حکم پیچا کر اس سال اور آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کیا جائے چنانچہ اس ارشاد کے موافق فوجیں واپس بیالی گئیں۔ اور بڑے بڑے شروع میں افرا اور نائب بھیج دیئے گئے کہ وہاں کسی طرح کی ابتری نہ ہونے پائے خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ہزار فوج کے ساتھ د مشق کو گئے۔ عموبن العاص نے اربون میں مقام کیا۔ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود حفص میں اقامت کی۔

## رمیوك ۵ رجب ھمارہ ہجری (۶۳۶ء)

روی جو نکست کھا کر دمشق و حفص وغیرہ سے نکلے تھے انہا کیہ پیچے ہرقل سے فریاد کی کہ عرب نے تمام شام کو پامال کر دیا۔ ہرقل نے ان میں سے چند ہوشیار اور معزز آدمیوں کو دربار میں طلب کیا اور کہا کہ ”عرب تم سے نور میں جمیعت میں سازو سامان میں کم کامل ابن الاشیر۔“ یہ ایک قدیم شر حفص اور قنسرین کے درمیان میں واقع ہے۔

ہیں پھر تم ان کے مقابلے میں کیوں نہیں ٹھہر سکتے؟“ اس پر سب نہ ندامت سے سر جھکا لیا۔ اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ لیکن ایک تجربہ کا رہ چکے نے عرض کی کہ ”عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں وہ رات کو عبادت کرتے ہیں، وہ کوتوڑے رکھتے ہیں، کسی پر ظلم نہیں کرتے آپس میں ایک سے ایک برابری کے ساتھ ملتا ہے۔ ہمارا یہ حال ہے کہ شراب پیتے ہیں، بد کاریاں کرتے ہیں، اقرار کی پابندی نہیں کرتے، اور ہم پر ظلم کرتے ہیں۔ اس کا یہ اثر ہے کہ ان کے کام میں جوش اور استقلال پایا جاتا ہے۔ اور ہمارا جو کام ہوتا ہے ہمت اور استقلال سے خالی ہوتا ہے۔ قیصر در حقیقت شام سے نفل جانے کا ارادہ کر چکا تھا۔ لیکن ہر شر اور ہر ضلع سے جو حق در جو حق عیسائی فریادی چلے آتے تھے قیصر کو سخت غیرت آئی اور نمایت جوش کے ساتھ آئادہ ہوا کہ شاہنشاہی کا پورا نور عرب کے مقابلے میں صرف کرویا جائے روم قبطانیہ، جزیرہ، آرمینیہ ہر جگہ احکام بھیجیے کہ تمام فوجیں پائے تخت انتظامیہ میں ایک تاریخ معین تک حاضر ہو جائیں۔ تمام اضلاع کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ جس قدر آدمی جہاں سے میا ہو سکیں روانہ کئے جائیں۔ ان احکام کا پہنچنا تھا کہ فوجوں کا ایک طوفان امنڈ آیا۔ انتظامیہ کے چاروں طرف جہاں تک نگاہ جاتی تھی فوجوں کا مددی دل پھیلا ہوا تھا۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مقالات فتح کئے تھے وہاں کے امراء اور رئیس ان کے عدل و انصاف کے اس قدر گرویدہ ہو گئے تھے کہ باوجود تخالف نہ ہب کے خود اپنی طرف سے دشمن کی خبرلانے کے لئے جاؤں مقرر کر رکھے تھے چنانچہ ان کے ذریعے سے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمام واقعات کی اطلاع ہوئی۔ انہوں نے تمام افسروں کو جمع کیا۔ اور کھڑے ہو کر ایک پر اثر تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمانوں! خدا نے تم کو بار بار جانچا اور تم اس کی جانچ پر پورے اترے چنانچہ اس کے صدر میں خدا نے ہیشہ تم کو منصور رکھا۔ اب تمہارا دشمن اس سازو سامان سے تمہارے مقابلے کے لئے چلا ہے کہ نہیں کانپ اٹھی ہے۔ اب بتاؤ کیا صلاح ہے؟ یزید بن ابی سفیان (معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی) کھڑے ہوئے اور کہا کہ ”میری رائے ہے کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں رہنے دیں۔ اور ہم خود شر کے باہر لشکر آ را ہوں، اس کے ساتھ خالد اور عمرو بن العاص کو خط لکھا جائے کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مد کو آئیں“ شرجیل بن حنثہ کہا کہ اس موقع پر ہر شخص کو آزادانہ رائے دینی چاہئے۔ یزید نے جو رائے دی بلاشبہ خیر خواہی سے دی ہے لیکن میں اس کا مخالف ہوں۔ شروا لے تمام عیسائی ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ تعصب سے ہمارے اہل دعیا میں کو کچڑ

کر قیصر کے حوالے کر دیں۔ یا خود مارڈالیں یہ حضرت ابو عبیدہ نے کہا کہ اس کی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شر سے نکال دیں۔ شرجیل نے اٹھ کر کہا اے امیر! تجھ کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں۔ ہم نے ان عیسائیوں کو اس شرط پر امن دیا ہے کہ وہ شر میں اطمینان سے رہیں۔ اس لئے نفع عمد کیوں نکر ہو سکتا ہے حضرت ابو عبیدہ نے اپنی غلطی تسلیم کی لیکن یہ بحث طے نہیں ہوئی کہ آخر کیا کیا جائے۔ عام حاضرین نے رائے دی کہ حمص میں ٹھہر کر امدادی فوج کا انتظار کیا جائے۔ ابو عبیدہ نے کہا کہ اتنا وقت کہاں ہے؟ آخر یہ رائے ٹھہری کہ حمص کو چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں۔ وہاں خالد موجود ہیں اور عرب کی سرحد قریب ہے، یہ ارادہ مصشم ہو چکا تو حضرت ابو عبیدہ نے حبیب بن مسلمہ کو جو افسرانہ تھے بلا کر کہا کہ عیسائیوں سے جو جزیہ یا خراج لیا جاتا ہے اس وقت ہماری حالت ایسی نازک ہے کہ ہم ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے۔ اس لئے جو کچھ ان سے وصول ہوا ہے سب ان کو واپس دے دو۔ اور ان سے کہہ دو کہ ہم کو تمہارے ساتھ جو تعلق تھا اب بھی ہے لیکن چونکہ اس وقت تمہاری حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے اس لئے جزیہ جو حفاظت کا معاوضہ ہے واپس کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی کل واپس کر دی گئی۔ عیسائیوں پر اس واقعہ کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ خدا تم کو واپس لائے یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا۔ انہوں نے کہا "توراة کی قسم جب تک ہم زندہ ہیں قیصر حمص پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر شرپناہ کے دروازے بند کر دے اور ہر جگہ چوکی پرہ بٹھا دیا۔ ابو عبیدہ نے صرف حمص والوں کے ساتھ یہ برداشت نہیں کیا بلکہ جس قدر اضلاع فتح ہو چکے تھے ہر جگہ لکھ بھیجا کہ جزیہ کی جس قدر رقم وصول ہوئی ہے واپس کر دی جائے۔ (ان واقعات کو بلاذری نے فتوح البلدان صفحہ ۷۳۱ میں۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب المخراج میں صفحہ ۱۸۱۔ ازدی نے فتوح الشام صفحہ ۳۸۶ میں تفصیل سے لکھا ہے)

غرض ابو عبیدہ دمشق کو روانہ ہے ہوئے اور ان تمام حالات سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر کہ مسلمان رو میوں کے ذرے سے حمص چلے آئے نہایت رنجیدہ ہوئے لیکن جب ان کو یہ معلوم ہوا کل فوج اور افسران نے یہی فیصلہ کیا تو فی الجملہ تسلی ہوئی اور فرمایا کہ خدا نے کسی مصلحت سے تمام مسلمانوں کو اس رائے متفق کیا ہو گا۔ ابو عبیدہ کو جواب لکھا کہ "میں مدد کے لئے سعد بن ابی عامر کو بھیجا ہوں۔ لیکن فتح و مکانت فوج کی قلت و کثرت پر نہیں ہے۔ ابو عبیدہ نے دمشق پہنچ کر تمام افسروں کو مدد میں نے یہ تفصیلی واقعات فتوح الشام ازدی سے لیے ہیں لیکن ابو عبیدہ کا حمص چھوڑ کر دمشق چلا آنا ابن واحد عباسی اور دیگر مورخوں نے بھی بیان کیا ہے۔

جمع کیا اور ان سے مشورت کی۔ نبی دین ابوسفیان، شریل بن حنفہ، معاذ بن جبل سب نے مختلف راهیں دیں۔ اسی اشاعوں میں عمومن العاص کا قاصد خط لے کر پہنچا جس کا یہ مضمون تھا کہ ”اردن کے اصلاح میں عام بغاوت پھیل گئی ہے رویوں کی آمد نے سخت تسلیکہ ڈال دیا ہے اور جمیں کو چھوڑ کر چلا آتا نہایت بے رعبی کا سبب ہوا ہے“ ابو عبیدہ نے جواب میں لکھا کہ جمیں کو ہم نے ذر کرنیں چھوڑا بلکہ مقصود یہ تھا کہ دشمن محفوظ مقامات سے نکل آئے اور اسلامی فوجیں جا بجا پھیلی ہوئیں ہیں سمجھا ہو جائیں۔ خط میں یہ بھی لکھا کہ تم اپنی جگہ سے نہ ٹلویں وہیں اگر تم سے ملتا ہوں۔

دوسرے دن ابو عبیدہ دشمن سے روانہ ہو گئے اور اردن کی حدود میں یہ موک پہنچ کر قیام کیا۔ عمومن العاص بھی یہیں آکر ملے، یہ موقع جنگ کی ضرورتوں کے لئے اس لحاظ سے مناسب تھا کہ عرب کے سرحد بہ نسبت اور تمام مقامات کے بیان سے قریب تھی۔ اور پشت پر عرب کی سرحد تک کھلا میدان تھا۔ جس سے یہ موقع حاصل تھا کہ ضورت پر جہاں تک چاہیں بیچھے ہتے جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سعید بن عامر کے ساتھ بوفوج روانہ کی تھی وہ ابھی نہیں پہنچی تھی۔ اوہر رویوں کی آمد اور ان کے سامان کا خال سن کر مسلمان گھبراۓ جاتے تھے۔ ابو عبیدہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک اور قاصد دوڑایا۔ اور لکھا کہ ”تو یہ بھویرے ابی پڑے ہیں۔ اور جوش کا یہ حال ہے کہ فوج جس راہ سے گزرتی ہے راہب اور غافقاہ نہیں جنہوں نے تبھی خلوت سے قدم باہر نہیں نکلا تھا۔ نکل نکل کر فوج کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں۔“ خط پہنچا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور خط پڑھ کر سنایا، تمام صحابہ بے اختیار روپڑے اور نہایت جوش کے ساتھ پکار کر کہا کہ ”امیر المؤمنین! خدا کے لئے ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم اپنے بھائیوں پر جا کر ثار ہو جائیں۔ خدا نخواستہ ان کا بیان ہوا تو پھر جینا بے سود ہے مہاجر اور انصار کا جوش بہشتا جاتا تھا یہاں تک کہ عبد الرحمن بن عوف نے کہا کہ امیر المؤمنین! تو خود پر سالارین اور ہم کو ساتھ لے کر چل، لیکن اور صحابہ نے اس رائے سے اختلاف کیا۔ اور رائے یہ ٹھہری کہ اور امدادی فوجیں بھیجی جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاصد سے دریافت کیا کہ دشمن کمال تک آگئے ہیں؟ اس نے کہا کہ یہ موک سے تین چار منزل کا فاصلہ رہ گیا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت غمزہ ہوئے اور فرمایا کہ ”اگر وہ اب کیا ہو سکا ہے؟“ اتنے عرصہ میں کیوں کر مدد پہنچ سکتی ہے؟“ ابو عبیدہ کے نام نہایت پر تأشیر الفاظ میں ایک خط لکھا

اور قادر سے کہا کہ خود ایک ایک صفحہ میں جا کر یہ خط شانا اور توانی کہنا۔

الاعمر يقرنك السلام ويقول لكم ناشر الاسلام اصدق القاء

**وَنَشَدُ وَعَلَيْهِ شَدَّ الْبَوْثِ وَلِكُونِوا اهْوَنَ حَلِيكُمْ مِنَ الْأَرْفَافِ**

قد كننا علمنا انكم عليهم من صورون -

ایک عجیب حسن اتفاق ہوا کہ جس دن قاصد ابو عبیدہ کے پاس آیا۔ اسی دن عامر بھی ہزار آدمی کے ساتھ بیخ گئے مسلمانوں کو نمایت تقویت ہوئی اور انہوں نے نہایت استقلال کے ساتھ روانی کی تیاریاں شروع کیں، روئی فوجیں یہ موك کے مقابل دیر الجل میں اتریں، خالد نے روانی کی تیاریاں شروع کیں۔ معاذ بن جبل کو حجراۓ رتبہ کے صحابی تھے، میمنہ پر مقرر کیا۔ قبات بن اشیم کو میسرہ اور ہاشم بن عقبہ کو پہل فوج کی افسری دی، اپنے رکاب کی فوج کے چار حصے کے لئے ایک ایک کو اپنی رکاب میں رکھا، باقی پر قیس بن بیہرہ، میسرہ بن مسروق، عمرو بن الخطیل کو مقرر کیا۔ یہ تینوں بادوں تمام عرب میں انتخاب تھے اور اس وجہ سے فارس العرب کملات تھے روئی بھی بڑے سرومنان سے لگنے والا کھانے زیادہ کی جمعیت تھی، اور ۲۲ صفر تھیں، جن کے آگے آگے مذہبی پیشوں ہاتھوں میں صلیبیں لئے جوش دلاتے جاتے تھے فوجیں بالکل مقابل آگئیں تو ایک بطریق صفت حیر کر نکلا اور کماکہ میں تھا لشنا چاہتا ہوں۔ میسرہ بن مسروق نے گھوڑا بڑھایا مگر جو نکل کر ٹیکھا، بت تونمند اور جوان تھا۔ خالد نے بڑا اور قیس بن بیہرہ کی طرف دیکھا، وہ یہ اشعار پڑھتے بڑھے

## سائل نساء العرب في أحجالها

”پرہ نشین عورتوں سے پوچھلو کیا میں لڑائی کے دن بہادروں کے کام نہیں کرتا۔“ قیسیں اس طرح جھپٹ کر پہنچ کے بطریق ہتھیار بھی نہیں سمجھاں سکا تھا۔ کہ ان کا دار چل گیا تلوار سر پڑی اور خود کاشتی ہوتی گردن تک اتر آئی۔ بطریق ڈمگ کا کر گھوڑے سے گرا۔ ساتھ ہی مسلمانوں نے تکبیر کا نغمہ مارا خالد نے کہا ”مُهَمَّلُونَ أَحْصَاهُوا“ اور اب خدا نے چاہا تو آگے فتح ہے۔ عیسائیوں نے خالد کے ہمراکاب افسروں کے مقابلے میں جدا جد افوجیں متعین کی تھیں۔ لیکن سب نے شکست کھائی اس دن یہیں تک نبوت پہنچ کر لڑائی ہوتی رہ گئی۔ رات کو بہاں نے سرداروں کو جمع کر کے کہا کہ عربوں کو شام کی دولت کا مزہ پڑچکا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ مال وزر کی طبع دلا کر ان کوی سال سے تلا جائے سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ دوسرے دن ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس قاصد بھیجا کہ ”کسی معذز افسر کو ہمارے پاس

بھیج دو، ہم اس سے صلح کے متعلق گفتگو کرنی چاہتے ہیں۔ ”ابوعبیدہ نے خالد کو استحباب کیا“ قاصد جو پیغام لے کر آیا تھا اس کا نام جارج تھا۔ جس وقت پہنچا شام ہو چکی تھی۔ ذرا دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی۔ مسلمان جس فوق شوق سے تکبیر کہہ کر کھڑے ہوئے اور جس محیبت، سکون و وقار، ادب و خضوع سے انہوں نے نماز ادا کی۔ قاصد نہایت حیرت و استحباب کی نگاہ سے دیکھا رہا۔ یہاں تک کہ جب نماز ہو چکی تو اس نے ابو عبیدہ سے چند سوالات کئے، جن میں ایک یہ تھا کہ تم عیسیٰ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ ابو عبیدہ نے قرآن کی یہ آیتیں پڑھیں۔

بِأَهْلِ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقُّ  
إِنَّمَا الْمُسِيحَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَسُوْلُ اللَّهِ كَلْمَتَهُ الْفَالِهَةُ إِلَى مَرْيَمَ  
سَعِيْدَ لَنْ يَسْتَكْفِيْ الْمُسِيحُ إِنْ يَكُونُ عَبْدَ اللَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ  
الْمُقْرِبُونَ تَكَ

مترجم نے ان الفاظ کا ترجمہ کیا۔ تو جارج پہاڑا تھا کہ ”بے شک عیسیٰ کے بیی اوصاف ہیں اور بے شک تمہارا پیغمبر سچا ہے“ یہ کہہ کر اس نے کلمہ توحید پڑھا اور مسلمان ہو گیا وہ اپنی قوم کے پاس واپسی جانا بھی نہیں چاہتا تھا۔ لیکن حضرت ابو عبیدہ نے اس خیال سے کہ رومیوں کو بد عہدی کا گمان نہ ہو، مجبور کیا اور کہا کہ کل یہاں سے جو سفیر جائے گا اس کے ساتھ چلے آنا۔ دوسرے دن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ رومیوں کی لشکر گاہ میں گئے۔ رومیوں نے اپنی شوکت دکھانے کے لئے پہلے سے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ راستے کے دونوں جانب سواروں کی صفیں قائم کی تھیں جو سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھے۔ لیکن خالد اس بے پرواہی اور تحقیر کی نگاہ سے ان پر نظر ڈالتے جاتے تھے، جس طرح شیر بکریوں کے رویوں کو چیرتا چلا جاتا ہے۔ بہان کے خیمے کے پاس پہنچے تو اس نے نہایت احترام کے ساتھ استقبال کیا۔ اور لا کراپنے برابر بٹھایا۔ مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ بہان نے معمولی بات چیت کے بعد لکھر کے طریقے پر تقریر شروع کی حضرت عیسیٰ کی تعریف کے بعد قیصر کا نام لیا۔ اور تھرستے کہا کہ ہمارا بادشاہ تمام بادشاہوں کا شہنشاہ ہے۔ مترجم ان الفاظ کا پورا ترجمہ نہیں کر چکا تھا کہ خالد نے بہان کو روک دیا اور کہا کہ تمہارا بادشاہ ایسا ہی ہو گا۔ لیکن ہم نے جس کو سروار بنا رکھا ہے اس کو ایک لمحہ کے لئے اگر بادشاہی کا خیال آئے تو ہم فوراً اس کو معزول کر دیں گے، بہان نے پھر تقریر شروع کی، اور اپنے جاہ دولت کا فخر بیان کر کے کہا کہ ”اہل عرب تمہاری قوم کے لوگ

ہمارے ملک میں اگر آباد ہوئے ہم نے ہمیشہ ان کے ساتھ و دستانہ سلوک کیے ہمارا خیال تھا کہ اس مراعات کا تمام عرب ممنون ہو گا، لیکن خلاف توقع تم ہمارے ملک پر چڑھ آئے اور چاہتے ہو کہ ہم کو ہمارے ملک سے نکال دو، تم کو معلوم نہیں کہ بہت سی قوموں نے بارہا ایسے ارادے کئے لیکن کبھی کامیاب نہیں ہوئے اب تم کو کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ کوئی قوم وحشی اور بے سازو سامان نہیں یہ حوصلہ ہوا ہے، ہم اس پر بھی در گذر کرتے ہیں۔ بلکہ اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو انعام کے طور پر پہ سالار کو دس ہزار بنار اور افسروں کو ہزار ہزار اور عام سپاہیوں کو سو سو ڈالیے جائیں گے۔

باہانہ اپنی تقریر ختم کر کر کا تو خالد اٹھے اور حمد نعمت کے بعد کہا کہ ”بے شبهہ تم دولت مند ہو، مالدار ہو، صاحب حکومت ہو“، تم نے اپنے ہمسایہ عربوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ بھی ہم کو معلوم ہے لیکن یہ تمہارا کچھ احسان نہ تھا بلکہ اشاعت مذہب کی ایک تدبیر تھی جس کا یہ اثر ہوا کہ وہ عیسائی ہو گئے اور آج خود ہمارے مقابلے میں تمہارے ساتھ ہو کر ہم سے لڑتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہم نہایت محتاج تنگست اور خانہ بدوض تھے، ہمارے ظلم و جحالت کا یہ حال تھا کہ قوی کمزور کو پیش ڈالتا تھا، قبائل آپس میں لڑاکر بریاد ہوتے جاتے تھے، بہت سے خدا بنا رکھتے تھے اور ان کو پوچھتے تھے، اپنے ہاتھ سے بت تراشتے تھے اور اب کی عبادات کرتے تھے۔ لیکن خدا نے ہم پر رحم کیا اور ایک پیغمبر بھیجا جو خود ہماری قوم سے تھا۔ اور ہمہیں سب سے زیادہ شریف، زیادہ فیاض نہ پاک خو تھا۔ اس نے ہم کو توحید سکھائی اور بتلادیا کہ خدا کا کوئی شریک نہیں وہ بیوی واولاد نہیں رکھتا۔ وہ بالکل یکتا و یگانہ ہے۔ اس نے ہم کو یہ بھی حکم دیا ہے کہ ہم ان عقائد کو تمام دنیا کے سامنے پیش کریں، جس نے ان کو مانا وہ مسلمان ہے اور ہمارا بھائی ہے۔ جس نے نہ مانا، لیکن وہ جزیہ دینا قبول کرتا ہے اس کے ہم حامی اور محافظ ہیں جس کو دونوں سے انکار ہو اس کے لئے تلوار ہے۔

باہانہ نے جزیہ کا نام سن کر ایک متحنڈی سانس بھری اور اپنے لشکر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ”یہ مرکر بھی جزیہ نہ دیں گے ہم جزیہ لیتے ہیں دیتے نہیں“ غرض کوئی معاملہ طے نہیں ہوا اور خالد اٹھ کر چلے آئے اب اس آخری لڑائی کی تیاریاں شروع ہوئیں جس کے بعد روی پھر کبھی سنبھل نہ سکے خالد کے چلے آئے کے بعد باہانہ نے سرداروں کو جمع کیا اور کہا کہ ”تم نے نہ اہل عرب کا دعویٰ ہے کہ جب تک تم ان کی رعایا نہ بن جاؤ ان کے حملہ سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ تم کو ان کی غلامی مغلوب ہے تمام افسروں نے بڑے جوش سے کہا کہ ”ہم مر

جاں میں کے مگر یہ ذلت گوارا نہیں ہو سکتی۔ صبح ہوئی تو روی اس جوش اور سروسامان سے نکلے کہ مسلمانوں کو بھی حریت ہو گئی۔ خالد نے یہ دیکھ کر عرب کے عام قائد کے خلاف نئے طور سے فوج آرائی کی، فوج جو ۳۵ ہزار تھی اس کے ۳۶ حصے کے اور آگے پیچھے نہایت ترتیب کے ساتھ اسی قدر صافیں قائم کیں، قلب فوج ابو عبیدہ کو دیا۔ میمنہ پر عمرو بن العاص اور شریعت مامور ہوئے۔ میسو زینہ بن ابی سفیان کی کمان میں تھا۔ ان کے علاوہ ہر صرف پر الگ الگ جو افسر متین کئے ہیں کہ ان لوگوں کو کیا جو بہادری اور فنون جنگ میں شریعت عام رکھتے تھے۔ خطباء جو اپنے نور کلام سے لوگوں میں مل جائیں دیتے تھے اس خدمت پر مامور ہوئے کہ پر جوش تقریروں سے فوج کو جوش دلائیں اُنیں میں ابی سفیان بھی تھے جو فوجوں کے سامنے یہ الفاظ کہتے پھرتے تھے۔

الا انکم زادۃ العرب و النصار الا اسلام و انهم زادۃ الروم  
وانصار الشرک اللہم ان هذایو من ایامک اللہم انزل نصرک

علی عبادک۔

عمرو بن العاص کہتے پھرتے تھے۔

ابها الناس غضوا البصار کم واشرعوا الرماح والزموا مراکز  
کم فاذاحمل عدو کم فاسهلوهم حتی اذار کبوا الطراو الا سنة  
لشوا لی و جو هم و نوب الا مسد۔

”یارہ! نگاہیں پنجی رکھو بچھیاں تان او، اپنی جگہ پر مجھے رہو، پھر جب

و شمن حملہ آور ہوں تو آنے دو۔ ہمارا تک کہ جب برجھیوں کی نوک

پر آجائیں تو شیر کی طرح ان پر ٹوٹ پڑو۔

فوج کی تعداد اگرچہ کم تھی یعنی ۳۵-۳۶ ہزار سے زیادہ آؤتھے۔ لیکن تمام عرب میں منتخب تھے۔ ان میں سے خاص وہ بزرگ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال مبارک دیکھا تھا۔ ایک ہزار تھے، سو بزرگ وہ تھے جو جنگ بد ریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر کاب تھے۔ عرب کے مشہور قبائل میں سے دس ہزار سے زیادہ صرف اڑکے قبیلے کے تھے۔ تحریر کی ایک بڑی جماعت تھی۔ ہران، خولان، نعم، جدام، غیرہ کے مشہور بہادر تھے۔ اس معزز کا ایک دیہ بھی خصوصیت ہے کہ عورتیں بھی اس میں شرک تھیں اور نہایت بہادری سے لشیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماں ہندہ حملہ کرتی ہوئی بڑھی تھیں۔ تو

پکارتی تھیں عضدو الغلفان بسیوفكم۔ امیر معاویہ کی بن جوری نے بھی بڑی دلیری سے جنگ کی۔

مقدار و جو نہایت خوش آواز تھے فوج کے آگے آگے سورہ انفال (جن میں جہاد کی ترغیب ہے) تلاوت کرتے جاتے تھے۔

ادھر رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تکہ ہزار آدمیوں نے پاؤں میں بیڑاں پہن لیں کر ہٹنے کا خیال تک نہ آئے؟ جنگ کی ابتداء رومیوں کی طرف سے ہوئی۔ دولاکہ مذہبی دل لٹکر ایک ساتھ بسحا ہزاروں پادری اور بیش پا تھوں میں صلیب لئے آگئے تھے۔ اور حضرت عیسیٰ کی بے پکارتے آتے تھے یہ سازو مسلمان دیکھ کر ایک مسلمان کی زبان سے بے اختیار تکلا اللہ اکبر کس قدر بے انتہا فوج ہے خالد نے جھلک کر کہا "چپ رہ خدا کی قسم میرے گھوڑے کے سم ابھی ہوتے تو میں کہہ دتا کہ عیسائی اتنی ہی فوج اور بریعتالین"۔

غرض عیساًیوں نے نہایت زور شور سے حملہ کیا اور تیروں کا مینہ بر سانتے بڑھے۔ مسلمان دیر تک ثابت قدم رہے لیکن حملہ زور کا تھا کہ مسلمان کا مینہ ٹوٹ کر فوج سے عیسیٰ ہو گیا۔ اور نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا ہزیست یافت پہنچتے ہتھے حرم کے خیرگاہ تک گئے عورتوں کو یہ حالت دیکھ کر سخت عنده آیا، اور خیہ کی چوپیں اکھاڑ لیں۔ اور بیکاریں کہ "تم امروہ ادھر آئے تو چوبیوں سے تمہارا سر تو زدیں گے" خولہ یہ شعر پڑھ کر لوگوں کو غیرت دلاتی تھیں۔

### یا هار یا عن نسوۃِ تھبیتِ و میمت بالسهم والمنیات

یہ خالت دیکھ کر معاذ بن جبل جو سیمنہ کے ایک حصے کے پہ سالا رتھے گھوڑے سے کو پڑے اور کہا کہ "میں تو قبیلہ لڑتا ہوں، لیکن کوئی بہادر اس گھوڑے کا حق ادا کر کے تو گھوڑا حاضر ہے"۔ ان کے بیٹے نے کہا "ہاں یہ حق میں ادا کروں گا، کیونکہ میں سوار ہو کر اچھا لڑ سکتا ہوں"۔ غرض دنوں باپ بیٹے فوجوں میں گئے اور دلیری سے جنگ کی کہ مسلمانوں کے اکھڑے ہوتے پاؤں پھر سنبھل گئے ساتھ ہی جہاں تو قبیلہ زیدیہ کے سردار تھے، پانچ سو آدمی نے کر رہے اور عیساًیوں کا جو مسلمانوں کا تاقاب کرتے چلے آتے تھے آگاہوں کیا۔ سیمنہ میں قبیلہ ازو شروع حملہ سے ثابت قدم رہا تھا۔ عیساًیوں نے لڑائی کا بہار ان زور ان پر ڈالا لیکن وہ پہاڑ کی طرح ہجے رہے جنگ میں یہ شدت تھی کہ فوج میں ہر طرف سرما تھے یا تو کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے لیکن ان کے پائے شبات کی لغزش نہیں ہوتی تھی عمرو بن الطفیل جو قبیلہ کے سردار تھے تو وار مارتے جاتے تھے کہ ازو و لکھنا۔ مسلمانوں پر تمہاری وجہ سے داغ دے

آئے۔ تو بڑے بڑے بہادر ان کے ہاتھ سے مارے گئے اور آخر خود شہادت حاصل کی۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کو پیچھے لگا رکھا تھا۔ و فتح صفیر کرنے کے اور اس نور سے حملہ کیا کہ رومیوں کی صفائی اپنے کر دیں، علمرہ نے جو ابو جبل کے فرزند تھے اور اسلام لانے سے پہلے اکثر کفار کے ساتھ رہ کر رہتے تھے۔ گھوڑا آگے بڑھا یا اور کما "عیساً یو!" میں کسی نمانے میں (کفر کی حالت میں) خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لٹڑکا ہوں کیا آج تمہارے مقابلہ میں میرا پاؤں پیچھے پڑ سکتا ہے۔ یہ کہ کرفوج کی طرف دیکھا اور کما منے پر کون بیعت کرتا ہے؟ چار سو شخصوں نے جن میں ضرار بن ازور بھی تھے مرنے پر بیعت کی اور اس ثابت قدمی سے ٹوٹے کہ قربیا سب کے سب وہیں کٹ کر رہ گئے علمرہ کی لاش مقتولوں کے ذمہ میں ملی کچھ کچھ دم باقی تھا خالد نے اپنے رانوں پر ان کا سر رکھا اور گلے میں پانی پنکا کر کما "خدا کی قسم عمر کا گمان غلط تھا کہ ہم شہید ہو کر نہ مرسیں گے"۔ (تاریخ طبری و اقدیر موسک)

غرض علمرہ اور ان کے ساتھی گو خود بلاک ہو گئے۔ لیکن رومیوں کے ہزاروں آدمی بڑا کر دیئے خالد کے حملوں نے اور بھی ان کی طاقت توڑ دی۔ یہاں تک کہ آخر ان کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ اور خالد ان کو دیاتے ہوئے پس سالا در در بخار تک پہنچ گئے۔ در بخار اور روی افسروں نے آنکھوں پر رعمال ڈال لئے کہ اگر یہ آنکھیں فتح کی صورت نہ دیکھ سکیں تو نکست بھی نہ دیکھیں۔

عین اس وقت جب ادھر پہنچ میں بازار قفال گرم تھا ابن قاطیر نے میسرہ پر حملہ کیا۔ بد قسمتی سے اس حصے میں اکثر تم و غسان کے قبیلہ کے آدمی تھے جو شام کے اطراف میں بود باش رکھتے تھے، ایک مدت سے روم کے باجگزر رہتے آئے تھے رومیوں کا رب جود لوں میں سایا ہوا تھا اس کا یہ اثر ہوا کہ پہلے ہی جملے میں ان کے پاؤں اکھر گئے اور اگر افسروں نے بھی بے ہمتی کی ہوتی تو لڑائی کا خاتمه ہو چکا ہوتا۔ روی بھاگتوں کا پیچھا کرتے ہوئے خیموں تک گئے عورتیں یہ حالت دیکھ کر بے اختیار نکل پڑیں اور ان کی پامروی نے عیساً یوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ فوج اگرچہ اپنے ہو گئی تھی لیکن افسروں میں سے قباث بن اشیم، سعید بن زید، زیند بن الی سفیان، عمرو بن العاص، شرجیل بن حسنہ و اشجاعت لے رہے تھے قباث کے ہاتھ سے تکواریں اور نیزے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے جاتے تھے مگر ان کے تیور پر بل نہ آیا تھا۔ نیزہ ٹوٹ کر گرتا تو کہتے کہ کوئی ہے؟ جو اس شخص کو تھیار دے جس نے خدا سے اقرار کیا ہے کہ میدان جنگ سے ہٹے گا تو مر کر ہٹے گا۔ لوگ فوراً تکواریا نیزہ ان کے ہاتھ میں

لا کر دے دیتے۔ اور پھر وہ شیر کی طرح جھپٹ کر دشمن پر جا پڑتے، ابوالاعور گھوڑے سے کو پڑے اور اپنے رکاب کی فوج سے مخاطب ہو کر کہا کہ ”صبر و استقلال دنیا میں عزت ہے۔ اور عقبی میں رحمت“ دیکھنا یہ دولت ہاتھ سے نہ جانے پائے“ سعید بن نید غصہ میں گھٹنے میکے ہوئے کھڑے تھے روی ان کی طرف بڑھے تو شیر کی طرح جھپٹے اور مقدمہ کے افسر کو مار گرا دیا۔ زیند بن الیسفیان (معادیہ کے بھائی) بڑی ثابت تدبی سے لڑ رہے تھے اتفاق سے ان کے باپ ابوسفیان جو فوج کو جوش دلاتے پھرتے تھے ان کی طرف نکلے بیٹھے کو دیکھ کر کہا ”جان پدر!“ اس وقت میدان میں ایک ایک اپاہی شجاعت کے جو ہر دکھرا رہا ہے تو پہ سالار ہے اور اپاہیوں کی بہ نسبت تجھ پر شجاعت کا نیا رہ حق ہے تیری فوج میں سے ایک اپاہی بھی اس میدان میں تجھ سے بازی لے گیا تو تیرے لئے شرم کی جگہ ہے“ شرجیل کا یہ حال تھا کہ رویوں کا چاروں طرف سے نرغ تھا اور یہ نیچ میں پھاڑ کی طرح کھڑ تھے قرآن کی یہ آیت

انَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَآمَّا وَالَّهُمَّ فَإِنَّ لَهُمْ الْعِجْنَةَ يَقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلُونَ وَيَقْتَلُونَ وَرُضِحَتْ تَقَىٰ اُور نُحْرُوا مَرَتْ تَقَىٰ كَه خدا کے ساتھ سودا کرنے والے اور خدا کے ہمسایہ بننے والے کہاں ہیں؟ یہ آواز جس کے کان میں پڑی بے اختیار لوٹ پڑا۔ یہاں تک کہ آکھڑی ہوئی فوج سنبھل گئی اور شرجیل نے ان کو لے کر اس بہادری سے جنگ کی کہ روی جوڑتے چلے آتے تھے بڑھنے سے رک گئے

اوھر عورتیں خیموں سے نکل نکل کر فوج کی پشت پر آکھڑی ہوئیں۔ اور چلا کر کہتی تھیں کہ ”میدان سے قدم ہٹلیا تو پھر ہمارا منہ نہ دیکھنا“۔

لڑائی کے دونوں پلواب تک برابر تھے، بلکہ غلبہ کا پلہ رویوں کی طرف تھا۔ وفتحہ قیس بن بیہورہ جن کو خالد نے فوج کا ایک حصہ دے کر میسر و کی پشت پر متین کر دیا تھا۔ عقب سے نکلے اور اس طرح ثوٹ کر گئے کہ روی سرداروں نے بہت سمجھا لگر فوج سنبھل نہ سکی۔ تمام صفائی ابتر ہو گئیں اور گھبرا کر پیچھے ہیں، ساتھ ہی سعید بن نید نے قلب سے نکل کر حملہ کر دیا۔ روی دور تک بہتے چلے گئے یہاں تک میدان کے سرے پر جو نالہ تھا اس کے کنارے تک آگئے تھوڑی دیر میں ان کی لاشوں نے وہ نالہ بھر دیا۔ اور میدان خالی ہو گیا۔

اس لڑائی کا یہ واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس وقت گھسان کی لڑائی ہو رہی تھی، حباش بن قیس جو ایک بہادر اپاہی تھے بڑی جان بازی سے لڑ رہے تھے، اسی اثناء میں کسی نے ان کے پاؤں پر تکوار ماری اور ایک پاؤں کٹ کر الگ ہو گیا۔ حباش کو خبر تک نہ ہوئی۔

۱۔ یہ تمام واقعہ فتح البلدان صفحہ ۱۷۳ میں مذکور ہے۔

تحوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو ڈھونڈتے پھرتے تھے کہ ”میرا پاؤں کیا ہوا؟ ان کے قبیلے کے لوگ اس واقعہ پر ہیشہ نظر کرتے تھے چنانچہ سوارن اولیٰ نامی ایک شاعر نے کہا۔

### وَمِنَ الْأَنْ عَتَابٌ وَنَا سُدُّ جَلَدٌ وَمِنَ اللَّذِي أَوْسَى إِلَيْهِ الْحَاجَةً

رومیوں کے جس قدر آدمی مارے گئے ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ طبری اور ازدی نے لاکھ سے زیادہ تعداد بیان کی ہے۔ بلاذری نے ستر ہزار لکھا ہے۔ مسلمانوں کی طرف سے تین ہزار کا نقصان ہوا جن میں ضرار بن انور، ہشام بن العاصی ایمان، سعید وغیرہ تھے۔ قیصر انصاریہ میں تھا کہ مکہ کی خبر پہنچی اسی وقت قسطنطینیہ کی تیاری کی چلتے وقت شام کی طرف رخ کر کے کہا ”الوادع اے شام۔“

ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نامہ فتح لکھا اور ایک مختصری سفارت بھیجی، جن میں حذیفہ بن الیمان بھی تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یرموک کی خبر کے انتظار میں کئی دن سے سوئے تھے۔ فتح کی خبر پہنچی تو دفعہ سجدہ میں گرے اور خدا کا شکرا دا کیا۔

ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یرموک سے محص کو واپس گئے اور خالد کو قفسین روانہ کیا۔ شروالوں نے اول مقابلہ کیا لیکن پھر قلعہ بن ہو کر جزیہ کی شرط پر صلح کر لی، یہاں عرب کے قبائل میں سے قبیلہ تحریخ دت سے آگر آباد تھا۔ یہ لوگ یرسول تک کمل کے خیموں میں برکرتے رہے تھے لیکن رفتہ رفتہ تمدن پر یہ اثر ہوا کہ بڑی بڑی عالیشان عمارتیں بنوائی تھیں۔ حضرت ابو عبیدہ نے ہم توی کے لحاظ سے ان کو اسلام کی ترغیب وی چنانچہ سب مسلمان ہو گئے۔ صرف بنو سلیح کا خاندان عیسائیت پر قائم رہا۔ اور چند روز کے بعد وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ قبیلہ طے کے بھی بہت سے لوگ یہاں آباد تھے۔ انہوں نے بھی اپنی خوشی سے اسلام قبول کر لیا۔ قفسین کی فتح کے بعد ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حلب کا رخ کیا۔ شرے باہر میدان میں عرب کے بہت سے قبیلے آباد تھے۔ انہوں نے جزیہ پر صلح کر لی اور تھوڑے دنوں کے بعد سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ حلب والوں نے ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد سن کر قلعہ میں پناہ لی۔ عیاض بن غنم نے جو مقدمہ اجیش کے افراد تھے شہر کا محاصرہ کیا۔ اور چند روز کے بعد اور مفتوحہ شروں کی طرح ان شرانکوپر صلح ہو گئی کہ عیسائیوں نے جزیہ دنا منظور کر لیا۔ اور ان کی جان و مال، ”شہر پناہ“، مکانات قلعے اور گرجوں کی حفاظت کا معاهدہ لکھ دیا گیا۔ حلب کے بعد انصاریہ آئے چونکہ یہ قیصر کا خاص دارالسلطنت تھا بہت سے رومیوں اور عیسائیوں نے یہاں

اگر پناہی تھی۔ ابو عبیدہ نے ہر طرف سے شر کا محاصرہ کیا۔ چند روز کے بعد عیسائیوں نے مجبور ہو کر صلح کر لی۔ ان صدر مقامات کی فتح نے تمام شام کو مرجعوب کر دیا۔ اور یہ نوبت پہنچی کہ کوئی افراد حوزی سی جمعیت کے ساتھ جس طرف نکل جاتا تھا عیسائی خود اگر امن و صلح کے خواستگار ہوتے تھے چنانچہ انطاکیہ کے بعد ابو عبیدہ نے چاروں طرف فوجیں پھیلادیں۔ بو قابو مہ، سرین، تو زی، قورس، تل، غراز، لوک، رعبان یہ چھوٹے چھوٹے مقامات اس آسانی سے فتح ہوئے کہ خون کا ایک قطرہ بھی نہیں پر نہیں گرا اسی طرح بابس اور قاصیرین بھی پہلے ہلہ میں فتح ہو گئے جو جومہ والوں نے جزیہ سے انکار کیا۔ اور کہا کہ ہم لڑائی میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ چونکہ جزیہ فوجی خدمت کا معاوضہ ہے، ان کی یہ درخواست منظور کر لی گئی۔

انطاکیہ کے مضافات میں بغراں ایک مقام تھا جس سے ایشیائے کوچک کی سرحد ملتی تھی، یہاں عرب کے بہت سے قبائل غسان، تنوخ، ایاد، رومیوں کے ساتھ ہرقل کے پاس جانے کی تیاریاں کر رہے تھے جبیب بن مسلمہ نے ان پر حملہ کیا۔ اور بڑا معرکہ ہوا۔ ہزاروں قتل ہوئے، خالد نے مرعش پر حملہ کیا اور اس شرط پر صلح ہوئی کہ عیسائی شرپ چھوڑ کر نکل جائیں۔

## بیت المقدس ۱۲ بھری (۷۳۴ء)

ہم اور لکھ آئے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب شام پر چڑھائی کی تو ہر ہر صوبہ پر الگ الگ افریقی چنانچہ فلسطین، عمروں العاص کے حصے میں آیا عمروں العاص نے بعض مقامات حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھی کے عمد میں فتح کرنے تھے اور فاروقی عمد تک تو نابلس، لد، عمواس، بیت جریں تمام بڑے بڑے شہروں پر قبضہ ہو چکا تھا، جب کوئی عام معرکہ پیش آجائتا تھا تو وہ فلسطین چھوڑ کر ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتے تھے اور ان کو مدد دیتے تھے لیکن فارغ ہونے کے ساتھ فوراً واپس آجاتے تھے اور اپنے کام میں مشغول ہوتے لامتحب یہاں تک کہ آس پاس کے شہروں کو فتح کر کے خاص بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ عیسائی قلعہ میں بند ہو کر لڑتے رہے اس وقت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کے انتہائی اضلاع قسرین وغیرہ فتح کر کے تھے، چنانچہ ادھر سے فرصت پا کر بیت المقدس کا رخ کیا۔ عیسائیوں نے ہمت ہار کر صلح کی درخواست کی۔ اور مزید اطمینان کے لئے یہ شرط اضافہ کی کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود یہاں آئیں اور معاملہ صلح ان کے ہاتھوں سے لکھا

جائے، ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ بیت المقدس کی قیمت آپ کی تشریف آوری پر موقوف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام معزز صحابہ کو جمع کیا۔ اور مشورت کی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کما کہ عیسائی مرعوب اور شکست دل ہو چکے ہیں۔ آپ ان کی درخواست کو رد کر دیں تو ان کو اور بھی ذلت ہو گی اور یہ سمجھ کر کہ مسلمان ان کو بالکل حقیر سمجھتے ہیں۔ بغیر شرط کے، ہتھیار ڈال دیں گے لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے خلاف رائے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان ہی کی رائے کو پسند کیا اور سفر کی تیاریاں لے لیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نائب مقرر کر کے خلافت کے کاروبار ان کے پروٹول کئے۔ اور حبہ ۷۸ ہجری میں مدینہ سے روانہ ہو گئے۔

ناظرین کو انتظار ہو گا کہ فاروق اعظم کا سفر اور سفر بھی وہ جس سے ذہنوں پر اسلامی جلال کا رب بھانا مقصود تھا۔ کس سازو سامان سے ہوا ہو گا؟ لیکن یہاں فقار و نبوت، خدم و حشم لا اؤ لٹکرایک طرف معمولی ڈیرہ اور خیمه تک نہ تھا۔ سواری میں گھوڑا تھا اور چند مہاجر انصار ساتھ تھے۔ تاہم جمال یہ آواز پہنچی تھی کہ فاروق اعظم نے مدینہ سے شام کا ارادہ کیا ہے نہیں دل جاتی تھی۔

سرداروں کو اطلاع دی جا چکی تھی کہ جا بیہی میں آگران سے ملیں۔ اطلاع کے مطابق یزید بن ابی سفیان اور خالد بن الولید وغیروں نے یہیں استقبال کیا۔ شام میں رہ کر ان افسروں میں عرب کی سادگی باقی نہیں رہی تھی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے یہ لوگ آئے تو اس بیت سے آئے کہ بدن پر حریر و دبایکی چکنی اور پر ٹکلف قبائیں تھیں۔ اور زرق برق پوشک اور ظاہری شان و شوکت سے عجمی معلوم ہوتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت غصہ آیا۔ گھوڑے سے اتر پڑے اور سنگریزے اٹھا کر ان کی طرف پھیکے کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتیں اختیار کر لیں۔

ان لوگوں نے عرض کی کہ ”قاویں کے نیچے ہتھیار ہیں۔“ (یعنی سپہ گری کا جو ہر ہاتھ سے نہیں دیا ہے) فرمایا تو کچھ مضائقہ نہ نہیں۔ شرکے قریب پہنچے تو ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے ہو کر چاروں طرف نگاہ ڈالی، غوطہ کا دلفریب سبزہ زار اور دشمن کے اور شاندار مکانات سامنے تھوڑے پر ایک خاص اثر ہوا۔ عبرت کے لمحہ میں یہ آئیت پڑھی۔ کم تو کوامن جشت و عيونِ الخ پھرنا بغض کے چند حسرت انگیز اشعار پڑھے۔

جاییہ میں دیر تک قیام رہا۔ اور بیت المقدس کا معابدہ بھی یہیں لکھا گیا وہاں کے عیسائیوں کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد کی خبر پہلے سے پہنچ چکی تھی، چنانچہ رئیسان شرکا ایک گروہ ان سے ملنے کے لئے دشمن کو روانہ ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوج کے حلے میں بیٹھے تھے کہ دفعہ کچھ سوار آئے جو گھوڑے اڑاتے چلے آتے تھے اور کمر میں تکواریں چمک رہی تھیں۔ مسلمانوں نے فوراً ہتھیار سنگھال لئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا خیر ہے؟ لوگوں نے سواروں کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرات سے سمجھا کہ بیت المقدس کے عیسائی ہیں۔ فرمایا گھبراو نہیں یہ لوگ امان طلب کرنے آئے ہیں غرض معادہ صلح لکھا گیا۔ بڑے بڑے معزز صحابہ کے دستخط ہو گئے۔ (یہ طبری کی روایت ہے۔ بلاذری اور ازدی نے لکھا ہے کہ معابدہ صلح بیت المقدس میں لکھا گیا ہے کہ اس معابدے کو جماہاتم نے اس کتاب کے دوسرے حصہ میں نقل کیا ہے۔ ویکھو اس کتاب کا دوسرا حصہ۔)

معابد کی تکمیل کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المقدس کا ارادہ کیا۔ گھوڑا جو سواری میں تھا اس کے سم گھس کر بیکار ہو گئے اور رک رک قدم رکھتا تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ دیکھ کر اتر پڑے۔ لوگوں نے ترکی نسل کا ایک عورہ گھوڑا حاضر کیا۔ گھوڑا شوخ اور چالاک تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوار ہوئے تو تکمیل کرنے کا فرمایا "مکبخت یہ غور کی چال تو نے کہاں سیکھی؟" یہ کہہ کر اتر پڑے اور پیادہ پا چلے۔ بیت المقدس قریب آیا تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سرداران فوج استقبال کو آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لباس اور سازو سامان جس معمولی حیثیت کا تھا۔ اس کو دیکھ کر مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دل میں کیا کہیں گے۔ چنانچہ لوگوں نے ترکی گھوڑا اور قیمتی پوشک حاضر کی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ خدا نے ہم کو جو عزت وی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لئے یہی بس ہے۔" غرض اس حال سے بیت المقدس میں داخل ہوئے سب سے پہلے مسجد گئے، محراب داؤد کے پاس پہنچ کر سجدہ داؤد کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا۔ پھر عیسائیوں کے گرجا میں آئے اور ادھر ادھر پھرتے رہے۔

چونکہ یہاں اکثر افران فوج اور عمال جمع ہو گئے تھے۔ کئی دن تک قیام کیا اور ضروری احکام جاری رکھے۔ ایک دن بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ (رسول اللہ کے موذن) نے آگر شکایت کی کہ امیر المؤمنین ہمارے افسر پرند کا گوشت اور میدہ کی روٹیاں کھاتے ہیں۔ لیکن عام مسلمانوں کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے افران کی طرف

دیکھا، انہوں نے عرض کی کہ اس ملک میں تمام چیزیں ارزائیں ہیں جتنی قیمت پر جہاز میں بولی اور  
کبھی ملتی ہے۔ یہاں اسی قیمت پر پرندہ کا گوشہ اور میدہ ملتا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
افسروں کو مجبور نہ کر سکے، لیکن حکم دیا کہ مال غنیمت اور تنخواہ کے علاوہ سپاہی کھانا بھی مقرر کر  
ویا جائے۔

ایک دن نماز کے وقت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی کہ آج اذان و  
بلال نے کہا میں عزم کر چکا تھا کہ رسول اللہ کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دوں گا لیکن آج (اور  
صرف آج) آپ کا ارشاد بجالاؤں گا۔ اذان دینی شروع کی تو تمام صحابہ کو رسول اللہ کا عمد  
مبارک یاد آگیا۔ اور رقت طاری ہوئی۔ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور معاذ بن جبل روتے  
روتے بیتاب ہو گئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہچکی لگ گئی۔ دیر تک یہ اثر رہا۔

ایک دن مسجد القصی میں گئے اور کعب بن احبار کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ نماز کہاں  
پڑھی جائے مسجد القصی میں ایک پھر ہے جو انبیاء سالقین کی یاد کار ہے۔ اس کو سخرہ کہتے  
ہیں۔ اور یہودی اس کی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں جس طرح مسلمان مجر اسود کی، حضرت  
عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب قبلہ کی نسبت پوچھا تو کعب نے کہا کہ ”سخرہ کی طرف“ حضرت  
عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ”تم میں اب تک یہودیت کا اثر باقی ہے اور اسی کا اثر تھا  
کہ تم نے سخرہ کے پاس آگر جو تی اتاری“ اس واقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو  
طرز عمل اس قسم کی یادگاروں کی نسبت تھا، ظاہر ہوتا ہے، اس موقع پر ہماری اس کتاب کے  
دوسرے حصہ کے صفحہ کو بھی ملاحظہ کرنا چاہئے۔

## حمد پر عیسائیوں کی دوبارہ کوشش کے ارجمندی (۱۳۸۴ء)

یہ معرکہ اس لحاظ سے یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس سے جزیرہ اور آرمینیہ کی  
فتحات کا موقع پیدا ہوا تھا۔ ایران اور روم کی ممیں جن اسباب سے پیش آئیں وہ ہم اور لکھ  
آئے ہیں۔ لیکن اس وقت تک آرمینیہ پر لشکر کشی کے لئے کوئی خاص سبب نہیں پیدا ہوا تھا،  
اسلامی فتوحات چونکہ نوز بروز و سیع ہوتی جاتی تھیں اور حکومت اسلام کے حدود برابر بدھتے  
جاتے تھے، ہماری سلطنتوں کو خود بخود خوف پیدا ہوا کہ ایک دن ہماری باری بھی آتی ہے۔

چنانچہ ادھر جزیرہ والوں نے قیصر کو لکھا کرنے سے سے ہمت بیکھے ہم ساتھ دینے کو موجود ہیں چنانچہ قیصر نے ایک فوج کیشہ محس کو روانہ کی۔ ادھر جزیرہ والے ۳۰ ہزار کی فوج کی بھیڑ بھاڑ کے ساتھ شام کی طرف بڑھے، ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادھر ادھر سے فوجیں جمع کر کے محس کے باہر صافیں جائیں۔ ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمام حالات کی اطلاع دی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آٹھ بڑے بڑے شروں میں فوجی چھاؤنیاں قائم کر رکھی تھیں اور ہر جگہ چار چار ہزار گھوڑے فقط اس غرض سے ہر وقت تیار رہتے تھے کہ کوئی اتفاقیہ موقع پیش آجائے تو فوراً ہر جگہ سے فوجیں یلغار کر کے موقع پر پہنچ جائیں۔ ابو عبیدہ کا خط آیا تو ہر طرف سے قاصد دوڑا دیئے۔ قعقاع بن عمرو کو جو کوفہ میں مقیم تھے لکھا کہ فوراً چار ہزار سوار لے کر محس پہنچ جائیں۔ سیل بن عدی کو حکم بھیجا کہ جزیرہ پہنچ کر جزیرہ والوں کو محس کی طرف بڑھنے سے روک دیں۔ عبد اللہ بن عتبان کو فصیبین کی طرف روانہ کیا اولید بن عقبہ کو مامور کیا کہ جزیرہ پہنچ کر عرب کے ان قبائل کو تحام رکھیں جو جزیرہ میں آباد تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان انتظامات پر بھی قاععت نہ کی بلکہ خود میں سے روانہ ہو کر مشق میں آئے۔ جزیرہ والوں نے جب یہ سنا کہ خود ان کے ملک میں مسلمانوں کے قدم آگئے تو محس کا محاصرہ چھوڑ کر جزیرہ کو چل دئے۔ عرب کے قبائل جو عیسائیوں کی مدد کو آئے تھے وہ بھی پچتائے اور خفیہ خالد کو پیغام بھیجا کہ تمہاری مرضی ہو تو ہم اسی وقت یا عین موقع پر عیسائیوں سے الگ ہو جائیں۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے کہلا بھیجا کہ "افسوس! میں دوسرے شخص (ابو عبیدہ) کے ہاتھ میں ہوں۔ اور وہ حملہ کرنا پسند نہیں کرتا ورنہ مجھ کو تمہارے ٹھہر نے اور چلے جانے کی مطلقاً پرواہ نہ ہوتی۔ تاہم اگر تم سچے ہو تو محاصرہ چھوڑ کر کسی طرف نکل جاؤ" ادھر فوج نے ابو عبیدہ سے تقاضا شروع کیا کہ حملہ کرنے کی اجازت ہو۔ انہوں نے خالد سے پوچھا خالد نے کہا "میری جو رائے ہے معلوم ہے عیسائی ہمیشہ کثرت فوج کے مل پر اڑتے ہیں اب کثرت بھی نہیں رہی۔ پھر کس بات کا اندیشہ ہے؟" اس پر بھی ابو عبیدہ کا دل مطمئن نہ تھا، تمام فوج کو جمع کیا اور زیارت پر زور اور موثر تقریر کی کہ مسلمانوں! آج جو ثابت قدم رہ گیا وہ اگر زندہ بچا تو ملک و مال ہاتھ آئے گا۔ اور مارا گیا تو شہادت کی وولت ملے گی۔ میں گواہی دیتا ہوں (اور یہ جھوٹ بولنے کا موقع نہیں) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مرے اور مشرک ہو کرنہ سے سرے وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ فوج پہلے ہی سے حملہ کرنے کے لئے بے قرار تھی ابو عبیدہ کی تقریر نے اور بھی گرمادیا۔ اور دفعتاً سب نے ہتھیار سنگھال

لئے ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قلب فوج اور خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عباس میمونہ فرمیسو کو لے کر بڑھے، تھقان نے جو کوفہ سے چار ہزار فوج کے ساتھ مدد کو آئے تھے محض سے چند میل پر راہ میں تھے کہ اس وقعدہ کی خبر سنی فوج چھوڑ کر سواروں کے ساتھ ابو عبیدہ سے آٹے مسلمانوں کے حملہ کے ساتھ عرب کے مقابل (جیسا کہ خالد سے اقرار ہو چکا تھا) اپنی کے ساتھ پیچھے ہٹے ان کے ہٹنے سے عیسائیوں کا بازو ٹوٹ گیا۔ اور تمہاری دیر لڑکر اس بد حواس سے بھاگے کہ مرف الدیباج تک ان کے قدم نہ جئے یہ اخیر معرکہ خا جس کی ابتداء خود عیسائیوں کی طرف سے ہوئی۔ اور جس کے بعد ان کو پھر کبھی پیش قدی کا حوصلہ نہیں ہوا۔

## حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معزول ہونا

شام کی فتوحات اور سارہ بھری (۳۳۸ء) کے واقعات میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معزول ہونا ایک اہم واقعہ ہے عام مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عنان خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ پہلا جو حکم دیا وہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معزولی تھی۔ ابن الاشر وغیرہ سب یہی لکھتے آئے ہیں۔ لیکن یہ ان کی سخت غلطی ہے۔ افسوس ہے کہ ابن الاشر کو خود اختلاف بیان کا گلی خیال نہیں خود ہی سہر بھری کے واقعات میں خالد کا معزول ہونا لکھا ہے اور خود ہی سارہ بھری کے واقعات میں ان کی معزولی کا الگ عنوان قائم کیا ہے اور دونوں جگہ بالکل ایک سے واقعات نقل کر دیے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بعض بے اعتدالیوں کی وجہ سے مدت سے ناراض تھے تاہم آغاز خلافت میں ان سے کچھ تعریض کرنا نہیں چاہا۔ لیکن چونکہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی کہ وہ کاغذات حساب دربار خلافت کو نہیں بھیجتے تھے اس لئے ان کو تاکید لکھی کہ آئندہ سے اس کا خیال رکھیں۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں لکھا کہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے سے ایسا ہی کرتا آیا ہوں۔ اور اب اسکے خلاف نہیں کر سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی یہ خود مختاری کیوں نکر پسند ہو سکتی تھی۔ اور وہ بیت المال کی رقم کو اس طرح بیداری کیوں نکر کسی کے ہاتھ میں دے سکتے تھے۔ چنانچہ خالد کو لکھا کہ تم اسی شرط پر پہ سالارہ سکتے ہو کہ فوج کے مصارف کا حساب ہیشہ بھیجتے رہو۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شرط کو نامنظور کیا۔ اور اس بناء پر وہ پہ سالاری کے عمدے سے معزول کر دیے گئے۔ چنانچہ اس واقعہ کو حافظ ابن حجر نے

کتاب الاصابہ میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال میں تفصیل سے لکھا ہے  
بایس ہمہ ان کو بالکل معزول نہیں کیا۔ بلکہ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماتحت  
کر دیا، اس کے بعد کلد ہجری (۸۳۴ء) میں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ  
عنہ نے ایک شاعر کو دس ہزار روپے انعام میں دے دیئے پرچہ نویسیوں نے اسی وقت حضرت عمر  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پرچہ لکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو عبیدہ کو خط لکھا کہ خالد  
نے یہ انعام اپنی گرفت سے دیا تو اسراف کیا۔ اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی۔ دونوں صورتوں  
میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔

خالد جس کیفیت سے معزول کئے گئے وہ سننے کے قابل ہے۔ قاصد نے جو معزولی کا خط  
لے کر آیا تھا۔ مجمع عام میں خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ ”یہ انعام تم نے کہاں سے  
دیا؟“۔ خالد اگر اپنی خطلا کا اقرار کر لیتے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم تھا کہ ان سے  
درگزر کی جائے۔ لیکن وہ خطلا کے اقرار کرنے پر راضی نہ تھے۔ مجبوراً قاصد نے معزولی کی  
علامت کے طور پر ان کے سر سے ٹوپی اتاری۔ اور ان کے سرتباہی کی سزا کے لئے انہی کے  
عمامہ سے ان کی گردن باندھی۔ یہ واقعہ کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ ایک ایسا بڑا سپہ سالار جس  
کا نظیر تمام اسلام میں کوئی شخص موجود نہ تھا۔ اور جس کی تلوار نے عراق و شام کا فیصلہ کر دیا تھا  
اس طرح ذیل کیا جا رہا ہے۔ اور مطلق دم نہیں مارتا۔ اس واقعہ سے ایک طرف تو خالد رضی  
اللہ تعالیٰ عنہ کی نیک نفسی اور حق پرستی کی شادوت ملتی ہے اور دوسری طرف حضرت عمر رضی  
اللہ تعالیٰ عنہ کی سطوت و جلال کا اندازہ ہوتا ہے۔

خالد نے حص پہنچ کر اپنی معزولی کے متعلق ایک تقریر کی۔ تقریر میں یہ بھی کہا کہ  
”میر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ کو شام کا افسر مقرر کیا۔ اور جب میں نے  
تمام شام کو زیر کر لیا تو مجھ کو معزول کر دیا۔“ اس فقرے پر ایک سپاہی اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ  
اے سروار چپ رہ! ان باتوں سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے۔“ خالد نے کہا ”ہاں! لیکن عمر رضی  
اللہ تعالیٰ عنہ کے ہوتے ہوئے فتنہ کا کیا اختصار ہے؟“

خالد مدینہ آئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ عمر  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدا کی قسم تم میرے معاملہ میں نا انصافی کرتے ہو۔“ حضرت عمر رضی اللہ  
تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ”تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی؟“۔ خالد نے کہا کہ مال غیمت  
سے۔“ اور یہ کہہ کر کہا کہ ”سماں ہزار سے جس قدر زیادہ رقم نکلے وہ میں آپ کے حوالہ کرتا

ہوں۔ ”چنانچہ میں ہزار روپے زیادہ نکلے اور وہ بیت المال میں داخل کر دیئے گئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ ”خالد! واللہ تم مجھ کو محبوب بھی ہو، اور میں تمہاری عزت بھی کرتا ہوں یہ کہہ کر تمام عمالان ملکی کو لکھ بھیجا کہ میں نے خالد کو ناراضی سے یا خیانت کی پیمانے پر موقف نہیں کیا۔ لیکن چونکہ میں دیکھتا تھا کہ لوگ ان کے مفتون ہوتے جاتے ہیں۔ اس لئے میں نے ان کا معزول کرنا مناسب سمجھا تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے۔“ میں ان واقعات سے ایک نکتہ بین شخص با آسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ خالد کی معزولی کے کیا اسباب تھے اور اس میں کیا مصلحتیں تھیں۔

## عمواس کی وبا ۱۸۷۹ءی ہجری (۲۳۹)

اس سال شام و مصر و عراق میں سخت وبا پھیلی اور اسلام کی بڑی بڑی یادگاریں خاک میں چھپ گئیں۔ وبا کا آغاز ملہ ہجری کے اخیر میں ہوا اور کئی میہنے تک نمایت شدت رہی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اول جب خبر پہنچی تو اس کی تدبیر اور انتظام کے لیے خود روانہ ہوئے سر غمہ پہنچ کر ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے جوان کے استقبال کو آئے تھے معلوم ہوا کہ بیماری کی شدت بڑھتی جاتی ہے۔ مهاجرین اولین اور انصار کو بلایا۔ اور رائے طلب کی۔ مختلف لوگوں نے مختلف رائے میں دیں۔ لیکن فتح نے یک زبان ہو کر کہا کہ آپ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ کل کوچ ہے۔ حضرت ابو عبیدہ چونکہ تقدیر کے مسئلے پر نمایت سختی کے ساتھ اعتقاد رکھتے تھے ان کو نمایت غصہ آیا۔ اور طیش میں آکر کما *أَفْرَادُ مِنْ قَدْرِ اللَّهِ يَعْلَمُ* اے عمر! تقدیر الہی سے بھاگتے ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی سخت کلامی کو گوارا کیا اور کہا۔  
*أَفْرَ منْ قَضَاءُ اللَّهِ إِلَى قَضَاءِ اللَّهِ* یعنی ہاں تقدیر الہی سے بھاگتا ہوں۔ مگر بھاگتا بھی تقدیر الہی کی طرف ہوں۔

غرض خود میں ہے چلے آئے اور ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ مجھ کو تم سے کام ہے کچھ دنوں کے لئے یہاں آ جاؤ۔ ابو عبیدہ کو خیال ہوا کہ وبا کے خوف سے بلایا ہے جواب میں لکھ بھیجا کر جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے وہ ہو گا۔ میں مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے

لئے یہاں سے مل نہیں سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خط پڑھ کر بوئے اور لکھا کہ فوج جہاں اتری ہے وہ شیب اور مرطوب جگہ ہے اس لئے کوئی عمدہ موقع تجویز کر کے وہاں اٹھ جاؤ۔ ابو عبیدہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور جابیہ میں جا کر مقام کیا۔ جو آب و ہوا کی خوبی میں مشور تھا۔ جابیہ پہنچ کر ابو عبیدہ بیمار پڑے۔ جب زیادہ شدت ہوئی تو لوگوں کو جمع کیا۔ اور نہایت پرا اثر الفاظ میں وصیت کی۔ معاذن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ اور چونکہ نماز کا وقت آپ کا تھا۔ حکم دیا کہ وہی نماز پڑھائیں اور نماز ختم ہوئی اور انہوں نے داعی اجل کو بیک کہا یہاں اسی طرح ندوں پر تھی اور فوج میں انتشار پھیلا ہوا تھا۔ عمرو بن العاص نے لوگوں سے کہا کہ یہ وہاں بلوں میں سے ہے جو بنی اسرائیل کے نامے میں مصر پر نازل ہوئی تھیں۔ اس لئے یہاں سے بھاگنا چاہئے۔ معاذن نے ساتوں منبر پر چڑھ کر خطبہ پڑھا اور کہا کہ یہ وہ بلا نہیں ہے بلکہ خدا کی رحمت ہے خطبہ کے بعد خیمه میں آئے تو بیٹھے کو بیمار پایا، نہایت استقلال کے ساتھ کہا۔ **يَا هَنِيَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ وَلَا تَكُونُنَّ مِنَ الْمُمْتَنَّ** یعنی اے فرزند یہ خدا کی طرف سے حق ہے دیکھ شہ میں نہ پڑنا۔ بیٹھے نے جواب دیا۔ مستجد فی انشاء اللہ مِنَ الصَّابِرِينَ یعنی خدا نے چاہا تو آپ مجھ کو صابر پائیں گے یہ کہ کر انتقال کیا۔ معاذ بیٹھے کو دفاتر آئے تو خود بیمار پڑے۔ عمرو بن العاص کو خلیفہ مقرر کیا اور اس خیال سے کہ زندگی خدا کے قرب کا حجابت تھی بڑے اطمینان اور مسرت سے جان دی۔

مزہب کا نش بھی عجیب چیز ہے، وہا کا وہ نور تھا اور ہزاروں آدمی طمعہ اجل ہوتے جاتے تھے لیکن معاذ اس کو خدا کی رحمت سمجھا کئے۔ اور کسی قسم کی کوئی تدبیر نہ کی، لیکن عمرو بن العاص کو یہ نہ کہ تھا۔ معاذ کے مرنے کے ساتھ انہوں نے مجتمع عام میں خطبہ پڑھا اور کہا کہ وہا جب شروع ہوتی ہے تو آگ کی طرح پھیل جاتی ہے۔ اس لئے تمام فوج کو یہاں سے اٹھ کر پہاڑوں پر جا رہنا چاہئے۔ اگرچہ ان کی رائے بعض صحابہ کو جو معاذ کے ہم خیال تھے ناپسند آئی، یہاں تک کہ ایک بزرگ نے علائیہ کہا کہ تو جھوٹ کہتا ہے تاہم عمرو نے اپنی رائے پر عمل کیا۔ فوج ان کے حکم کے مطابق اور نماز پڑھائیں پر پھیل گئی اور وہا کا خطرو جاتا رہا۔ لیکن یہ تدبیر اس وقت عمل میں آئی کہ ۵۵ ہزار مسلمان جو آدمی دنیا فتح کرنے کے لئے کافی ہو سکتے تھے موت کے مہمان ہو چکے تھے ان میں ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ معاذن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یزید بن ابی سفیان، حارث بن بشام، سعیل بن عمرو، عتبہ بن سعیل بڑے درجہ کے لوگ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان تمام حالات سے اطلاع ہوتی رہتی تھی اور

مناسب احکام صحیح رہتے تھے ؟ زید بن الی سفیان اور معاذ کے مرنے کی خبر آئی تو معاویہ کو دشمن کا اور شریل کو اردوں کا حاکم مقرر کیا۔

اس قیامت خیز و بائیکی وجہ سے فتوحات اسلام کا سیلا ب دفعہ رک گیا۔ فوج بجائے اس کے کہ مخالف پر حملہ کرتی خود اپنے حال میں گرفتار تھی، ہزاروں لڑکے یتیم ہو گئے ہزاروں عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ جو لوگ مرے تھے ان کمال و اسباب مارا مارا پھر تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عوذ بیہن کی حکومت دی اور خود ایله کو روانہ ہوئے، ریفان کا غلام اور بہت سے صحابہ ساتھ تھے۔ ایله کے قریب پہنچے تو کسی مصلحت سے اپنی سواری غلام کو دی اور خداوس کے اونٹ پر سوار ہو گئے راہ میں جو لوگ دیکھتے تھے کہ امیر امو منین کماں چیز فرماتے کہ تمارے آگے اسی حیثیت سے ایله آئے اور یہاں دو روز قیام کیا گزی کا کرتہ جو نسب بدن تھا کجاوے کی رگڑ کھا کھا کر پیچھے سے پھٹ گیا تھا۔ مرمت کے لئے ایله کے پادری کو حوالہ کیا۔ اس نے خداونپنے ہاتھ سے پونڈ لگائے اور اس کے ساتھ ایک نیا کرتہ تیار کر کے پیش کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا کرتہ پہن لیا۔ اور کماکہ اس میں پیشہ خوب جذب ہوتا ہے ایله سے دشمن آئے اور شام کے اکثر اضلاع میں دو دو چار چار دن قیام کر کے مناسب انتظامات کے فوج کی تنخواہیں تقسیم کیں۔ جو لوگ ویاء میں ہلاک ہوئے تھے ان کے دور و نزدیک کے وارثوں کو بلا کر ان کی میراث دلائی۔ سرحدی مقامات پر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ جو آسامیاں خالی ہوئی تھیں۔ ان پر نئے عمدیدار مقرر کئے ان باتوں کی دوسری تفصیل دوسرے حصے میں آئے گی۔ چلتے وقت لوگوں کو جمع کیا۔ اور جو انتظامات کے تھے ان کے متعلق تقریر کی۔

اس سال عرب میں سخت قحط پڑا اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نمایت مستعدی سے انتظام نہ کیا ہو تو ہزاروں لاکھوں آدمی بھوکوں مرجاتے اسی سال مهاجرین اور انصار اور قبائل عرب کی تنخواہیں اور بوزیں مقرر کئے چنانچہ ان انتظامات کی تفصیل دوسرے حصے میں آئے گی۔

## قیصاریہ کی فتح شوال ۱۴۹ھ/ ۱۶۲۰ء

یہ شہر بھر شام کے ساحل پر واقع ہے اور فلسطین کے اضلاع میں شمار کیا جاتا ہے۔ آج ویران پڑا ہے لیکن اس نمانے میں بہت پڑا شہر تھا۔ اور بقول بلاذری کے تین سو بازار آباد تھے اس

شرپر اول اول سہر ہجری (۵۷۴ء) میں عمرو بن العاص نے چڑھائی کی۔ اور مت تک محاصرہ کئے پڑے رہے لیکن فتح نہ ہو سکا۔ ابو عبیدہ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید بن الی سفیان کو ان کی جگہ مقرر کیا تھا۔ اور حکم دیا کہ قیساریہ کی مسما پر جائیں۔ وہ کاہر کی جمیعت کے ساتھ روانہ ہوئے اور شرکا محاصرہ کیا۔ لیکن ۸ مارچ ہجری (۵۷۹ء) میں جب بیمار ہوئے تو امیر معاویہ (اپنے بھائی) کو اپنے قائم مقام کر کے دمشق چلے آئے اور یہیں وفات پائی۔ امیر معاویہ نے بڑے سانوں سامان سے محاصرہ کیا۔ شروع اے کتنی دفعہ قلعہ سے نکل کر لڑے لیکن ہر دفعہ ٹکلت کھائی۔ تاہم شرپر قبضہ نہ ہو سکا۔ ایک دن ایک دن ایک یہودی نے جس کا نام یوسف تھا، امیر معاویہ کے پاس آگر ایک سرگ کا نشان دیا جو شرکے اندر اندر قلعہ کے دروازے تک گئی تھی۔ چنانچہ چند بہادروں نے اس کی راہ قلعہ کے اندر پہنچ کر دروازہ کھول دیا۔ ساتھ ہی تمام فوج ٹوٹ پڑی اور کشتوں کے پشتے نگاہیے مورخین کا میان ہے کہ کم سے کم عیسائیوں کی اسی ہزار فوج تھی جس میں بت کم زندہ بچی، چونکہ یہ ایک مشہور مقام تھا، اس کی فتح سے گوا شام کا مطلع صاف ہو گیا۔

## لہ جزیرہ نما ہجری (۷۶۳ء)

مدائن کی فتح سے دفعہ تمام جنم کی آنکھیں کھل گئیں عرب کو یا تو وہ تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے یا اب ان کو عرب کے نام سے لرنہ آتا تھا، اس کا یہ اثر ہوا کہ ہر ہر صوبے نے بجائے خود عرب کے مقابلے کی تیاریاں شروع کیں، سب سے پہلے جزیرہ نے ہتھیار سنجالا کیونکہ اس کی سرحد عراق سے بالکل ملی ہوئی تھی، سعد نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان حالات سے اطلاع دی وہاں سے عبد اللہ بن المعمتن مامور ہوئے اور چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس معرکہ کا خاص خیال تھا اس نے افریں کو بھی خود ہی نامزو کیا۔ چنانچہ مقدمۃ الجیش پر رجی بن الا فل، ممثہ حارث بن حسان، میسو پر فرات بن حیان، ساقہ پر ہانی بن قیس مامور ہوئے عبد اللہ بن المعمتن پانچ ہزار کی جمیعت سے مکرت کی طرف بڑھے اور شرکا محاصرہ کیا مینے سے زیادہ محاصرہ اور ۲۲۳ دفعہ حملے ہوئے چونکہ نگیوں کے ساتھ عرب کے چند قبائل یعنی ایاد، تغلب، نمر بھی شرک تھے۔ عبد اللہ نے خفیہ پیغام بھیجا اور غیرت دلائی کہ جزیرہ اس حصہ آبادی کا نام ہے جو وسط اور فرات کے بیچ میں ہے۔ اس کی حدود اربد یہ یہ مغرب آرمینیہ کا کچھ حصہ اور ایشیا کے کوچک جنوب شام، مشرق عراق، شمال آرمینیہ کے کچھ حصے۔ یہ مقام درجن فرشتہ ہے۔ مکرت جزیرہ کا سب سے آبائی شہر ہے جس کی حد عراق سے تلی جعلی ہے وجدل کے غلی جانب واقع ہے اور موصل سلاسل پر ہے۔

تم عرب ہو کر عجم کی غلامی کیوں گوارا کرتے ہو؟ اس کا اثر یہ ہوا کہ سب نے اسلام قبول کیا۔ اور کہا بھیجا کہ تم شرپر حملہ کرو ہم یعنی موقع پر عجمیوں سے ثوٹ کر تم سے آہلین گے یہ بنو بست ہو کر تاریخ میں پر دھاوا کیا عجمی مقابلہ کونکے تو خود ان کے ساتھ عربوں نے عقب سے ان پر حملہ کیا۔ عجمی دونوں طرف سے گھر کر کپا مال ہو گئے۔

یہ معرکہ اگرچہ جزیرہ کی مہمات میں شامل ہے لیکن چونکہ اس کا موقع اتفاقی طور سے عراق کے سلسلے میں آگیا تھا اس لئے موڑ خین اسلام جزیرہ کی فتوحات کو اس واقعہ سے شروع نہیں کرتے اور خداوس نمانے میں یہ معرکہ عراق کے سلسلے سے الگ نہیں خیال کیا جاتا تھا۔ عہد ہجری میں جب عراق و شام کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو سعد کے نام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم پہنچا کہ جزیرہ پر فوجیں بھیجی جائیں۔ سعد نے عیاض بن غنم کو پانچ ہزار کی جمعیت سے اس نام پر مأمور کیا۔ وہ عراق سے چل کر جزیرہ کی طرف بڑھے اور شربراہ کے قریب جو کسی نمانے میں رومان اسپاڑ کا یاد گار مقام تھا ذیرے ڈالے یہاں کے حاکم نے خفیف سی روک ٹوک کے بعد جزیرہ پر صلح کر لی۔ رہا کے بعد چند روز میں تمام جزیرہ اس سرے سے اس سرے تک فتح ہو گیا۔ جن جن مقامات پر خفیف خفیف اسیاں پیش آئیں تو ان کے نام یہ ہیں۔ رقة، حران، نصیبین، سیارہ، فارقین، سساط، سروج، قرقیبا، نوزان، عین الوردة۔

## ۱۔ خوزستان

ھدر (۳۳۴ء) ہجری میں مخیو بن شعبہ بصرہ کے حاکم مقرر ہوئے اور چونکہ خوزستان کی سرحد بصرہ سے ملی ہوئی ہے، انہوں نے خیال کیا کہ اس کی فتح کے بغیر بصرہ میں کافی طور سے امن و امان قائم نہیں ہو سکتا، چنانچہ ۲۸ ہجری (۷۳۴ء) کے شروع میں اہواز پر جس کو ایرانی ہرمز شرکتے تھے حملہ کیا۔ یہاں کے رئیس نے ایک مختصر رقم دے کر صلح کر لی۔ مخیو وہیں رک گئے۔ عہد ہجری (۷۳۸ء) میں مخیو معذول ہوئے ان کی جگہ ابو موسیٰ اشعری مقرر ہوئے۔ اس انقلاب میں اہواز کے رئیس نے سلامانہ رقم بند کر دی اور اعلانیہ بغاوت کا اظہار کیا۔ مجبوراً ابو موسیٰ اشعری نے لشکر کشی کی اور اہواز کو جا گھیر اشائی فوج جو یہاں رہتی تھی اس نے بڑی پا مروی سے مقابلہ کیا۔ لیکن آخر مغلکست کھائی اور شریخ فتح ہو گیا۔ غیمت کے ساتھ ہزاروں آدمی لوئڑی غلام بن کر تقسیم کئے گئے لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع ہوئی ۱۔ خوزستان اس حصہ آبادی کا نام ہے جو عراق اور فارس کے درمیان واقع ہے۔ اس میں ۳۷ بڑے شریون جس میں سب سے بڑا شرہ اہواز ہے جو قشہ میں درج کر دیا گیا ہے۔

تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ سب رہا کر دیئے جائیں۔ چنانچہ وہ سب چھوڑ دیئے گئے ابو موسیٰ نے اہواز کے بعد منازر کا رخ کیا، یہ خود ایک محفوظ مقام تھا۔ شروع الول نے بھی ہمت اور استقلال سے حملہ کروکا۔ اس معزرا کے میں مهاجرین زیاد جو ایک معزرا فرضتے شہید ہوئے اور قلعہ والوں نے ان کا سرکاث کر برج کے کنکل پر لٹکا دیا۔

ابو موسیٰ نے مهاجر کے بھائی رفیع کو یہاں چھوڑا اور خود سوس کو روانہ ہوئے، رفیع نے منازر کو فتح کر لیا۔ اور ابو موسیٰ نے سوس کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسبد بند کر دی، قلعہ میں کھانے پینے کا سامان ختم ہو چکا تھا۔ مجبوراً رئیس شرنشی صلح کی درخواست کی کہ اس کے خاندان کے سو آدمی زندہ چھوڑ دیئے جائیں۔ ابو موسیٰ نے منظور کیا۔ رئیس ایک آدمی کو نامزد کرتا تھا اور اس کو امن دے دیا جاتا تھا۔ بد قشی سے شمار میں رئیس نے خود اپنا نام نہیں لیا تھا۔ چنانچہ جب سو کی تعداد پوری ہو گئی تو ابو موسیٰ اشعری نے رئیس کو جو شمار سے باہر تھا قتل کر دیا۔ سوس کے بعد رامزہ کا محاصرہ ہوا۔ اور آئندہ لاکھ سالانہ پر صلح ہو گئی۔ یہ زگرد اس وقت قم میں مقیم تھا۔ اور خاندان شاہی کے تمام ارکان ساتھ تھے۔ ابو موسیٰ کی دست درازیوں کی خبریں اس کو برابر پہنچتی تھیں۔ ہرمزان نے جو شیرویہ کامیوں اور بڑی قوت کا سردار تھا یہ زگرد کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر اہواز و فارس میری حکومت میں دے دیئے جائیں تو عرب کے سیلاں کو آگے بڑھنے سے روک دوں۔ یہ زگرد نے اسی وقت فرمان حکومت عطا کر کے ایک جمیعت عظیم ساتھ دی۔ خوزستان کا صدر مقام شوستر تھا اور شاہی عمارت اور فوجی چھاؤنیاں جو کچھ تھیں ہرمزان نے وہاں پہنچ کر قلعہ کی مرمت کرائی اور خندق اور بر جوں سے مسحکم کیا اس کے ساتھ ہر طرف نقیب اور ہر کارے دوڑا دیئے کہ لوگوں کو جوش دلا کر جنگ کے لئے آمادہ کریں۔ اس تدبیر سے قومی جوش جو افسرودہ ہو گیا تھا۔ پھر تانہ ہو گیا اور چند روز میں ایک جمیعت عظیم فراہم ہو گئی، ابو موسیٰ نے دوبار خلافت کو نامہ لکھا اور مدد کی اور درخواست کی، وہاں سے عمار بن یا سر کے نام جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے حکم آیا کہ نعمان بن مقرن کو ہزار آدمی کے ساتھ مدد کو بھیجن۔ لیکن غنیم نے جو سانوں سامان کیا تھا۔ اس کے سامنے یہ جمیعت بیکار تھی، ابو موسیٰ نے دوبارہ لکھا کہ جس کے جواب میں عمار کو حکم پہنچا کر آدمی فوج کو عبد اللہ بن مسعود کے ساتھ کوفہ میں چھوڑ دو اور باتی فوج لے کر خود ابو موسیٰ کی مدد کو جاؤ، اور جری ریکل ایک بڑی فوج لے کر جلو للہ پہنچا۔ ابو موسیٰ نے اس سانوں سامان سے شوستر کا رخ کیا۔ اور شر کے قریب پہنچ کر ڈیرے ڈالے، ہرمزان کثرت فوج کے مل پر خود شر سے نکل کر حملہ آور ہوا، ابو موسیٰ نے بڑی ترتیب سے صفت آئی کی، یعنی نہ براء بن مالک کو دیا (یہ حضرت انس

رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشور صحابی) کے بھائی تھے۔ میسر پر براء بن عازب انصاری کو مقرر کیا۔ سواروں کا رسالہ حضرت انس کی رکاب میں تھا۔ دونوں فوجیں خوب جی توڑ کر لیں، براء بن مالک مارتے دھماڑتے شرمناہ کے چھانک تک پہنچ گئے، ادھر ہر مزان نہایت بہادری کے ساتھ فوج کو لڑا رہا تھا۔ عین چھانک پر دونوں کا سامنا ہوا۔ براء مارے گئے، ساتھ ہی مخراہ بن ثور نے جو میمنہ کو لڑا رہے تھے بڑھ کر وار کیا لیکن ہر مزان نے ان کا بھی کام تمام کر دیا۔ تاہم میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ عجی ایک ہزار مقتول ہوئے اور چھ سو زندہ گرفار ہوئے ہر مزان نے قلعہ بند ہو کر لڑائی جاری رکھی۔

ایک دن شرکا ایک آدمی چھپ کر ابو موسیٰ کے پاس آیا۔ اور کہا اگر میرے جان مال کو امن نہیں جائے تو میں شرپر قبضہ کر دوں گا۔ ابو موسیٰ نے منظور کیا، اس نے ایک عرب کو جس کا نام اشرس تھا ساتھ لیا۔ اور نہ سو جمل سے جو بدلہ کی ایک شاخ ہے اور شوستر کے نیچے بنتی ہے پار اتر کر ایک تھہ خانے کی راہ میں داخل ہوا۔ اور اشرس کے منہ پر چادر ڈال کر کہا کہ نوکر کی طرح میرے پیچے پیچے چلے آؤ۔ چنانچہ شرکے گلی کوچوں سے گذرتا ہوا خاص ہر مزان کے محل میں آیا۔ ہر مزان رویسوں اور دیاریوں کے ساتھ جلسے جنائے بیٹھا ہوا تھا۔ شری نے ان کو تمام عمارتیں کی سیر کرائی۔ اور موقع کے نشیب و فراز دکھائے ابو موسیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں آگے تمہاری ہمت اور تقدیر ہے، اشرس نے اس کے بیان کی تصدیق کی۔ اور کہا کہ دوسو جانباز میرے ساتھ ہوں تو شر فوراً فتح ہو جائے ابو موسیٰ نے فوج کی طرف دیکھا۔ دوسو بہادریوں نے بڑھ کر کہا کہ خدا کی راہ میں ہماری جان حاضر ہے۔ اشرس اسی تھہ خانے کی راہ شرمناہ کے دروازے پر پہنچے اور پہر دیاریوں کو تھہ تیج کر کے اندر کی طرف سے دروازے کھول دیئے اور ہر ابو موسیٰ فوج کے ساتھ موقع پر موجود تھے دروازہ کھلنے کے ساتھ تمام لشکر ثبوت پڑا اور شری میں بچل پڑ گئی۔ ہر مزان نے بھاگ کر قلعے میں پناہ لی مسلمان قلعے کے نیچے پہنچے تو اس نے برج پر چڑھ کر کہا کہ میرے ترکش میں اب بھی سوتیر ہیں۔ اور جب تک اتنی ہی لاشیں یہاں نہ بچھ جائیں میں گرفار نہیں ہو سکتا۔ تاہم میں اس شرط پر اترتا ہوں کہ تم مجھ کو مدینہ پہنچا دو۔ اور جو کچھ فیصلہ ہو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے ہو۔ ابو موسیٰ نے منظور کیا۔ اور حضرت انس کو مامور کیا کہ مدینہ تک اس کے ساتھ جائیں۔ ہر مزان بڑی شان و شوکت سے روانہ ہوا۔ بڑے بڑے ریس اور خاندان کے تمام آدمی رکاب میں لئے مدینہ کے قریب پہنچ کر شاہانہ ٹھاٹھ سے آ راستہ ہوا۔ تاج مر صبح جو آذین کے لقب سے مشور تھا۔ سر پر رکھا، دیبا کی قبانی بتن کی۔ شیاہان عجم کے طریقے کے موافق

زیور پسندے۔ کمر سے مرصع تلوار لگائی۔ غرض شان و شوکت کی تصویر بن کر مدینے میں داخل ہوا اور لوگوں سے پوچھا کہ امیر المؤمنین کماں ہیں وہ سمجھتا تھا کہ جس شخص کے دبده نے تمام دنیا میں غلظہ ڈال رکھا ہے اس کا دریار بھی بڑے سائز سامان کا ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور فرش خاک پر لیٹئے ہوئے تھے۔

ہر مزان مسجد میں داخل ہوا تو یہ نکل گئی تماشائی ساتھ تھے۔ جواس کے زرق برق لباس کو بار بار دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے۔ لوگوں کی آہت سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھ کھلی تو عجمی شان و شوکت کا مرقع سامنے تھا۔ اپر سے نیچے تک دیکھا اور حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ”یہ دنیا کے دوں کی دلفر بیساں ہیں“ اس کے بعد ہر مزان کی طرف مخاطب ہوئے اس وقت تک مترجم نہیں آیا تھا، مغیثہ بن شعبہ کچھ کچھ فارسی سے آشنا تھے اس لئے انہوں نے ترجمانی کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے وطن پوچھا۔ مغیثہ وطن کی فارسی نہیں جانتے تھے اس لئے کہا کہ ”از کدام ارضی؟“ پھر اور باتیں شروع ہوئیں۔ قادیہ کے بعد ہر مزان نے کئی دفعہ سعد سے صلح کی تھی۔ اور یہیش اقرار سے پھر جاتا تھا۔ شوستر کے معركے میں دو بڑے مسلمان افسر اس کے ہاتھ سے مارے لئے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان باتوں کا اس قدر رنج تھا کہ انہوں نے ہر مزان کے قتل کا پورا ارادہ کر لیا تھا۔ تاہم اعتمام جنت کے طور پر عرض معروض کی اجازت دی۔ اس نے کہا کہ عمر! جب تک خدا ہمارے ساتھ تھا تم ہمارے غلام تھے۔ اب خدا تمہارے ساتھ ہے اور ہم تمہارے ہیں۔ یہ کہ کر پینے کا پانی مانگا، پانی آیا تو پیا۔ ہاتھ میں لے کر درخواست کی کہ جب تک پانی نہ پی لوں مارا نہ جاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منظور کر لیا۔ اس نے پیا۔ ہاتھ سے رکھ دیا۔ اور کہا کہ میں پانی نہیں پیتا اور اس لئے شرط کے موافق تم مجھ کو قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مغالطہ پر حیران رہ گئے۔ ہر مزان نے کلمہ توحید پڑھا اور کہا کہ میں پہلے ہی اسلام لا چکا تھا لیکن یہ تدبیر اس لئے کی کہ لوگ نہ کہیں کہ میں نے تلوار کے ڈر سے اسلام قبول کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں خوش ہوئے اور خاص مدینہ رہنے کی اجازت دی۔ اس کے ساتھ دو ہزار سالانہ روزینہ مقرر کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فارس وغیرہ کی مہمات میں اکثر اس سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

شوستر کے بعد جندی سا بور پر حملہ ہوا۔ جو شوستر سے ۳۲۳ میل ہے، کئی دن تک لے ان واقعات کو طبری نے نہیں تفصیل سے لکھا ہے۔ ۲۷ عقد الفرید الابن عبد البر باب المیکدہ فی الحرب۔

محاصرہ رہا ایک دن شروالوں نے خود دروازے کھول دیئے اور نہایت اطمینان کے ساتھ تمام لوگ اپنے کاروبار میں مصروف ہوئے مسلمانوں کو ان کے اطمینان پر تجھ ہوا۔ اور اس کا سبب دریافت کیا۔ شروالوں نے کہا ”تم ہم کو جزیہ کی شرط پر امن دے چکے ہو۔ اب کیا جھگڑا رہا۔“ سب کو حیرت تھی کہ امن کس نے دیا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگوں سے چھپا کر امن کا رقد لکھ دیا ہے۔ ابو موسیٰ نے کہا کہ ”ایک غلام کی خودداری جنت نہیں ہو سکتی۔“ شروالے کہتے تھے کہ ہم آزاد اور غلام نہیں جانتے۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھ گیا۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ ”مسلمان غلام بھی مسلمان ہے۔ اور جس کو اس نے امان دے دی تمام مسلمان امان دے چکے۔“ اس شرکی فتح نے تمام خوزستان میں اسلام کا سکھہ بٹھا دیا۔ اور فتوحات کی فہرست میں ایک اور نئے ملک کا اضافہ ہو گیا۔

## بـ عراق عجم اہل بحری (۲۳۱)

جلولاً کے بعد جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ یزد گرد رے چلا گیا۔ لیکن یہاں کے رئیس آبان جادویہ نے بیوفالی کی۔ اس لئے رے سے نکل کر اصفہان اور کمان ہوتا ہوا خراسان پہنچا۔ یہاں پہنچ کر مویں اقامت کی۔ آتش پاری ساتھ تھی اس کے لئے آتش کہہ تیار کرایا۔ اور مطمئن ہو کر پھر سلطنت حکومت کے خانوں لگاؤئے۔ یہیں خبر لگی کہ عربوں نے عراق کے ساتھ خوزستان بھی فتح کر لیا۔ اور ہر مزان جو سلطنت کا زور و بازو تھا زندہ گرفتار ہو گیا۔ یہ حالات سن کر نہایت طیش میں آیا۔ اگرچہ سلطنت کی حیثیت سے اس کا وہ پہلا رعب و دباب باقی نہیں رہا تھا۔ تاہم تین ہزار بر س کا خاندانی اثر دفعہ چھوٹیں مٹ سکتا تھا۔ ایرانی اس وقت تک یہ سمجھتے تھے کہ عرب کی آندھی سرحدی مقامات تک پہنچ کر رک جائے گی اس لئے ان کو اپنی خاص سلطنت کی طرف سے اطمینان تھا۔ لیکن خوزستان کے واقعہ سے ان کی آنکھیں خلین۔ ساتھ ہی شہنشاہ کے فرماں اور نقیب پہنچے، اس سے دفعہ طبرستان، جرجان، ہاند رے، اصفہان، ہمدان سے گزر کر خراسان اور سندھ تک تلاطم پہنچ گیا۔ اور ڈیڑھ لاکھ مذہبی دل لشکر قم میں آکر ٹھہرا۔ یزد گرد نے مروان شاہ کو (ہر مزان کا فرزند تھا) سر لشکر مقرر کر کے نہادن کی طرف روانہ کیا۔ اس معزکہ میں درفش کاویانی جس کو عجم فال ظفر سمجھتے تھے۔ مبارک قالی

سرزین عراق دو حصوں پر منقسم ہے۔ مغربی حصے کو عراق عجم کہتے ہیں اور مشرقی حصے کو عراق تم کہتے ہیں عراق عجم کی حدود اربعہ یہ ہیں کہ شمال میں طبرستان، جنوب میں شیراز، مشرق میں خوزستان اور مغرب میں شرمند و اخراج۔ اس وقت اس کے بڑے شرکوں میں ہمدان اور رے بھیجے جاتے تھے۔ اس وقت رے بالکل دیران ہو گیا۔ اور اس کے تربیب طبرستان تباہ ہو گیا ہے جو شہابن قاجار کا ادارہ سلطنت ہے۔

کے لحاظ سے نکلا گیا۔ چنانچہ مروان شاہ جب روانہ ہوا تو اس مبارک علم کا پھر ۱۱۸ پر سایہ کرتا جاتا تھا۔ عمار بن یاس نے جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان حالات سے اطلاع دی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمار کا خط لئے ہوئے مسجد بنوی میں آئے اور سب کو سننا کے کہا کہ ”گروہ عرب“ اس مرتبہ تمام ایران کمرستہ ہو کر چلا ہے کہ مسلمانوں کو دنیا سے مٹا دے۔ تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟“ ٹھہ بن عبید اللہ نے اٹھ کر کہا کہ امیر المؤمنین! واقعات نے آپ کو تجویز کا ربان دیا ہے، ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے کہ آپ جو حکم دیں بجالا تھیں، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”میری رائے ہے کہ شام یعنی“ بصرہ کے افسروں کو لکھا جائے کہ اپنی اپنی فوجیں لے کر عراق کو روانہ ہوں اور آپ خود اہل حرم کو لے کر مدینہ سے اٹھیں، کوفہ میں تمام فوجیں آپ کے علم کے نیچے جمع ہوں“ اور پھر نماوند کی طرف رخ کیا جائے حضرت عثمان کی رائے کو سب نے پسند کیا لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چپ تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دیکھا وہ بولے کہ ”شام اور بصرہ سے فوجیں ہیں تو ان مقامات پر سرحد کے دشمنوں کا بقضہ ہو جائے گا۔ اور آپ نے مدینہ پھوڑا تو عرب میں قیامت بپا ہو جائے گی۔ اور خدا اپنے ملک کا تھامنا مشکل ہو جائے گا۔ میری رائے ہے کہ آپ یہاں سے نہ جائیں۔ اور شام اور یعنی“ بصرہ وغیرہ میں فرمان بھیج دیے جائیں کہ جہاں جماں جس قدر فوجیں ہیں ایک ایک شہنشاہ اور روانہ کر دی جائیں“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میری رائے بھی یہی تھی۔ لیکن تنہ اس کا فیصلہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اب یہ بحث پیش آئی کہ ایسی بڑی مہم میں پہ سالار بن کر کون جائے لوگ ہر طرف خیال دوڑا رہے تھے لیکن اس درجہ کا کوئی شخص نظر نہیں آتا تھا۔ جو لوگ اس منصب کے قابل تھے اور اور محہمات میں مصروف تھے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرتب کمال میں یہ بات بھی داخل ہے کہ انہوں نے ملک کے حالات سے ایسی واقفیت حاصل کی تھی کہ قوم کے ایک ایک فرد کے اوصاف ان کی نگاہ میں تھے۔ چنانچہ اس موقع پر حاضرین نے خود کہا کہ اس کا فیصلہ آپ سے بٹھ کر کون کر سکتا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نعمان بن مقرن کو انتخاب کیا۔ اور سب نے اس کی تائید کی نعمان تمیں ہزار کی جمیعت لے کر کوفہ سے روانہ ہوئے اس فوج میں بڑے بڑے صحابہ شامل تھے جن میں سے حذیفہ بن الیمان، عبد اللہ بن عمر، جریر بھلی، منیوہ بن شعبہ، عمرو معدی کرب زیادہ مشہور ہیں۔ نعمان نے جاسوسوں کو بھیج کر معلوم کیا کہ نماوند تک راستہ صاف ہے۔ چنانچہ نماوند تک برابر بڑھتے چلے گئے نماوند سے ۹ میل اوہرا پسہاں ایک

مقام تھا۔ وہاں پہنچ کر پڑا ذلا۔ ایک بڑی تدبیر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کی کہ فارس میں جو اسلامی فوجیں موجود تھیں ان کو لکھا کہ ایرانی اس طرف سے نہاوند کی طرف بڑھنے نہ پائیں۔ اس طرح دشمن ایک بہت بڑی مدد سے محروم رہ گیا۔

عجم نے نعمان کے پاس سفارت کے لئے پیغام بھیجا۔ چنانچہ مغیرہ بن شعبہ جو پہلے بھی اس کام کو انجام دے چکے تھے سفیر بن کر گئے۔ عجم نے بڑی شان سے درود ربار آراستہ کیا۔ مزادان شاہ کو تاج پہنا کر تخت زریں پر بٹھایا۔ تخت کے دائیں باائیں ملک ملک کے شزادے دیپائے زر کش کی قبائیں سر بر تاج زر باتھوں میں سونے کے کنگن پہن کر بیٹھے۔ ان کے پیچے دور دور تک سپاہیوں کی صفیں قائم کیں۔ جن کی بہن سہ تلواروں سے آنکھیں خیریہ ہوئی جاتی تھیں مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ مزادان شاہ نے کہا کہ اہل عرب سب سے بدجنت سب سے زیادہ فاقہ مت، سب سے زیادہ نیاپاک جو قوم ہو سکتی ہے تم ہو یہ قدر انداز جو میرے تخت کے گرد کھڑے ہیں ابھی تمہارا فیصلہ کر دیتے۔ لیکن مجھ کو یہ گوارانہ تھا کہ ان کے تیر تمہارے نیاپاک خون میں آکو وہ ہوں۔ اب بھی اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو میں تم کو معاف کر دوں گا۔ مغیرہ نے کہا ”ہاں ہم لوگ ایسے ہی ذیل تھے لیکن اس ملک میں آکر ہم کو دولت کا مزہ پڑ گیا۔ اور یہ مزہ ہم اسی وقت چھوڑیں گے جب ہماری لاشیں خاک پر بچھ جائیں غرض سفارت بے حاصل گئی۔ اور دونوں طرف جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں نعمان نے میمنہ اور میسر پر حدیفہ اور سوید بن مقرن کو مجبوہ پر تعقیع کو مقرر کیا۔ ساقہ پر مجاشع متین ہوئے ادھر میمنہ پر زدؤک اور میسر پر بھمن تھا۔ بھمیوں نے میدان جنگ میں پہلے سے ہر طرف گوکھرو بچا دیئے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو آگے پڑھنا مشکل ہوتا تھا۔ اور عجمی جب چاہتے تھے شر سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے نعمان نے یہ حالت دیکھ کر افراد کو جمع کیا۔ اور سب سے الگ الگ رائے لی۔ طلیحہ بن خالد الاسدی کی رائے کے موافق فوجیں آراستہ ہو کر شر سے چھسات میل کے فاصلہ پر تھریں اور تعقیع کو تھوڑی سی فوج دے کر بھیجا کہ شر پر حملہ آور ہوں۔ عجمی بڑے جوش سے مقابلہ کو نکلے اور اس بندوبست کے لئے کہ کوئی شخص پیچھے نہ ہٹنے پائے جس قدر بڑھتے آتے تھے گوکھرو بچاتے آتے تھے، تعقیع نے لڑائی چھیر کر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ عجمی برا برا بڑھتے چلے آئے یہاں تک کہ گوکھرو کی سرحد سے نکل آئے نعمان نے ادھر جو فوجیں جما رکھی تھیں۔ موقع کا انتظار کر رہی تھیں۔ جو نبی عجمی زد پر آئے انہوں نے حملہ کرنا چاہا۔ لیکن نعمان نے روکا عجمی جو برادر تیمور سارہ ہے تھے اس سے سینکڑوں مسلمان کام آئے لیکن افسر کی یہ اطاعت تھی کہ زخم

کھاتے تھے اور ہاتھ روکے کھڑے تھے مخفیو بار بار کہتے تھے کہ فوج بیکار ہوتی جاتی ہے اور موقع ہاتھ سے نکلا جاتا ہے لیکن نعمان اس خیال سے دوپر کے ڈھلنے کا انتظار کر رہے تھے کہ رسول اللہ جب دشمن پر حملہ کرتے تھے تو اسی وقت کرتے تھے غرض دوپر ڈھلی تو نعمان نے دستور کے موافق تین نفرے مارے پہلے نفرے پر فوج سانزو سامان سے درست ہو گئی۔ دوسرے پر لوگوں نے تلواریں قول لیں۔ تیسرا پر دفعہ حملہ کیا۔ اور اس بے جگہی سے ثوٹ کر گئے کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے میدان میں اس قدر خون ببا کہ گھوڑوں کے پاؤں پھسل پھسل جاتے تھے چنانچہ نعمان کا گھوڑا پھسل کر گرا ساتھ ہی خود بھی گرے اور زخموں سے چور ہو گئے ان کا اقیازی لباس جس سے وہ معز کے میں پہچانے جاتے تھے کلاہ اور سفید قبائلی۔ جو نبی وہ گھوڑے سے گرے نعیم بن مقرن کے بھائی نے علم کو جھپٹ کر تھام لیا اور ان کی کلاہ اور قابضن کران کے گھوڑے پر سوار ہو گئے اس تدبیر سے نعمان کے مرنے کا حال کسی کو معلوم نہ ہوا۔ اور لڑائی بدستور قائم رہی۔ اس مبارک زمانے میں مسلمانوں کو خدا نے ضبط واستقلال دیا تھا اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہو سکتا ہے نعمان جس وقت زخمی ہو کر گرے تھے اعلان کر دیا تھا کہ میں مر جھی جاؤں تو کوئی شخص لڑائی چھوڑ کر میری طرف متوجہ نہ ہو۔ اتفاق سے ایک سپاہی ان کے پاس سے نکلا دیکھا تو کچھ سانس باقی ہے اور دم توڑ رہے ہیں، گھوڑے سے اتر کر ان کے پاس بیٹھنا چاہا ان کا حکم یاد آگیا۔ اسی طرح چھوڑ کر چلا گیا۔ فتح کے بعد ایک شخص سہانے گیا۔ انہوں نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا کہ کیا انجام ہوا؟ اس نے کہا ”مسلمانوں کو فتح ہوئی“ خدا کا شکر ادا کر کے کہا ”فوراً عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دو“۔

رات ہوتے عجیبوں کے پاؤں الکڑ گئے اور بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ہمارا ان تک تعاقب کیا۔ حذیفہ بن الیمان نے جو نعمان کے بعد سر لشکر مقرر ہوئے نہاوند پہنچ کر مقام کیا۔ یہاں ایک مشہور آتش کدہ تھا۔ اس کا موبید حذیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ مجھ کو امن دیا جائے تو میں ایک متعاب بے بہا کا پتہ دوں۔ چنانچہ کسری پرویز کے نہایت بیش بہا جواہرات لَا کر پیش کئے جس کو کسری نے مشکل و قتوں کے لئے محفوظ رکھا تھا۔ حذیفہ نے مال غنیمت کو تقسیم کیا اور پانچواں حصہ مع جواہرات کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھیجا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہفتون سے لڑائی کی خبر نہیں پہنچی تھی۔ قاصد نے مژده فتح سنایا تو بے انتہا خوش ہوئے لیکن جب نعمان کا شہید ہونا سناتا تو بے اختیار روپڑے اور دیر تک سر بر ہاتھ رکھ کر روتے رہے قاصد نے اور شدای کے نام گنانے اور کہا کہ بہت سے اور لوگ بھی شہید ہوئے جن کو میں نہیں جانتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر روتے اور فرمایا کہ

”عمر نہ جانے تو نہ جانے خدا ان کو جانتا ہے جو اہرات کو دیکھ کر غصہ سے کما کے ”فوراً وابس لے جاؤ۔ اور حذیفہ سے کہو کہ پیچ کر فوج کو تقسیم کر دیں“ چنانچہ یہ جو اہرات چار کروڑ رہم کے فروخت ہوئے

اس لڑائی میں تقریباً تیس ہزار عجمی لڑکر مارے گئے اس معرکہ کے بعد عجم نے بھی کبھی زور نہیں پکڑا، چنانچہ عرب نے اس فتح کا نام فتح الفتوح رکھا۔ فیروز جس کے ہاتھ پر حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شادوت لکھی تھی۔ اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔

## ایران پر عام لشکر کشی ۱۳۲ھجری (۶۴۲ء)

اس وقت تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایران کی عام تسخیر کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ اب تک جو لڑائیاں ہوئیں وہ صرف اپنے ملک کی حفاظت کے لئے تھیں۔ عراق کا البتہ ممالک محرومہ میں اضافہ کر لیا گیا تھا۔ لیکن وہ در حقیقت عرب کا ایک حصہ تھا۔ کیونکہ اسلام سے پہلے اس کے ہر حصہ میں عرب آباد تھے۔ عراق سے آگے بڑھ کر جو لڑائیاں ہوئیں وہ عراق کے سلسلہ میں خود بخود پیدا ہوتی گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود فرمایا کرتے تھے کہ ”کاش ہمارے اور فارس کے پیچ میں آگ کا پہاڑ ہو تاکہ نہ وہ ہم پر حملہ کر سکتے نہ ہم ان پر چڑھ کر جاسکتے۔“ لیکن ایرانیوں کو کسی طرح چین نہیں آتا تھا۔ وہ ہمیشہ نئی فوجیں تیار کر کے مقابلے پر آتے تھے اور جو ممالک مسلمانوں کے قبیلے میں آپکے تھے وہاں غدر کروا دیا کرتے تھے۔ نہادن کے معرکہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر خیال ہوا۔ اور اکابر صحابہ کو بلا کر پوچھا کہ ممالک مفتودہ میں بار بار بغاوت کیوں ہو جاتی ہے۔ لوگوں نے کہا جب تک یہ گرد ایران کی حدود سے نکل نہ جائے یہ قتنہ فرو نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب تک ایرانیوں کو یہ خیال رہے گا کہ تخت کیان کا اورث موجود ہے۔ اس وقت تک ان کی امیدیں منقطع نہیں ہو سکتیں۔“

اس بناء پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عام لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کئے اور جدا جدا ممالک کے نام سے نامزدگر کے مشور افسروں کے پاس بھیجے۔ چنانچہ خراسان کا علم احتف بن قیس کو، ساپور و اردشیر کا جماش بن مسعود کو، اصلہ کا عثمان بن العاص التبغی کو، افساء کا ساریہ بن رہم الکنافی کو، کران کا سیل بن عدی کو، سیستان کا عاصم بن عمرو کو، مکران کا حکم بن عمر التبغی کو، آذربایجان کا عتبہ کو عنایت کیا۔ ۱۳۲ھجری میں یہ

افراپنے اپنے متعینہ ممالک کے طرف روانہ ہوئے چنانچہ ہم ان کی الگ الگ ترتیب کے ساتھ لکھتے ہیں۔

فتوحات کے اس سلسلے میں سب سے پہلے اصفہان کا نمبر ہے ۲۸ بھری میں عبد اللہ بن عبد اللہ نے اس صوبہ پر چڑھائی کی، یہاں کے رئیس نے جس کا نام استendar تھا۔ اصفہان کے نواح میں بڑی جمعیت فراہم کی تھی جس کے ہر اول پر شرب ہر زجاجویہ ایک پرانہ تجربہ کار افرغنا، دونوں فوجیں مقابل ہوئیں تو جاجویہ نے میدان میں آگر پکارا کہ جس کا دعوی ہو، تھا میرے مقابلہ کو آئے، عبد اللہ خود مقابلے کو آئے جاجویہ مارا گیا اور ساتھ ہی لڑائی کا بھی خاتمہ ہو گیا، استدار نے معمولی شرائط پر صلح کر لی۔ عبد اللہ نے آگے ہٹھ کر جے یعنی خاص اصفہان کا محاصرہ کیا۔ فاذوسخان یہاں کے رئیس نے پیغام بھیجا کہ دو سروں کی جانبیں کیوں ضائع ہوں، ہم تم لڑ کر خود فیصلہ کر لیں، دونوں حريف میدان آئے فاذوسخان نے توارکاوار کیا، عبد اللہ نے اس پامردی سے اس کے حملہ کا مقابلہ کیا کہ فاذوسخان کے منہ سے بے اختیار آفیں نکلیں اور کما کہ میں تم سے نہیں لڑتا چاہتا۔ بلکہ شرائص شرط پر حوالہ کرتا ہوں کہ باشندوں میں سے جو چاہے جزیہ دے کر شہر میں رہے اور جو چاہے نکل جائے عبد اللہ نے یہ شرط منظور کر لی۔ اور معاهدہ صلح لکھ دیا۔

اسی اثناء میں خبر گئی کہ ہمدان میں غدر ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قیم بن مقنون کو ادھر روانہ کیا۔ انہوں نے بارہ ہزار کی جمعیت سے ہمدان پہنچ کر محاصرہ کے سامان کئے لیکن جب محاصرہ میں دیر گلی تو اضلاع میں ہر طرف فوجیں پھیلادیں۔ یہاں تک کہ ہمدان چھوڑ کر باقی تمام مقامات فتح ہو گئے یہ حالت دیکھ کر محصوروں نے بھی ہمت ہار دی اور صلح کر لی۔ ہمدان فتح ہو گیا۔ لیکن ولیم نے رے اور آذربیجان وغیرے نامہ پیام کر کے ایک بڑی فوج فراہم کی۔ ایک طرف سے فرخان کا باب ز میں دی جاوے کا ریس تھا۔ انہوں کثیر لے کر آیا دسری طرف سے اسندیوار رستم کا بھائی پنچا۔ وادی روڈ میں یہ فوجیں مقابل ہوئیں۔ اور اس نور کارن پڑا کہ لوگوں کو نہادن کا معمر کہ یاد گیا۔ آخر ولیم نے تھکست کھائی۔ عروہ جو واقعہ جیسی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھکست کی خبر لے کر گئے تھے اس فتح کا پیغام لے کر گئے تھے تاکہ اس دن کی تلاشی ہو جائے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولیم کی تیاریاں سن کر نہایت تردد میں تھے اور امداد کا سامان کر رہے تھے کہ دفعتاً عروہ پہنچ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیال ہوا کہ شگون اچھا نہیں، بے ساختہ زبان سے انا اللہ نکلا۔ عروہ نے کما کہ آپ گھبرائیں نہیں۔ خدا نے مسلمانوں کو فتح دی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نعیم کو نامہ لکھا کہ ہمان پر کسی کو اپنا قائم مقام کر کے روانہ ہوں۔ رے کا حاکم اس وقت سیاوش تھا جو برام چوہیں کا پوتا تھا۔ اس نے دنیاوند، طبرستان، قوس، جرجان کے رئیسوں سے مدد طلب کی اور ہر جگہ سے امدادی فوجیں آئیں۔ لیکن زمیندی جس کو سیاوش سے کچھ مطالب تھا۔ نعیم بن مقرن سے آمد۔ اس کی سازش سے شر پر حملہ ہوا، اور حملہ کے ساتھ دفتار شرخ ہو گیا۔ نعیم نے زمیندی کو رے کی ریاست دی اور پرانے شر کو برباد کر کے حکم دیا کہ نئے سرے سے آباد کیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم کے مطابق نعیم نے خود رے میں قیام کیا۔ اور اپنے بھائی سوید کو قوم پر بھیجا، جو بغیر کسی جنگ کے فتح ہو گیا۔ اس فتح کے ساتھ عراق جنم پر پورا پورا بقدر ہو گیا۔

### لہ آذربایجان ۳۲۲ھجری (۶۴۳ء)

جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آذربایجان کا علم عتبہ بن فرقہ اور بکیر کو بھیجا تھا اور ان کے بڑھنے کی سمتیں بھی متین کر دی تھیں، بکیر جب میدان میں پہنچے تو اسفندیار کا سامنا ہوا، اسفندیار نے شکست کھائی اور زندہ گرفتار ہو گیا۔ دوسری طرف اسفندیار کا بھائی برام عتبہ کا سدر را ہوا وہ بھی شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اسفندیار نے بھائی کی شکست کی خبر سنی تو بکیر سے کہا کہ اب لڑائی کی آگ بجھ گئی اور میں جزیہ پر تم سے صلح کر لیتا ہوں۔ چونکہ آذربایجان انہی دونوں بھائیوں کے قبضے میں تھا۔ عتبہ نے اسفندیار کو اس شرط پر بہا کر دیا کہ وہ آذربایجان کا رئیس رہ کر جزیہ ادا کرتا رہے۔ مؤخر بلاذری کا بیان ہے کہ آذربایجان کا علم حذیفہ بن یمانی کو ملا تھا وہ نہاوند سے چل کر اردو بیتل پہنچے جو آذربایجان کا پایہ تخت تھا۔ یہاں کے رئیس نے ما جزوں "زمیند" سراہ، سبز، میانج وغیرہ سے ایک انبوہ کثیر جمع کر کے مقابلہ کیا۔ اور شکست کھائی، پھر آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہو گئی۔ حذیفہ نے اس کے بعد موقع و جیلان پر حملہ کیا۔ اور فتح کے پھریے اڑائے

اسی اثناء میں دربار خلافت سے حذیفہ کی معزولی کا فرمان پہنچا اور عتبہ بن فرقہ ان کی جگہ مقرر ہوئے۔ عتبہ کے پہنچتے پہنچتے آذربایجان کے تمام اطراف میں بغاوت پھیل چکی تھی۔ فرشت دیکھنے سے آذربایجان کا پتہ اس طرح لگے کہ شریعترک کو اس کا صدر مقام سمجھنا چاہئے (سابق میں شہر مرانہ دارالصدر تھا) بر عمد اور اردو بیتل اسی صوبہ میں آباد ہیں آذربایجان کی وجہ تیسیہ میں دو رواجیں ہیں۔ ایک یہ کہ موبد آذر آماد نے ایک آتشکده بنا لیا تھا۔ جس کا نام آذربایجان تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ آفتاب پہلوی میں آذر کے معنی آٹھ کے ہیں۔ اور بایگان کے معنی ہیں مخالف۔ یعنی نگاہ در ان آٹھ چوکے اس صوبہ میں آٹھ کدوں کی کثرت تھی۔ اس کی وجہ سے یہی نام ہو گیا جس کو عربوں نے اپنی زبان میں آذربایجان کر لیا۔

چنانچہ عتبہ نے دوبارہ ان مقامات کو فتح کیا۔

## لہ طبرستان ۲۲ مارچ بھری (۶۳۴ء)

ہم اور لکھ آئے ہیں کہ فیم نے جب رے فتح کر لیا تو ان کے بھائی سید قومس پر بڑھے اور یہ وسیع صوبہ بغیر جنگ وجدل کے قبضہ میں آگیا۔ یہاں سے جرجان جو طبرستان کا مشہور ضلع ہے۔ نہایت قریب ہے۔ سویدنے وہاں کے رئیس روز بان سے نامہ پیام کیا۔ اس نے جزیہ پر صلح کر لی۔ اور معاهدہ صلح میں بقریع لکھ دیا کہ مسلمان جرجان اور دہستان وغیرہ کے امن کے ذمہ دار ہیں۔ اور ملک والوں میں جو لوگ بیرونی حملوں کے روکنے میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے وہ جزیہ سے بری ہیں۔ جرجان کی خبر سن کر طبرستان کے رئیس نے بھی جو پسدار کہلاتا تھا اس شرط پر صلح کر لی کہ اکھدرہم سالانہ دیا کرے گا اور مسلمانوں کو ان پر یا ان کو مسلمانوں پر کچھ حق نہ ہو گا۔

## ۲ آرمینیہ

بکیر جو آذربیجان کی مہم پر مأمور ہوئے تھے آذربیجان فتح کر کے باب کے متصل پنج گئے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک نئی فوج تیار کر کے ان کی مدد کو بھیجی، باب کا رئیس جس کا نام شہر راز تھا جوی تھا۔ اور سلطنت ایران کا ماتحت تھا۔ مسلمانوں کی آمد سن کر خود حاضر ہوا۔ اور کہا مجھ کو آرمینیہ کے مکینوں سے کچھ ہمدردی نہیں ہے۔ میں ایران کی نسل سے ہوں۔ اور جب خود ایران فتح ہو چکا تو میں بھی تمہارا مطیع ہوں، لیکن میری درخواست ہے کہ مجھ سے جزیہ نہ لیا جائے جب ضرورت پیش آئے تو فوجی امدادی جائے چونکہ جزیہ درحقیقت صرف محافظت کا معاوضہ ہے اس لئے یہ شرط منظور کر لی گئی اس سے فارغ ہو کر فوجیں آگے بڑھیں۔ عبدالرحمن بن ریبعہ بملحیر کی طرف جو مملکت خرز کا پائے تخت تھا، روانہ ہوئے۔ شہر راز ساتھ تھا۔ اس نے تعجب سے کہا کہ کیا ارادہ ہے؟ ہم لوگ اپنے عمد میں اسی کو غنیمت سمجھتے تھے کہ وہ لوگ ہم پر چڑھ کرنا آئیں۔ عبدالرحمن نے کہا کہ ”لیکن میں جب تک اس لے نقشہ میں طبرستان نتوحات شاملی میں ملے گا۔ اس لئے کہ خلافت فاروقی میں جزیہ دے کر جھوڑ دیا گیا تھا۔ اس کی حدود ارجمند ہیں۔ مشرق میں خراسان و جرجان، مغرب میں آذربیجان، شمال میں جرزجان اور جنوب میں بلخیل برصام اور استر آباد اس کے مشہور شہر ہیں۔“

”صوبہ آرمینیہ کو بلا دار میں بھی کستے جو ایسا ٹے کوچک کا ایک حصہ ہے۔ شمال میں بحر اسود، جنوب میں کوہی اور صحرا کی حصہ دور تک چلا گیا ہے۔ مشرق میں گرجستان اور مغرب میں بلاد روم واقع ہیں۔ چونکہ یہ صوبہ خلافت عثمانی میں کامل فتح ہوا تھا۔ اسی لئے نقشہ میں فاروقی رنگ سے جدائے۔“

کے جگہ میں نہ گھس جاؤں باز نہیں آ سکتا۔ چنانچہ بیضا فتح کیا تھا کہ خلافت فاروقی کا زمانہ تمام ہو گیا۔ ادھر بکیر نے قان کو جہاں سے اردن کی سرحد شروع ہوتی ہے فتح کر کے اسلام کی سلطنت میں مالیا، حبیب بن مسلمہ اور حذیفہ نے تقلیس اور جیال المان کا رخ کیا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہاں اسلام کا پھریرا اڑتا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ ختم ہو گیا۔ یہ تمام مہمات حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں انجام کو پہنچیں۔

### لفارس ۳۲۳ھجری (۶۴۳ء)

فارس پر اگرچہ اول اول یاد ہجری میں حملہ ہوا۔ لیکن چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت سے نہ تھا اور نہ اس وقت چندیاں کامیابی ہوئی۔ ہم نے اس زمانے کے واقعات کے ساتھ اس کو لکھنا مناسب نہ سمجھا عراق اور اہواز جو عرب کے ہمایہ تھے فتح ہو چکے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے اور فارس کے بیچ میں آتشیں پھاڑ جائیں ہوتا تو اچھا تھا۔ لیکن فارس سے ایک اتفاقی طور پر جنگ چھڑگی علاء بن الحضری یاد ہجری میں بحرین کے عامل مقرر ہوئے وہ بڑی ہمت اور حوصلہ کے آدمی تھے اور چونکہ سعد بن وقار سے بعض اسباب کی وجہ سے رقبابت تھی۔ ہر میدان میں ان سے بڑھ کر قدم مارنا چاہتے تھے سعد نے جب قادیہ کی لڑائی جسی کو علاء کو سخت رشک ہوا یہاں تک کہ دوبار خلافت سے اجازت تک نہیں۔ اور فوجیں تیار کر کے دریا کی رواہ فارس پر چڑھائی کر دی۔ غلیدہ بن منذر سر لٹکرتے اور جارود بن المعلی اور سوار بن ہمام کے ماتحت الگ الگ فوجیں تھیں۔ اصل میز پہنچ کر جہاز نے لنگر کیا۔ اور فوجیں کنارے پر اتریں یہاں کا حاکم ایک ہیرد تھا، وہ ایک انبوہ کیش لے کر پہنچا اور دریا اتر کر اس پار صفائی قائم کیں کہ مسلمان جہاز تک پہنچنے نہ پائیں۔ اگرچہ مسلمانوں کی جمیعت نہیں کم تھی۔ اور جہاز بھی گواہ شمن کے قبیلے میں آگئے تھے۔ لیکن پس سالار فوج کی ثابت قدمی میں فرق نہ آیا۔ بڑے جوش کے ساتھ مقابلہ کو بڑھے اور فوج کو لکارا کہ مسلمانوں! بے دل نہ ہونا۔ شمن نے ہمارے جہانوں کو چھیننا چاہا ہے۔ لیکن خدا نے چاہا تو جہاز کے ساتھ و شمن کا ملک بھی ہمارا ہے۔

غلیدہ اور جارود بڑی جانبازی سے رجیز پڑھ پڑھ کر لڑے اور ہزاروں کو تباخ کیا۔ غلیدہ کا رجزیہ تھا۔

لے حال کے جغرافیہ میں عراق کی حدود گھٹا کر فارس کی حدود بڑھادی گئی ہیں۔ مگر ہم نے جس وقت کا نقشہ دیا ہے اس وقت فارس کے حدود یہ تھے۔ شمال میں اصفہان جنوب میں بحر فارس مشرق میں کران اور مغرب میں عراق عرب اس کا سب سے بڑا اور مشور قریش از ہے۔

النزاع عبد القيس بالجراح  
قدحفل الامداد وكلهم في سن المصاع  
بحسن ضرب القوم بالقطاع

غرض خت معرکہ ہوا۔ اگرچہ فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ لیکن چونکہ فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا آگے نہ بڑھ سکے پچھے ہٹنا چاہا۔ مگر غنیم نے جماز غرق کر دیئے تھے مجبور ہو کر خشکی کی راہ بصرہ کا رخ کیا۔ بد قسمتی سے ادھر بھی راہیں بند تھیں۔ ایرانیوں نے پہلے سے ہر طرف ناکے روک رکھے تھے اور جا بجا فوجیں معین کر دی تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فارس کے حملہ کا حال معلوم ہوا تو نمایت برہم ہوئے علاء کو نمایت تبدیل کا نامہ لکھا۔ ساتھ ہی عتبہ بن غزوہ ان کو لکھا کہ مسلمانوں کے بچانے کے لئے فوراً لشکر تیار ہو اور فارس پر جائے چنانچہ باہہ ہزار فوج جس کے پس سالار ابو سبرہ تھے تیار ہو کر فارس پر بڑھی اور مسلمان جہاں رکے پڑے تھے وہاں پہنچ کر ذریعے ڈالے ادھر جو سیوں نے ہر طرف نقیب دوڑا دیئے تھے اور ایک انبوہ کشہ جس کا سر لشکر شرک تھا اکٹھا کر لیا تھا۔ دونوں حریف دل توڑ کر لڑے۔ بالآخر ابو سبرہ نے فتح حاصل کی۔ لیکن چونکہ آگے بڑھنے کا حکم نہ تھا۔ بصرہ واپس چلے آئے واقعہ نہاد کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر طرف فوجیں روانہ کیں تو فارس پر بھی چڑھائی کی۔ اور جدا جدا فوجیں معین کیں۔ پار سیوں نے توج کو صدر مقام قرار دے کر یہاں بڑا سامان کیا تھا۔ لیکن جب اسلامی فوجیں مختلف مقامات پر پھیل گئیں تو ان کو بھی منتشر ہونا پڑا اور یہ ان کی شکست کا بیانچہ تھا۔ چنانچہ سابور، اردو شیر، توج، اصلخیز باری باری فتح ہو گئے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اخیر خلافت یعنی ۳۲ھ ہجری میں جب عثمان بن ابی العاص، محین کے عامل مقرر ہوئے تو شرک نے جو فارس کا مرزیاں تھا بغاوت کی اور تمام مفتوحہ مقامات باتھ سے نکل گئے عثمان نے اپنے بھائی حکم کو ایک جمیعت کشیر کے ساتھ مضم پر مامور کیا۔ حکم جزیرہ الکادان فتح کر کے توج پر بڑھے اور اس کو فتح کر کے وہیں چھاؤنی ڈال دی۔ مسجدیں تعمیر کیں۔ اور عرب کے بہت سے قبائل آباد کئے یہاں سے کبھی کبھی اٹھ کر سرحدی شروں پر حملہ کرتے اور پھر واپس آجائتے اس طرح اردو شیر سا بور اصلخیز، ارجان کے بہت سے حصے دیا لئے شرک یہ دیکھ کر نمایت طیش میں آیا۔ اور ایک فوج غنیم جمع کر کے توج پر بڑھا امشہر پہنچا تھا کہ ادھر سے حکم خود آگے بڑھ کر مقابل ہوئے شرک نے نمایت ترتیب سے صاف آرائی کی ایک دست سے پچھے رکھا کہ کوئی سپاہی

پیچھے پاؤں ہٹائے تو دیں قتل کر دیا جائے۔ غرض جنگ شروع ہوئی اور دیر تک معرکہ رہا۔ پارسیوں کو شکست ہوئی اور شرک جان سے مارا گیا۔ اس کے بعد عثمان نے ہر طرف فوجیں بھیج دیں۔ اس معرکہ سے تمام فارس میں دھاک پڑ گئی۔ عثمان نے جس طرف رخ کیا ملک کے لئے فتح ہوئے چلے گئے چنانچہ گازروں، نویند جان، ارجان، شیراز، سابور جو فارس کے صدر مقامات ہیں۔ خود عثمان کے ہاتھ سے فتح ہوئے فساعدار المحو وغیرہ فوجیں گئیں اور کامیاب آئیں۔

### ۲۳۳ھ سرہجری (۶۲۳ء)

کمان کی فتح پر سیل بن عدی مامور ہوئے تھے۔ چنانچہ ۲۳۳ھ سرہجری میں ایک فوج لے کر جس کا ہر اول بشیر، بن عمر، الحجی کی افسری میں تھا۔ کمان پر حملہ آور ہوئے یہاں کے مریزان نے قفس وغیرہ سے مدد طلب کر کے مقابلہ کیا۔ لیکن وہ خود میدان جنگ میں نسیم کے ہاتھ سے مارا گیا، چونکہ آگے کچھ روک نہ تھی۔ جیرفت اور سر جان تک فوجیں بڑھتی چل گئیں۔ اور بے شمار اونٹ اور بکبیاں غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ جیرفت کمان کا تجارت گاہ اور سر جان کمان کا سب سے بڑا شتر تھا۔

### ۲۳۴ھ سیستان سرہجری (۶۲۴ء)

یہ ملک عاصم بن عمر کے ہاتھ سے فتح ہوا۔ باشندے سرحد پر رائے نام لڑکر ہاگ نکلے عاصم برابر بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ زرنخ کا جو سیستان کا دوسرا نام ہے محاصہ کیا محسوروں نے چند روز کے بعد اس شرط پر صلح کی دعویٰ است کی کہ انکی تمام اراضی حملی سمجھی جائے مسلمانوں نے یہ شرط منظور کر لی۔ اور اس طرح وفا کی کہ جب مزروعات کی طرف نکلتے تھے تو جلدی سے گذر جاتے تھے کہ زراعت چھو تک نہ جائے اس ملک کے قبضے میں آنے سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سندھ سے لے کر سر پختہ تک جس قدر ممالک تھے ان کی فتح کی کلید ہاتھ میں آگئی۔ چنانچہ و تفاؤق تا ان ملکوں پر حملے ہوتے رہے۔

۱۔ اس کا نہیں نام کہانی ہے حدود اربد یہ ہیں۔ شمال میں کوہستان، جنوب میں بحرمنان، مشرق میں سیستان، مغرب میں فارس بہ نہاد سابق میں اس کا ادارہ صدر کو اسیر (بیوی سیر) تھا جس کی جگہ اب جیرفت آباد ہے۔  
۲۔ سیستان کو عرب بختیان کہتے ہیں۔ حدود اربد یہ ہیں۔ شمال میں ہرات، جنوب میں مکران، مشرق میں سندھ، مغرب میں کوہستان، بہ نہاد سابق میں اس کا ادارہ صدر کو اسیر (بیوی سیر) تھا جس کی جگہ اب جیرفت آباد ہے۔ رقبہ ۲۵۰۰ میل مربع ہے۔

## لہ مکران ۲۳۰ھجری (۶۲۲ء)

مکران پر حکم بن عمرو التغلبی مامور ہوئے تھے چنانچہ ساہر ہجری یہی روانہ ہو کر نصر مکران کے اس طرف فوجیں اتاریں، مکران کا بادشاہ جس کا نام راسل تھا خود پار اتر کر آیا اور صف آرائی کی؛ ایک بڑی جنگ کے بعد راسل نے ملکت کھائی اور مکران پر قبضہ ہو گیا۔ حکم نے نامہ فتح کے ساتھ چند ہاتھی بھی جو لوٹ میں آئے تھے، دبابر خلافت میں بھیجے۔ صحابہ عبدی جو نامہ فتح لے کر گئے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے مکران کا حال پوچھا، انہوں نے کہا "ارض سهلہا جبل ماء ہاوشل و نمرہا وقل و عدوہا بطل و خیرہا قلیل" و شرہا طویل والکثیر بہا قلیل۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا واقعات کے بیان کرنے میں قافیہ بندی کا کیا کام ہے انہوں نے کہا کہ میں واقعی حالات بیان کرتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ بھیجا کہ فوجیں جہاں تک پہنچ چکی ہیں وہیں رک جائیں۔ چنانچہ فتوحات فاروقی کی اخیر حد یہی مکران ہے لیکن یہ طبی کا بیان ہے۔ مؤمن بلاذری کی روایت ہے کہ دبیل کے نیشی حصہ اور تھانہ تک فوجیں آئیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں اسلام کا قدم سندھ و مندوستان میں بھی آچکا تھا۔

## خراسان کی فتح اور یزد گرد کی ہزیمت ۲۳۰ھجری (۶۲۲ء)

اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن جن افسروں کو ملک گیری کے علم بھیجے تھے ان میں اخنف بن قیس بھی تھے اور ان کو خراسان کا علم عنایت ہوا تھا۔ اخنف نے ۲۲ ہجری میں خراسان کا رخ کیا۔ یہیں ہو کر ہرات پہنچے اور اس کو فتح کر کے مردشاہ ہمسان پر پڑھے، یزد گرد شاہنشاہ فارس یہیں مقیم تھا۔ ان کی آمد سن کر مورو بود چلا گیا۔ اور

لہ علامہ بلاذری کے نزدیک تمام ماوراء النهر فرعانہ، خوارزم، خوارستان اور سیستان کا رقبہ خراسان میں داخل تھا مگر اصل پڑھے کہ اس کے حدود ہر زمانے میں مختلف رہے ہیں اس کے مشور شرمنیشاپور، موہرات، پیغ، طوس، فسا اور الی درود وغیرہ تھے۔ جن میں سے پچھلے اب بالکل دریان ہیں۔

خاقان چین اور دیگر سلاطین کو استمداد کے نامے لکھے۔ انہفت نے مردشاہ جہان پر حارش بن النعمان بیانی کو چھوڑا اور خود مروود کی طرف بڑھے یزدگرد یہاں سے بھی بھاگا۔ اور سیدھا بلخ پہنچا۔ اس اشناع میں کوفہ سے امدادی فوجیں آگئیں جس سے میمنہ و میسر و غیرہ کے افر علقمہ بن النصری، ربعی بن عامر انتیجی، عبد اللہ بن الی عقیل الشفی ابن ام غزال الحمدانی تھے۔ انہفت نے تازہ دم فوج لے کر بلخ پر حملہ کیا۔ یزدگرد نے شکست کھائی اور دریا اتر کر خاقان کی حکومت میں چلا گیا۔ انہفت نے میدان خالی پاکر ہر طرف فوجیں پھیج دیں اور نیشا پور بخارستان تک فتح کر لیا۔ مروود کو تخت گاہ قرار دے کر مقام کیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نامہ لکھا کہ خراسان اسلام کے بقدر میں آگیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوحات کی وسعت کو چند اپنے نہیں کرتے تھے خط پڑھ کر فرمایا کہ ہمارے اور خراسان کے پیچ میں آگ کا دریا حائل ہوتا تو خوب ہوتا۔ انہفت کے مردانہ حوصلوں کی اگرچہ تعریف کی اور فرمایا کہ انہفت شرقیوں کا سرستاج ہے۔ تاہم جواب میں جو نامہ اس میں لکھا کہ جہاں تک پہنچ چکے ہو وہاں سے آگے نہ بڑھنا، ادھر یزدگرد خاقان کے پاس گیا اس نے بڑی عزت و توقیر کی۔ اور ایک فوج کثیر ہمراہ لے کر یزدگرد کے ساتھ خراسان کو روانہ ہوا۔ انہفت جو میں ہزار فوج کے ساتھ پہنچ میں مقیم تھے۔ خاقان کی آمد سن کر مروود کو روانہ ہوا۔ اور وہاں پہنچ کر مقام کیا۔ خاقان بلخ ہوتا ہوا مروود پہنچا۔ یزدگرد سے الگ ہو کر مردشاہ جہان کی طرف بڑھا۔ انہفت نے کھلے میدان میں مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا، نہ رات کر ایک میدان میں جس کی پشت پر پہاڑ تھا۔ صب آرائی کی۔ دونوں فوجیں مدت تک آمنے سامنے صھیں جمائے پڑی رہیں۔ عجمی صح اور شام سازو سامان سے آراستہ ہو کر میدان جنگ میں جاتے تھے اور چونکہ ادھر سے کچھ جواب نہیں دیا جاتا تھا۔ بغیر لڑے واپس آجاتے تھے ترکوں کا عام دستور ہے کہ پہلے تین بہادر جنگ میں باری باری طبلہ دمامہ کے ساتھ جاتے ہیں پھر سارا الشکر جنبش میں آتا ہے۔ ایک دن انہفت خود میدان میں گئے ادھر سے معمول کے موافق ایک طبلہ و علم کے ساتھ نکلا۔ انہفت نے حملہ کیا۔ اور دریہ تک رسوب دل رہی آخر انہفت نے جوش میں آگ کھما۔

### ان علی کل و نیس حقاً    ان يخضب الصعدة اويندقا

قادعے کے موافق دو اور بہادر تر کی میدان میں آئے اور انہفت کے ہاتھ سے مارے گئے خاقان جب خود میدان میں آیا تو اپنے بہادروں کی لاشیں میدان میں پڑی دیکھیں، چونکہ فیگوں بر اتھا۔ نہایت پیچ و تاب کھایا اور فوج سے کما کہ ہم بے فائدہ پر ایسا جھکڑا کیوں مول لیں۔

چنانچہ اسی وقت کوچ کا حکم دے دیا۔

یزدگرد مروشا بھمان کا محاصرہ کئے پڑا تھا کہ یہ خبر پہنچی، فتح سے نامید ہو کر خزانہ اور جواہر خانہ ساتھ یا اور ترکستان کا قصد کیا درباریوں نے یہ دیکھ کر کہ ملک کی دولت ہاتھ سے نکلی جاتی ہے۔ روکا اور جب اس نے نہ مانا تو پر سر مقابلہ آگر تمام مال اور اساباں ایک ایک کر کے چھین لیا۔ یزدگرد بے سرو سامان خاقان کے پاس پہنچا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اخیر خلافت تک فرغانہ میں جو خاقان کا دارالسلطنت تھا، مقیم رہا۔ اخفف نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتح نامہ لکھا۔ قاصد میں پہنچا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام آدمیوں کو جمع کر کے مژده فتح سنایا۔ اور ایک پراثر تقریر کی۔ آخر میں فرمایا کہ آج جو سیوں کی سلطنت بیڑا و ہو گئی۔ اور اب وہ اسلام کو کسی طرح ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن اگر تم بھی راست کرداری پر ثابت قدم نہ رہے تو خدا تم سے بھی حکومت چھین کر دو سروں کے ہاتھ میں دے دے گا۔

## مصر کی فتح ۳۰ محرمی (۶۲۴)

مصر کی فتح اگرچہ فاروقی کارناموں میں داخل ہے لیکن اس کے بانی مبانی عمرو بن العاص تھے وہ اسلام سے پہلے تجارت کا پیشہ کرتے تھے اور مصر ان کی تجارت کا جواناگاہ تھا اس نے میں مصر کی نسبت گواں قسم کا خیال بھی ان کے دل میں نہ گزرا ہو گا۔ لیکن اس کی زیریزی اور شادابی کی تصویر یہیشہ ان کی نظر میں پھر تی رہتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام کا جو اخیر سفر کیا اس میں یہ ان سے ملے اور مصر کی نسبت گفتگو کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے احتیاط کے لحاظ سے انکار کیا۔ لیکن آخر ان کے اصرار پر راضی ہو گئے اور چار ہزار فوج ساتھ کر دی اس پر بھی ان کاول مطمئن نہ تھا۔ عمرو سے کہا کہ خدا کا نام لے کر روانہ ہو۔ لیکن مصر پہنچنے سے پہلے اگر میرا خط پہنچ جائے تو الٹے پھر آتا۔ عرش پہنچنے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط پہنچا۔ اگرچہ اس میں آگے بڑھنے سے روکا تھا۔ لیکن چونکہ شرطیہ حکم تھا۔ عمرو نے کہا کہ اب تو ہم مصر کی حد میں آپکے ہیں۔ (قریزی وغیرہ میں لکھا ہے کہ قاصد مقامِ رفیع میں عمرو سے ملا۔ انہوں نے اس خیال سے آگے بڑھنے سے منع کیا ہوا قاصد سے خط نہیں لیا اور کہا کہ جلدی کیا ہے منزل پر پہنچ کر لے لوں گا۔ عرش کے قریب پہنچنے تو خط لے کر کھولا اور پڑھا اور کہا کہ امیر المؤمنین نے لکھا ہے کہ "مصر نہ پہنچ پکھے ہو تو رک جانا"۔ لیکن ہم تو مصر کے حد میں آپکے لیکن عمرو بن العاص کی نسبت ایسی حیله بازی کے اتمام کی کیا ضرورت ہے۔ اولاً تو بلا ذری وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ خط ان کو عرش تی میں ملا لیکن رفیع میں ملا ہوتا بھی حرج نہیں کیونکہ رفع خود مصر میں داخل ہے)

غرض عرش سے چل کر فربا پہنچے یہ شہر بحروم کے کنارے پر واقع ہے اور گواب ویران پڑا ہے لیکن اس زمانے میں آباد تھا۔ اور جالینوس کی زیارت گاہ ہونے کی وجہ سے ایک ممتاز شرگنا جاتا تھا۔ یہاں سرکاری فوج رہتی تھی۔ اس نے شر سے نکل کر مقابلہ کیا۔ اور ایک مینے تک معزکہ کارزار گرم رہا۔ بالآخر رومیوں نے نکلت کھائی۔ عمرو فرمائے چل کر بلیس، اور ام دنین کو فتح کرتے ہوئے فرطاط پہنچے فرطاط اس زمانے میں کف و سمت میدان تھا۔ اور اس قطعہ نہیں کا نام تھا، جو دریائے نیل اور جبل مقظم کے بیچ میں واقع ہے اور جہاں اس وقت زراعت کے کھیت یا چاگاہ کے تختے تھے لیکن چونکہ یہاں سرکاری قلعہ تھا۔ اور رومی سلطنت کے حکام جو مصر میں رہتے تھے یہیں رہا کرتے تھے اس کے علاوہ چونکہ دریائے نیل پر واقع تھا، اور جہاں اور کشتیاں قلعہ کے دروازے پر اگر لگتی تھیں۔ ان وجہ سے سرکاری ضرورتوں کے لئے نہایت مناسب مقام تھا۔ عمرو نے اول اسی کو تاکا اور محاصرہ کی

تیاریاں کیں۔ موقوس جو مصر کا فرمانرو اور قیصر کا بھگدار تھا، عمرو بن العاص سے پہلے قلعہ میں پہنچا تھا۔ اور لڑائی کا بندوبست کر رہا تھا۔ قلعہ کی مضبوطی اور فوج کی قلت کو دیکھ کر عمرو نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا۔ اور اعانت طلب کی۔ انہوں نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے اور خط میں لکھا کہ ان افسروں میں ایک ایک ہزار ہزار سوار کے برابر ہے یہ افسر نبیر بن العوام، عبادہ بن الصامت، مقداد بن عمرو، سلمہ بن مخلد تھے۔ نبیر کا جو رتبہ تھا اس کے لحاظ سے عمرو نے ان کو افسر پہنچا یا۔ اور محاصرہ وغیرہ کے انتظامات ان کے ہاتھ میں دیئے۔ انہوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے چاروں طرف چکر لگایا۔ اور جہاں جہاں مناسب تھا۔ مناسب تعداد کے ساتھ سوار اور پیادے معین کئے۔ اس کے ساتھ مجنیقوں سے پھر بر سانے شروع کئے۔ اس پر پورے سات مینے گذر گئے اور فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ نبیر نے ایک دن تک آگر کہنا آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر انگلی تکوار ہاتھ میں لی اور سیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے۔ چند اور صحابہ نے ان کا ساتھ دیا۔ فصیل پر پہنچ کر سب نے ایک ساتھ تکمیر کے نعرے بلند کئے۔ ساتھ ہی تمام فوج نے نعمار اکہ قلعہ کی نئیں دال اٹھی۔ عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے بد حواس ہو کر ہاگے۔ نبیر نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور تمام فوج اندر گھس آئی۔ موقوس نے یہ دیکھ کر صلح کی درخواست کی۔ اور اسی وقت سب کو امان دے دی گئی۔

ایک دن عیسائیوں نے عمرو بن العاص اور افسران فوج کی دھوم دھام سے دعوت کی۔ عمرو بن العاص نے قبول کر لی۔ اور سیلقہ شعار لوگوں کو ساتھ لے گئے۔

دوسرے دن عمرو نے ان لوگوں کی دعوت کی۔ روی بڑے تذکر و احتشام سے آئے اور محملی کرسیوں پر بیٹھے کھانے میں خود مسلمان بھی شریک تھے۔ اور جیسا کہ عمرو نے پہلے سے حکم دیا تھا سادہ علی لباس میں تھے اور علبی انداز اور عادات کے موافق کھانے بیٹھے، کھانا بھی سادہ یعنی معمولی گوشت اور رعلی تھی۔ عربوں نے کھانا شروع کیا تو گوشت کی بوشیاں شوربے میں ڈبو کر اس نور سے دانتوں سے نوپتے تھے کہ شوربے کی چھمنٹیں اڑ کر رو میوں کے کپڑوں پر پڑتی تھیں۔ رو میوں نے کہا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جو کل ہماری دعوت میں تھے یعنی وہ ایسے گنوار اور بے سیلقہ نہ تھے عمرو نے کہا "وہ اہل الرائے تھے اور یہ سپاہی ہیں"۔

موقوس نے اگرچہ تمام مصر کے لئے معاملہ صلح لکھوایا تھا۔ لیکن ہر قل کو جب خبر ہوئی تو اس نے نمایت ناراضگی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ قبطی اگر عربوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے تو رو میوں کی تعداد کیا کم تھی۔ اسی وقت ایک عظیم الشان فوج روانہ کی کہ اسکندریہ پہنچ کر

مسلمانوں کے مقابلے کے لئے تیار ہو۔

## اسکندریہ کی فتح ۳۲۱ھجری (۶۳۱ء)

فسطاط کی فتح کے بعد عمرو نے چند روز تک یہاں قیام کیا۔ اور یہیں سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ فسطاط فتح ہو چکا۔ اجازت ہو تو اسکندریہ پر فوجیں برسائی جائیں۔ وہاں سے منظوری آئی عمرو نے کوچ کا حکم دیا۔ اتفاق سے عمرو کے خیمه میں ایک کبوتر نے گھونسلا بنایا تھا۔ خیمه اکھاڑا جانے لگا تو عمرو کی نگاہ پری حکم دیا کہ اس کو یہیں رہنے دو کہ ہمارے مہمان کو تکلیف نہ ہونے پائے چونکہ عربی میں خیمه کو فسطاط کہتے ہیں۔ اور عمرو نے اسکندریہ سے واپس آگر اسی خیمه کے قریب شریسا یا اس لئے خود شریجی فسطاط کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اور آج تک یہی نام لیا جاتا ہے۔ بہر حال اہر ہجری میں عمرو نے اسکندریہ کا رخ کیا۔ اسکندریہ اور فسطاط کے درمیان میں رو میوں کی جو آبادیاں تھیں انہوں نے سد راہ ہونا چاہا۔ چنانچہ ایک جماعت ظہیم سے جس میں ہزاروں قبلی بھی تھے فسطاط کی طرف بڑھے کہ مسلمانوں کو وہیں روک لیں۔ مقام کرون میں دونوں حریفوں کا سامنا ہوا۔ مسلمانوں نے نہایت طیش میں آگر چنگ کی اور بے شمار عیسائی مارے گئے پھر کسی نے روک ٹوک کی جرأت نہ کی۔ اور عمرو نے اسکندریہ پہنچ کر دم لیا۔ موقوں جزیہ دے کر صلح کرنا چاہتا تھا۔ لیکن رو میوں کے ڈر سے نہیں کر سکتا تھا۔ تاہم یہ درخواست کی کہ ایک مدت معین کے لئے صلح ہو جائے۔ عمرو نے انکار کیا۔ موقوں نے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے شر کے تمام آدمیوں کو حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر شریناہ کی فصیل پر مسلمانوں کے سامنے صف جما کر کھڑے ہوں، عورتیں بھی اس حکم میں داخل تھیں اور اس غرض سے کہ پچانی نہ جاسکیں انہوں نے شر کی طرف منہ کر لیا تھا۔ عمرو نے کہا بھیجا کہ ہم تمہارا مطلب سمجھتے ہیں۔ لیکن تم کو معلوم نہیں کہ ہم نے اب تک جو ملک فتح کئے کشت فوج کے بل پر نہیں کئے تمہارا بادشاہ جو ہر قل جس سازو سامان سے ہمارے مقابلے کو آیا تم کو معلوم ہے اور جو نتیجہ ہوا وہ بھی مخفی نہیں۔ موقوں نے کہا چکا ہے ”یہی عرب ہیں جنہوں نے ہمارے بادشاہ کو قسطنطینیہ پہنچا کر چھوڑا۔“ اس پر روی سردار نہایت غبہناک ہوئے موقوں کو بہت برا کہا اور لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔

مقوس کی مرضی چونکہ جنگ کی نہ تھی، اس لئے عمرو سے اقرار لے لیا تھا کہ "پونکہ میں رومیوں سے الگ ہوں، اس وجہ سے میری قوم (یعنی قبطی) کو تمہارے ہاتھ سے ضرر نہ پہنچنے پائے" قبطیوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ اس معمر کے میں دونوں سے الگ رہے بلکہ مسلمانوں کو بہت کچھ مدد دی فسلطان سے اسکندریہ تک فوج کے آگے آگے پلوں کی مرمت کر کے اور سڑکیں بناتے گئے خود اسکندریہ کے محاصرہ میں بھی رسروں وغیرہ کا انتظام انہی کی بدولت ہوا۔ رومی کبھی کبھی قلعہ سے باہر نکل نکل کر رہتے تھے ایک دن نہایت سخت معمر کے ہوا۔ تیرو خدگ سے گزرا کر تلوار کی نوبت آئی ایک رومی نے صاف سے نکل کر کہا کہ جس کا دعویٰ ہو تھا میرے مقابلے کو آئے مسلمہ بن مخلد نے گھوڑا بڑھایا۔ رومی نے ان کو نہیں پر دے سارا۔ اور جھک کر تلوار مارنا چاہتا تھا کہ ایک سوار نے آگر جان پچائی، عمرو کو اس پر اس قدر غصہ آیا کہ متاثر ایک طرف مسلمہ کے رتبہ کا بھی خیال نہ کر کے کہا کہ "زندگوں کو میدان جنگ میں آنے کی کیا ضرورت ہے"۔ مسلمہ کو نہایت ناگوار ہوا۔ لیکن مصلحت کے لحاظ سے کچھ نہ کہا۔ لٹائی کا نزور اسی طرح قائم رہا آخر مسلمانوں نے اس طرح دل توڑ کر حملہ کیا کہ رومیوں کو دیاتے ہوئے قلعہ کے اندر گھس گئے۔ دیر تک قلعہ کے صحن میں معمر کے رہا۔ آخر میں رومیوں نے سنبھل کر ایک ساتھ حملہ کیا۔ اور مسلمانوں کو قلعہ سے باہر نکال کر دروازے بند کر دیئے اتفاق یہ کہ عمرو بن العاص اور مسلمہ اور دو شخص اندر رہ گئے۔ رومیوں نے ان لوگوں کو زندہ گرفتار کرنا چاہا۔ لیکن جب ان لوگوں نے موانہ وار جان دینی چاہی تو انہوں نے کہا کہ دونوں طرف سے ایک ایک آدمی مقابلے کو نکلے، اگر ہمارا آدمی مارا گیا تو ہم تم کو چھوڑ دیں گے کہ قلعہ سے نکل جاؤ اور تمہارا آدمی مارا جائے تو تم سب ہتھیار ڈال دو۔

عمرو بن العاص نے نہایت خوشی سے منظور کیا۔ اور خود مقابلے کے لئے نکلا چاہا مسلمہ نے روکا کہ تم فوج کے سردار ہو تم پر آج چ آئی تو انتظام میں خلل ہو گا۔ یہ کہہ کر گھوڑا بڑھایا، رومی بھی ہتھیار سنجھاں چکا تھا۔ دیر تک وار ہوتے رہے بالآخر مسلمہ نے ایک ہاتھ مارا کہ رومی وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ رومیوں کو معلوم نہ تھا کہ ان میں کوئی سردار ہے۔ انہوں نے اقرار کے موافق قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اور سب صحیح سلامت باہر نکل آئے عمرو نے مسلمہ سے اپنی پہلی گستاخی کی معافی مانگی اور انہوں نے نہایت صاف دلی سے معاف کر دیا۔

محاصرہ جس قدر طول کھینچتا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زیادہ پریشانی ہوتی تھی۔ چنانچہ عمرو کو خط لکھا کہ "شاید تم لوگ وہاں رہ کر عیسائیوں کی طرح عیش پرست بن گئے۔ ورنہ فتح میں اس قدر دیر نہ ہوتی۔ جس دن میرا خط پہنچے تمام فوج کو جمع کر کے جما پر خطبہ دو

اور پھر اس طرح حملہ کرو کہ جن کو میں نے افسر کر کے بھیجا تھا فوج کے آگے ہوں اور تمام فوج ایک دفعہ دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ عمرو نے تمام فوج کو بیکجا کر کے خطبہ پڑھا اور ایک پر اثر تقریر کی کہ مجھے ہوئے جوش تازہ ہو گئے عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو رسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے تھے بلا کر کما کہ اپنا نیزہ مجھ کو دیجئے خود سر سے عمامہ اتارا اور نیزہ پر لگا کر ان کو حوالہ کیا کہ یہ سپہ سالار کا علم ہے اور آج آپ سپہ سالار ہیں۔ نبیر بن العوام اور مسلمہ بن مخلد کو فوج کا ہر اول کیا۔ غرض اس سرو سامان سے قلعہ پر دھواہ ہوا کہ پہلے ہی حملہ میں شریف فتح ہو گیا۔ عمرو نے اسی وقت معاویہ بن خدیج کو بلا کر کما کہ جس قدر تیز جاسکو جاؤ۔ اور امیر المؤمنین کو مرشدہ فتح سناؤ معاویہ اونٹی پر سوار ہوئے اور دو منزلہ سے منزلہ کرتے ہوئے مدینہ پہنچے چونکہ ٹھیک و پر کا وقت تھا۔ اس خیال سے کہ یہ آرام کا وقت ہے بارگاہ خلافت میں جانے سے پہلے سیدھے مسجد بنوی کا رخ کیا۔ اتفاق سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لوڈی اوہر آنکلی اور ان کو مسافر کی بیت دیکھ کر پوچھا کہ کون ہو اور کماں سے آئے ہو۔ انہوں نے کما کہ اسکندریہ سے۔ اس نے اسی وقت جا کر خبر کی اور ساتھ ہی واپس آئی کہ چلو تم کو امیر المؤمنین بلاتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتنا بھی انتظار نہیں کر سکتے تھے خود چلنے کے لئے تیار ہوئے اور چادر سنبحاں رہے تھے کہ معاویہ پہنچ گئے فتح کا حال سن کر نہیں پر گرے اور سجدہ شکر ادا کیا۔ اٹھ کر مسجد میں آئے اور منادی کرادی الصلوٰۃ جامعہ سنتے ہی تمام مدینہ امڈ آیا۔ معاویہ نے سب کے سامنے فتح کے حالات بیان کئے وہاں سے اٹھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کے گھر پر گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوڈی سے پوچھا کچھ کھانے کو ہے۔ وہ روٹی اور روغن نہیں لائی۔ مسمان کے آگے رکھا اور کما کہ آنے کے ساتھ میرے پاس کیوں نہیں چلے آئے انہوں نے کہا میں نے خیال کیا کہ یہ آرام کا وقت ہے شاید آپ سوتے ہوں۔ فرمایا افسوس تمہارا میری نسبت یہ خیال ہے میں دن کو سوؤں گا تو خلافت کا بار کون سنبحا لے گا۔ (یہ تمام تفصیل مقرری سے لی گئی ہے)

عمرو اسکندریہ کی فتح کے بعد فسطاط کو واپس گئے اور وہاں شہر ساتا چاہا۔ الگ الگ قطعہ متین کئے اور داغ بیل ڈال کر عرب کی سادہ وضع کی عمارتیں تیار کرائیں۔ تفصیل اس کے دوسرے حصے میں آئے گی۔

اسکندریہ اور فسطاط کے بعد اگرچہ برابر کا کوئی حریف نہیں رہا تھا۔ تاہم چونکہ مصر کے

تمام اضلاع میں رومی پھیلے ہوئے تھے۔ ہر طرف تھوڑی تھوڑی فوجیں روانہ کیں کہ آئندہ کسی خطرے کا احتمال نہ رہ جائے چنانچہ خارجہ بن حداfe العدوی فیوم، اشموتن، انخیم، بشرودات، معید اور اس کے تمام مصافتات میں چکر لگا آئے اور ہر جگہ لوگوں نے خوشی سے جزیہ دینا قبول کیا۔ اسی طرح عیمر بن وہب الجمعی نے تمپس دمیاط، تونہ، دمیرہ، شطا، و قملہ، بنا، بوہیر کو مسخر کیا، عقبہ بن عامر ابھنی نے مصر کے تمام نشیں ہے فتح کئے۔ (فتح البلدان صفحہ ۲۷)

چونکہ ان لا ایوں میں نہایت کثرت سے قبطی اور رومی گرفتار ہوئے تھے عمرو نے دربار خلافت کو لکھا کہ ان کی نسبت کیا کیا جائے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جواب لکھا کہ سب کو بلا کر کہہ دو کہ ان کو اختیار ہے کہ مسلمان ہو جائیں یا اپنے مذہب پر قائم رہیں، "اسلام قبول کریں گے تو ان کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ ورنہ جزیہ دینا ہو گا۔ جو تمام ذمیوں سے لیا جاتا ہے عمرو نے تمام قیدی جو تعداد میں ہزاروں سے زیادہ تھے، ایک جامع کئے عیسائی سرداروں کو طلب کیا اور مسلمان و عیسائی الگ الگ ترتیب سے آئے سامنے بیٹھے نجی میں قیدیوں کا گروہ تھا۔ فرمان خلافت پڑھا گیا تو بہت سے قیدیوں نے جو مسلمانوں میں کو اسلام کے ذوق سے آشنا ہو گئے تھے اسلام قبول کیا اور بہت سے اپنے مذہب پر قائم رہے جب کوئی شخص اسلام کا اظہار کرتا تھا تو مسلمان اللہ اکبر کا نعروبلند کرتے تھے اور خوشی سے بچھے جاتے تھے اور جب کوئی شخص عیسائیت کا اقرار کرتا تھا تو تمام عیسائیوں میں مبارکباد کا غل پڑتا تھا۔ اور مسلمان اس قدر غمزہ ہوتے تھے کہ بہتوں کے آنسو نکل پڑتے تھے۔ دیر تک یہ سلسہ جاری رہا اور دونوں فرق اپنے اپنے حصہ رسدی کے موافق کامیاب آئے۔ (طبی صفحہ ۲۵۸۳-۲۵۸۴)

## حضرت عمر بن الخطاب کی شہادت

(۲۳۲ زوالحجہ سالہ ہجری - ۳۲۳ عیسوی)

### (کل مدت خلافت وس برس چھ میںے چاروں)

مہینہ منورہ میں فیروز نامی ایک پارسی غلام تھا۔ جس کی کنیت ابو لولو تھی اس نے ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اگر شکایت کی کہ میرے آقا مغیب بن شعبہ نے مجھ پر بہت بھاری محسول مقرر کیا ہے، آپ کم کرا دیجئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعداد پوچھی اس نے کہا روزانہ دو درهم (قربیات آنے) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا تو کونسا پیشہ کرتا ہے، بولا کہ "نجاری نقاشی، آہنگری" فرمایا کہ "ان صنعتوں کے مقابلہ میں رقم کچھ بہت نہیں ہے۔ فیروز دل میں سخت ناراض ہو کر چلا گیا۔

دوسرے دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صبح کی نماز کو نکلے تو فیروز نجمرے کر مسجد میں آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے کچھ لوگ اس کام پر مقرر تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو صفیں درست کریں جب صفیں سیدھی ہو جائیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لاتے تھے اور امامت کرتے تھے اس دن بھی حسب معمول صفیں درست ہو چکیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امامت کے لئے بڑھے اور جوں ہی نماز شروع کی۔ فیروز نے دفعتہ گھات میں سے نکل کر چھوار کئے جن میں ایک ناف کے نیچے پڑا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً عبد الرحمن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا۔ اور خود زخم کے صدمہ سے گر پڑے۔

عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی حالت میں نماز پڑھائی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سامنے بدل پڑے تھے فیروز نے اور لوگوں کو بھی زخم کیا لیکن بالآخر پکڑا گیا اور ساتھ ہی اس نے خود کشی کر لی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگ گھرائے سب سے پہلے انہوں نے پوچھا کہ "میرا قاتل کون تھا۔ لوگوں نے کہا کہ فیروز" فرمایا کہ الحمد للہ کہ میں ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں مار گیا جو اسلام کا دعویٰ رکھتا تھا۔ لوگوں کو خیال تھا کہ زخم چند اس کاری نہیں غالباً شفا

ہو جائے چنانچہ ایک طبیب بلا یا گیا اس نے نیز "دودھ پایا۔ اور دونوں چیزوں زخم کی راہ سے باہر نکل آئیں۔ اس وقت لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ اس زخم سے جانب نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ لوگوں نے ان سے کہا کہ "اب آپ اپنا ولی عمد منتخب کرجائیے"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبد اللہ اپنے فرزند کو بلا کر کہا کہ "عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جاؤ اور کوئی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پلو میں دفن کیا جائے عبد اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے وہ روری تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلام کما اور پیغام پہنچایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ "اس جگہ کوئی اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔ لیکن آج میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے پر ترجیح دوں گی"۔ عبد اللہ واپس آئے لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر کی، بیٹی کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا کہ کیا خبر لائے؟ انہوں نے کہا کہ جو آپ چاہتے تھے فرمایا "یہی سب سے بڑی آرزو تھی"۔

اس وقت اسلام کے حق میں سب سے اہم کام تھا کہ وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا۔ تمام صحابہ بار بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کرتے تھے کہ اس میم کو آپ طے کر جائیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کے معاملہ پر مذکون غور کیا تھا۔ اور اکثر سوچا کرتے تھے بار بار لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے کچھ سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلطان و پیچاں ہیں۔

مرت کے غور و فکر پر بھی ان کے انتخاب کی نظر کسی شخص پر مجتنی نہ تھی۔ بارہا ان کے منہ سے بیساختہ آہ نکل گئی۔ کہ "افسوس اس بار گراں کا کوئی اٹھانے والا نظر نہیں آتا" تمام صحابہ میں اس وقت چھ شخص تھے جن پر انتخاب کی نگاہ پر رکھتی تھی۔ علی، عثمان، نبیر، علو، سعد بن ابی وقار، عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم، لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سب میں کچھ نہ کچھ کی پاتے تھے اور اس کا انہوں نے مختلف موقعوں پر اختصار بھی

۱۔ حضرت عمر نے اور بزرگوں کی نسبت جو خورہ گیریاں کیں ہو، ہم نے ان کو اس سے نہیں لکھا لیکن ان میں جائے کتے تھے۔ علامہ حضرت علیؓ کے متعلق جو کہتے چینی حضرت عمرؑ کی زبانی عام تاریخوں میں منقول ہے یعنی یہ کہ ان کے مزار میں خلافت ہے۔ یہ ایک خیال ہی خیال معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ تشریف تھے مگر اسی قدر جتنا طیف الزماں بزرگ ہو سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے تعلقات قریش کے کوئی بیعہ ملتی تھے کہ قریش کسی طرح ان کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ علامہ طبری نے اس محاصلے کے متعلق حضرت عمرؑ کے خیالات مکالہ کی صورت میں نقل کئے ہیں۔ ہم ان کو اس موقع پر اس لئے درج کر رہے ہیں کہ اس سے حضرت عمرؑ کے خیالات کا راز سربست معلوم ہو گا۔ مکالہ عبد اللہ بن عباسؓ سے ہوا۔ جو حضرت علیؓ کے ہم قبیلہ اور طرفدار تھے۔

حضرت عمرؑ کیوں عبد اللہ بن عباسؓ! علیؓ ہمارے ساتھ کیوں نہیں شریک ہوئے؟ (بیعتیہ الحجۃ محمد پیر)

کر دیا تھا۔ چنانچہ طبری وغیرہ میں ان کے ریمارکس بتفصیل مذکور ہیں۔ مذکورہ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب سے بہتر جانتے تھے لیکن بعض اسباب سے ان کی نسبت قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے (طبری صفحہ ۲۷۷)

غرض وفات کے وقت جب لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ ”ان چھ شخصوں میں جس کی نسبت کثرت رائے ہو وہ خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قوم اور ملک کی بہبودی کا بخیال تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عین کرب و تکلیف کی حالت میں جہاں تک ان کی قوت اور حواس نے یاد ری دی اسی دھن میں مصروف رہے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ ”جو شخص خلیفہ منتخب ہو اس کو میں وصیت کرتا ہوں کہ پانچ فرقوں کے حقوق کا نہایت خیال رکھ۔ مهاجرین، انصار، اعراب وہ اہل عرب جو اور شہروں میں جا کر آباد ہو گئے ہیں۔ اہل ذمہ (یعنی عیسائی، یہودی، پارسی جو اسلام کی رعایا تھے)“ پھر ہر ایک کے حقوق کی تصریح کی چنانچہ اہل ذمہ کے حق میں جو الفاظ

عبداللہ بن عباسؓ میں نہیں جانتا۔

حضرت عمرؓ تمہارے باپ رسول اللہؐ کے چچا، اور تم رسول اللہؐ کے پچھے بھائی ہو۔ پھر تمہاری قوم تمہاری طرفداری کیوں نہیں ہوئی؟

عبداللہ بن عباسؓ میں نہیں جانتا۔

حضرت عمرؓ لیکن میں جانتا ہوں، تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہیں کرتی تھی۔

عبداللہ بن عباسؓ کیوں؟

حضرت عمرؓ وہ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں۔ شاید تم یہ کوئے کے حضرت ابو بکرؓ نے تم کو خلافت سے محروم کر دیا۔ لیکن خدا کی فرمی یہ بات نہیں۔ ابو بکرؓ نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر وہ تم کو خلافت بنایا بھی چلتے تو ان کو ایسا کرنا تمہارے حق میں کچھ مفید نہ ہوتا۔

درست اکالہ اس سے زیادہ مفید ہے کہ مباقیں تو ہی ہیں جو سلسلے مکالہ میں گذریں کچھ نہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

حضرت عمرؓ کیوں عبد اللہ بن عباسؓ تمہاری نسبت میں بعض بعض باتیں سن اکر راتھا، لیکن میں نے اس خیال سے اس کی تحقیق نہیں کی کہ تمہاری عزت میری آنکھوں میں کہہ رہا ہو جائے۔

عبداللہ بن عباسؓ وہ کیا باتیں ہیں؟

حضرت عمرؓ میں نے ساہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافت حد ۴ ظلمان چھین لی۔

عبداللہ بن عباسؓ ٹلٹلائی نسبت تو میں نہیں کہ سکتا، کیونکہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں۔ لیکن حد اتواس کا تعجب کیا ہے۔ اپیس نے آدم پر حد کیا اور ہم لوگ آدم کی اولاد ہیں پھر محصور ہوں تو کیا تعجب ہے؟

حضرت عمرؓ افسوس خاندان نی ہام کے دلوں سے رانے رنج اور کینے نہ چائیں گے۔

عبداللہ بن عباسؓ ایسی بات نہ کیتے۔ رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہامی ہی تھے۔

حضرت عمرؓ اس تذکرے کو جانے دو۔

عبداللہ بن عباسؓ بہت مناسب (دیکھو تاریخ طبری صفحہ ۲۷۸ تا ۲۷۹)

ان مکالمات سے علاوہ اصل واقعہ کے تم اس بات کا بھی اندازہ کر سکو گے کہ حضرت عمرؓ کے مبارک عمد میں لوگ کس ولیری اور بے باکی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے۔ اور یہ زیادہ تر اسی وجہ سے تھا کہ حضرت عمرؓ خود آزادی اور حق گوئی کو قوم میں پھیلانا چاہتے تھے۔

کے وہ یہ تھے ”میں خلیفہ وقت کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ خدا کی ذمہ داری اور رسول اللہ کی ذمہ داری کا ماحاظ رکھ لیجی اہل ذمہ سے جو اقرار ہے وہ پورا کیا جائے ان کے دشمنوں سے لڑا جائے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔“

قوم کے کام سے فراغت ہو چکی تو اپنے ذاتی مطالب پر توجہ کی۔ عبداللہ اپنے بیٹے کو بلا کر کما کہ مجھ پر کس قدر قرض ہے۔ معلوم ہوا کہ چھیسای ہزار درهم، فرمایا کہ میرے متروکہ سے ادا ہو سکے تو بہتر نہ خاندان عدی سے درخواست کرنا اور اگر وہ بھی پورا نہ کر سکیں تو کل قریش سے لیکن قریش کے علاوہ اوروں کو تکلیف نہ دیتا، یہ صحیح بخاری کی روایت ہے (دیکھو کتاب المناقب باب قصہ البیع والاتفاق علی عثمان) لیکن عمر بن شیبہ نے کتاب المدینہ میں سند صحیح روایت کیا ہے کہ نافع جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام تھے، کہتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر قرض کیونکرہ سکتا تھا۔ حالانکہ ان کے ایک وارث نے اپنے حصہ وارثت کو ایک لاکھ میں بیجا تھا۔ (دیکھو فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۷ صفحہ ۵۶)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر چھیسای ہزار کا قرض ضرور تھا۔ لیکن وہ اس طرح ادا کیا گیا کہ ان کا مکونہ مکان بیچ دالا گیا۔ جس کو امیر معاویہ نے خریدا۔ یہ مکان باب السلام اور باب رحمت کے بیچ میں واقع تھا۔ اور اس مناسبت سے کہ اس سے قرض ادا کیا گیا۔ ایک مدت تک دارالقئنا کے نام سے مشہور رہا۔ چنانچہ ”خلاصۃ الواقفی اخبار دارالمصطفیٰ“ میں یہ واقعہ تفصیل مذکور ہے۔ (دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ مصر صفحہ ۲۹۔ ۳۰)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین دن کے بعد انتقال کیا۔ اور محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن موفیں ہوئے نماز جنازہ صیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔ حضرت عبد الرحمن، حضرت علی، حضرت عثمان، علیہ السلام بن ابی وقاص، عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے قبر میں اتارا اور وہ آنے کا ملتماب خاک میں چھپ گیا۔

## حصہ دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## فتوات پر ایک اجمالی نظر

پہلے حصے میں تم فتوحات کی تفصیل پڑھ آئے ہو۔ اس سے تمہارے دل پر اس عمد کے مسلمانوں کے جوش، ہمت، عزم و استقلال کا قوی اثر پیدا ہوا ہو گا۔ لیکن اسلاف کی داستان سننے میں تم نے اس کی پرواہ نہ کی ہو گی کہ واقعات کو فلسفہ تاریخی کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

لیکن ایک لکھتہ سچ مورخ کے دل میں فوراً یہ سوالات پیدا ہوں گے کہ چند صحراء نہیں نے کیونکر فارس و روم کا دفترالث ردا! کیا یہ تاریخ عالم کا کوئی مستثنی واقعہ ہے؟ آخر اس کے اسباب کیا تھے کیا ان واقعات کو سکندر و چنگیز کی فتوحات سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی؟ جو کچھ ہوا اس میں فرمایا ہوئے خلافت کا کتنا حصہ تھا؟ ہم اس موقع پر انہی سوالات کا جواب دنا چاہتے ہیں۔ لیکن اجمال کے ساتھ پہلے یہ بتاریخا ضروری ہے کہ فتوحات فاروقی کی وسعت اور اس کے حدود اربعہ کیا تھے۔

## فتوات فاروقی کی وسعت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ ۲۲۵۳۰ میل مربع یعنی مکہ سے شمال کی جانب ۶۰۰ میل مشرق کی جانب کے ۸۰۰ میل جنوب کی جانب ۸۰۰ میل میں تھا۔

مغرب کی جانب چونکہ صرف جدہ تک حد حکومت تھی اس لئے وہ قابل ذکر نہیں۔ اس میں شام، مصر، عراق، جزیرہ خوزستان، عراق، بحیرہ آرمینیہ، اور ریاست یونان، فارس، کران، خراسان اور مکران جس میں بلوجستان کا حصہ آجاتا ہے شامل تھا، ایشیا کے کوچک پر جس کو اہل عرب روم کہتے ہیں۔ ہر ہجری میں حملہ ہوا تھا لیکن وہ فتوحات کی فہرست میں شمار ہونے کے قابل نہیں۔ یہ تمام فتوحات خاص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فتوحات ہیں۔ اور اس کی تمام مدت دس برس سے کچھ ہی زیادہ ہے۔

## فتح کے اسباب یورپیں مؤرخوں کی رائے کے موافق

پسلے سوال کا جواب یورپیں مؤرخوں نے یہ دیا ہے کہ اس وقت فارس و روم دونوں سلطنتیں ادنیج اقبال سے گردھی تھیں۔ فارس میں خسرو پوریز کے نظام سلطنت بالکل درہم برہم ہو گیا تھا۔ کیونکہ کوئی لاکن شخص جو حکومت کو سنبھال سکتا ہو موجود نہ تھا اور بار کے عہدین وار کان میں سازشیں شروع ہو گئی تھیں۔ اور انہی سازشوں کی بدولت تخت نشینوں میں اہل بدл ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ تین چار برس کے عرصے میں ہی عنان حکومت چھ ساتھ فرمانرواؤں کے ہاتھ میں آئی اور نکل گئی۔ ایک اور وجہ یہ ہوئی کہ نو شیروان سے کچھ پسلے مزوکیہ فرقہ کا بہت نزور ہو گیا تھا۔ جو الحاد وزندقة کی طرف مائل تھا۔ نو شیروان نے گو تلوار کے ذریعے سے اس مذہب کو دبا دیا تھا۔ لیکن بالکل مٹانہ سکا۔ اسلام کا قدم جب فارس میں پہنچا تو اس فرقے کے لوگوں نے مسلمانوں کو اس حیثیت سے اپنا پشت پناہ سمجھا کہ وہ کسی کے مذہب و عقائد سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ عیسائیوں میں نسٹورین فرقہ جس کو اور کسی حکومت میں پناہ نہیں ملتی تھی وہ اسلام کے سایہ میں اگر مخالفوں کے ظلم سے نجیگیا، اس طرح مسلمانوں کو دو بڑے فرقوں کی ہمدردی اور اعانت مفت میں ہاتھ آگئی، روم کی سلطنت خود کمزور ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ عیسائیت کے باہمی اختلافات ان دنوں نزول پر تھے اور چونکہ اس وقت تک مذہب کو نظام حکومت میں دخل تھا اس لئے اس اختلاف کا اثر نہ ہی خیالات تک محدود نہ تھا بلکہ اس کی وجہ سے خود سلطنت کمزور ہوتی جاتی تھی۔

## یورپیں مؤرخین کی رائے کی غلطی

یہ جواب گواہیت سے خالی نہیں، لیکن جس قدر واقعیت ہے اس سے زیادہ

طرزاً سدلال کی طبع سازی ہے۔ جو یورپ کا خاص انداز ہے بے شہر اس وقت فارس و روم کی سلطنتیں اصلی عوچ پر نہیں رہی تھیں۔ لیکن اس کا صرف اس قدر نتیجہ ہو سکتا تھا کہ وہ پر زور قوی سلطنت کا مقابلہ نہ کر سکتیں نہ یہ کہ عرب ہمیشہ سرو سامان قوم سے گلرا کر پر زے پر زے ہو جاتیں روم و فارس گو کسی حالت میں تھے تاہم فتوں جنگ میں ماہر تھے یونان میں خاص قواعد حرب پر جو کتابیں لکھی گئی تھیں اور جواب تک موجود ہیں رومیوں میں ایک مدت تک ان کا عملی رواج رہا۔ ان کے ساتھ رسم کی فراوانی سرو سامانی کی بہتات "آلات جنگ" کے تنوع فوجوں کی کثرت میں کی نہیں آئی تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کسی ملک پر چڑھ جانا نہ تھا بلکہ اپنے ملک میں اپنے قلعوں میں اپنے مورچوں میں رہ کر اپنے ملک کی حفاظت کرنی تھی؛ مسلمانوں کے حملے سے ذرا ہی پہلے خروپریز کے عمد میں جو ایران کی شان و شوکت کا عین شباب تھا۔ قیصر روم نے ایزان پر حملہ کیا اور ہر ہر قدم پر فتوحات حاصل کرتا ہوا اصفہان تک پہنچ گیا۔ شام کے صوبے جو ایرانیوں نے چھین لئے تھے واپس لے لئے اور نئے ہرے سے نظم و ننق قائم کیا۔

ایران میں خروپریز تک تو عموماً مسلم ہے کہ سلطنت کو نہایت جاہ جلال تھا۔ خروپریز کی وفات سے اسلامی حملے تک صرف تین چار برس کی مدت ہے۔ اتنے تھوڑے عرصے میں ایسی قوم اور قدیم سلطنت کماں تک کمزور ہو سکتی تھی۔ البتہ تخت نشینوں کی اول بدل سے نظام میں فرق آگیا تھا۔ لیکن چونکہ سلطنت کے اجزاء یعنی خزانہ، فوج اور محاصل میں کوئی کم نہیں آئی تھی۔ اس لئے جب یزوگر و تخت نشین ہوا اور درباریوں نے اصلاح کی طرف توجہ کی تو فوراً نئے سرکے سے وہی ٹھاٹھ قائم ہو گئے مزوكیہ فرقہ گوایران میں موجود تھا۔ لیکن ہم کو تمام تاریخ میں ان سے کسی قسم کی مدد ملنے کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح فرقہ نسٹورین کی کوئی اعانت ہم کو معلوم نہیں۔ عیسائیت کے اختلاف مذہب کا اثر بھی کسی واقعہ خود یورپیں مؤثر خوں نے کہیں نہیں بتایا۔

اب عرب کی حالت دیکھو! تمام فوجیں جو مصراو ایران و روم کی جنگ میں مصروف تھیں ان کی مجموعی تعداد کبھی ایک لاکھ تک بھی نہ پہنچی۔ فتوں جنگ سے واقفیت کا یہ حال تھا کہ یہ موک پہلا معرکہ ہے جس میں عرب نے تعبید کے طرز پر صرف آرائی کی۔ خود زرہ، چلتہ، جوش، بکتر، چار آئینہ، آہنی دستائے، جہلم موزے، جو ہر ایرانی سپاہی کا لازمی ملبوس جنگ کے تھا۔ اس میں سے عربوں کے پاس صرف زرہ تھی اور وہ بھی اکثر چڑھے کی ہوتی تھی۔ رکاب

۱۔ این تیبہ نے اخبار اللوال میں لکھا ہے۔ یہ چیز ہر سپاہی کو استعمال کرنی پڑتی تھیں۔

لوہے کے بجائے لکڑی کی ہوتی تھی۔ آلات جنگ میں گرنومند سے عرب بالکل آشناز تھے تیر تھے لیکن ایسے چھوٹے اور کم حیثیت کے قادیہ کے معركے میں ایرانیوں نے جب پہلے پہل ان کو دیکھا تو سمجھا کہ تکلے ہیں۔

## فتوات کے اصلی اسباب

ہمارے نزدیک اس سوال کا اصلی جواب صرف اس قدر ہے کہ مسلمانوں میں اس وقت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت جو جوش، عزم، استقلال بلند حوصلگی، دلیری پیدا ہو گئی تھی۔ اور جس کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور بنیادہ قوی اور تیز کر دیا تھا۔ روم اور فارس کی سلطنتیں عین عروج کے زمانے میں بھی اس کی مکر نہیں اٹھا سکتی تھیں۔ البتہ اس کے ساتھ اور جیزیں بھی مل گئی تھیں۔ جنہوں نے فتوحات میں نہیں بلکہ قیام حکومت میں مدد دی۔ اس میں سب سے مقدم جیز مسلمانوں کی راست بازی اور رویانہ اداری تھی۔ جو ملک فتح ہوتا جاتا تھا وہاں کے لوگ مسلمانوں کی راست بازی کے اس قدر گرویدہ ہو جاتے تھے کہ باوجود اختلاف مذہب کے ان کی سلطنت کا زوال نہیں چاہتے تھے یہ موک کے معركہ میں مسلمان جب شام کے اضلاع سے نکلے تو تمام عیسائی رعایا نے پکار کہ ”خدا تم کو پھر اس ملک میں لائے“ اور یہودیوں نے تورت ہاتھ میں لے کر کہا کہ ”ہمارے جیتے جی قیصر اب یہاں نہیں آسکتا۔“

رومیوں کی حکومت جو شام و مصر میں تھی وہ بالکل جابرانہ تھی۔ اس لئے رومیوں نے جو مقابلہ کیا وہ سلطنت اور فوج کے نور سے کیا۔ رعایا ان کے ساتھ نہ تھی۔ مسلمانوں نے جب سلطنت کا زور توڑا تو آگے مطلع صاف تھا۔ یعنی رعایا کی طرف سے کسی قسم کی مراحمت نہ ہوئی البتہ ایران کی حالت اس سے مختلف تھی۔ وہاں سلطنت کے نیچے بست سے بڑے بڑے رئیس تھے جو بڑے بڑے اضلاع اور صوبوں کے مالک تھے وہ سلطنت کے لئے نہیں بلکہ خود اپنی ذاتی حکومت کے لئے لڑتے تھے یہی وجہ تھی کہ پائے تخت کے فتح کر لینے پر بھی فارس میں ہر قدم پر مسلمانوں کو مراحمتیں پیش آئیں لیکن عام رعایا وہاں بھی مسلمانوں کی گزویہ ہوئی جاتی تھی۔ اور اس لئے فتح کے بعد بقاۓ حکومت میں ان سے بہت مدد ملتی تھی۔

ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کا اول اول حملہ شام و عراق پر ہوا۔ اور دونوں مقامات میں کثرت سے عرب آباد تھے شام میں دمشق کا حاکم غسانی خاندان تھا جو برائے نام

قیصر کا حکوم تھا۔ عراق میں بھی خاندان والے دراصل ملک کے مالک تھے گو کسی کو خراج کے طور پر کچھ دیتے تھے ان عربوں نے اگرچہ اس وجہ سے کہ عیسائی ہو گئے تھے اول اول مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن قوی اتحاد کا جذبہ رایہگاں نہیں جاسکتا تھا۔ عراق کے بڑے بڑے رئیس بست جلد مسلمان ہو گئے اور مسلمان ہو جانے پر وہ مسلمانوں کے دست و پانوں میں ہلان گئے۔ شام میں بھی آخر عربوں نے اسلام قبول کر لیا اور روپیوں کی حکومت سے آزاد ہو گئے۔ سکندر اور چنگیز وغیرہ کا نام یہاں بالکل بے موقع ہے، بے شہہ ان دونوں نے بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں۔ لیکن کیونکر؟ قتل، ظلم اور قتل عام کی بدولت چنگیز کا حال تو سب کو معلوم ہے۔

### سکندر وغیرہ کی فتوحات کا موازنہ

سکندر کی یہ کیفیت ہے کہ جب اس نے شام کی طرف شر صور کو فتح کیا تو جو نکد وہاں کے لوگ دیر تک جم کر لئے تھے اس نے قتل عام کا حکم دیا اور ایک ہزار شریوں کے سر شرپناہ کی دیوار پر لٹکا دیے۔ اس کے ساتھ ۳۰ ہزار باشندوں کو لوٹدی غلام بنا کر بیچ دیا۔ جو لوگ قدیم باشندے اور آزادی پسند تھے ان میں ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑا اسی طرح فارس میں جب اصلاح کو فتح کیا تو تمام مردوں کو قتل کر دیا۔ اسی طرح کی اور بھی بے رحمیاں اس کے کارناموں میں مذکور ہیں۔ عام طور پر مشہور ہے کہ ظلم اور ستم سے سلطنت برپا ہو جاتی ہے یہ اس لحاظ سے صحیح ہے کہ ظلم کی بقا نہیں۔ چنانچہ سکندر اور چنگیز کی سلطنتیں بھی دیرپاہنہ ہوئیں لیکن فوری فتوحات کے لئے اسی قسم کی سفاکیاں کارگر ثابت ہوئی ہیں۔ ان کی وجہ سے ملک کاملک مروع ہو جاتا ہے اور جو نکہ رعایا کا بڑا گروہ ہلاک ہو جاتا ہے اس لئے بغاوت و فساد کا اندیشہ باقی نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ چنگیز، بخت نصر، تیمور نادر جتنے بڑے بڑے فوجی گذرے ہیں سب کے سب سفاک بھی تھے۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فتوحات میں کبھی سر مو قانون، انصاف سے تجاوز نہیں ہو سکتا تھا، آدمیوں کا قتل عام ایک طرف درختوں کے کامنے تک کی اجاتت نہ تھی۔ بچوں اور بوڑھوں سے بالکل تعریض نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بجز عین معزکہ کارزار کے کوئی شخص قتل نہیں کیا جاسکتا تھا وہ من سے کسی موقع پر بد عمدی یا فریب وہی نہیں کی جاسکتی تھی۔ افراد کو تأکیدی احکام دیتے جاتے تھے۔

۱۔ آگے چل کر ایک موقع پر ہم نے ان کے نام بھی تفصیل سے لکھے ہیں۔

**فَانْ قَاتِلُوكُمْ فَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تَمْثِلُوا وَلَا تَقْتِلُوا وَلِيَدًا**

(کتاب المراج صفحہ ۳۰)

”لیعنی دشمن تم سے لڑائی کریں تو ان سے فریب نہ کرو۔ کسی کی ناک  
کا نہ کاٹو۔ کسی بچے کو قتل نہ کرو۔“

جو لوگ مطیع ہو کر باغی ہو جاتے تھے ان سے دوبارہ اقرار لے کر درگزدہ کی جاتی تھی  
یہاں تک کہ جب عربوس والے تین تین دفعہ متواترا اقرار کر کے پھر گئے تو صرف اس قدر  
کیا کہ ان کو وہاں سے جلاوطن کر دیا لیکن اس کے ساتھ ان کی کل جائیداد مقبوضہ کی قیمت ادا  
کر دی خبر کے یہودیوں کو سازش اور بغاوت کے جرم میں نکلا تو ان کی مقبوضہ اراضیات کا  
معاوضہ دیے دیا اور اضلاع کے حکام کو احکام بھیج دیئے کہ جدھر سے ان لوگوں کا گذر ہو ان کو  
ہر طرح کی اعانت دی جائے اور جب کسی شر میں قیام پزیر ہو تو ایک سال تک ان سے جزیہ  
نہ لیا جائے

جو لوگ فتوحات فاروقی کی حریت انگلیزی کا جواب دیتے ہیں کہ دنیا میں اور بھی ایسے  
فائق گزرے ہیں ان کو یہ دکھانا چاہئے کہ اس احتیاط اس قید اس پابندی اس درگذر کے ساتھ  
دنیا میں کس حکمران نے ایک چپہ بھرنیں بھی فتح کی ہے۔

اس کے علاوہ سکندر اور چینگیز وغیرہ خود ہر موقع اور ہر جنگ میں شریک رہتے تھے  
اور خود پہ سالار بن کر فوج کو لڑاتے تھے۔ اس کی وجہ سے علاوہ اس کے کہ فوج کو ایک ماہ پر  
سالار ہاتھ آتا تھا۔ فوج کے دل قوی رہتے تھے اور ان میں بالطبع اپنے آقا پر فدا ہو جانے کا  
جو ش پیدا ہوتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام مدت خلافت میں ایک دفعہ بھی کسی جنگ میں  
شریک نہیں ہوئے فوجیں ہر جگہ کام کر رہی تھیں۔ البتہ ان کی باگ حضرت عمر رضی اللہ  
تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ ایک اور صریحی فرق یہ ہے کہ سکندر وغیرہ کی فتوحات  
گذرنے والے بادل کی طرح تھیں ایک دفعہ نور سے آیا اور نکل گیا۔ ان لوگوں نے جو  
مالک فتح کئے وہاں کوئی نظم حکومت نہیں قائم کیا۔ برخلاف اس کے فتوحات فاروقی میں یہ  
استواری تھی کہ جو ممالک اس وقت فتح ہوئے تھے سو برس گذرنے پر آج بھی اسلام کے قبضے  
میں ہیں اور خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ہر قسم کے ملکی انتظامات وہاں قائم ہو  
گئے تھے۔

## فتوات میں حضرت عمر بن الخطاب کا اختصاص

آخر سوال کا جواب عام رائے کے موافق یہ ہے کہ فتوحات میں خلیفہ وقت کی چند اس تحقیق نہ تھی۔ اس وقت کے جوش اور عزم کی جو حالت تھی وہ خود تمام فتوحات کی کفیل تھی۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نامے میں بھی تو آخر وہی مسلمان تھے لیکن کیا نتیجہ ہوا؟ جوش اور اثر بے شہر برقی قوتیں ہیں۔ لیکن یہ قوتیں اسی وقت کام دے سکتی ہیں جب کام لینے والا بھی اسی زور قوت کا ہو۔ قیاس اور استدلال کی ضرورت نہیں واقعات خداوس کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ فتوحات کے تفصیلی حالات پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام فوج پتلی کی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشاروں پر حرکت کرتی تھی۔ اور فوج کا جو نظم و نسق تھا وہ خاص ان کی سیاست و تدبیر کی بدولت تھا۔ اسی کتاب میں آگے چل کر جب تم مفصل طور پر پڑھو گے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کی ترتیب، فوجی مشقیں، یارکوں کی تغیر، گھونٹوں کی پراخت قلعوں کی حفاظت، جائزے اور گرمی کے لحاظ سے حملوں کا تعین، فوج کی نقل و حرکت، پرچہ نوی کی انتظام، افران فوجی کا انتخاب، قلعہ میں آلات کا استعمال، یہ اور اس قسم کے امور کے متعلق کیا کیا انتظام خود ایجاد کئے اور ان کو کس عجیب و غریب نزرو وقت کے ساتھ قائم رکھا تو تم خود فیصلہ کر لو گے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بغیر یہ کل مطلق کام نہیں دے سکتی تھی۔

عراق کی فتوحات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درحقیقت خود پر سالاری کا کام کیا تھا۔ فوج جب مدینہ سے روانہ ہوئی تو ایک ایک منزل بلکہ راستہ تک خود مقین کر دیا تھا اور اس کے موافق تحریری احکام بھیجتے رہتے تھے۔ فوج قادریہ کے قریب پنجی تو موقع کا نقشہ منگوا بھیجا اور اس کے لحاظ سے فوج کی ترتیب اور صاف آرائی کے متعلق بدایتیں بھیجیں جس قدر افسر جن جن کاموں پر مأمور ہوتے تھے ان کے خاص حکم کے موافق مأمور ہوئے تھے۔ تاریخ طبری میں عراق کے واقعات کو تفصیل سے دیکھو تو صاف نظر آتا ہے کہ ایک بڑا سپہ سالار دور سے تمام فوجوں کو لڑا رہا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اس کے اشاروں پر ہوتا ہے ان تمام لڑائیوں میں جو دس برس کی مدت میں پیش آئیں سب سے زیادہ خطرباک دو موقعے تھے ایک نہاوند کا معزکہ جب ایرانیوں نے فارس کے صوبجات میں ہر جگہ نقیب دوڑا کر تمام ملک

میں آگ لگادی تھی۔ اور لاکھوں فوج میا کر کے مسلمانوں کی طرف پڑھتے تھے۔ وہ سرے جب قیصر بیرون نے جزیرہ والوں کی اعانت سے دوبارہ محض پرچھائی کی تھی ان دونوں معزکوں میں صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حسن تدبیر تھی؛ جس نے ایک طرف ایک اٹھتے ہوئے طوفان کو دبا دیا۔ اور دوسری طرف ایک کوہ گراں کے پرچھے اڑادیئے چنانچہ ہم ان واقعات کی تفصیل پسلے حصے میں لکھ آئے ہیں۔

ان واقعات کی تفصیل کے بعد یہ دعویٰ صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ جب سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے آج تک کوئی شخص فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر فاتح اور کشورستان نہیں گزرا جو فتوحات اور عدل دونوں کا جامع ہو۔

## نظام حکومت

اسلام میں خلافت یا حکومت کی بنیاد اگرچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمد میں پڑی۔ لیکن حکومت کا دور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمد سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو سالہ خلافت میں اگرچہ بڑی بڑی مہمات کا فیصلہ ہوا۔ یعنی عرب کے مردوں کا خاتمہ ہو گیا۔ اور یہوں فتوحات شروع ہوئیں۔ تاہم حکومت کا کوئی خاص نظام نہیں قائم ہوا۔ اور نہ اتنا مختصر زمانہ اس کے لئے کافی ہو سکتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک طرف تو فتوحات کو وسعت دی کہ قیصر و کسری کی وسیع سلطنتیں ٹوٹ کر عرب میں مل گئیں۔ دوسری طرف حکومت و سلطنت کا نظام قائم قائم کیا اور اس کو اس قدر ترقی دی کہ ان کی وفات تک حکومت کے جس قدر مختلف شعبے ہیں سب وجود میں آچکے تھے۔

لیکن قبل اس کے کہ ہم حکومت کے قوانین و آئین کی تفصیل بتائیں پہلے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس حکومت کی ترکیب اور ساخت کیا تھی؟ یعنی شخصی تھی یا جمہوری؟ اگرچہ اس وقت عرب کا تمدن جس حد تک پہنچا تھا، اس کے لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر جمہوری یا شخصی دونوں میں سے کسی ایک کا بھی اطلاق نہیں ہو سکتا لیکن ایسے موقع پر صرف اس ایک بات کا پتہ لگانا کافی ہے کہ حکومت کا جوانہ از تھا وہ جمہوریت سے ملتا تھا یا شخصیت سے ملتا تھا۔ یعنی سلطنت کا میلان ذاتی اختیار پر تھا یا عام رائے پر۔

## جمہوری اور شخصی سلطنت کا موازنہ

جمہوری اور شخصی طریق حکومت میں جو چیز سب سے بڑھ کر مابہ الامتیاز ہے وہ عوام کی مداخلت اور عدم مداخلت ہے یعنی حکومت میں جس قدر رعایا کو دخل دینے کا زیادہ حق حاصل ہو گا اسی قدر اس میں جمہوریت کااعصر زیادہ ہو گا۔ یہاں تک کہ سلطنت جمہوری کی اخیر حد یہ ہے کہ مندنشیں حکومت کے ذاتی اختیارات بالکل فتا ہو جائیں اور وہ جماعت کا صرف ایک ممبرہ جائے پر خلاف اس کے شخصی سلطنت میں تمام دارودار صرف ایک شخص پر ہوتا ہے۔ اس بناء پر شخصی سلطنت سے خواہ خواہ نتائج ذیل پیدا ہوتے ہیں۔

① بجائے اس کے کہ ملک کے تمام قابل اشخاص کی قابلیتیں کامل آئیں۔ صرف چند ارکان

سلطنت کی عقل و تدبیر پر کام چلتا ہے۔

- ۲ چونکہ بجز چند عمداید اروں کے اور لوگوں کو ملکی انتظامات سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔ اس لئے قوم کے اکثر افراد سے انتظامی قوت اور قابلیت رفتہ معدوم ہونے لگتی ہے۔
- ۳ مختلف فرقوں اور جماعتوں کے خاص خاص حقوق کی اچھی طرح حفاظت نہیں ہوتی۔ کیونکہ جن لوگوں کو ان حقوق سے غرض ہے ان کو انتظام سلطنت میں دخل نہیں ہوتا اور جن لوگوں کو دخل ہوتا ہے ان کو غیروں کے حقوق سے اس قدر ہمدردی نہیں ہو سکتی جتنی کہ خود ارباب حقوق کو ہو سکتی ہے۔ چونکہ بجز چند ارکان سلطنت کے کوئی شخص ملکی اور قومی کاموں میں دخل دینے کا مجاز نہیں ہوتا۔ اس لئے قوم میں ذاتی اغراض کے سوا قومی کارناموں کا مذاق معدوم ہو جاتا ہے۔ یہ تنائج شخصی سلطنت کے لوازم ہیں۔ اور کبھی اس سے جدا نہیں ہو سکتے۔ برخلاف اس کے جمہوری سلطنت میں اس کے بر عکس تنائج ہوں گے اس بناء پر جس سلطنت کی نسبت جمہوری کی شخصی بحث ہو، اس کی نوعیت کا اندازہ تنائج سے بھی کیا جاسکتا ہے۔

یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ جمہوریت کا طریقہ عرب کا فطری مذاق تھا اور اس لئے عرب میں جو حکومت قائم ہوتی وہ خواہ مخواہ جمہوری ہوتی۔ عرب میں مدت سے تین وسیع حکومتیں تھیں لمحی، حمیری، غسانی لیکن یہ سب شخصی تھیں۔ قبائل کے سردار جمہوری اصولوں پر انتخاب کئے جاتے تھے لیکن ان کو کسی قسم کی ملکی حکومت حاصل نہ تھی بلکہ ان کی حیثیت پر سالاروں یا قاضیوں کی ہوتی تھی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت نے بھی اس بحث کا کچھ فیصلہ نہیں کیا۔ گوان کا انتخاب کثرت رائے پر ہوا تھا۔ لیکن وہ ایک فوری کارروائی تھی چنانچہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

فَلَا يَغْتَرُنَّ أَمْرَانِ يَقُولُ أَنَّمَا كَانَتْ بِيَعْتَدَانِي بَكْرَ فَلَتَهُ وَتَمَتَ الْأَوْانِهَا قَدْ كَانَتْ كَذَالِكَ لِكُنَّ اللَّهُ وَقَى شَرْهَا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گروپیش جو سلطنتیں تھیں وہ بھی جمہوری نہ تھیں۔ ایران میں توسرے سے کبھی یہ مذاق ہی نہیں پیدا ہوا۔ روم البتہ کسی نمانے میں اس شرف سے متاز تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نمانے سے پسلے وہاں شخصی حکومت ہو چکی تھی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نمانے میں تو وہ بالکل ایک جابرانہ خود مقام سلطنت رہ گئی تھی۔ غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغیر کوئی مثال اور نمونے کے

جمهوری حکومت کی بنیاد پر اور اگرچہ وقت کے اتفاقاء سے اس کے تمام اصول و فروع مرتب نہ ہو سکے تاہم جو چیزیں حکومت جمهوری کی روح ہیں سب وجود میں آگئیں۔

## حضرت عمر بن الخطاب کی خلافت میں مجلس شوریٰ (کونسل)

ان میں سب کا اصل الاصول مجلس شوریٰ کا انعقاد تھا۔ یعنی جب کوئی انتظام پیش آتا تھا تو یہی شہزاد ارباب شوریٰ کی مجلس منعقد ہوتی تھی۔ اور کوئی امر بغیر مشورہ اور کثرت رائے کے عمل میں نہیں آسکتا تھا۔ تمام جماعت اسلام میں اس وقت دو گروہ تھے جو کل قوم کے پیشوں تھے اور جن کو تمام عرب نے گویا اپنا قائم مقام تسلیم کر لیا تھا۔ یعنی مهاجرین و انصار۔

## مجلس شوریٰ کے اركان اور اس کے انعقاد کا طریقہ

مجلس شوریٰ میں یہی شہزاد لازمی طور پر ان دونوں گروہ کے اركان شریک ہوتے تھے انصار بھی دو قبیلوں میں منقسم تھے۔ اوس و خرزنج۔ چنانچہ ان دونوں خاندانوں کا مجلس شوریٰ میں شریک ہونا ضروری تھا۔ مجلس شوریٰ کے تمام اركان کے نام اگرچہ ہم نہیں بت سکتے۔ تاہم اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل تھے۔ مجلس کے انعقاد کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ اصلوہ جامعہ یعنی سب لوگ نماز کے لئے جمع ہو جائیں۔ جب لوگ جمع ہو جاتے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد بنوی میں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ نماز کے بعد منبر پر چڑھ کر خطبہ دیتے تھے اور بحث طلب امر پیش کیا جاتا تھا۔ (تاریخ طبری صفحہ ۲۵۷)

## مجلس شوریٰ کے جلسے

معمولی اور روزمرے کے کاروبار میں اس مجلس کے فیصلے کافی سمجھے جاتے تھے لیکن جب کوئی امر اہم پیش آتا تھا تو مهاجرین اور انصار کا اجلاس عام ہوتا تھا اور سب کے اتفاق سے وہ امر طے پایا جاتا تھا۔ مثلاً عراق و شام کے فتح ہونے پر جب بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اصرار کیا کہ تمام مفتوح مقامات فوج کی جائیدادی دیئے جائیں تو بہت بڑی مجلس منعقد ہوئی۔ جس میں تمام قدماء مهاجرین اور انصار میں سے عام لوگوں کے علاوہ دس بڑے بڑے سردار جو تمام قوم میں ممتاز تھے اور جن میں پانچ شخص قبیلہ اوس اور پانچ قبیلہ خرزنج کے تھے،

شریک ہوئے کئی دن تک مجلس کے جلے رہے اور نہایت آزادی و بیباکی سے لوگوں نے تقریبیں کیں اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو تقریر کی جستہ جستہ فقرے ہم اس لحاظ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے منصب خلافت کی حقیقت اور خلیفہ وقت کے اختیارات کا اندازہ ہوتا ہے۔

انی لم از عجکم الا لان تشرکو افی امانتی فيما حملت من  
امور کم فانی واحد کا حد کم۔ ولست اربد ان يتبعوا اهذا  
الذی هوا۔

۱۲۰ ہجری میں جب نماوند کا سخت معركہ پیش آیا اور عجمیوں نے اس سروسامان سے تیاری کی کہ لوگوں کے نزدیک خود خلیفہ وقت کا اس قسم پر جانا ضروری تھا تو بہت بڑی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ حضرت عثمان، طلحہ بن عبید اللہ، زہیر بن العوام، عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ نے باری باری کھڑے ہو کر تقریبیں کیں۔ اور کہا کہ آپ کا خود موقع جنگ پر جانا مناسب نہیں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور ان لوگوں کی تائید میں تقریر کی غرض کثرت رائے سے یہی فیصلہ ہوا کہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ موقع جنگ پر نہ جائیں اسی طرح فوج کی تنخواہ و فتری ترتیب، عمال کا تقریر، غیر قوموں کی تجارت کی آزادی اور ان پر محصول کی تشخیص۔ اسی قسم کے بہت سے معاملات ہیں جن کی نسبت تاریخوں میں بہ تصریح مذکور ہے کہ مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پائے ان امور کے پیش ہوتے وقت ارکان مجلس نے جو تقریبیں کیں وہ بھی تاریخوں میں مذکور ہیں۔

مجلس شوریٰ کا انعقاد اور اہل الرائے کی مشورت احسان و تبعیع کے طور پر نہ تھی، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف موقعوں پر صاف صاف فرمایا تھا کہ مشورے کے بغیر خلافت سرے سے جائز ہی نہیں، ان کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

لَا خلافت الاعن مشووہ (کنزِ العمال، بحوالہ مصنف، بن الی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۳۹)

## ایک اور مجلس

مجلس شوریٰ کا اجلاس اکثر خاص خاص ضرورتوں کے پیش آنے کے وقت ہوتا تھا، لیکن اس کے علاوہ ایک اور مجلس تھی جہاں روزانہ انتظامات اور ضروریات پر گفتگو ہوتی تھی۔ یہ مجلس ہمیشہ مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھی۔ اور صرف مهاجرین صحابہ اس میں شریک ہوتے۔ تمام تفصیل کتاب المحرج قاضی ابو یوسف صفحہ ۱۷۴ تا ۱۷۵ ہیں۔

تھے۔ صوبجات اور اضلاع کی روزانہ خبریں جو دیوار خلافت میں پہنچتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو اس مجلس میں بیان کرتے تھے اور کوئی بحث طلب امروہ تو اس میں لوگوں سے استصواب کیا جاتا تھا۔ جو سیوں پر جزیہ مقرر کرنے کا مسئلہ اول اسی مجلس میں پیش ہوا تھا۔ مؤذن خلیل الدین نے اس مجلس کا حال ایک ضمنی تذکرے میں ان الفاظ میں لکھا ہے۔

للمهاجرین مجلس فی المسجد فکان عمر تجلیس معهم فیه

و بعد نہم عما ینتبی الیہ من امرٍ من امرِ الافق فقال يوماً

ما أدری کیف اصعن بالمجوس۔

### عام رعایا کی مداخلت

مجلس شوریٰ کے ارکان کے علاوہ عام رعایا کو انتظامی امور میں مداخلت حاصل تھی۔ صوبجات اور اضلاع کے حاکم رعایا کی مرضی سے مقرر کئے جاتے تھے بلکہ بعض اوقات بالکل انتخاب کا طریقہ عمل میں آیا تھا کوفہ، بصرہ اور شام میں جب عمال خارج مقرر کئے جانے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تینوں صوبوں میں احکام بھیجے کہ وہاں کے لوگ اپنی اپنی پسند سے ایک ایک شخص کا انتخاب کر کے بھیجنیں جو ان کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ دیانتدار اور قابل ہوں۔ چنانچہ کوفہ سے عثمان بن فرقہ بصرہ سے حجاج بن اعلاءٰ شام سے معن بن یزید کو لوگوں نے منتخب کر کے بھیجا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں لوگوں کو ان مقامات کا حاکم مقرر کیا۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے اس واقعہ کو جن الفاظ میں بیان کیا ہے یہ ہیں۔

کتب عمر بن الخطاب الی اهل الكوفة یبعثون الیہ رجلاً من  
اخیر هم و اصلح هم والی اهل البصرة کذا لک والی اهل الشام  
کذا لک قال فبعث الیہ اهل الكوفة عثمان بن فرقہ وبعث الیہ  
اہل الشام معن بن یزید و بعث الیہ اهل البصرة الحجاج بن  
علاط کلهم مسلمیوں قال فاستعمل کل واحد منهم على  
خواج او ضم (کتاب الخراج صفحہ ۳۳)

سعد بن ابی وقار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت بڑے رتبے کے صحابی اور نوشری و اُنی تخت کے فاتح تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ لیکن جب

لوگوں نے ان کی شکایت کی تو معزول کرویا۔

حکومت جمہوری کا ایک بستہ بنا اصول یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق اور اغراض کی حفاظت کا پورا اختیار اور موقع دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت میں ہر شخص کو نہایت آزادی کے ساتھ یہ موقع حاصل تھا اور لوگ علاویہ اپنے حقوق کا اظہار کرتے تھے۔ اضلاع سے قریباً ہر سال سفارتیں آتی تھیں جن کو وفد کہتے تھے۔ اس سفارت کا صرف یہ مقصد ہوتا تھا کہ دوبار خلافت کو ہر قسم کے حالات اور شکایات سے مطلع کیا جائے اور داد رسی چاہی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خوب بار بار مختلف موقوں پر اس حق کا اعلان کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ خاص اس کے لئے مجمع عام میں خطبہ پڑھا۔ فرمانوں میں تصریح کی اور ایک دفعہ تمام عملاں سلطنت کو جو کے مجمع عام میں طلب کر کے اس کا اعلان کیا چنانچہ اس کی پوری تفصیل عماوں کے بیان میں آئے گی۔

### خلیفہ کا عام حقوق میں سب کے ساتھ مساوی ہونا

حکومت جمہوری کا اصلی زیور یہ ہے کہ بادشاہ ہر قسم کے حقوق میں عام آدمیوں کے ساتھ برابری رکھتا ہو۔ یعنی کسی قانون کے اثر سے مستثنی نہ ہو۔ ملک کی آمدی میں سے ضروریات زندگی سے زیادہ نہ لے سکے عام معاشرت میں اس کی حاکمانہ حیثیت کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے اس کے اختیارات محدود ہوں، ہر شخص کو اس پر نکتہ چینی کا حق حاصل ہو۔ یہ تمام امور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں اس درجے تک پہنچ تھے کہ اس سے زیادہ ممکن نہ تھے اور جو کچھ ہوا تھا خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقہ عمل کی بدولت ہوا تھا۔ انسوں نے متعدد موقوں پر ظاہر کر دیا تھا کہ حکومت کے لحاظ سے ان کی کیا حیثیت ہے اور ان کے کیا اختیارات ہیں۔ ایک موقع پر انسوں نے اس کے متعلق جو تقریر کی اس کے بعض بعض فقرے اس موقع پر لکھنے کا قابل ہیں۔

انما انا و مالکم کولی المتمم ان استغنت استعفت و ان  
افتقرت اكلت بالمعروف لكم على ايها الناس خصال فخنومني  
بها لكم على ان لا اجتبى شيئا من خراجكم ولا مما افاء اللہ  
عليكم الا من وجهه ولكم على اذا وقع في بدئ ان لا يخرج  
مني الافى حق والكم على ان ازيد في عطياتكم واسد نفوركم

ولکم علی ان لا القیکم فی المھالک (کتاب الخراج صفحہ ۴۰)

”بمحجھ کو تمہارے مال (یعنی بیت المال) میں اس قدر حق ہے جتنا تیم  
کے مبنی کو تیم کے مل میں اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا۔  
اور ضرورت پڑے گی تو دستور کے موافق کھانے کے لئے لوں گا۔  
صاحب! میرے اپر تم لوگوں کے متعدد حقوق ہیں، جس کا تم کو بمحجھ  
سے مواخذہ کرنا چاہئے، ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مال غنیمت بجا  
طور سے نہ جمع کیا جائے، ایک یہ کہ جب میرے ہاتھ میں خراج اور  
غنیمت آئے تو بجا طور سے صرف نہ ہونے پائے، ایک یہ کہ میں  
تمہارے روزینے بڑھادوں اور تمہاری سرحدوں کو محفوظ رکھوں،  
ایک یہ کہ تم کو خطروں میں نہ ڈالوں۔“

ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے کہا  
کہ اتفق اللہ عاصم (یعنی ”اے عمر خدا سے ذر“)۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے اس  
کو روکا اور کہا کہ بس بہت ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”نمیں کہنے والا گیر  
لوگ نہ کہیں تو یہ بے مصرف ہیں“ اور ہم لوگ نہ مانیں تو ہم۔“ ان باتوں کا یہ اڑھا کہ خلافت  
اور حکومت کے اختیارات اور حدود تمام لوگوں پر ظاہر ہو گئے تھے اور شخصی شوکت اور  
اقتزار کا تصور دلوں سے جاتا رہا تھا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رومیوں کی  
سفریات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے متعلق جو تقریر کی تھی وہ  
ورحقیقت حکومت جمیوری کی اصل تصویر ہے اور حکومت جمیوری کی حقیقت آج بھی اس  
سے واضح تر اور صحیح تر نہیں بیان کی جاسکتی۔

نوعیت حکومت بتانے کے بعد ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نظام حکومت کی  
طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

حکومت کے نظم و نسق میں جو چیز سب سے مقدم ہے یہ ہے کہ انتظام کے تمام مختلف  
صیغہ ایک دوسرے سے ممتاز اور الگ الگ ہوں اور یہی ترقی و تمدن کی سب سے بڑی دلیل  
ہے جس طرح تمدن کی ابتدائی حالت میں مکانات کی یہ قطع ہوتی ہے کہ ایک ہی ججوہ تمام  
ضوروں کے لئے کافی ہوتا ہے پھر جس قدر تمدن برسوتا جاتا ہے کھانے سونے ملاقات کرنے،  
لکھنے پڑھنے اور دیگر ضروریات کے لئے جدا جدا کمرے بنتے جاتے ہیں یہی حالت بالکل سلطنت

کی ہے، ابتدائے تمدن میں انتظامات کے تمام صیغے ملے جلے رہتے ہیں جو شخص صوبہ کا گورنر ہوتا ہے وہی لڑائی کے وقت پر سالارین جاتا ہے مقدمات کے اتفصال کے وقت وہی قاضی کا کام دلتا ہے جو امام کی تعزیر میں وہی پولیس کی حیثیت رکھتا ہے جس قدر تمدن ترقی کرتا جاتا ہے۔ الگ الگ صیغے قائم ہوتے جاتے ہیں۔ اور ہر صیغے کا الگ افسر ہوتا ہے۔ انگریزی حکومت کو مابری ہوئے لیکن جوڈیشل اور ایگزیکٹیو اختیارات اب تک ملے جلے ہیں۔ یعنی حاکم ضلع مال گزاری بھی وصول کرتا ہے اور مقدمات بھی فیصل کرتا ہے اور غیر آئندی اضلاع میں تو بہت زیادہ خلط بحث ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عجیب و غریب کارناموں میں ایک یہ بھی ہے کہ باوجود اس کے کہ اس وقت کا تمدن نمایت ابتدائی حالت میں تھا۔ اور سلسلہ حکومت کے آغاز کو صرف چند برس گذرے تھے تاہم انہوں نے بہت سے شعبے جو تکلیف تھے الگ کر کے جدا گانہ مجھے قائم کئے چنانچہ ان تمام شعبوں کو ہم تفصیل سے لکھتے ہیں۔

## ملک کی تقسیم صوبجات اور اضلاع محمدیہ اران ملکی

نظام حکومت کا ابتدائی سلسلہ جس پر تمام انتظامات متفع ہیں، ملک کا مختلف حصوں میں تقسیم ہونا ہے جن کو صوبہ، ضلع اور پر گنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کی ابتداء کی اور اس نمائے کے موافق نمایت مونوں اور تناسب سے اس کے حدود قائم کئے تمام موخر خیں نے اس کی تصریح کی ہے کہ انہوں نے ممالک مقبوضہ کو ۸ صوبوں میں تقسیم کیا۔

## حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقرر کردہ صوبے

مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر، فلسطین میتوں خیقوبی نے ۸ کمیجاتے ہے جو بے کمی ہیں۔ اور لکھا ہے کہ یہ انتظام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۴۰ ہجری میں کیا تھا موخر خیں کا یہ بیان اگرچہ در حقیقت صحیح ہے لیکن اس میں ایک اجمال ہے۔ جس کی تفصیل بتا دینی ضروری ہے فاروقی فتوحات کو جو وسعت حاصل تھی اس کے لحاظ سے صرف یہ ۸ صوبے کافی نہیں ہو سکتے تھے۔ فارس، خوزستان، کران وغیرہ بھی آخر صوبے ہی کی حیثیت رکھتے تھے اصل یہ ہے کہ جو ممالک فتح ہوئے ان کی جو تقسیم پہلے سے تھی اور جو مقامات صوبے

یا ضلعے تھے اکثر جگہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی طرح رہنے دیئے اس لئے موڑ خین نے ان کا نام نہیں لیا۔ البتہ جو صوبے خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قائم کئے ان کا ذکر ضرور تھا اور وہ بیسی ۸۷ تھے لیکن یہ امر بھی بخلاف اغلب صحیح ہے ورنہ تاریخی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پچھلی تقسیم مکی میں بھی تصرفات کے تھے فلسطین پلے ایک صوبہ شمار کیا جاتا تھا۔ اور اس میں مل ضلعے شامل تھے ہلاہ بھری میں جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود فلسطین جا کر معابدہ امن لکھا تو اس صوبے کے دو حصے کر دیئے۔ ایک کا صدر مقام المیا اور دوسرے کارملہ قرار دیا۔ اور علقمہ بن حکیم و علقمہ بن محزرز کو الگ الگ دونوں صوبوں میں منصیعین لے دیا۔ مصر کی نسبت ہم کو معلوم نہیں کہ فتح سے پلے اس کی کیا حالت تھی لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو دو صوبوں میں تقسیم کیا۔ بالائی حصہ جس کو عربی میں صید کہتے ہیں اور جس میں ۸۷ ضلعے شامل تھے ایک الگ صوبہ قرار دے کر عبد اللہ بن سعد ابی سرح کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ اور نیشی حصہ میں ہلاہ ضلعے شامل تھے اس پر ایک دوسری افراد تعینات کیا۔ عمرو بن العاص بطور گورنر جنگل کے تھے

### نوشیروانی عمد کے صوبے

فارس وغیرہ میں چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقریباً تمام نوشیروانی انتظامات بحال رہنے دیئے تھے، اس لئے صرف یہ بتاں ٹاکافی ہے کہ نوشیروان کے عمد میں یہ ممالک کتنے حصوں میں منقسم تھے

مؤذخ یعقوبی (تاریخ یعقوبی صفحہ ۴۰۲ جلد اول) نے لکھا ہے کہ نوشیروان کی سلطنت عراق کے علاوہ تین بڑے بڑے صوبوں میں منقسم تھی۔

خراسان : اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے

نیشاپور، ہرات، مرو، موروود، فاریاب، طالقان، بلخ، بخارا، باذ عیس، باورہ، غرستان، طوس، سرخس، جرجان۔

آذربایجان : اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے

طبرستان، رے، قزوین، زنجان، قم، اصفہان، همدان، نماوند، دیبور، طوان، ماسنداں، پرچان، ندق، شہرزور، سامغان، آذربجان۔

۱۔ طبری صفحہ ۲۲۰۳ تا ۲۲۰۷۔ اصل عبارت یہ ہے۔ فصارت فلسطین نصفین نصف مع اہل ایلیا انصاف مع اہل الرسلت، فهم عشر کورد فلسطین تبعید الشام کلہا فرق فلسطین علی رجلین فنزل کل واحد منها فی عملی۔

فارس : اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے  
 اصطخر، شیراز، نویندجان، جور، گاڑیون، فساد ارا، بجو، اردو شیرخہ، سابور، اہواز، چندی ساربور، سوس،  
 نہر تیری، منادر، تستر، اینج، رام، ہرمز۔

### صومول کے افر

صومول میں مفصلہ ذیل بڑے بڑے عمدہ دار رہتے تھے۔ والی یعنی حاکم صوبہ کاتب  
 یعنی میر فشی، کاتب دیوان یعنی دفتر فوج کا میر فشی، صاحب الخراج یعنی کلکٹر صاحب احداث  
 یعنی افسرو پولیس، صاحب بیت المال یعنی افسر خزانہ، قاضی یعنی صدر الصدور و منصف چنانچہ  
 کوفہ میں عمار بن یا سروالی، عثمان بن حنیف کلکٹر عبد اللہ بن مسعود افسر خزانہ، شریح قاضی،  
 عبد اللہ بن خلف العجزائی کاتب دیوان تھا۔ ہر صوبے میں ایک بھی فوجی ہوتا تھا لیکن اکثر  
 حالتوں میں صوبے کا عامل ہی اس خدمت پر بھی مامور ہوتا تھا۔ پولیس کا محکمہ بھی جمال تک  
 ہم کو معلوم ہے ہر جگہ الگ نہ تھا۔ اکثر کلکٹر یا عامل اس خدمت کو بھی انجام دیتا تھا۔ مثلاً عمار  
 بن یا سرسج وقت کو فے کے حاکم تھے پولیس کا کام بھی انہی کے سپرد تھا۔ بھرین میں قدامتہ بن  
 منظعون صاحب الخراج تھے اور پولیس کا کام بھی کرتے تھے۔ والی کا اشاف و سیچ اور مستقل  
 اشاف ہوتا تھا اور اس کے ممبر خود دوبار خلافت کی طرف سے مامور ہوتے تھے۔ عمار کو جب  
 حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا تو دس معزز آدمی ان کے اشاف میں  
 دیئے جن میں ایک قرط خرزتی بھی تھے۔ (اسد الفاقہ بذکرہ قبط)

میر فشی قابل تقریر اور تحریر میں میکتا ہوتا تھا، ابو موسی اشعری جو بصیرہ کے گورنر تھے ان کا میر  
 فشی زیاد بن سمید تھا۔ جس کی فصاحت و بلاغت پر خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حیران ہو  
 گئے تھے اور عمرو بن العاص کما کرتے تھے کہ اگر یہ نوجوان قریش کی نسل سے ہوتا تو تمام  
 عرب اس کے علم کے نیچے آ جاتا۔

اضلاع میں بھی عامل، افسر خزانہ اور قاضی وغیرہ ہوتے تھے اور یہ سب گورنر کے  
 ماتحت اور اس کے زیر حکومت کام کرتے تھے۔ پر گنوں میں غالباً صرف تحصیلدار رہتے تھے  
 اور اس کے ساتھ اس کا عملہ ہوتا تھا۔

صوبجات اور اضلاع کی تقسیم کے بعد سب سے مقدم جو چیز تھی ملکی عدید اراں کا انتخاب اور  
 ان کی کارروائی کا دستور العمل بنانا تھا۔ کوئی فرمانروائی کتنا ہی بیدار مغزا اور کوئی قانون کتنا ہی مکمل  
 ہو۔ لیکن جب تک حکومت کے اعضاء وجواہ یعنی عدید اراں ملکی قابل لاکن، راست بازار اور

ہتھیں نہ ہوں اور ان سے نہایت بیدار مغزی کے ساتھ کام نہ لیا جائے ملک کو کبھی ترقی نہیں ہو سکتی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس باب میں جس نکتہ رسی اور تدبیر و سیاست سے کام لیا، انصاف یہ ہے کہ تاریخ عالم کے ہزاروں ورق اللٹ کر بھی اس کی نظیر نہیں ملتی۔

### حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو ہر شناسی

اس مرحلے میں اس بات سے بڑی مدد ملی گہ ان کی طبیعت شروع سے جو ہر شناس واقع ہوئی تھی۔ یعنی جس شخص میں جس قسم کی قابلیت ہوتی تھی وہ اس کی تہہ کو پہنچ جاتے تھے اس کے ساتھ انہوں نے ملک کے قابل آدمیوں سے واقفیت بھی پہنچائی تھی۔ یہی بات تھی کہ انہوں نے جس شخص کو جو کام دیا اس کے انجام دینے کے لئے اس سے بڑھ کر آدی نہیں مل سکتا تھا۔ عرب میں چار شخص تھے جن کو وہاہ العرب کہا جاتا تھا۔ یعنی جوفن سیاست و تدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مخیو بن شعبہ لہم زیاد بن سمیہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زیاد کے سواتینوں کو بڑے بڑے ملکی عمدے دیئے اور چونکہ یہ لوگ صاحب ادعا بھی تھے اس لئے اس طرح ان پر قابو رکھا کہ کبھی کسی قسم کی خود سری نہ کرنے پائیں۔ زیاد ان کے زمانے میں شانزہ سالہ نوجوان تھا۔ اس لئے اس کو کوئی بڑا عمدہ نہیں دیا تھا اس کے قابلیت اور استعداد کی بناء پر ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ کاروبار حکومت میں اس کو مشیر کاربنا میں، فن حرب میں عموم عمدی کرب اور علمیہ بن خالد نہایت ممتاز تھے لیکن تدبیر و سیاست میں ان کو دغل نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کو نعمان بن مقرون کی ماتحتی میں عراق کی فتوحات پر مأمور کیا۔ لیکن نعمان کو لکھے بھیجا کہ ان کو کسی صیغے کی افسری نہ دینا۔ کیونکہ ہر شخص اپنا فن خوب جانتا ہے۔ عبد اللہ بن ارقم ایک معزز صحابی تھے ایک وفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کمیں سے ایک جواب طلب تحریر آئی۔ آپ نے فرمایا اس کا جواب کون لکھے گا؟ عبد اللہ بن ارقم نے عرض کی کہ ”میں“ یہ کہہ کر خود اپنی طبیعت سے جواب لکھ کر لائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سناتو نہایت پسند فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے۔ ان کی اس قابلیت پر ان کا خاص خیال ہوا۔ اور جیسا کہ ابن الاشیر وغیرہ نے لکھا ہے یہ اثر ان کے دل میں ہیشہ قائم رہا۔ یہاں تک کہ جب خلیفہ ہوئے تو ان کو میراثی مقرر کیا۔

نماوند کی عظیم الشان حم کے لئے جب مجلس شوریٰ کا عام اجلاس ہوا اور حضرت

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رائے طلب کی کہ اس مسمپر کون بھیجا جائے؟ تمام مجمع نے باتفاق کما کہ آپ کو جو واقفیت ہے اور آپ نے ایک ایک کی قابلیت کا جس طرح اندازہ کیا ہے کسی نے نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عثمان بن مقرن کا نام لیا۔ اور رب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ”یہ انتخاب بالکل بجائے“ عمار بن یاس سر برے رتبے کے صحابی تھے اور زہد و تقویٰ میں بینظیر تھے لیکن سیاست و تدبیر سے آشنا نہ تھے، قبولت عام اور بعض مصلحتوں کے لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا۔ لیکن چند روز کے بعد جب ان سے کام چل نہ سکا تو معزول کر دیا اور ان کے طرفداروں کو دکھا دیا کہ وہ اس کام کے لئے مونوں نہ تھے اس حتم کی سینکروں مثالیں ہیں۔ جن کا استقصاء نہیں کیا جاسکتا، کسی شخص کو شوق ہو تو رجال کی کتابوں سے عرب کے تمام لاکٹ آدمیوں کا پتہ لگائے اور پھر دیکھئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان پر نوں کو حکومت کی گل میں کیسے مناسب موقعوں پر لگایا تھا۔ تاہم اتنا برا کام صرف ایک شخص کی ذمہ داری پر چھوڑا نہیں جاسکتا تھا۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجلس شوریٰ منعقد کی اور صحابہ سے خطاب کر کے کہا کہ ”اگر لوگ میری مدد نہ کریں گے تو کون کرے گا؟“ اسے حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ ”ہم آپ کو مدد دیں گے“ لیکن اس وقت ملکی انتظام میں حصہ لینا نہ ہد اور تقدس کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ”۴۳“ عترم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو دنیا میں آلوہ کرتے ہو۔“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”میں ان بزرگوں سے مدد نہ لوں تو کس سے لوں؟“ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”اگر ایسا ہی ہے تو تنہا ہیں پیش مقرر کو کہ لوگ خیانت کی طرف مائل نہ ہونے پائیں ۴۴“ غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کی رائے و مشورت سے نہایت دیانتدار اور قابل لوگ انتخاب کئے اور ان کو ملکی خدمتیں سپرد کیں۔

### عبدیاد رول کے مقرر کرنے کے لئے مجلس شوریٰ

اہم خدمات کے لئے مجلس شوریٰ کے عام اجلاس میں انتخاب ہوتا تھا۔ اور جو شخص تمام ارکان مجلس کی طرف سے انتخاب کیا جاتا تھا۔ وہ اس خدمت پر مامور ہوتا تھا۔ چنانچہ عثمان بن حیف کا تقریباً طریقہ سے ہوا تھا۔ بعض اوقات صوبے یا ضلعے کے لوگوں کو حکم بھیجتے تھے کہ جو شخص تمام لوگوں سے زیادہ قابل ہو اس کا انتخاب کر کے بھیجو۔ چنانچہ

۱۔ کتاب الترانج صفحہ ۶۵ اصل عبارت ہے۔ ان عمر بن الخطاب دعا اصحاب رسول اللہ فقال اذا لم تعيينوني فمن يعيينني البخ۔ ۲۔ کتاب الترانج صفحہ ۷۷۔

اہمیت کو لوگوں کو وہاں کا عامل مقرر کرتے تھے عثمان بن فرقہ، معن بن یزید، حجاج بن علاظ اسی قاعدے کے موافق مقرر کئے گئے تھے۔ چنانچہ ہم اس کی تفصیل اور لکھ آئے ہیں۔

### تخصیح کا معاملہ

ایک وقت یہ تھی کہ لوگ کسی خدمت کے معاوضے میں تخصیح لینا پسند نہیں کرتے تھے اور اس کو نہد و لقدس کے خلاف سمجھتے تھے۔ یعنی اسی طرح جس طرح آجڑل کے مقدس واعظوں کو اگر کہا جائے کہ وہ باقاعدہ اپنی خدمتوں کو انجام دیں اور مشاہروں میں تو ان کو نہایت ناگوار ہو گا۔ لیکن نذر زیارت کے نام سے جو رقبیں ملتی ہیں اس سے ان کو احتراز نہیں ہوتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی بہت سے لوگ اس غلطی میں بٹتا تھا۔ لیکن یہ امر تمدن اور اصول انتظام کے خلاف تھا۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی کوشش سے اس غلطی کو رفع کیا اور تخصیح مقرر کیں۔ ایک موقع پر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مشهور صحابی اور سپہ سالار تھے حق الخرمت لینے سے انکار کیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی مشکل سے ان کو راضی کیا۔ حکیم بن خرام نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بار بار اصرار پر بھی کبھی وظیفہ یا روزیہ لینا گوارہ نہ کیا۔

(کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۲۲)

### عاملوں کے فرائیں میں ان کے فرائض کی تفصیل

جو شخص عامل مقرر ہوتا تھا۔ اس کو ایک فرمان بعطا ہوتا تھا۔ جس میں اس کی تقریٰ اور اختیارات اور فرائض کا ذکر ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ بہت سے مہاجرین اور انصار کی گواہی شہت ہوتی تھی، عامل جس مقام پر جاتا تھا تمام لوگوں کو جمع کر کے یہ فرمان پڑھتا تھا۔ جس کی وجہ سے لوگ اس کے اختیارات اور فرائض سے واقف ہو جاتے تھے اور جب وہ ان اختیارات کی حد سے آگے قدم رکھتا تھا تو لوگوں کو اس پر گرفت کا موقع ملتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات کا سخت اہتمام تھا کہ عاملوں کے جو فرائض ہیں ایک ایک ان سے واقف ہو جائے چنانچہ بارہا مختلف مقالات اور مختلف موقعوں پر اس کے متعلق خطبے دیئے، ایک خطبے میں جو مجمع عام میں دیا تھا۔ عاملوں کو خطاب کر کے یہ الفاظ فرمائے

**الا واني لم ابعثكم امراء ولا جبارين ولكن بعثتكم آئمۃ الہدی**

۳۔ طبری صفحہ ۲۷۸ اسد الغائب (ذکرہ حدیثہ بن الیمان) سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔  
کان عمر اذا استعمل عامللا کتب عہدة قبیعت فلا ناوامر تبکذا فلم اقدم المدائین استقبلہ الدهائین

بِهَتْدِي بِكُمْ فَادْوَاعُلَى الْمُسْلِمِينَ حُقُوقَهُمْ وَلَا تَضْرِبُوهُمْ  
فَتَذَلُّوهُمْ وَلَا تَحْمِدُوهُمْ فَتَفْتَنُوهُمْ وَلَا تَغْلِقُوا الْأَبْوَابَ دُونَهُمْ

فِي أَكْلِ قُوَّتِهِمْ ضَعِيفَهُمْ وَلَا تَسْتَأْنِرُوْا عَلَيْهِمْ فَتَظْلِمُوهُمْ

”یاد رکھو کہ میں نے تم لوگوں کو امیر اور سخت گیر مقرر کر کے نہیں  
بھیجا ہے بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمہاری تقلید کریں تم لوگ  
مسلمانوں کے حقوق ادا کرو، ان کو زدو کوب نہ کرو“ کہ وہ ذیل ہوں،  
ان کی بیجا تعریف نہ کرو کہ غلطی میں پڑیں، ان کے لئے اپنے  
 دروازے بند نہ رکھو کہ زبردست کمزوروں کو کھاجائیں، ان سے کسی  
 بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہ دو کہ یہ ان پر ظلم کرنا ہے۔“

جب کوئی شخص کیں کا عامل مقرر کیا جاتا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ  
کے ایک بڑے گروہ کے سامنے اس کو فرمان تقریٰ عنایت کرتے تھے اور ان صحابہ کو گواہ مقرر  
کرتے تھے جس سے یہ مقصد تھا کہ جو شخص مقرر کیا جاتا تھا۔ اس کی تیاقوت اور فرائض کا  
اعلان ہو جائے۔

### عاملوں سے جن باتوں کا عمد لیا جاتا تھا

ہر عامل سے عمد لیا جاتا تھا کہ ترکی گھوٹے پر سوار نہ ہو گا۔ باریک کپڑے نہ پہنے  
گا۔ چھنہ ہوا آٹانہ کھائے گا۔ دروازے پر دریان نہ رکھے گا۔ اہل حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ  
کھلا رکھے گا۔ یہ شر میں اکثر پرواہ تقریٰ میں درج کی جاتی تھیں۔ ان کو مجمع عالم میں پڑھکر سنایا  
جاتا تھا۔

### عاملوں کے مال و اسباب کی فہرست

جس وقت کوئی عامل مقرر ہوتا تھا اس کے پاس جس قدر مال اور اسباب ہوتا تھا۔  
اس کی مفصل فہرست تیار کر کر محفوظ رکھی جاتی تھی اور اگر عامل کی مالی حالات میں غیر معمولی  
ترقی ہوتی تھی۔ تو اس سے مواخذه کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ اکثر عمال اس بلا میں بنتا ہوئے  
خالد بن صعن نے اشعار کے ذریعے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی اطلاع دی۔

۱۔ کتاب الخراج صفحہ ۶۲ میں ہے۔ کان عمر اذا استعمل رجالاً اشهد عليهم رهطامن الانتصار۔

۲۔ کتاب الخراج صفحہ ۶۳۔

۳۔ فتوح البلدان صفحہ ۲۷۹ میں ہے کان عمر الخطاب يكتب ابوالاعمال اذا ولاهم ثم يقاسمهم ما زاد على  
ذلك۔

حضرت عمر رضي اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کی موجودات کا جائزہ لے کر آدھا آدھا مال بٹالیا۔ اور بیت المال میں داخل کروایا۔ اشعار میں سے چند شعریہ ہیں۔

ابلغ امیر المؤمنین رسالتہ

فَانْتَ أَمِينُ اللَّهِ فِي الْمَالِ وَالْأَمْرِ  
 لَا تَلْتَدْعُنَّ أَهْلَ الرِّسَاتِيقِ وَالْقُرَى  
 يَسْمَعُونَ مَالَ اللَّهِ فِي الْأَدْمِ الْوَفَرِ  
 فَارْسِلْ إِلَى الْحِجَاجِ فَاعْرُفْ حِسَابَهِ  
 وَارْسِلْ إِلَى جَزْوَارْسِلْ إِلَى بَشَرِ  
 وَلَا تَنْسِنْ النَّافِعِينَ كَلِمَهُما  
 وَلَا إِنْ خَلَابَ مِنْ سَرَّةِ بَنِ نَصْرِ  
 وَمَا عَاصِمَ مِنْهَا لَصَفْرَ عَيَّابَهِ  
 وَذَاكَ الَّذِي فِي السُّرْقِ مُولَى بْنِ بَدْرِ  
 وَشَهْلَا فَسْلُ الْمَالِ وَإِنْ مَحْرُشِ  
 فَقَدْ كَانَ فِي أَهْلِ الرِّسَاتِيقِ ذَادِكَرِ  
 نُوْبَ اِذَا اِبْوَا وَفَغَزُوا غَزَوا  
 فَانِي لَهُمْ وَفَرِ وَلَسْنَا اُولَئِي وَفَرِ  
 اِذَا التَّاجِرُ الدَّارِيْ جَاءَ بَقَارَةَ  
 مِنَ الْمَسْكِ رَاحَتْ فِي صَفَارِقِهِمْ تَجَرَّى

### زمانہ حج میں تمام عاملوں کی طلبی

تمام عمال کو حکم تھا کہ ہر سال حج کے زمانے میں حاضر ہوں حج کی تقریب سے پہلے تمام اطراف کے لوگ موجود ہوتے تھے حضرت عمر رضي اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو کر بعلان کرتے تھے کہ جس کسی کو کسی عامل سے کچھ شکایت ہو تو پیش کرے لے۔ چنانچہ ذرا ذرا سی شکایتیں پیش ہوتی تھیں اور تحقیقات ہو کر ان کا تدارک کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضي اللہ تعالیٰ عنہ نے بست بڑا مجمع کر کے خطبہ دیا اور کہا کہ "صاحبو! عمال جو مقرر کر کے بھیجے جائے

لے تاہن طبری صفحہ ۲۸۵ میں ہے و کان من سنہ عمر و سیرتہ یا خذ عمال بموافقتہ العج فی کل سنہ اللہ للہ  
 فللحجر هم یہ دنلگ عن الرعیة ولیکون لشکاۃ الرعیة، وقتاً لغایتہ یعنی نہزہ نہایہ الیہ ۲

ہیں اس لئے نہیں بھیجے جاتے کہ طماںچے ماریں یا تمہارا مال چھین لیں بلکہ میں ان کو اس لئے بھیجتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ سکھائیں۔ سو اگر کسی عامل نے اس کے خلاف کیا تو مجھ سے بیان کرو تاکہ میں اس کا انتقام لوں۔ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مصر کے گورنر تھے اٹھ کر کہا کہ ”اگر کوئی عامل ادب دینے کے لئے کسی کو مارے گا تو بھی آپ اس کو سزا دیں گے؟“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ضرور میں سزا دوں گا، کیونکہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ خبراً اسلامانوں کو نہ مارا کرو ورنہ وہ ذیل ہو جائیں گے۔ ان کے حقوق تلف نہ کرو۔ ورنہ کفران نعمت پر مجبور ہوں گے۔

ایک دفعہ حسب معمول تمام عمال حاضر تھے۔ ایک شخص اٹھا اور کہا کہ ”آپ کے عامل نے مجھ کو بے قصور سوکوڑے مارے ہیں۔“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہیں مجمع عام میں عامل کو سوکوڑے لگائے۔ عمرو بن العاص نے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ امر عمال پر گراں ہو گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ میں طوم سے انتقام نہ لوں۔“ عمرو بن العاص نے منت کر کے مستغیث کو اس شرط پر راضی کیا کہ ایک ایک تازیانے کے عوض میں دو داشترفیاں لے کر اپنے حق سے باز آئے۔

(کتاب الخراج صفحہ ۲۶)

## عمالوں کی تحقیقات

وَقَاتُوفُ قَاتُ عَمَالٍ كَيْ جو شَكَايَتِينْ پیش ہوتی تھی۔ ان کی تحقیقات کے لئے ایک خاص عہدہ قائم کیا۔ جس پر محمد بن مسلمہ النصاری مامور تھے یہ بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے، تمام غزوتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر کاب رہے تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مسیم پر تشریف لے گئے تو ان کوہ نہ میں اپنا نائب مقرر کرتے گئے ان وجوہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے بڑے کام کے لئے انہی کو انتخاب کیا، جب کسی عامل کی شکایت آتی تھی تو یہ تحقیقات پر مامور ہوتے تھے لہم اور موقع پر جا کر مجامع عاملہ میں لوگوں کا اظہار لیتے تھے۔ اہل بھری میں سعد بن ابی و قاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے قادریہ کی مسم سرکی تھی۔ اور کوفہ کے گورنر تھے ان کی نسبت لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

لے اسد الغاب تذکرہ محمد بن سلمہ میں ہے وہو کان صاحب العمل ایام عمر کان عمر اذاش کی الیہ عامل ارسل محمدؐ الکشف الحال وہو النبی ارسله عمر الی عمالہ لیبا خنشطر اموالہم طبری نے مختلف بقاعات میں تصریح کی ہے کہ محمد بن مسلمہ عمال کی تحقیقات پر مامور تھے۔

عنه کے پاس جا کر شکایت کی یہ وہ وقت تھا کہ ایرانیوں نے بڑے نور شور سے لڑائی کی تیاریاں کی تھیں اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ فوج لے کر نہادن کے قریب آپنچے تھے مسلمانوں کو سخت تر دھما۔ اور ان کے مقابلے کے لئے کوفہ سے فوجیں روانہ ہو رہی تھیں۔ عین اسی حالت میں یہ لوگ پہنچے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ نہایت تگ اور پر خطر وقت ہے تاہم یہ تردد مجھ کو سعد بن ابی و قاص کی تحقیقات سے نہیں روک سکتا۔ اسی وقت محمد بن مسلم کو کوفہ روانہ کیا۔ انہوں نے کوفہ کی ایک ایک مسجد میں جا کر لوگوں کے اظہار لئے اور سعد بن ابی و قاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ میں آئے۔ یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود ان کا اظہار لیا۔ (یہ پوری تفصیل تاریخ طبری صفحہ ۲۴۰۸ تا ۲۴۰۹ میں ہے۔ صحیح بخاری میں بھی اس واقعے کا اشارہ ہے دیکھو کتاب مذکور جلد اول صفحہ ۳۷۴ مطبوعہ میرٹھ)

### کمیش

بعض اوقات کمیش کے طور پر چند آدمی تحقیقات کے لئے بھیجے جاتے تھے چنانچہ اس قسم کے متعدد واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں، بعض اوقات ابتداء عامل کو مدینہ بلا کر براہ راست تحقیقات کرتے تھے اور اکثر یہ اس وقت ہوتا تھا جب کہ عامل صوبہ کا حاکم یا معزز افسر ہوتا تھا۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بصرہ کے گورنر تھے ان کی نسبت جب شکایت گذری تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مستغیث کا بیان خود اپنے ہاتھ سے قلبند کیا۔ اور ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے حضور میں بلوا کر تحقیقات کیں، الزمات یہ تھے

- ① ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسیران جگ میں سے ۴۰ میں زادے چھانٹ کر اپنے لئے رکھے ہیں۔
- ② ان کی ایک لوندی ہے جس کو دونوں وقت نہایت حمہ غذا بہم پہنچائی جاتی ہے۔ حالانکہ اس قسم کی ایک غذاء عام مسلمانوں کو میرنسیں آسکتی۔
- ③ کاروبار حکومت زیاد بن سید کو سپرد کر رکھا ہے اور وہی سیاہ و سفید کا مالک ہے تحقیقات سے پہلا الزام غلط ثابت ہوا۔ تیرے الزام کا ابو موسیٰ نے یہ جواب دیا کہ زیاد سیاست و تدبیر کا آدمی ہے۔ اس لئے میں نے اس کو اپنا مشیر بنا رکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زیاد کو طلب کیا اور امتحان لیا۔ تحقیقت میں قائل آدمی تھا۔ اس لئے خود بصرہ کے حکام کو بدایت کی کہ زیاد کو مشیر کاربنا میں۔ وہ سرا الزام پیش ہوا تو ابو موسیٰ کچھ جواب

نہ دے سکے، چنانچہ لوگوں کی ان سے چھین لی گئی۔ (طبی صفحہ ۲۷۸ تا ۲۸۰)  
 عاملوں کی خطاوں پر سخت گرفت کی جاتی تھی۔ خصوصاً ان باتوں پر جن سے ترفع اور  
 امتیاز یا نمود و فخر ثابت ہوتا تھا۔ سخت مواخذہ کیا جاتا تھا۔ جس عامل کی نسبت ثابت ہوتا تھا کہ  
 بیمار کی عیادت نہیں کرتا یا کمزور اس کے دربار میں بار نہیں پاتا تو وہ فوراً موقوف کر دیا جاتا تھا۔  
 (کتاب الخراج صفحہ ۳۶)

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار میں پھر رہے تھے ایک طرف سے آواز  
 آئی کہ ”عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا عاملوں کے لئے چند قواعد کے مقرر کرنے سے تم عذاب اللہ  
 سے فتح جاؤ گے تم کو یہ خبر ہے کہ عیاض بن غنم جو مصر کا عامل ہے باریک کپڑے پہنتا ہے اور  
 اس کے دو انے پر دربان مقرر ہے۔“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محمد بن مسلمہ کو بلایا اور  
 کہا کہ عیاض کو جس حالت میں پاؤ ساتھ لے آؤ۔ محمد بن مسلمہ نے وہاں پہنچ کر دیکھا تو واقعی  
 دروازے پر دربان تھا۔ اور عیاض باریک کپڑے کا کرتہ پنے بیٹھے تھے۔ اسی بیت اور لباس  
 میں ساتھ لے کر دینہ آئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کرتہ اتروا کر کمل کا کرتہ پہنایا۔  
 اور بکریوں کا ایک گلہ منگو اکر حکم دیا کہ ”جنگل میں لے جا کرچ او“ عیاض کو انکار کی تو مجال نہ  
 تھی۔ مگر بار بار کہتے تھے کہ اس سے مر جانا بہتر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا  
 ”تجھ کو اس سے عار کیوں ہے۔ تیرے باپ کا نام غنم اسی وجہ سے پڑا تھا کہ وہ بکریاں چرا تا  
 تھا۔“ غرض عیاض نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوبی سے  
 انجام دیتے رہے۔ (کتاب الخراج صفحہ ۳۶)

حضرت سعد بن ابی و قاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ میں اپنے لئے محل بنوایا تھا  
 جس میں ڈیوڑھی بھی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خیال سے کہ اس سے اہل  
 حاجت کو رکاوہ ہو گا۔ محمد بن مسلمہ کو مأمور کیا کہ جا کر ڈیوڑھی میں آگ لگادیں۔ چنانچہ اس حکم  
 کی پوری تعمیل ہوئی اور سعد بن ابی و قاص چپکے دیکھتے گئے۔

اس قسم کی باتیں اگرچہ ظاہر قابل اعتراض ہیں۔ کیونکہ لوگوں کے طرز معاشرت  
 و ذاتی افعال سے تعریض کرنا اصول آزادی کے خلاف ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت  
 عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام ملک میں مساوات اور جمہوریت کی جو روح پھوٹکنی چاہتے تھے وہ  
 بغیر اس کے ممکن نہ تھی کہ وہ خود اور ان کے دست وبازو یعنی ارکان سلطنت اس رنگ میں  
 ڈوبے نظر آئیں۔ عام آدمیوں کو اختیار ہے کہ جو چاہیں کریں۔ ان کے افعال کا اثر بھی انہیں  
 تک محدود رہے گا۔ لیکن جو لوگ سلطنت کے ارکان ہیں ان کے طرز معاشرت کا ممتاز ہونا

لوگوں کے دلوں میں اپنی حقارت کا خیال پیدا کرتا ہے اور رفتہ رفتہ اس قسم کی باتوں سے سلطنت شخصی کی وہ تمام خصوصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ ایک شخص آقا اور باقی تمام لوگ غلام ہیں۔ اس کے علاوہ جو شخص عرب کی فطرت سے واقف ہے وہ باآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس قسم کی باتیں پولیٹیکل مصالح سے خالی نہ تھیں۔ مساوات اور عدم ترجیح جس کو آج کل اصطلاح میں سو شلزم کہتے ہیں۔ عرب کا اصلی مذاق ہے اور عرب میں جو سلطنت اس اصول پر قائم ہو گی وہ یقیناً بہ نسبت اور ہر قسم کی سلطنت کے زیادہ کامیاب ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ احکام زیادہ تر عرب کی آبادیوں میں محدود تھے۔ ورنہ امیر معاویہ شام میں بڑے سروسامان سے رہتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے کچھ تعریض نہیں کرتے تھے۔ شام کے سفر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے خدم و حشم کو دیکھ کر اس قدر کہا کہ اکسر انہیں؟ یعنی یہ نوشرواںی جاہ و جلال کیسا؟ مگر جب انہوں نے جواب دیا کہ یہاں رومیوں سے سابقہ رہتا ہے اور ان کی نظر میں بغیر اس کے سلطنت کا رعب و داب نہیں قائم رہ سکتا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر تعریض نہیں کیا۔

عمال کی دیانت اور راستبازی کے قائم رکھنے کے لئے نہایت عمدہ اصول یہ اختیار کیا تھا۔ کہ تنخواہیں پیش مقرر کی تھیں، یورپ نے مدتیں کے تجربے کے بعد اصول سیکھا ہے اور ایشیائی سلطنتیں تواب تک اس راز کو نہیں سمجھیں، جس کی وجہ سے رشوت اور غبن ایشیائی سلطنتوں کا خاصہ ہو گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اگرچہ معاشرت نہایت ارزش اور رعایت گرا تھا۔ تاہم تنخواہیں علی قدر مراتب عموماً پیش قرار تھیں۔ صوبہ ذاروں کی تنخواہ پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھی۔ اور غنیمت کی تقسیم سے جو ملتا تھا وہ الگ-چنانچہ امیر معاویہ کی تنخواہ ہزار دینار ہا ہوار یعنی پانچ ہزار روپے تھی۔

(استیغاب قاضی ابن عبد البر اور ازالۃ الخفاء جلد دوم صفحہ ۲۷)

اب ہم عمالان فاروقی کی ایک اجمالی فہرست درج کرتے ہیں جس سے اندازہ ہو گا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکومت کی کل میں کس قسم کے پرزا استعمال کئے تھے۔

نام	مقام ماموریت	عمده	کیفیت
ابو عبیدۃ	شام	والی	مشور صحابی اور عشہ مبشرہ میں داخل ہیں
بنیزید بن ابی سفیان	شام	والی	تمام بناوامیہ میں ان سے برہہ کر کوئی شخص لاائق نہ تھا۔

سیاست و تدبیر میں مشور ہیں۔	والی	شام	امیر معادیہ
مصر انہی نے فتح کیا۔	والی	مصر	عمرو بن العاص
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے۔	والی	کوفہ	سعد بن ابی و قاص
مہاجرین میں سے ہیں، بصرہ انہی نے آباد کرایا۔	والی	بصرہ	عتبه بن غزوان
مشور جلیل القدر صحابی ہیں۔	والی	بصرہ	ابوموسیٰ اشعربی
آنحضرت نے ان کو کہہ معلمہ کا عامل مقرر کیا تھا۔	والی	کمہ معنیرہ	عتاب بن اسید
فضلاً نے صحابہ میں سے ہیں۔	والی	کمہ معنیرہ	نافع بن عبد الحارث
ابو جہل کے پیٹجے اور معزز شخص تھے۔	والی	کمہ معنیرہ	خالد بن العاص
آنحضرت کے بعد زار مدار پھیلا تو طائف کے لوگوں کو	والی	طائف	عثمان بن ابی العاص
انہی نے خاما تھا۔			
صحابہ میں سے تھے اور فیاضی میں شہرت عام رکھتے تھے۔	والی	یمن	یعلیٰ بن امیہ
بڑے صاحب اثر تھے، آنحضرت نے ان کو یمن کا عامل	والی	یمن	علاء بن الحضری
مقرر کیا تھا۔			
حساب کتاب اور یائش کے کام میں نمایت ماہر تھے۔	صاحب	مدائن	نعمان
جزیرہ انہی نے فتح کیا تھا۔	الخارج		
حضرت عمران کی نمایت عزت کرتے تھے۔	کشر	اضلاع فرات	عثمان بن حفیث
مشور صحابی اور آنحضرت کے رازدار تھے۔	بندو بست		
بڑے خاندان کے آدمی تھے۔			
اکابر صحابہ میں ہیں۔	جزیرہ	جزیرہ بن شنم	عیاض بن شنم
صحابہ میں سے اول انہی کو راشت کامال ملا۔	جمص	عمرو بن سعد	عمرو بن سعد
موصل میں انہی نے فتحی چھاؤنی ہوائی۔	مدائی	خذلہ بن الیمان	خذلہ بن الیمان
	اسفهان	نعمان بن حردش دہانی	نعمان بن حردش دہانی
	سوق الاهواز	سرقة بن جندب	سرقة بن جندب
	میسان	نعمان بن عبدی	نعمان بن عبدی
	موصل	غرنجہ بن ہرثمة	غرنجہ بن ہرثمة
	ما لگذاری		

## صیغہ محاصل

### خارج

#### خارج کا طریقہ عرب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایجاد کیا

خارج کا لظم و نق عرب کی تاریخ تمدن میں ایک نیا اضافہ تھا۔ اسلام سے پہلے اگرچہ عرب کے مختلف خاندان تاج و ختن کے مالک ہوئے جنہوں نے سلطنت کے تمام کاربار قائم کر دیئے تھے لیکن محاصل کا باقاعدہ انتظام بالکل موجود نہ تھا۔ اسلام کے آغاز میں اس قدر ہوا کہ جب خبر فتح ہوا تو یہودیوں نے درخواست کی کہ زراعت کا کام ہم اچھا جانتے ہیں اس لئے نہیں ہمارے ہی قبیلے میں چھوڑ دی جائے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور کر لی اور بیانی پر معاملہ ہو گیا۔ اس کے سوا جن مقامات کے باشندے سب مسلمان ہو گئے تھے ان کی نیشن پر عشر مقرر کر دیا۔ جو ایک قسم کی زکوٰۃ تھی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں عراق کے کچھ حصے فتح ہوئے لیکن خراج وغیرہ کا کچھ انتظام نہ ہوا۔ بلکہ سرسری طور پر کچھ رقم مقرر کر دی گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب مدد کی طرف سے فی الجمل اطمینان ہوا یعنی مدھجری میں ادھر عراق عرب پر پورا قبضہ ہو گیا۔ اور اس طرف یہ موک کی فتح نے رومیوں کی قوت کا استیصال کر دیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خراج کے لظم و نق کی طرف توجہ کی۔ اس مرحلے میں پہلی یہ مشکل پیش آئی کہ امراء فوج نے اصرار کیا کہ تمام مفواد مقامات صدیع فتح کے طور پر ان کی جاگیر میں عنایت کئے جائیں۔ اور باشندوں کو ان کی غلامی میں دے دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عراق کی فتح کے ساتھ سعد بن ابی و قاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہاں کی مروم شماری کے لئے حکم دیا تھا۔ سعد نے نایت جانچ کے ساتھ مروم شماری کا کاغذ مرتب کر کے بھیجا۔ کل باشندوں اور اہل فوج کی تعداد کا موازنہ کیا گیا۔ تو ایک ایک مسلمان کے حصے تین تین آدمی پڑتے تھے۔ اسی وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ رائے قائم ہو چکی تھی کہ نہیں باشندوں کے قبضہ میں رہنے والی جائے اور ان کو ہر طرح پر آزاد چھوڑ دیا جائے۔ لیکن اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے عبد الرحمن بن عوف

رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ اہل فوج کے ہم زبان تھے۔ حضرت بلاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قدر کہ کی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دل ہو کر فرمایا اللهم لکنی بلاً۔ یعنی ””ے خدا مجھ کو بلاں سے نجات دے۔“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ استدلال پیش کرتے تھے کہ اگر ممالک مفتوحہ فوج کو تقسیم کر دیئے جائیں تو آئندہ افواج کی تیاری بیرونی حملوں کی حفاظت ملک کے امن و امان قائم رکھنے کے مصارف کمال سے آئیں گے۔ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے کہ جن کی تواروں نے ملک کو فتح کیا ہے انہی کو قبضے کا بھی حق ہے۔ آئندہ نسلیں مفت کیونکر پاسکتی ہیں۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت کا جموروی طریقہ تھا۔ یعنی جو فیصلہ ہوتا تھا کثرت رائے پر ہوتا تھا۔ اس لئے عام اجلاس ہوا۔ جس میں تمام قداء ماجرین و انصار میں سے پانچ قبلیہ اوس اور قبلیہ خزرج کے سردار، وکیل کے طور پر شریک ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے سے اتفاق کیا۔ تاہم کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ کئی دن تک یہ مرحلہ رہا۔

### حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استدلال

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دفعۃ قرآن مجید کی ایک آیت یاد آئی جو بحث کے لئے نص قاطع تھی یعنی لِلْفَقَرَاءِ الْمَهَاجِرِنَ الَّذِينَ اخْرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمُ الْخَ اس آیت کے آخر میں فقرے والذین جاؤ امن بعدهم سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ استدلال کیا کہ فتوحات میں آئندہ نسلوں کا بھی حق ہے لیکن اگر فاتحین کو تقسیم کر دیا جائے تو آنے والی نسلوں کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر نایاب پر نور تقریر کی اور اس آیت کو استدلال میں پیش کیا۔ تمام لوگ بول اٹھے کہ ”بے شہہ آپ کی رائے بالکل صحیح ہے۔“ اس استدلال کی بناء پر یہ اصول قائم ہو گیا کہ جو ممالک فتح کے جائیں وہ فوج کے ملک نہیں ہیں بلکہ حکومت کے ملک قرار پائیں گے اور پھر قبضیں کو بیدار خل نہیں کیا جائے گا۔ اس اصول کے قرار پانے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ممالک مفتوحہ کے بندوبست پر توجہ کی۔

## عراق کابنڈو بست

عراق چونکہ عرب سے نہایت قریب اور عربوں کے تباہ ہو جانے کی وجہ سے عرب کا ایک صوبہ بن گیا تھا۔ سب سے پہلے اس سے شروع کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک یہ بھی اصول تھا کہ ہر ملک کے انتظام میں وہاں کے قدم رسم و رواج سے واقفیت حاصل کرتے تھے اور اکثر حالتوں میں کسی قدر اصلاح کے ساتھ قدم انتظامات کو بحال رکھتے تھے۔ عراق میں اس وقت مال گزاری کا جو طریقہ جاری تھا کہ ہر ایک قسم کی مزروعہ نہیں پر ایک خاص شرح کے لگان مقرر تھے جو تین قسطوں میں ادا کئے جاتے تھے۔ یہ طریقہ سب سے پہلے قباد نے قائم کیا تھا۔ اور نو شیروان نے اس کی تیکیل کی تھی۔ نو شیروان تک تعین لگان میں یہ اصول بطور مسماۃ تھا کہ اصل پیداوار کے نصف سے زیادہ ہونے پائے لیکن خروپوز نے اس پر اضافہ کیا۔ اور یہ زگرد کے نمانے میں اور بھی تبدیلیاں ہوئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منید تحقیقات کے لحاظ سے پیائش کا حکم دیا۔ اس کام کے لئے چونکہ دیانت کیماں مساحت سے واقف ہونا ضرور تھا۔ اور عرب میں اس قسم کے فنون اس وقت تک راجح نہ تھے اس لئے فی الجملہ وقت پیش آئی۔ آخر دفعہ شخص منتخب کئے گئے عثمان بن حنیف اور حنفیہ بن الیمان۔

## افران کابنڈو بست

یہ دونوں بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے اور عراق میں زیادہ تر ہنے سے اس قسم کے کاموں سے واقف ہو گئے تھے۔ خصوصاً عثمان بن حنیف کو اس فن میں پوری صارت حاصل تھی۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ انہوں نے اس تحقیق اور صحت کے ساتھ پیائش کی جس طرح قیمتی کپڑا اپا جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیائش کا پیانا خود اپنے دست مبارک سے تیار کر کے دیا۔ کئی میئنے تک بڑے اہتمام اور جانچ کے ساتھ پیائش کا کام جاری رہا۔

## عراق کا کل رقبہ

کل رقبہ طول میں ۵۷ سار میل اور عرض میں ۲۳۰ مہر یعنی کل ۱۰۰ مہر میل مکسر تھا۔ اور پہاڑ صحراء اور نہوں کو چھوڑ کر قابل زراعت نہیں تین کروڑ سانچھ لائل جنیب تھا۔

۱۔ کتاب الاول ذکر اول من غیر سنه ساسان و ذکر اول من وضع الخراج۔

(۱) خاندان شاہی کی جا گیر (۲) آتش کدوں کے اوقاف (۳) لاوارثوں (۴) مفروروں اور (۵) باغیوں کی جائیداد (۶) زینین جو سڑکوں کی تیاری اور درستی اور ڈاک کے مصارف کے لئے مخصوص تھیں۔ (۷) دزیا بر آرڈ۔ (۸) جنگل۔ اور تمام زمینوں کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالصہ قرار دے کر ان کی آمنی جس کی تعداد سالانہ ستر لاکھ (۳۰۰۰۰۰) تھی رفاه عام کے کاموں کے لئے مخصوص کروی۔ کبھی کبھی کسی شخص کو اسلامی کوششوں کے صلے میں جا گیر عطا کی جاتی تھی تو انہی زمینوں سے کی جاتی تھی۔ لیکن یہ جا گیریں کسی حال میں خراج یا عشرے مستثنی نہیں ہوتی تھیں۔ باقی تمام نہیں قدم قبضہ داروں کو دیدی گئی۔ اور حسب ذیل لگان مقرر کیا گیا۔

## لگان کی شرح

گیسوں	فی جریب یعنی پون یا گھن پختہ	۲ دورہم سال
جو	"	اور ہم سال
نیشکر	"	۲ دورہم سال
روئی	"	۵ دورہم سال
انگور	"	۷ دورہم سال
نخلستان	"	۹ دورہم سال
تل	"	۸ دورہم سال
ترکاری	"	۳۲ دورہم سال

بعض بعض جگہ نہیں کی لیاقت کے اعتبار سے اس شرح میں تقاضہ بھی ہوا۔ یعنی گیسوں پر فی جریب ۲۰ دورہم اور جو پر ۲۰ دورہم مقرر ہوئے

## عراق کا خراج

افرادہ نہیں پر بشرطیکہ قابل زراعت ہو۔ وہ جریب پر ایک دورہم مقرر ہوا۔ اس طرح کل عراق کا خراج ۸۰ کروڑ ساٹھ لاکھ دورہم ٹھہرا۔ چونکہ پیائش کے ممکن مختلف لیاقت کے تھے اس لئے تشخیص جمع میں بھی فرق رہا۔ تاہم جہاں جس قدر جمع مقرر کی گئی اس سے نیا

مالکان اراضی کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذمی رعایا کا اس قدر خیال تھا کہ دونوں افسروں کو بلا کر کما کہ تم نے تشخیص جمع میں سختی تو نہیں کی؟ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کما کہ نہیں۔ بلکہ ابھی اس قدر اور گنجائش ہے۔ (کتاب الخراج صفحہ ۱۷)

### زمیندار اور تعلقہ دار

جو لوگ قدیم سے زمیندار اور تعلقہ دار تھے اور جن کو اپر انی زیان میں مرزبان اور وہ قان کہتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی حالت اسی طرح قائم رہنے دی اور ان کے جو اختیارات اور حقوق تھے سب بحال رکھے۔ جس خوبی سے بندوبست کیا گیا تھا اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ لگان کی شر میں نوشیروان کی مقرر کردہ شروں سے زائد تھیں۔ تاہم نہایت کثرت سے افلاہ زینین آباد ہو گئی اور و فتحہ زراعت کی پیداوار میں ترقی ہو گئی۔

### پیداوار اور آمدی میں ترقی

چنانچہ بندوبست کے دو سرے ہی سال خراج کی مقدار آٹھ کروڑ سے دس کروڑ میں ہزار درہم تک پہنچ گئی۔ سالانے مابعد میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اس پر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ احتیاط تھی۔

### ہرسال مال گزاری کی نسبت رعایا کا اظہار لیا جانا

کہ ہرسال جب عراق کا خراج آتا تھا تو دس ثقہ اور معتمد اشخاص کوفہ سے اور اسی قدر بصرہ سے طلب کئے جاتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو چاروں فہر شرعی قسم دلاتے تھے کہ یہ مال گزاری کسی ذمی یا مسلمان پر قلم کر کے تو نہیں لی گئی ہے۔ (کتاب الخراج صفحہ ۱۸۵) عبارت یہ ہے۔ ان عمر ابن الخطاب کان من يبحى المعرفة كل سنته ماته الف الف اقيقة ثم يخرج الي عشرة من اهل الكوفة وعشرة من اهل البصرة يشهدون اربع شهادات بالله انس من طيب مافيد ظلم مسلم ولا معاهد (۲)

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگرچہ نہایت زمی نے خراج مقرر کیا تھا لیکن جس قدر مال گزاری ان کے عمد میں وصول ہوئی زمانہ مابعد میں کبھی وصول نہیں ہوئی۔

حضرت عمر بن الخطاب کے زمانے میں جس قدر خراج وصول ہوا

زمانہ بعد میں کبھی نہیں ہوا

حضرت عمر بن عبد العزیز فرمایا کرتے تھے کہ حاجج پر خدا عننت کرے کم بعثت کوئہ دین کی لیاقت تھی نہ دنیا کی۔ عمر بن الخطاب نے عراق کی مال گزاری مکرر ۲۴ لاکھ درہم وصول کی، زیاد نے مل کروڑ ۲۴ لاکھ اور حاجج نے باوجود جبو ظلم کے صرف ہر کروڑ ۲۴ لاکھ وصول کئے۔ مامون الرشید کا زمانہ عمل و انصاف کے لئے مشہور ہے لیکن اس کے بعد میں بھی عراق کے خراج کی تعداد ہر کروڑ ۲۴ لاکھ درہم سے کبھی نہیں بڑھی۔

جبکہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے عراق کے سوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی صوبے کی پیائش نہیں کرائی۔ بلکہ جہاں جس قسم کا بندوبست تھا اور بندوبست کے جو کاغذات پہلے سے تیار تھے ان کو اسی طرح قائم رکھا، یہاں تک کہ وفتکی زبان تک نہیں بدلی، یعنی جس طرح اسلام سے پہلے عراق و ایران کا وفتر قاری میں، شام کاروی میں، مصر کا قبطی میں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد میں بھی اسی طرح رہا۔ خراج کے محکے میں جس طرح قدم سے پارسی یونانی اور قبطی ملازم تھے بدستور بحال رہے۔ تاہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم طریقہ انتقام میں جہاں کچھ غلطی دیکھی اس کی اصلاح کروی، چنانچہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے

مصر میں فرعون کے زمانے میں جو بندوبست ہوا تھا۔ تالو میز (طلالہ) نے بھی قائم رکھا اور رومان ایسا پر میں بھی وہی جاری رہا۔ فرعون نے تمام اراضی کی پیائش کرائی تھی اور تشخیص جمع اور طریقہ ادا کے مقدم اصول یہ قرار دیئے تھے۔

مصر میں فرعون کے زمانے کے قواعد مال گزاری

- ① خراج نقداً و اصل پیدا وار و نوں طریقوں سے وصول کیا جائے۔
- ② چند سالوں کی پیداوار کا اوسط نکال کر اس کے لحاظ سے جمع تشخیص کی جائے۔
- ③ بندوبست چار سالہ ہو۔ (پروفیسر FRVAN BERGH)<sup>5</sup> نے ایک کتاب فرنچ زبان میں مسلمانوں کے قانون مال گزاری پر لکھی ہے یہ حالات میں نے اسی کتاب سے لئے ہیں۔ آگے چل کر بھی اس کتاب کے حوالے آئیں گے اس کتاب کا پورا نام یہ ہے

(LAPROPRIETE TERRITORIAL ETU' IMPOT FONCIER  
SONSLES PREMIERS CALIFES)

### رومیوں کا اضافہ

رومیوں نے اپنے عہد حکومت میں اور تمام قاعده بحال رکھے لیکن یہ نیا دستور مقرر کیا کہ ہر سال خراج کے علاوہ مصر سے غلہ کی ایک مقدار کی شیرپائے تخت قسطنطینیہ کو روانہ کی جاتی تھی اور سلطنت کے ہر صوبے میں فوج کی رسید کے لئے یہیں سے غلہ جاتا تھا۔ جو خراج میں محسب نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دونوں جابرانہ قاعده موقوف کر دیئے۔

### حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قدیم طریقے کی اصلاح کی

یورپ کے موڑخوں نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی یہ رسم جاری رہی۔ چنانچہ قحط کے سال مصر سے مدینہ منورہ کو جو غلہ بھیجا گیا، اسی اصول کے موافق بھیجا گیا۔ لیکن یہ ان کی سخت غلطی اور قیاس بازی ہے۔ بے شہہ عام القحط میں مصر سے غلہ آیا اور پھر یہ ایک رسم قائم ہو کر دتوں تک جاری رہی۔ لیکن یہ وہی غلہ تھا جو خراج سے وصول ہوتا تھا۔ کوئی نیا خراج یا نیکس نہ تھا۔ چنانچہ علامہ بلاذری نے فتح البلدان میں صاف صاف تصریح کر دی ہے اس بات کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب خراج میں صرف نقدی کا طریقہ رہ گیا تو حشیں کے لئے جو غلہ بھیجا جاتا تھا خرید کر کے بھیجا جاتا تھا۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد حکومت کی نسبت علامہ مقریزی نے صاف اس کی تصریح کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر صوبہ میں فوج کی رسید کے لئے غلے کھیتوں کا بھی انتظام کیا تھا۔ لیکن یہ وہی خراج کا غلہ تھا۔

### مصر میں وصول مال گذاری کا طریقہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مال گذاری کے وصول کا طریقہ بھی نہایت زم کروایا اور اس لحاظ سے دونوں ملک کے قدیم قاعدوں میں فی الجملہ ترمیم کر دی۔ مصر ایک ایسا ملک ہے جس کی پیداوار کامدار ذریعے نہیں کی طغیانی پر ہے اور جو نکہ اس کی طغیانی کے مارج میں نہایت تقاوٹ ہوتا رہتا تھا۔ اس لئے پیداوار کا کوئی خاص اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔

چند سالوں کے اوسط کا حساب اس نے مفید نہیں کہ جاہل کاشتکار اپنے مصارف کی تقسیم ایسی باقاعدہ نہیں کر سکتے کہ خشک سالی میں اوسط کے حساب سے ان کا کام چل سکے۔

بھر حال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں مال گذاری کے وصول کا طریقہ تھا کہ جب مال گذاری کی قطعیں کھلتی تھیں تو تمام پر گنہ جات سے رئیس اور زمیندار اور عراف طلب کئے جاتے تھے اور وہ پیدا اور جاہل کے لحاظ سے کل ملک کے خزان کا ایک تخمینہ پیش کرتے تھے اس کے بعد اسی طرح ہر ہر ضلع اور ہر ہر پرنے کا تخمینہ مرتب کیا جاتا تھا، جس میں مقامی زمیندار اور کھیا شریک ہوتے تھے یہ تخمینی رقم ان لوگوں کے مشورے سے ہر ہر گاؤں پر پھیلا دی جاتی تھی۔ پیدا اور جو ہوتی تھی اس میں سے اول گراویں اور عمالوں کے مصارف اور مسلمانوں کی مہماں کا خرچ نکال لیا جاتا تھا۔ باقی جو پچتا ہوا اس میں سے جمع مشخص ادا کی جاتی تھی ہر گاؤں پر جمع تشخیص ہوتی تھی۔ پڑتے سے اس کا ایک حصہ گاؤں کے پیشہ وریوں سے بھی وصول کیا جاتا تھا (مقریزی نے یہ پوری تفصیل نقل کی ہے۔ دیکھو کتاب مذکور سمجھئے) علامہ بشاری کی کتاب جغرافیہ صفحہ ۷۷۲ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے)

اس طریقہ میں اگرچہ بڑی زحمت تھی اور کویا ہر سال نیا بندوبست کرنا پڑتا تھا۔ لیکن مصر کے حالات کے لحاظ سے عدل اور انصاف کا بھی مقتضی تھا۔ اور مصر میں یہ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ایک مدت سے معمول بھی تھا۔ لگان کی شرح فی جمیب ایک دینار اور تین ارب غلہ قرار دی گئی اور یہ معاملہ لکھ دیا گیا کہ اس مقدار پر کبھی اضافہ نہیں کیا جائے گا۔

## مصر کا کل خراج

اس عدل و انصاف کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو خراج وصول ہوتا تھا اس کی تعداد ایک کروڑ میں لاکھ دینار تھی۔ جس کے تقریباً پانچ کروڑ چھڑ لاکھ روپے ہوتے ہیں۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ یہ صرف جزیے کی رقم تھی۔ خراج اس کے علاوہ تھا۔ ابو حرقہ بغدادی نے بھی اپنے جغرافیہ میں قاضی ابو حازم کا جو قول نقل کیا ہے وہ اسی کے مطابق ہے لیکن میرے نزدیک دونوں نے غلطی کی ہے۔ خود علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ جب عمرو بن العاص نے پہلے سال ایک کروڑ دینار وصول کئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خیال سے کہ موقوس نے ابھی پہلے سال ۲۰ کروڑ وصول کئے تھے۔ عمرو بن العاص سے باز پرس کی۔ یہ مسلم ہے کہ موقوس کے عمد میں جزیے کا دستور نہ تھا۔ اس نے

عمرو بن العاص کی یہ رقم اگر جزئی تھی تو مقوضس کی رقم سے اس کا مقابلہ کرنا بالکل بے معنی تھا۔ اس کے علاوہ تمام مؤرخین نے اور خود مقریزی نے جہاں خراج کی حیثیت سے اسلام کے مقابل اور ما بعد ننانوں کا مقابلہ کیا ہے۔ اسی تعداد کا نام لیا ہے۔ بہر حال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں خراج کی مقدار جہاں تک پچھی زمانہ بعد میں کبھی اس حد تک نہیں پہنچی۔ بنو امیہ اور بنو العباس کے زمانے میں تیس لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہیں ہوا۔

### مصر کا خراج بنو امیہ اور عباسیہ کے زمانے میں

ہشام بن عبد الملک نے جب بڑے اہتمام سے تمام ملک کی پیاس اٹش کرائی جو تین کروڑ فدائی ٹھہری تو مہر لاکھ سے چالیس لاکھ ہو گئے البتہ حضرت عثمان کے زمانے میں عبد اللہ بن سعد گورز مصر نے ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار و صول کئے تھے لیکن جب حضرت عثمان نے فخریہ عمرو بن العاص سے کہا کہ اب تو اونٹھی نے زیادہ ووڈھ لمعیا ہے۔ تو عمرو بن العاص نے آزادانہ کہا کہ ”ہاں! لیکن پچھے بھوکا رہا۔“ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ ہر قسم کی دنیاوی ترقی میں یاد گار ہے۔ ان کے عہد میں مصر کے خراج کی تعداد مہر لاکھ دینار تھی ہے۔ فاطمیین کے عہد میں خلیفہ المعرلین اللہ کے گورنر نے باد جو دیہ کہ لگان کی شرح و غنی کروی۔ تاہم ۴۲ مہر لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہ ہوئے۔ (کتاب الخزان صفحہ ۲۸۱، ابن حوقل ذکر مصر)

### شام

شام میں اسلام کے عہد تک وہ قانون جاری تھا جو ایک یونانی بادشاہ نے اپنے تمام ممالک مقبوضہ میں قائم کیا تھا۔ اس نے پیداوار کے اختلافات کے لحاظ سے نہیں کے مختلف مدارج قرار دیئے تھے۔ اور ہر قسم کی نہیں پر جداگانہ شرح کے لگان مقرر کئے تھے یہ قانون چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں یونانی زبان سے شامی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ اور اسلام کی فتوحات تک وہی ان تمام ممالک میں جاری تھا۔ قرآن اور قیاسات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصر کی طرح یہاں بھی وہی قدم قانون جاری رہنے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں شام سے جو خراج وصول ہوتا تھا اس کی کل تعداد ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار یعنی ہر کروڑ ۴۰ لاکھ روپے تھی۔

لے دیکھو مقریزی صفحہ ۱۷۱ جلد اول۔ ۲۔ تہجی البلد ان ذکر مصر۔ مقریزی جلد اول صفحہ ۲۷۷ تاہب۔  
۳۔ دیکھو پوسٹر خیم فراشی کی کتاب مسلمانوں کے قانون مال گذاری پر۔

عراق، مصر شام کے سوا اور ممالک مفتوح یعنی فارس، کران، آرمینیہ و غیوب کے بندوں بست اور تشخیص خراج کے حالات ہم بست کم معلوم کر سکے۔ مؤثر خیں ان ملکوں کے حالات فتح میں صرف اس قدر لکھتے ہیں کہ وہاں کے لوگوں پر جزیہ اور نشان پر خراج مقرر کیا گیا۔ کیسیں کیسی خاص رقم پر معابدہ ہو گیا ہے تو اس کی تعداد للہ ولی ہے۔ باقی اور قسم کی تفصیل کو ہاتھ نہیں لگایا ہے اور چونکہ اس قسم کی جزوی تفصیلوں سے کچھ بڑے نتائج متعلق نہیں اس لئے ہم بھی اس کی چند اس پرواہ نہیں کرتے۔

### قانون مالگزاری میں حضرت عمر بن الخطاب کی اصلاحات

البتہ ایک محقق کی نگاہ اس بات پر پڑتی ہے کہ اس صیغے میں فتوحات فاروقی کی خاص ایجادات اور اصلاحیں کیا ہیں اور کامی خاص پہلو پر نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ سب سے بڑا انقلاب جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صیغے میں کیا اور جس کی وجہ سے رعایا کی بہبودی اور خوشحالی و فتحتہ نہایت ترقی کر گئی، یہ تھی کہ زمینداری اور طلکیت نہیں کا جو قدم قانون اور بیالکل جابرانہ تھا مٹا دیا۔ رویوں نے جب شام اور مصر پر قبضہ کیا تو تمام ارضیات اصلی باشندوں سے چھین کر کچھ افسران فوج اور کچھ ارکین دربار کو دے دیں۔ کچھ شاہی جاگیریں قرار پائیں۔ کچھ کلیسا اور چیچ پر وقف کر دیں۔ اصل باشندوں کے ہاتھ میں ایک چھپ نہیں بھی نہیں رہی۔ وہ صرف کاشتکاری کا حق رکھتے تھے اور اگر مالک نہیں ان کی کاشتکاری کی نہیں کو کسی کے ہاتھ منتقل کرتا تھا تو نہیں کے ساتھ کاشتکار بھی منتقل ہو جاتے تھے۔ اخیر میں باشندوں کو بھی کچھ زمینداریاں ملنے لگیں۔ لیکن زمینداری کی حفاظت اور اس سے ممتنع ہونے کے لئے روی زمینداروں سے اعانت لینی پڑتی تھی۔ اس بمانے سے زمیندار خود نہیں پر متصف ہو جاتے تھے اور وہ غریب کاشتکار کا کاشتکار رہ جاتا تھا۔ یہ طریقہ کچھ روی سلطنت کے ساتھ مخصوص نہ تھا۔ بلکہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے تمام دنیا میں قریب قریب یہی طریقہ جاری تھا کہ نہیں کا بہت بڑا حصہ افسران فوج یا ارکان دولت کی جاگیریں دے دیا جاتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملک پر قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس ظالمانہ قانون کو مٹا دیا۔ روی تو اکثر ملک کے مفتوح ہوتے ہی نکل گئے اور جو رہ گئے ان کے قبضے سے بھی نہیں نکال لی گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام ارضیات کو شاہی جاگیر تھیں یا جن پر روی افسران ببعض تھے باشندوں کا ملک کے حوالے کر دیں۔ اور بجائے اس کے کہ وہ مسلمان افسروں یا فوجی سرداروں کو عنایت کی جاتیں قauda ہنادیا کہ مسلمان کسی حالت میں ان

زمینوں پر قابض نہیں ہو سکتے۔ یعنی مالکان اراضی کو قیمت دے کر خریدنا چاہیں تو خرید بھی نہیں سکتے یہ قاعدہ ایک مدت تک جاری رہا۔ چنانچہ یسٹ بن سعد نے مصر میں کچھ نہیں مول لی تھی۔ تو بڑے بڑے پیشوایاں نہ بہب مثلاً امام مالک، نافع بن یزید، بن الیعہ نے ان پر سخت اعتراض لے کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی پر اتنا نہیں کیا بلکہ اہل عرب کو جوان ممالک میں پھیل گئے تھے زراعت کی ممانعت کر دی۔ چنانچہ تمام فوجی افسروں کے نام احکام بھیج دیئے کہ لوگوں کے روزینے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ اس لئے کوئی شخص زراعت نہ کرنے پائے یہ حکم اسی قدر سختی سے دیا گیا کہ شریک عطفی ایک شخص نے مصر میں زراعت کر لی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بلا کسر سخت موادخہ کیا اور فرمایا کہ تجوہ کو ایسی سزاوں کا کہ اوروں کو عبرت ہو۔ (حسن الحاضر صفحہ ۹۳)

ان قاعدوں سے ایک طرف تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عدل والنصاف کا نمونہ قائم کیا۔ جس کی نظریہ دنیا میں کہیں موجود نہ تھی۔ کیونکہ کسی فالج قوم نے مفتوجین کے ساتھ کبھی ایسی رعایت نہیں برپی تھی۔ دوسری طرف زراعت اور آبادی کو اس سے نہایت ترقی ہوئی۔ اس لئے کہ اصلی باشندے جو دست سے ان کاموں میں مہارت رکھتے تھے عرب کے خانہ بدوش بدوان کی برابری نہیں کر سکتے تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس تدبیر نے فتوحات کی وسعت میں بڑا کام دیا۔ فرانس کے ایک نہایت لاائق مصنف نے لکھا ہے کہ یہ بات مسلم ہے کہ اسلام کی فتوحات میں خراج اور مال گذاری کے معاملہ کو بہت دخل ہے۔ وہ من سلطنت میں باشندگان ملک کو جو سخت خراج ادا کرنا پڑتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کی فتوحات کو نہایت تیزی سے برعکس مسلمانوں کے حملوں کا جو مقابلہ کیا گیا وہ اہل ملک کی طرف سے نہ تھا بلکہ حکومت کی طرف سے تھا۔ مصر میں خود قبطی کاشتکاروں نے یونانیوں کے برعکس مسلمانوں کو مدد و دشمنی اور حصہ میں عیسائی باشندوں نے ہر قل کی فوج کے مقابلے میں شر پناہ کے دروازے بند کر دیئے اور مسلمانوں سے کہہ دیا کہ ہم تمہاری حکومت کو مقابلہ بے رحم رو میوں کے بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔

یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غیر قوموں کے ساتھ انصاف کرنے میں اپنی قوم کی حق تلفی کی یعنی ان کو زراعت اور فلاحت سے روک دیا۔ درحقیقت اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بڑی انجام بینی کا ثبوت ملتا ہے۔ عرب کے اصلی جو ہر دلیری، بہادری، جفا کشی، بہت، عزم اسی وقت تک قائم رہے جب تک وہ کاشتکاری

اور زمینداری سے الگ رہے جس دن انہوں نے نہیں کوہاٹھ لگایا۔ اسی دن یہ تمام اوصاف بھی ان سے رخصت ہو گئے

## بندوبست مال گذاری میں ذمیوں سے رائے لینا

اس معاملے میں ایک اور نمایت النصافانہ اصول جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتاتی ہے تھا کہ بندوبست اور اس کے متعلق تمام امور میں ذمی رعایا سے جو پارسی یا عیسائی تھی ہمیشہ رائے طلب کرتے تھے اور ان کی معروضات پر لحاظ فرماتے تھے۔ عراق کا جب بندوبست کرنا چاہا تو پہلے عمال کو لکھا کر عراق کے دور نیسوں کو ہمارے پاس بھیجو جن کے ساتھ مترجم بھی نہ ہوں۔ پیائش کا کام جاری ہو چکا تو پھر دس دس بڑے بڑے زمیندار عراق سے بلوئے اور ان کے اخہمار لئے (کتاب الخراج صفحہ ۵)

اسی طرح مصر کے انتظام کے وقت وہاں کے گورنر کو لکھا کر متوقق سے (جو پہلے مصر کا حاکم تھا) خراج کے معاملے میں رائے لو۔ اس پر بھی تسلی نہ ہوئی تو ایک واقف کا رقمبٹی کو مدینے میں طلب کیا اور اس کا اخہمار لے لیا۔ یہ طریقہ جس طرح عدل و انصاف کا نمایت اعلیٰ نمونہ تھا۔ اسی طرح انتظام کی حیثیت سے بھی مفید تھا۔

ان باتوں کے ساتھ ان اصلاحات کو بھی شامل کرنا چاہئے جن کا بیان ہم بندوبست کے شروع میں کر آئے ہیں۔

## ترقی زراعت

بندوبست کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہیں کی آبادی اور زراعت کی ترقی کی طرف توجہ کی۔ عام حکم دے دیا کہ تمام ملک میں جہاں جہاں افتادہ زمینیں ہیں جو شخص ان کو آباد کرے گا اس کی ملک ہو جائیں گی۔ لیکن اگر کوئی شخص اس قسم کی نہیں کو آباد کرنے کی غرض سے اپنے قبضے میں لائے اور تین برس کے اندر آباد نہ کرے تو نہیں اس کے قبضے سے نکل جائے گی، اس طریقے سے افتادہ زمینیں نمایت جلد آباد ہو گئیں۔ حملے کے وقت جہاں جہاں کی رعایا گھر چھوڑ کر نکل گئی تھی ان کے لئے اشتہار دے دیا کہ واپس آجائے اور اپنی زمینوں پر قابض ہو جائے زراعت کی حفاظت اور ترقی کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو خیال تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے اگر فکایت کی

کہ شام میں میری کچھ زراعت تھی۔ آپ کی فوج ادھر سے گذری اور اس کو بیباو کر دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت اس کو دس ہزار درہم معاوضے میں ملدوائے تمام ممالک مفتوحہ میں نہیں جاری کیں۔ اور بند پاندھے

۳۰

### محکمہ آپاٹشی

تلاab تیار کرنے پانی کی تقسیم کرنے کے دہانے بنائے نہیں کے شعبے نکالنے اور اس قسم کے کاموں کا ایک بڑا محکمہ قائم کیا۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ خاص مصر میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور روزانہ سال بھراں کام میں لگے رہتے تھے اور یہ تمام مصارف بیت المال سے ادا کئے جاتے تھے خوزستان اور اہواز کے اضلاع میں جزرن معاویہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت سے بستی نہیں کھدوائیں۔ جن کی وجہ سے بستی افقارہ زینین آباد ہو گئیں۔ اسی طرح اور یہ نہیں تیار ہوئیں۔ جس کا پتہ جتنا تاریخوں میں ملتا ہے۔

### خرابی اور عشري

نویعت قبضہ کے لحاظ سے نہیں کی ایک اور تقسیم کی۔ یعنی خرابی اور عشري، خرابی کا بیان اور گزر چکا۔ عشري اس نہیں کا نام تھا جو مسلمانوں کے قبضے میں ہوتی تھی۔ اور جس کے اقسام حسب ذیل ہوتے تھے۔

① عرب کی نہیں جس کے قابضین اور اکل اسلام میں مسلمان ہو گئے تھے۔ مثلاً مدینہ منورہ وغیرہ۔

② جونہیں کسی ذمی کے قبضے سے نکل کر مسلمانوں کے قبضے میں آتی تھی۔ مثلاً لاوارث مر گیا۔ یا مفترور ہو گیا۔ یا بغاوت کی یا استغفاری دے دیا۔

③ جو افقارہ نہیں کسی حیثیت سے کسی کی ملک نہیں ہوتی تھی۔ اور اس کو کوئی مسلمان آباد کر لیتا تھا۔

ان اقسام کی تمام زینین عشري کملاتی تھیں اور چونکہ مسلمانوں سے جو کچھ لیا جاتا تھا۔ وہ زکوٰۃ کی مدد میں داخل تھا۔ اس لئے ان زمینوں پر بجائے خراج کے زکوٰۃ مقرر تھی جس کی مقدار اصل پیدا اور کاوساں حصہ ہوتا تھا۔ یہ شرح خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے مقرر فرمائی تھی۔ اور وہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمد میں بھی قائم رہی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اتنا کیا کہ ایران وغیرہ کی جو زینتیں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں اگر وہ ذمیوں کی قدمیں رسول یا کنوں سے سیراب ہوتی تھیں تو ان پر خراج مقرر کیا۔ چنانچہ اس قسم کی زینتیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ و خباب وغیرہ کے قبضے میں تھیں اور ان سے خراج لیا جاتا تھا۔ اور اگر خود مسلمان نئی نسیا کنوں کھو دکر اس کی آپاشی کرتے تھے تو اس پر رعایتی عشرہ مقرر کیا جاتا تھا۔ (کتاب الخراج صفحہ ۲۷۵ تا ۲۸۵)

مسلمانوں کے ساتھ عشرہ کے تخصیص اگرچہ بظاہر ایک قسم کی نافعیت یا قوبی ترجیح معلوم ہوتی ہے لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے۔ اولاً تو مسلمانوں کو بمقابلہ ذمیوں کے بہت سی زائد رقیں ادا کرنی پڑتی تھیں مثلاً موٹی پر زکوٰۃ، گھوٹوں پر زکوٰۃ، روپے پر زکوٰۃ۔ حالانکہ ذی ان محصولات سے بالکل مستثنی تھے۔ اس بناء پر خاص نہیں کے معاملے میں جو نیاتیت اقل قلیل مسلمانوں کے قبضے میں آئی تھی اس قسم کی رعایت بالکل مقتضائے انصاف تھی۔ دوسرا یہ کہ عشرہ ایک ایسی رقم تھی جو کسی حالت میں کم یا معاف نہیں ہو سکتی تھی۔ یہاں تک کہ خود خلیفہ یا باشاہ معاف کرنا چاہے تو معاف نہیں کر سکتا تھا۔ بخلاف اس کے خراج میں تخفیف اور معافی دونوں جائز تھیں۔ اور وقتاً فوقتاً اس پر عمل در آمد بھی ہوتا تھا، اس کے علاوہ خراج سال میں صرف ایک وفعہ لیا جاتا تھا۔ بخلاف اس کے عشرہ کا یہ حال تھا کہ سال میں جتنی فصلیں ہوتی تھیں سب کی پیداوار سے الگ الگ وصول کیا جاتا تھا۔

## اور قسم کی آمدنیاں

خراج و عشرہ کے سوا آمدنی کے جو اور اقسام تھے وہ حسب ذیل تھے۔  
زکوٰۃ، عشور، جزیہ، عالم غنیمت کا خمس، زکوٰۃ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھیں اور مسلمانوں کی کسی قسم کی جانبدادیاں آئندہ فی اس سے مستثنی نہ تھیں میہاں بھاک کے بھیز بکری اونٹ سمجھا پر زکوٰۃ تھی اسکو تعلق تباہ احکام خود و خباب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمد میں مرتب ہو چکے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمد میں جو اضافہ ہوا یہ تھا کہ تجارت کے گھوٹوں

## گھوٹوں پر زکوٰۃ

پر زکوٰۃ مقرر ہوئی۔ حالانکہ آخر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوٹوں کو زکوٰۃ سے

متشقی فرمایا تھا۔ لیکن اس سے عیاذ باللہ یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو الفاظ فرمائے تھے اس سے بظاہر سواری کے گھوڑے مفہوم ہوتے ہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی مفہوم کو قائم رکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تجارت کے گھوڑے وجود نہیں رکھتے تھے اس لئے ان کے زکوٰۃ سے مستثنی ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ بہر حال زکوٰۃ کی حدیث یہ ایک نئی آمدی تھی۔ اور اول حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے عہد میں شروع ہوئی۔

### عشور

عشور خاص بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایجاد ہے۔ جس کی ابتداء یوں ہوئی کہ مسلمان جو غیر ملکوں میں تجارت کے لئے جاتے تھے ان سے وہاں کے دستور کے مطابق مال تجارت پر دس فیصد نیکس لیا جاتا تھا۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ ان ملکوں کے تاجروں کو جو ہمارے ملک میں آئیں ان سے بھی اسی قدر محصول لیا جائے۔ عیسائیوں نے جو اس وقت تک اسلام کے حکوم نہیں ہوئے تھے خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تحریری درخواست بھیجی کہ ہم کو عشر ادا کرنے کی شرط پر عرب میں تجارت کرنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منظور کیا۔ اور پھر زمیوں اور مسلمانوں پر بھی یہ قاعدہ جاری کر دیا گیا۔ البتہ تعداد میں تقاؤت رہا۔ یعنی حربیوں سے دس فیصد، زمیوں سے پانچ فیصد، مسلمانوں سے اڑھائی فیصد لیا جاتا تھا۔ رفت رفت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام ممالک منفتحہ میں یہ قاعدہ جاری کر کے ایک خاص محلہ قائم کر دیا۔ جس سے بت بڑی آمدی ہو گئی۔ یہ محصول خاص تجارت کے مال پر لیا جاتا تھا۔ اور اس کی درآمد برآمد کی میعاد سال بھر تھی۔ یعنی تاجر ایک سال جہاں جہاں چاہے مال لے جائے اس سے دو یا ہر محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ یہ بھی قاعدہ تھا کہ دوسو درہم سے کم قیمت مال پر کچھ نہیں لیا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محصولوں کو یہ بھی تاکید کر دی تھی کہ کھلی ہوئی جیزوں سے عشر لیا جائے یعنی کسی کے اسباب کی تلاشی نہ لی جائے جزیہ کے متعلق پوری تفصیل آگے آئے گی۔

## صیغہ عدالت

### محکمہ قضاء

یہ صیغہ بھی اسلام میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدولت وجود میں آیا۔ ترقی تمدن کا پسلادیباچہ یہ ہے کہ صیغہ عدالت، انتظامی صیغے سے علیحدہ قائم کیا جائے دنیا میں جماں جماں حکومت و سلطنت کے سلسلے قائم ہوئے مرتول کے بعد ان دونوں صیغوں میں تفریق ہوئی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کے چند ہی روز بعد اس صیغے کو الگ کر دیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نیانے تک خود خلیفہ وقت اور افراں ملکی قضاء کا کام بھی کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتداء میں یہ رواج قائم کھا۔ اور ایسا کرنا ضروری تھا۔ حکومت کا نظم و نتیجہ جب تک کامل نہیں ہو لیتا، ہر صیغہ کا اجراء رعب و داب کا محتاج رہتا ہے اس لئے فصل قضایا کا کام وہ شخص انجام نہیں دے سکتا جس کو فصل قضایا کے سوا اور کوئی اختیار نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ جو شخص پاٹر لوز صاحب عظمت نہ ہو قاضی نہ مقرر کیا جائے (اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف الوکیع) بلکہ اسی بناء پر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قضایا سے روک دیا۔

لیکن جب انتظام کا سکہ اچھی طرح جم گیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قضاء کا صیغہ بالکل الگ کر دیا۔ اور تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں۔ اور قاضی مقرر کئے اس کے ساتھ قضاء کے اصول و آئین پر ایک فرمان بھیجا جو ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ گورنر کوفہ کے نام تھا اور جس میں صیغہ عدالت کے تمام اصولی احکام درج تھے، ہم اس کو بعینہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔ رومن ایمپائر کے دوازدھہ گاہ مذکور و میوں کے بڑے مفاخر

۱۔ اس فرمان کو علامہ ابوالحق شیرازی نے طبقات فقضاء میں اور علامہ بیہقی و مادردی و جاحظ و ابن عبدربہ اور بہت سے محدثین اور محدثین نے نقل کیا ہے۔ ۲۔ ۳۵ء قبل مسیح رومان ایمپائر نے یونان میں سفارتیجہ کہ وہاں قانون کی تعلیم حاصل کر کے آئیں اور سلطنت کے لئے ایک مستقل قانون بنائیں یہ سفارتیوہاں گئے اور ہمایہ سے واپس آگرائیک دستور العمل تیار کیا۔ جس میں بارہ امور انتظامی پر بارہ بارہ قاعدے تھے۔ یہ تمام قواعد سیسی کی تھیں کہ اور مدت تک رومان ایمپائر کا وہی قانون رہا۔ اس میں صیغہ قضاۃ کے متعلق جو احکام تھے وہ سب سے ذیل ہیں۔ (۱) جب تم عدالت میں طلب نے جاؤ تو فوراً فریق مقدمہ کے ساتھ حاضر ہو۔ (۲) اگر معاشریہ انکار کرے تو ہم کو وہ پیش کرو اسکے وجہاً حاضر کیا جاوے۔ (۳) معاشریہ بھاگنا چاہے تو تم اس کو پکڑ سکتے ہو۔ (۴) معاشریہ بیمار یا بیوڑھا ہو تو تم اس کو سواری دو۔ زرنہ اس پر حاضری کے لئے جرنیں کیا جاسکا۔ (۵) معاشریہ ضامن پیش کرے تو تم اس کو چھوڑ دو۔ (۶) دولتندہ کا ضامن دولت مند ہونا چاہے۔ (۷) جو کو فریقین کے اتفاق سے فیصلہ کرنا

خیال کئے جاتے ہیں۔ اور جن کی نسبت سیرروم کا مشہور لکچر لکھتا ہے کہ یہ قوانین تمام فلاسفوں کی تصنیفات سے بڑھ کر ہیں وہ بھی ہمارے سامنے ہیں۔ ان دونوں کا موازنہ کر کے ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ دونوں میں سے تمدن کے وسیع اصول کا کس میں زیادہ پتہ لگتا ہے۔

### قواعد عدالت کے متعلق حضرت عمر بن الخطاب کی تحریر

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان بعبارت حاذیل میں درج ہے۔  
اما بعد فان القضاء فرضۃ محکمة وسنة متبعۃ سویین الناس  
فی وجهک ومجلسک وعدک حتی لا یؤلیأس الضعیف من  
عدک ولا یطمع الشرف فی جمیک البدینۃ علی من ادعی  
والیمن علی من انکر والصلح جائز الا صلحًا احل حراما  
او حرم حلا لا یمنعك قضاۓ قضیتہ بالا مسن فراجعت فیہ  
نفسک ان ترجع الی الحق الفهم فیما یخلج فی صدوك  
سمالم بیلفک فی الكتاب والسنۃ واعرف الا مثال والا شباء ثم  
قس الامور عند ذکر واجعل لعن الدعی یینتہی امدا ینتہی الیہ  
فإن احضر بینة اخذت له بحقه والا وجہت القضاء علیہ  
والمسلمون عدول بعضهم علی بعض الا مجلوداً فی حد  
مجزیاً فی شهادة الزور او طینینا فی ولایاً او وراثیۃ۔

”خدای کی تعریف کے بعد قضاۓ ایک ضروری فرض ہے لوگوں کا پیٹے حضور میں اپنی مجلس میں اپنے انصاف میں برابر رکھو تاکہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہو۔ اور روڈار کو تمہاری رور عایت کی امید نہ پیدا ہو جو شخص دعویٰ کرے اس پر بار بثوت ہے اور جو شخص مذکور ہو اس پر قسم سچ جائز ہے۔ بشرطیکہ اس سے حرام حلال اور حلال حرام نہ ہونے پائے۔ کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو آج غور کے بعد

چاہئے۔ (۸) نجح صحیح سے دوسری تک مقدمہ نہ گا۔ (۹) فیصلہ دوپر کے بعد فریقین کی حاضری میں ہو گا۔ (۱۰) مغرب کے بعد عدالت بذریعہ ہے۔ (۱۱) فریقین اکر ہالٹ پیش کرنا چاہیں تو ان لوظاہ میں دنباڑا چاہئے۔ (۱۲) جو شخص گواہ پیش نہیں کر سکتا۔ مدعایہ کے دروازے پر اپنے دعوے کو پکار کر کے۔ یہ قوانین ہیں جن کو یاد کر کے یورپ روم میں ایسا پر نازک رہا ہے۔

اس سے رجوع کر سکتے ہو جس مسئلہ میں شبہ ہو اور قرآن و حدیث میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر غور کرو اور پھر غور کرو اور اس کی مثالوں اور نظیبوں پر خیال کرو پھر قیاس لگاؤ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کے لئے ایک مینعاً و مقرر کرو اگر وہ ثبوت دے تو اس کا حق دلاؤ۔ ورنہ مقدمہ خارج۔ مسلمان شقہ ہیں باستثنائے ان اشخاص کے جن کو حد کی سزا میں درے لگائے گئے ہوں یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دی ہو یا والا اور رواشت میں مشکوک ہوں۔“

اس فرمان میں قضاء کے متعلق جو قانونی احکام نہ کوہیں حسب ذیل ہیں۔

۱) قاضی کو عدالتانہ حیثیت سے تمام لوگوں کے ساتھ یکسان برداشت کرنا چاہئے۔

۲) بار ثبوت عموماً مدعی پر ہے۔

۳) مدعاعلیہ اگر کسی قسم کا ثبوت یا شہادت نہیں رکھتا تو اس سے قسم لی جائے گی۔

۴) فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں۔ لیکن جو امر خلاف قانون ہے اس میں صلح نہیں ہو سکتی۔

۵) قاضی خود اپنی مرضی سے مقدمہ کے فیصل کرنے کے بعد اس میں نظر ثانی کر سکتا ہے۔

۶) مقدمہ کی پیشی کی ایک تاریخ معین ہوئی چاہئے۔

۷) تاریخ پر اگر مدعاعلیہ نہ حاضر ہو تو مقدمہ یک طرفہ فیصل کیا جائے گا۔

۸) ہر مسلمان قابل ادائے شہادت ہے۔ لیکن جو شخص سزا یافتہ ہو یا جس کا جھوٹی گواہی دینا ثابت ہو وہ قابل شہادت نہیں۔

صیغہ قضاء کی عمرگی یعنی فصل خصومات میں پورا اعمل و انصاف ان بالتوں پر موقوف ہے۔

۱) عمرہ اور مکمل قانون جس کے مطابق فیصلے عمل میں آئیں۔

۲) قابل اور متدين حکام کا انتخاب۔

۳) وہ اصول اور آئین جن کی وجہ سے حکام رشوت اور دیگر ناجائز وسائل کے سبب سے فصل خصومات میں رو رعایت نہ کرنے پائیں۔

۴) آبادی کے لحاظ سے قضاء کی تعداد کا کافی ہونا مقدمات کے انفصال میں عرج نہ ہونے پائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام امور کا اس خوبی سے انتظام کیا کہ اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔ قانون بنانے کی توکی ضرورت نہ تھی۔ اسلام کا اصلی قانون قرآن مجید

موجود تھا۔ البتہ چونکہ اس میں جزئیات کا احاطہ نہیں، اس لئے حدیث و اجماع و قیاس سے مدد لینے کی ضرورت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قضاۃ کو خاص طور پر اس کی ہدایت لکھی۔ قاضی شریعہ کو ایک فرمان میں لکھا کہ مقدمات میں اول قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو۔ قرآن میں وہ صورت مذکورہ ہو تو حدیث، اور حدیث نہ ہو تو اجماع (کثرت رائے) کے مطابق اور کہیں پتہ نہ لگے تو خود اجتہاد کرو۔ (کنز العمال صفحہ ۲۱۳ جلد ۳ مسند داری میں بھی یہ فرمان تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ مذکور ہے چنانچہ اس کی اصلی عبارت یہ ہے عن شریع ان عمر ابن الخطاب کتب الیہ ان جاءہ ک شی فی کتاب اللہ فاقض بہ فان جاءہ ک مالیس فی کتاب اللہ فانظر سنت رسول اللہ فاقض بہا فان جاءہ ک مالیس فی کتاب اللہ فلم یکن فی سنت رسول اللہ فلم بتکلم فیہ احد قبلک فاخترى الامرين شفت ان شبت ان تجتهد برایک ثم تقدم فان شفت تبا خرتا خرفا لانی التاخر الا خیر الکب)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر آکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ہمیشہ وقت فرما حکام عدالت کو مشکل اور بہم مسائل کے متعلق فتاوے لکھ کر بھیتے رہتے تھے آج اگر ان کو ترتیب دیا جائے تو ایک مختصر مجموعہ قانون بن سکتا ہے لیکن ہم اس موقع پر ان کا استقصا نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی چاہیئے تو کنز العمال اور ازالۃ المخاء وغیرہ سے کر سکتا ہے اخبار القضاۃ میں بھی متعدد فتاوے مذکور ہیں۔

### قضاۃ کا انتخاب

قضاۃ کے انتخاب میں جو احتیاط اور نکتہ سمجھی کی گئی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ انتخاب کئے گئے وہ اس حیثیت سے تمام عرب میں منتخب تھے پائے تجسس یعنی مدینہ منورہ کے قاضی لذیدين ثابت تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کاتب وحی تھے وہ سریانی اور عبرانی زبان کے ماہر تھے اور علوم قریبیہ میں سے فرانس کے فن میں تمام عرب میں ان کا جواب نہ تھا۔ کعب بن سورالاذوی جو بصیرہ کے قاضی تھے۔ بست بڑے معاملہ فرم اور نکتہ شناس تھے امام ابن سیرین نے ان کے بست سے فیصلے اور احکام لفظ کئے لے گئے۔ فلسطین کے قاضی عباد بن الصامت تھے جو منہملہ ان پانچ مخصوصوں کے ہیں۔ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدی میں تمام قرآن مجید حفظ کیا تھا اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اہل صحفہ کی تعلیم سیروکی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا

لے اخبار القضاۃ میں ہے ان عمر استعمل زیداً علی القضاۃ وفرض لدنزقا۔ لا دیکھو اسد الغائبہ فی احوال الحجابة و استیعاب قاضی ابن عبد البر تذکرہ کعب بن سورالاذوی۔

اس قدر احترام کرتے تھے کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ ایک موقعہ پر مخالفت کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی سے الگ کر دیا۔ (استیعاب قاضی ابن عبد البر)

## حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کے حکام عدالت

کوفہ کے قاضی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جن کا فضل و کمال محتاج بیان نہیں۔ فقہ حنفی کے مورث اول وہی ہیں۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد ہر ہجری میں قاضی شریح مقرر ہوتے وہ اگرچہ صحابہ میں سے نہ تھے لیکن اس قدر ذہین اور معاملہ فہم تھے عرب میں ان کا جواب نہ تھا۔ چنانچہ ان کا نام آج تک مثال کے طور پر لیا جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو اقضی العرب کہا کرتے تھے ان بزرگوں کے سوا جمیل بن معمرا بھی، ابو میریم الحنفی، سلمان رییس الباطلی، عبد الرحمن بن رییس، ابو قرقۃ الکندی، عمران بن الحصین جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کے قضاۃ ہیں ان کی عظمت و جلالت شان رجال کی کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔

## قضاۃ کا امتحان کے بعد مقرر ہونا

قاضی، اگرچہ حاکم صوبہ یا حاکم ضلع کا ماتحت ہوتا تھا۔ اور ان لوگوں کو قضاۃ کے تقریب پر لائیتیار جاصل تھا۔ تاہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زیادہ احتیاط کے لحاظ سے اکثر خود لوگوں کو انتخاب کر کے بھیجتے تھے، انتخاب کے لئے اگرچہ خود امیدواروں کی شہرت کافی تھی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر اکتفا نہیں کرنے تھے بلکہ اکثر امتحان اور ذاتی تجربہ کے بعد لوگوں کو انتخاب کرتے تھے۔

قاضی شریح کی تعریف کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص سے پسند کی شرط پر ایک گھوڑا خریدا اور امتحان کے لئے ایک سوار کو دیا۔ گھوڑا سواری میں چوتھا کراکروٹی ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو اپس کرنا چاہا۔ گھوڑے کے مالک نے انکار کیا۔ اس پر نزاع ہوئی اور شریح عالم مقرر کئے گئے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ گھوڑے کے مالک سے اجازت لے کر سواری کی گئی تھی تو گھوڑا اپس کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حق یہی ہے کوہ کا قاضی مقرر کر لیا۔ کعب بن سورالاذنی کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ گزرا۔ ناجائز وسائل آمنی کے روکنے کے لئے

بہت سی بندشیں کیں۔

## رشوت سے محفوظ رکھنے کے وسائل

۱ تجوہیں بیش قرار مقرر کیں کہ بالائی رقم کی ضرورت نہ ہو مثلاً سلمان ریبعہ اور قاضی شریعہ کی تجوہ اپنی پانچ سو درہم ماہوار لے تھی۔ اور یہ تعداد اس زمانے کے حالات کے لحاظ سے بالکل کافی تھی۔

۲ قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص دولت مند اور معزز نہ ہو قاضی مقرر نہ ہونے پائے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ گورنر کوفہ کو جو فرمان لکھا اس میں اس قاعدے کی وجہ پر کہ دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہو گا۔ اور معزز آدمی پر فصلہ کرنے میں کسی کے رعب و داب کا اثر نہ ہو گا۔ (اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف الوکیج)

ان باتوں کے ساتھ کسی قاضی کو تجارت اور خرید و فروخت کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اور یہ وہ اصول ہے جو مذکور کے تجربے کے بعد ترقی یافتہ ممالک میں اختیار کیا گیا ہے۔

## النصاف میں مساوات

عدالت والنصاف کا ایک بڑا لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے۔ یعنی دیوان عدالت میں شاہ گدا، امیر و غریب، شریف و رذیل سب ہم مرتبہ سمجھے جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس قدر اہتمام تھا کہ اس کے تجربے اور امتحان کے لئے متعدد وفعہ خود عدالت میں فریق مقدمہ بن کر گئے ایک وفعہ ان میں ابی ابن کعب میں کچھ زیاد تھی۔ ابی نے زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ دائر کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے زید نے تعظیم دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے یہ کہ کراں کے برابر بیٹھے گئے ابی نے قاعدے کے موافق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قسم یعنی چاہی۔ لیکن زید نے ان کے رتبے کا پاس کر کے ابی سے درخواست کی امیر المؤمنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرفداری پر نایت رنجیدہ ہوئے۔ زید کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ ”جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ برابر نہ ہوں تم منصب قضاۓ کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے۔“

قضاۓ اور ان کی کارروائیوں کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس قسم کے

اصول اختیار کئے اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کے عمد خلافت میں بلکہ بخواہی کے دور تک عموماً قضاۃ ظلم و نافعی کے الزام سے پاک رہے علامہ ابوہلال عسکری نے کتاب الاولائل میں لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس قاضی نے خلاف انصاف عمل کیا وہ بلال بن ابی برد تھے۔ (یہ بخواہی کے نامے میں تھے)

3.5

### آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کافی تھی کیونکہ کوئی ضلع قاضی سے خالی نہیں تھا۔ اور چونکہ غیر مہب والوں کو اجازت تھی کہ آپس کے مقدمات بطور خود فیصل کر لیا کریں۔ اس لئے اسلامی عدالتوں میں ان کے مقدمات کم آتے تھے اور اس بنا پر ہر ضلع میں ایک قاضی کا ہونا بہر حال کافی تھا۔

### ماہرین فن کی شادوت

صیغہ، قضاۓ اور خصوصاً اصول شادوت کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو نادر باتیں ایجاد کیں اور جن کا بیان ان کے اجتہادات کے ذکر میں آئے گا ان میں ایک ماہرین فن کی شادوت تھی۔ یعنی جو امر کسی خاص فن سے تعلق رکھتا تھا اس فن کے ماہر کا اظہار لیا جاتا تھا۔ مثلاً حطیہ نے زر قان بن بذر کی بھومنیں ایک شعر کہا تھا جس سے صاف طور پر بھومنیں ظاہر ہوتی تھیں زر قان نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں مقدمہ رجوع کیا۔ یہ شعر شاعری کا معاملہ تھا۔ اور شاعرانہ اصطلاحیں اور طرز ادا عام بول چال سے الگ ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حسان بن ثابت کو جو بست بڑے شاعر تھے بلا کر پوچھا اور ان کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا۔ اسی طرح اشتبہ نسب کی صورت میں حطیہ شناسوں کے اظہار لئے چنانچہ کنز العمال باب القذف میں اس قسم کے بہت سے مقدمات مذکور ہیں۔

فصل خصوصات کے متعلق اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سے آئین اصول مقرر کئے لیکن یہ سب وہیں تک تھا جہاں انصاف کی ارزانی اور آسانی میں کوئی خلل نہیں پڑتا سکتا تھا۔ ورنہ سب سے مقدم ان کو جس چیز کا لحاظ تھا وہ انصاف کا ارزاز اور آسان ہونا تھا۔ آج کل مذنب مکلوں نے انصاف اور دادرسی کو ایسی قیود میں جکڑ دیا اور دادخواہوں کو دعویٰ سے باز آنا اس کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصول اور آئین اس قدر سلیل اور آسان تھے کہ انصاف کے حاصل کرنے میں ذرا بھی وقت

نہیں ہو سکتی تھی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خاص اس بات کا ہمیشہ لحاظ رہتا تھا۔

## عدالت کا مکان

یہی مصلحت تھی کہ عدالت کے لئے خاص عمارتیں نہیں بناؤں گے بلکہ مسجدوں پر اتفاق کیا کیونکہ مسجد کے مفہوم میں جو تعمیر اور اجازت عام تھی وہ اور کسی عمارت میں پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ مقدمات کے رجوع کرنے میں کوئی صرف برواشت کرنا نہیں پڑتا تھا۔ عدالت کے دروازے پر کسی قسم کی روک نہ تھی۔ تمام قضاء کو تائید تھی کہ جب کوئی غریب اور مبتل مخصوص مقدمہ کا فریق بن کر آئے تو اس سے نزی اور کشاہ نوئی سے پیش آئیں گا کہ اظہار مدعی میں اس پر مطلق خوف کا اثر نہ ہو۔

## محکمہ افقاء

عدالت کے متعلق یہ ایک نہایت ضروری صیغہ ہے جو آغاز اسلام میں قائم ہوا اور جس کی مثال اسلام کے سوا اور کہیں پائی نہیں جاتی۔ قانون کے جو مقدم اصول ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ہر شخص کی نسبت پر فرض کرنا چاہئے کہ قانون سے واقف ہے۔ یعنی مثلاً اگر کوئی شخص کوئی جرم کرے تو اس کا یہ عذر کام نہیں آ سکتا کہ وہ اس فعل کا جرم ہونا نہیں جاتا تھا۔ یہ قاعدہ تمام دنیا میں مسلم ہے اور حال کے ترقی یافتہ ملکوں نے اس پر زیادہ نور دیا ہے۔ بے شبه قاعدہ صحیح ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ اور قوموں نے اس کے لئے کسی قسم کی تدبیر اختیار نہیں کی۔ یورپ میں تعلیم اس قدر عام ہو چکی ہے لیکن اس درجے کو نہیں پہنچ سکی۔ اور نہ پہنچ سکتی ہے کہ ہر شخص قانون دان بن جائے کوئی جال مخصوص قانون کا کوئی مسئلہ جانتا ہے چاہے تو اس کے لئے کوئی تدبیر نہیں۔ لیکن اسلام میں اس کا ایک خاص محکمہ تھا۔ جس کا نام محکمہ افقاء تھا۔ اس کا یہ طریقہ تھا کہ نہایت لا اُن قانون دان یعنی فقراء ہر جگہ موجود رہتے تھے اور جو شخص کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا تھا ان سے دریافت کر سکتا تھا۔ اور اس لئے کوئی شخص یہ عذر نہیں کر سکتا تھا کہ وہ قانون کے مسئلے سے ناواقف تھا۔ یہ طریقہ آغاز اسلام میں خود بخوبی پیدا ہوا۔ اور اب تک قائم ہے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں جس پابندی کے ساتھ اس پر عمل رہا ناگہ مابعد بلکہ ان سے پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمد میں بھی نہیں رہا۔

## حضرت عمرؓ کے زمانے کے مفتی

اس طریقے کے لئے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ عام اجازت نہ ہو بلکہ خاص خاص قابل لوگ افقاء کے لئے نامزد کر دیے جائیں تاکہ ہر کس وناکس غلط مسائل کی ترویج نہ کر سکے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس تخصیص کو ہمیشہ لمحظہ رکھا۔ جن لوگوں کو انہوں نے افقاء کی اجازت دی مثلاً حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ معاذ بن جبلؓ عبد الرحمن بن عوفؓ ابی بن کعبؓ نبید بن ثابتؓ ابو ہریرہ اور ابو درداءؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہوں ان کے سوا اور لوگ فتویٰ دینے کے مجاز نہ تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لازالتۃ الحفاء میں لکھتے ہیں کہ ”سابق و عظوظ فتویٰ موقف بود“ برائے خلیفہ و عظامی گفتہ و فتویٰ می داونڈ۔

تاہنہوں میں ان کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جن لوگوں کو فتویٰ کی اجازت نہ تھی انہوں نے فتوے دیئے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو منع کر دیا۔ چنانچہ ایک وفعہ عبد اللہ بن مسعود کے ساتھ بھی یہ واقعہ نہ گذر ا۔ بلکہ ان کو ہمارا تک احتیاط تھی کہ مقرر شدہ مفتیوں کی بھی جانچ کرتے رہتے تھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بارہا پوچھا کہ تم نے اس مسئلے میں کیا فتویٰ دیا؟ اور جب انہوں نے اپنا جواب بیان کیا تو فرمایا کہ اگر تم اس مسئلے کا اور کچھ جواب دیتے تو آئندہ تم کبھی فتوے کے مجاز نہ ہوتے۔

دوسرا امر جو اس طریقے کے لئے ضروری ہے یہ ہے کہ مفتیوں کے نام کا اعلان کر دیا جائے اس وقت گزٹ اور اخبار تونہ تھے لیکن مجلس عامہ میں جن سے بڑھ کر اعلان عام کا کوئی ذریعہ نہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارہا اس کا اعلان کیا، شام کے سفر میں بمقام جابیہ بے شمار آدمیوں کے سامنے جو مشہور خطبہ پڑھا اس میں یہ الفاظ بھی فرمائے

من اراد القرآن فلیمات ایتیاً و من اراد ان سال الفرانض فلیمات زیداً

و من اراد ان سال عن الفقہ فلیمات معاذًا۔

”یعنی جو شخص قرآن سکھنا چاہے تو ابی بن کعب کے پاس اور فرانفس کے متعلق کچھ پوچھنا چاہئے تو زید کے پاس اور فقہ کے متعلق پوچھنا چاہے تو معاذ کے پاس جائے۔“

## فوجداری اور پولیس

جہاں تک ہم تحقیق کر سکے مقدمات فوجداری کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی جدا ملکہ قائم نہیں کیا۔ بعض قسم کے مقدمات مثلاً زنا اور سرقة، قفۃہ کے ہاں فصل ہوتے تھے اور ابتدائی قسم کی تمام کارروائیاں پولیس سے متعلق تھیں۔ پولیس کا صیغہ مستقل طور پر قائم ہو گیا تھا اور اس وقت اس کا نام احداث تھا۔ چنانچہ افسران پولیس کو صاحب الاعداد کہتے تھے۔ بھرین پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قدامہ بن منظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر کیا۔

قدامہ کو تحصیل مالگزاری کی خدمت دی۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تصریح کے ساتھ پولیس کے اختیارات دیئے۔ احتساب کے متعلق جو کام ہیں۔ مثلاً دو کانڈار ترازوں میں دھوکہ نہ دینے پائیں کوئی شخص سڑک پر مکان نہ بنائے۔ جانوروں پر زیادہ بوجھنہ لاوا جائے۔ شراب علائیہ نہ بنکنے پائے وغیرہ ان تمام امور کا کافی انتظام تھا۔ اور اس کے لئے ہر جگہ اہل کار افسر مقرر تھے۔ لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ احتساب کا مستقل صیغہ قائم ہو گیا تھا۔ یا یہ خدمتیں بھی صاحب الاعداد سے متعلق تھیں۔ کنز العمال میں جہاں ابن سحد کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بازار کی نگرانی کے لئے عبد اللہ بن عتبہ کو مقرر کیا تھا۔ وہاں لکھا ہے کہ ”حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جیل خانہ کی ایجاد کا یہ فعل عمده احتساب کا ماذہ ہے۔“

## جیل خانہ کی ایجاد

اس صیغہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیل خانے بناؤئے ورنہ ان سے پہلے عرب میں جیل خانے کا نام نہ شان نہ تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ سزا میں سخت دی جاتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اول مکہ مذکومہ میں صفووان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خریدا اور اس کو لے جیل خانہ بنایا۔ اور اضلاع میں بھی جیل خانے بناؤئے۔ علامہ بلاذری کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ کا جیل خانہ نرسیل سے تباہ تھا۔ اس وقت تک صرف مجرم قید خانے میں رکھے جاتے تھے اور جیل خانے میں بھجواتے تھے۔

جیل خانہ تعمیر ہونے کے بعد بعض بعض سزاوں میں تبدیلی ہوئی۔ مثلاً ابو مجبن شفیقی

باربار شراب پینے کے جرم میں ماخوذ ہوئے تو اخیر دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو حد کی بجائے قید کی سزا دی۔

### جلاؤ طنی کی سزا

جلاؤ طنی کی سزا بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایجاد ہے۔ چنانچہ ابو مجن کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سزا بھی دی تھی۔ اور ایک جزیرہ میں بیکھج دیا تھا۔  
(اسد الغابہ ذکر ابو مجن ثقہ)

### بیت المال (یا) خزانہ

### بیت المال پسلنہ تھا

یہ صیغہ بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات سے وجود میں آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نامے میں سب سے اخیر جو رقم وصول ہوئی وہ بھرین کا خراج تھا۔ جس کی تعداد آٹھ لاکھ درہم تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کل رقم ایک ہی جلسے میں تقسیم کر دی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنی خلافت میں کوئی خزانہ نہیں قائم کیا بلکہ جو کچھ غنیمت کامال آیا۔ اسی وقت لوگوں میں باش دیا۔ چنانچہ پسلنے سال دس درہم اور دو سرے سال میں بیس درہم ایک ایک شخص کے حصے ہیں آئے یہ کتاب الاواائل اور ابن سعد کی روایت ہے۔ ابن سعد کی ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مکان بیت المال کے لئے خاص کر لیا تھا۔ وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا۔ کیونکہ جو کچھ آتا تھا اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا اور اس کی نوبت نہیں پہنچتی تھی کہ خزانے میں کچھ داخل کیا جائے وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

تقریباً ہدہ بھری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھرین کا عامل مقرر کیا وہ سال تمام میں پانچ لاکھ کی رقم اپنے ساتھ لائے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجلس شوریٰ کا اجلاس عام کر کے کہا کہ ایک رقم کثیر بھرین سے آئی ہے آپ لوگوں کی کیا مرضی ہے؟

## بیت المال کس سنہ میں قائم ہوا؟

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رائے دی کہ جو رقم آئے وہ سال کے سال تقسیم کرو جائے اور خزانے میں جمع نہ رکھی جائے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے خلاف رائے دی۔ ولید بن ہشام نے کماں نے سلاطین شام کے ہاں دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جدا چدا مکھ قائم ہے۔

آج کل کا زمانہ ہوتا تو غیرہ سب والوں کے نام سے اجتناب کیا جاتا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور بیت المال کی بنیاد ڈالی۔ سب سے پہلے دارالخلافہ یعنی مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا۔ اور چونکہ اسی کی نگرانی اور حساب کتاب کے لئے نہایت قابل اور دیانتدار آدمی کی ضرورت تھی۔

## بیت المال کے افسر

عبداللہ بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی تھے اور لکھنے پڑھنے میں کمال رکھتے تھے خزانہ کا افسر مقرر کیا۔ اس کے ساتھ اور لاکٹ لوگ ان کے ماتحت مقرر کئے جن میں سے عبد الرحمن بن عبید القاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ و معاقب ہی تھے میعقب کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انگشتی بردار تھے اور اس وجہ سے ان کی دیانتداری اور امانت ہر طرح پر قطعی اور مسلم اثبوت تھی۔

دارالخلافہ کے علاوہ تمام صوبجات اور صدر مقامات میں بیت المال قائم کئے اور اگرچہ وہاں کے اعلیٰ حکام کو ان کے متعلق ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے لیکن بیت المال کا مکھہ بالکل الگ ہوتا تھا اور اس کے افسر جدا گانہ ہوتے تھے مثلاً اصفہان میں خالد بن حرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کوفہ میں عبداللہ بن مسحود رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاص خزانے کے افسر تھے۔

## بیت المال کی عمارتیں

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ تعمیر کے باب میں نہایت کفایت شعراً کرتے تھے لیکن بیت المال کی عمارتیں مشکلم اور شاندار بنوائیں کو فہ میں بیت المال کے لئے اول ایک محل تعمیر ہوا جس کو وزیر ایک مشور مجوسی معمار نے بنایا تھا اور جس کا مصالح خروان کتب رجال میں میعقب دیکھو۔

فارس کی عمارت سے آیا تھا۔ لیکن جب اس میں نقب کے ذریعے چوری ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سعد بن وقار صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ مسجد کی عمارت بیت المال سے ملا دی جائے کیونکہ مسجد نمازیوں کی وجہ سے بیشہ آباد اور ہر وقت لوگوں کا مجمع رہے گا۔ چنانچہ سعد بن وقار صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے روزابہ نے بیت المال کی عمارت کو اس قدر وسیع کیا کہ مسجد سے مل گئی اور اس طرح چوری وغیرہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔

(ایہ تمام تفصیل تاریخ طبری ذکر آبادی کوفہ میں ہے)

معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ مابعد میں زیادہ احتیاط کے لحاظ سے خزانے پر سپاہیوں کا پرو بھی رہنے لگا تھا۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ جب طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے با غیہ ہو کر بصرہ میں آئے اور خزانہ پر قبضہ کرنا چاہا تھا تو سیاہ چوہ کے ۲۰ سپاہی خزانہ کے پرے پر متعین تھے اور انہوں نے طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارادے کی مراحمت کی۔ سیاہ چوہ کی نسبت اسی مؤذن نے تصریح کی ہے کہ وہ سندھ سے گرفتار ہو کر آئے تھے اور ایرانیوں کی فوج میں داخل تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جب ایران فتح ہوا تو یہ قوم مسلمان ہو گئی اور ابو موسیٰ نے ان کو بصرہ میں آباد کرایا۔

(فتح البدان از صفحہ ۳۷۶)

صوبجات اور اضلاع میں جو خزانے تھے ان کا یہ انتظام تھا کہ جس قدر رقم وہاں کے ہر قسم کے مصارف کے لئے ضروری ہوتی تھی رکھی جاتی تھی۔ باقی سال کے ختم ہونے کے بعد صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں بھیج دی جاتی تھی۔ اس کے متعلق عمال کے نام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تأکیدی احکام آتے رہتے تھے یہ دریافت کرنا مشکل ہے کہ ہر جگہ کے خزانے میں کس قدر رقم محفوظ رہتی تھی۔

### جور قدار الخلافہ کے خزانے میں رہتی تھی

مؤذن یعقوبی کی تصریح سے اس قدر معلوم ہے کہ دار الخلافہ کے خزانے سے خاص دار الخلافہ کے باشندوں کو جو تنخواہیں اور وظائف وغیرہ مقرر تھے اس کی تعداد تین کروڑ سالانہ تھی۔

بیت المال کی حفاظت اور نگرانی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو اہتمام تھا۔

لہ عمر بن العاص گورنر مصر کو جو فرقان لکھا گیا تھا اس میں یہ الفاظ تھے فاذ حصل اليك و جمعته اخر جرت عطاء المسلمين وما يحتاج اليهم مالا بد منه ثم انظر فيما فضل بعد ذلك فاحمد الله الي۔ کنز العمال بحوالہ ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۴۳۔

اس کے متعلق تاریخوں میں بہت سے دلچسپ واقعات ہیں جن کی تفصیل ہم نظر انداز کرتے ہیں۔

## پلک ورک یا نظارات نافعہ

یہ صیغہ مستقل حیثیت سے زمانہ حال کی ایجاد ہے اور یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں اس کے لئے کوئی اصطلاحی لفظ نہیں۔ مصو شام میں اس کا ترجمہ نظارات نافعہ کیا گیا ہے۔ اس صیغے میں مفصلہ ذیل چیزوں داخل ہیں۔ سرکاری عمارتیں، نہریں، سڑکیں، پل، شفاخانے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اس کے لئے کوئی مستقل صیغہ نہیں قائم ہوا تھا۔ لیکن شفاخانوں کے سوا اس صیغے کے متعلق اور جتنی چیزوں ہیں سب موجود تھیں اور نہایت منظم اور وسیع طور پر تھیں۔

زراعت کی ترقی کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس قدر نہریں تیار کرائیں ان کا مختصر حال ہم صینہ محاصل کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔ یہاں ان نہوں کا ذکر کرتے ہیں جو زراعت کے صیغہ سے مخصوص نہ تھیں۔

## حضرت عمر رض نے جو نہریں تیار کرائیں

### نہر ابی موی

نہر ابی موی یہ نہر ہے میل لمبی تھی۔ جس کی تیاری کی تاریخ یہ ہے کہ ایک دفعہ بصرہ کے لوگ ڈپوٹیشن کے طور پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معمول کے موافق ایک ایک سے حالات پوچھے ان میں خیف بن قیس بھی تھے انہوں نے نہایت پراثر تقریر کی جو کتابوں میں بالفاظہ مانقول ہے۔ اس بات کی شکایت کی کہ بصرہ بالکل شورستان ہے اور پانی چھ میل سے لانا پڑتا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت ابو موسیٰ اشعری کے نام اس مضمون کا تحریری حکم بھیجا کہ بصرہ کے لوگوں کے لئے نہ کھدوائی جائے چنانچہ میل لمبی نہ رکاث کر بصرہ میں ملائی گئی جس کے ذریعہ سے گھر گھر پانی کی افراط ہو گئی۔

## نهر معقل

نهر معقل یہ ایک مشور نہر ہے جس کی نسبت علی میں یہ مثل مشور ہے ادا جاء نہر اللہ بطل نہر معقل یہ نہر جلد سے کاٹ کر لائی گئی تھی اور جو نکد اس کی تیاری کا اہتمام معقل بن یسیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پرد کیا گیا تھا جو ایک مقدس صحابی تھے اس لئے انہی کے نام سے مشور ہو گئی۔

## نهر سعد

نهر سعد اس نہر کے لئے انبار والوں نے پلے شہنشاہ فارس سے درخواست کی تھی اسلام کا زبانہ آیا تو ان لوگوں نے سعد و قاص (گورز کوفہ) سے خواہش ظاہر کی۔ سعد نے سعد بن عمر کو مأمور کیا انہوں نے بڑے اہتمام سے کام کرایا۔ لیکن کچھ دور تک پہنچ کر پہاڑ پہنچ میں آگیا اور وہیں چھوڑ دی گئی پھر حاجج نے اپنے زمانے میں پہاڑ کاٹ کر قیمت کام پورا کیا۔ تاہم نہ سعد ہی کے نام سے مشور ہوئی۔

## نهر امیر المؤمنین

سب سے بڑی اور فائدہ رسال نہر جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص حکم سے بنی وہ نہر تھی جو نهر امیر المؤمنین کے نام سے مشور ہے اور جس کے ذریعے سے دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا گیا تھا۔ اس کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ملہ ججری میں جب تمام عرب میں قحط پڑا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام اضلاع کے حاکم کو لکھا کہ ہر جگہ کثرت کے ساتھ غله اور انانج روائہ کیا جائے۔ اگرچہ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ لیکن شام اور مصر سے خشکی کا جو راستہ تھا بہت دور راز تھا۔ اس لئے غله کے سمجھنے میں پھر بھی دیر گلی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان وقتیں پر خیال کر کے عمرو بن العاص (گورز مصر) کو لکھا کہ مصر کے باشندوں کی ایک جماعت ساتھ لے کر دارالخلافہ حاضر ہو جب وہ آئے تو فرمایا کہ دریائے نیل کو اگر سمندر سے ملا دیا جائے تو عرب کو قحط گرانی کا کبھی اندریش نہیں ہو گا۔ ورنہ خشکی کی راہ غله کا آنادقت سے خالی نہیں۔ عمرو نے واپس جا کر کام شروع کر دیا۔ اور فسطاط سے (جو قاہروہ سے دس بارہ میل ہے) بحر قلزم تک نہر تیار کرائی اس ذریعے سے جہاز دریائے نیل سے چل کر قلزم میں آتے تھے اور یہاں سے جدہ پہنچ کر لنگر کرتے جو مدینہ منورہ کی بندرگاہ تھی۔ یہ نہر

تقریباً ۲۰ میل بھی تھی اور تعجب یہ ہے کہ چھ میسینے میں بن کر تیار ہو گئی چنانچہ پہلے ہی سال ۲۰  
بڑے بڑے جماز جن میں ساتھ ہزار ارب غلہ بھرا ہوا تھا، اس نہر کے ذریعے سے مدینہ منورہ  
کی بندرگاہ میں آئے یہ شرمند توں تک جاری رہی اور اس کے ذریعے سے مصر کی تجارت کو  
نہایت تنقی ہوئی۔ عمر بن عبد العزیز کے عمالوں نے بے پرواٹی کی اور وہ جا بجا سے اٹ گئی۔  
یہاں تک کہ مقام ذنب المساح تک آگر بالکل بند ہو گئی۔ ۵۰ میل بھری میں منصور عباسی نے  
ایک ذاتی مصلحت سے اس کو بند کر دیا۔ لیکن بعد کو پھر جاری ہو گئی اور مدت توں تک جاری رہی۔  
(یہ تفصیل حسن الماخضو سیوطی صفحہ ۳۷۷ تا ۴۷۷ و مقریزی جلد اول صفحہ ۱۳۷ تا ۲۳۷ میں ہے)  
ایک اور عجیب و غریب بات یہ کہ عمرو بن العاص نے بحر قلزم کو برداشت راست  
ملا دینے کا ارادہ کیا تھا۔ چنانچہ اس کے لئے موقع اور جگہ کی تجویز بھی کر لی تھی۔ اور چاہا تھا کہ  
فرما کے پاس سے جہاں سے بحر قلزم اور بحر قلزم میں صرف میل کا فاصلہ رہ جاتا ہے نہ  
نکال کر دونوں دریاؤں کو ملا دیا جائے لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے  
ارادے سے اطلاع ہوئی تو نارضا مندی ظاہر کی۔ اور لکھ بھیجا کہ اگر ایسا ہو تو یونانی جمازوں  
میں اگر حاجیوں کو اڑا لے جائیں لمگے اگر عمر بن العاص کو اجازت ملی ہوتی تو نہر سویز کی  
ایجاد کا فخر درحقیقت عرب کے حصے میں آتا۔

### حضرت عمر بن الخطاب نے جو عمارتیں تیار کرائیں

umarat جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیار کرائیں تین قسم کی تھیں۔

- ۱ مذہبی۔ جیسے مساجد وغیرہ ان کا بیان تفصیل کے ساتھ مذہبی صفحے میں آئے گا۔ یہاں  
اس قدر کہنا کافی ہے کہ بقول صاحب روضۃ الا حباب چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔
- ۲ فوجی۔ جیسے قلعے، چھاؤنیاں، بارکیں، ان کا بیان فوجی انتظامات میں آئے گا۔
- ۳ ملکی۔ مثلاً دارالامارة وغیرہ اس قسم کی عمارتوں کے تفصیلی حالات معلوم نہیں۔ لیکن  
ان کی اقسام کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱ دارالامارة۔ یعنی صوبجات اور اضلاع کے حکام جہاں قیام رکھتے تھے اور جہاں ان کا  
دفتر تھا کوفہ و بصرہ کے دارالامارة کا عالی طبری و بلاذری نے کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے۔

۲ دفتر۔ دیوان یعنی جہاں دفتر کے کاغذات رہتے تھے فوج کا دفتر بھی اسی مکان میں

روستا تھا۔

۳ خزانہ۔ بیت المال۔ یعنی خزانے کا مکان۔ یہ عمارت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھی۔ کوفہ کے بیت المال کا ذکر بیت المال کے حال میں گذرچکا ہے۔

۴ قید خانے۔ مدینہ منورہ کے قید خانے کا حال صیغہ پویس کے بیان میں گذرچکا ہے۔ بصرو میں جو قید خانہ تھا وہ دارالامارة کی عمارت میں شامل تھا۔ (فتح البلدان صفحہ ۲۷۸)

(۳۲۷)

۵ مہمان خانے۔ مہمان خانے، یہ مکانات اس لئے تعمیر کئے گئے تھے کہ باہر والے جو دوچار روز کے لئے شریں آجاتے تھے وہ ان مکانات میں ٹھہرائے جاتے تھے۔ کوفہ میں جو مہمان خانہ بنا اس کی نسبت علامہ بلاذری نے لکھا ہے۔ امران یہ تخلذل من بود من الافق داراً فکانوا بینزلونها۔ (فتح البلدان صفحہ ۲۷۸) مدینہ منورہ کا مہمان خانہ ۷۴ھجری میں تعمیر ہوا۔ چنانچہ ابن حبان نے کتاب الشفاعة میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

اس موقع پر یہ بتانا ضروری ہے کہ عمارتوں کی نسبت یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ بڑی شان و شوکت کی ہوتی تھیں۔ اسلام فضول تکلفات کی اجازت نہیں دیتا۔ زمانہ بعد میں جو کچھ ہوا ہوا لیکن اس وقت تک اسلام بالکل اپنی سادہ اور اصلی صورت میں تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہایت اہتمام تھا کہ یہ سادگی جانے نہ پائے۔ اس کے علاوہ اس وقت تک بیت المال پر حاکم وقت کو آزادانہ اختیارات حاصل نہ تھے۔ بیت المال تمام قوم کا سرمایہ سمجھا جاتا تھا۔ اور لوگ اس کا اصلی مصرف یہ سمجھتے تھے کہ چونا پتھر کی بجائے زیادہ تر آدمیوں کے کام آئے۔ یہ خیال مدتی تک رہا۔ اور اسی کا اثر تھا کہ جب ولید بن عبد الملک نے دمشق کی جامع مسجد پر ایک رقم کثیر صرف کروی تو عام نارا نصیگی پھیل گئی۔ اور لوگوں نے علانیہ کہا کہ بیت المال کے روپیہ کا یہ مصرف نہیں ہے۔ بہر حال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو عمارتیں بیش وہ عمراً ایندھ اور گارے کی تھیں۔ بصرو کا ایوان حکومت بھی اسی حیثیت کا تھا۔ البتہ فوجی عمارتیں نہایت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھیں۔

### سرکوں اور پلوں کا انتظام

سرکوں اور پلوں کا انتظام اگرچہ نہایت عمده تھا لیکن براہ راست حکومت کے اہتمام میں نہیں تھا مفتوحہ قوموں سے جو معابدہ ہوتا تھا اس میں یہ شرط بھی ہوتی تھی کہ وہ سرک اور پل وغیرہ اپنے اہتمام اور اپنے صرف سے بنائے گی۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

شام فتح کیا تو شرائط میں یہ امر بھی داخل تھا۔ (کتاب الخراج صفحہ ۸۰ میں ہے وعلیٰ ان علیهم ارشاد الفضال قبناۃ القناطر علی الا نهار من اموالہم تاریخ طبری واقعات ۲۸ ہجری صفحہ ۲۶۷ ہر گلکار پل دوپول کا ذکر ہے)

## مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک چوکیاں اور سرائیں

مکہ معظمہ اگرچہ مدتوں سے قبلہ گاہ خلافت تھا لیکن اس کے راستے بالکل ویران اور بے آب تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مد ہجری میں جب مکہ معظمہ گئے تو ان کی اجازت سے مدینہ سے لے کر مکہ معظمہ تک ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں اور چشمے تیار ہوئے شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں کہ ”از اہ جملہ آنکہ ساے بقصد عمرو بہ مکہ محترمہ توجہ فرمود نزدیک مراجعت امر فرمود تا در مناز لے کر مابین حرمین واقع اندسا یہاں پنا پہا سازند وہر چاہے کہ اپنا شستہ شدہ باشد آں را پاک کنندو صاف نمایند و در منازل کم آب چاہیا را کنندہ تا بر جمیں با نسرا جت تمام قطع مرحل میرشود“۔

## شہروں کا آباد کرنا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو جو شر آباد ہوئے وہ جن جن ضرورتوں سے آباد ہوئے اور جو جو خصوصیتیں ان میں پیدا کی گئیں ان کے لحاظ سے ہر شہر تاریخ اسلام کا ایک صفحہ کا جاسکتا ہے۔ ان میں بصرہ کوفہ ایک دلت تک اسلامی آثار کے مظفر ہے علی خوبی بنیاد پیشیں پڑی۔ نجوع کے اصلی دارالعلوم یہی دو شر تھے خنی فقہ جو آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اس کا سنگ بنیاد کوفہ میں ہی رکھا گیا۔ ان اسباب سے ان شہروں کی بنیاد اور آبادی کا حال تفصیل سے لکھنا نامونوں نہ ہو گا۔

اس کتاب کے پہلے حصے میں ہم لکھ آئے ہیں کہ فارس اور ہند کے بھری جملوں سے مطمئن رہنے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمدرہ ہجری میں عتبہ بن غزوان کو متعین کیا کہ بندر گاہ البلہ کے قریب جمال بحر فارس خلیج کے ذریعے سے ہندوستان و فارس کے جہازات لنگر کرتے تھے ایک شہر سرائیں نہیں کا موقع اور مظفر خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پتایا تھا، عتبہ آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور خریبی میں آئے۔

بِصَرٍ

جمان بصرہ آباد ہے یہاں پہلے کف وست میدان پڑا ہوا تھا اور چونکہ نہیں کنکری میں اور آس پاس پانی اور چارہ کا سامان نہ تھا۔ عرب کے مذاق کے بالکل موافق تھی۔ غرض عتبہ نے بنیاد کی داع غبلہ ڈالی اور مختلف قبائل کے لئے الگ الگ احاطہ کھینچ کر گھاس اور چونس کے منضر مکانات بنوائے۔ عاصم بن ول甫 کو مقرر کیا کہ جہاں جہاں جس قبیلے کو اتا رہا مناسب ہوا تاہیں خاص سرکاری عمارتیں جو تعمیر ہوئیں ان میں سے مسجد جامع اور ایوان حکومت جس کے ساتھ دفتر اور قید خانے کی عمارت بھی شامل تھی زیادہ ممتاز تھا۔ نکاح ہجری میں الگ لگی اور بست سے مکانات جل گئے۔ سعد بن ابی وقار انصاری اللہ تعالیٰ عنہ نے جو اس وقت کو فہرست کے گورنر تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سفارت بھیجی اور اجازت طلب کی کہ پختہ عمارتیں بنائی جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منظور کیا۔ لیکن تاکید کی کہ کوئی شخص ایک مکان تین کروں سے زیادہ نہ بنائے۔ لمصر سے دریائے وجلہ دس میل پر ہے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ وجلہ سے بصرہ تک نہ رکاث کر لائی جائے۔ چنانچہ اس کا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ پہلک درک کے بیان میں گزرو چکا۔ بصرہ کی آبادی نہایت جلد ترقی کر گئی۔ یہاں تک کہ زیاد بن ابی سفیان کے زمان حکومت میں صرف ان لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے ۴۸ ہزار اور ان کی آل اولاد ایک لاکھ ۲۰ ہزار تھی۔ یہاں کی خاک کو علم و فضل سے جو مناسبت تھی۔ اس کا اندازہ اس سے کرنا چاہئے کہ علوم عربیت کی بنیاد یہی پڑھا دنیا میں سب سے پہلی کتاب جو عربی علم افت میں لکھی گئی یہیں لکھی گئی جس کا نام کتاب العین ہے اور جو خلیل بصری کی تصنیف ہے۔ عربی علم عروض اور موسيقی کی بھی یہیں سے ابتداء ہوئی۔ علم خواہ کا سب سے پہلا مصنف سیبویہ یہیں کا تعلیم یافتہ تھا۔ اگرہ مجتہدین میں سے حسن بصری یہیں کی خاک سے پیدا ہوئے۔

٢٥

دوسرا شرجبو بصرہ سے زیادہ مشور ہوا کوفہ تھا۔ مائن وغیرہ جب فتح ہو چکے تو سعد بن

لے پھر وہی تیرے عموماً اہل لفظ یہ لکھتے ہیں کہ بصیرہ علیٰ میں نرم پتھریلی نہیں کوئتے ہیں اور یہاں کی نہیں اسی قسم کی تھی لیکن مجمع البلدان میں ایک جوی فاضل کا جو قول مغل کیا ہے وہ زیادہ قرآن قیاس ہے۔ اس کے نزدیک اصل پیش یہ لفظ نہ رہا تھا جس کے معنی فارسی میں بہت سے راستوں کے ہیں چونکہ یہاں سے بہت سی راہیں ہر طرف کو عھیں۔ اس لئے اہل مجمع اس کو اس نام سے موسوم کرتے تھے۔ اس کی تصدیق زیادہ تر اس سے ہوئی ہے کہ آس پاس شاہانِ عرب نے جو نگار میں تیار کرائی تھیں اس کے نام بھی دراصل فارسی رکھے تھے۔ مثلاً خور نہ جو دُر اصل فی نگاہ ہے اور سدیر جو در اصل سے در ہے۔

ابی و قاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ یہاں نہ کر اہل عرب کا رنگ روپ بالکل بدل گیا۔ ایسی جگہ ملاش کرنا چاہئے جو بری و بحری دونوں حیثیت رکھتی ہو۔ چنانچہ سلمان وحدیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جو خالص اسی قسم کے کاموں پر مأمور تھے کوفہ کی نیشن انتخاب کی یہاں کی نیشن ریلی اور سنکریلی تھی اور اسی وجہ سے اس کا نام کوفہ رکھا گیا۔ اسلام سے پہلے نعمان بن منذر کا خاندان جو عراق عرب کا فرمانروایہ تھا ان کا پائے تخت یہی مقام تھا اور ان کی مشہور عمارتیں خورنق اور سدیر وغیرہ اسی کے آس پاس واقع تھیں۔ منظر نہایت خوشما اور دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ دو میل کا فاصلہ تھا اہل عرب اس مقام کو خدا العزرا یعنی عارض محبوب کہتے تھے کیونکہ وہ مختلف عمدہ قسم کے عرب پھولوں مثلاً اتفحوان، شقائق، قیصوم، خزانی کاچن زارتھا۔ غرض یہ بھری میں اس کی بنیاد شروع ہوئی اور جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تصریح کے ساتھ لکھا تھا۔ ۱۰ ہزار آمویزوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے ہیاج بن بالک کے اہتمام سے عرب کے جدا جد اقبالی محلوں میں آباد ہوئے شرکی وضع اور ساخت کے متعلق خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تحریری حکم آیا تھا کہ شارع ہائے عام ۲۰، ۳۰ ساٹھ اور اس سے گھٹ کر ۳۰، ۳۰ ساٹھ اور ۴۰، ۴۰ ساٹھ چوڑی رکھی جائیں اور گلیاں ۷۰، ۷۰ ساٹھ چوڑی ہوں جامع مسجد کی عمارت جو ایک منبع بلند چبوترہ دے کر بنائی گئی اس قدر وسیع تھی اس میں ۳۰ ہزار آدمی آسکتے تھے۔ اس کے ہر چار طرف دور تک نیشن کھلی چھوڑ دی گئی تھی۔

عمارتیں اول گھاس پھونس کی بنیں لیکن جب آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت دی اور اینٹ گارے کی عمارتیں تیار ہوئیں اور جامع مسجد کے آگے ایک وسیع سائبان بنایا گیا جو دوسو ہاتھ لمبا تھا۔ اور سنگ رخام کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا۔ جو نو شیر و افی عمارت سے نکال کر لائے گئے تھے۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کی قابل ہے کہ باوجود اس کے کہ دراصل نو شیر و افی عمارت کا کوئی وارث نہ تھا۔ اور اصول سلطنت کے لحاظ سے اگر کوئی وارث ہو سکتا تھا تو خلیفہ وقت ہوتا تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ عدل و انصاف تھا کہ جو سی رعایا کو ان ستونوں کی قیمت ادا کی گئی۔ یعنی ان کی تخمینی جو قیمت ٹھہری وہ ان کے جزیہ میں مجرما کی گئی۔ مسجد سے دو سو ہاتھ کے فاصلے پر ایوان حکومت تعمیر ہوا۔ جس میں بیت المال یعنی خزانے کا مکان شامل تھا۔ ایک مہمان خانہ عام بھی تعمیر کیا گیا۔ جس میں باہر کے آئے ہوئے مبارف قیام کرتے تھے اور ان کو بیت المال سے کھانا ملتا تھا۔

چند روز کے بعد بیت المال میں چوری ہو گئی۔ اور چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کو ہر ہر جزئی واقعہ کی خبر پہنچتی تھی۔ انہوں نے سعد کو لکھا کہ ایوان حکومت مسجد سے ملا دیا جائے چنانچہ روزہ بہ نای ایک پارسی معمار نے جو مشور استاد تھا۔ اور تعمیرات کے کام پر مامور تھا۔ نہایت خوبی اور موذونی سے ایوان حکومت کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا۔ سعد نے روزہ بہ کو مع اور کاریگروں کے اس صلے میں دربار خلافت کو روانہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی بہی قدر وافی کی اور ہمیشہ کے لئے روزینہ مقرر کر دیا۔ جامع مسجد کے سوا ہر ہر قبیلے کے لئے جدا جدا مسجدیں تعمیر ہوئیں جو قبیلے آباد کئے گئے ان میں یمن کے بارہ ہزار اور زیار کے آٹھو ہزار آدمی تھے اور قبائل جو آباد کئے گئے ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ سلیم، شفیع، ہدان، بیحیلہ، شیم لالات، تغلب، بنو اسد، الحنف و کندة، ازو منیہ، شیم و حارب، اسد و عامر، بجالہ، جدیلہ و اخلاق جہمنہ، منج، ہوازن وغیرہ وغیرہ۔

یہ شر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اس عظمت و شان کو پہنچا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو راس الاسلام فرماتے تھے اور درحقیقت وہ عرب کی طاقت کا اصلی مرکز بن گیا۔ زمانہ مابعد میں اس کی آبادی برابر ترقی کرتی گئی۔ لیکن یہ خصوصیت قائم رہی کہ آباد ہونے والے عموماً عرب کی نسل سے ہوتے تھے۔ لہر ہجری میں مردم شماری ہوئی تو مہہ ہزار گھر خاص قبیلہ ریبعہ مضر کے اور ۲۲ ہزار اور قبائل کے تھے اور اہل یمن کے ۱۴ ہزار گھر ان کے علاوہ تھے۔

زمانہ مابعد کی تغیرات اور ترقیوں نے اگرچہ قدیم آثارات کو قائم نہیں رکھا تھا۔ تاہم یہ کچھ کم تجھب کی بات نہیں کہ بعض بعض عمارت کے نشانات زمانہ دراز تک قائم رہے۔ ابن بطوطہ جس نے آٹھویں صدی میں اس مقدس مقام کو دیکھا تھا اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ سعد بن ابی وقار ص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو ایوان حکومت بنایا تھا اس کی بنیاد اب تک قائم ہے۔

اس شرکی علمی حیثیت یہ ہے کہ فن نحو کی ابتداء یہیں ہوئی۔ یعنی ابوالاسود دؤلی نے اول اول نحو کے قواعد یہیں بیٹھ کر منضبط کئے۔ فقه حنفی کی بنیاد یہیں پڑی امام ابوحنیفہ صاحبؓ نے قاضی ابو یوسفؓ وغیرہ کی شرکت سے فقہ کی جو مجلس قائم کی وہ یہیں قائم کی۔ حدیث اور علوم عربیت کے بڑے بڑے آئندہ فن جو یہاں پیدا ہوئے ان میں ابراہیم نفعی، حماد، امام ابوحنیفہ شعبی یاد گار زمانہ تھے۔ (کوفہ و بصرہ کے حالات طبی، بازاری اور بجم بلدان سے لئے گئے)

## فسطاط

عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اسکندریہ فتح کر لیا تو یونانی جو کثرت سے وہاں آباد تھے عمرو شرپھوڑ کر نکل گئے ان مکانات کو خالی دیکھ کر عمر بن العاص نے ارادہ کیا کہ اس کو مستقر حکومت بنائیں۔ چنانچہ دربارخلافت سے اجازت طلب کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دریا کے حائل ہونے سے بست ذرتے تھے۔ بصرہ کوفہ کی آبادی کے وقت افسروں کو لکھا کہ شریجہاں بسایا جائے وہاں سے مدینہ تک دریا راہ میں نہ آئے چونکہ اسکندریہ کی راہ میں دریائے نیل پڑتا تھا اس لئے اس کو مستقر ریاست بنانا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پسند کیا۔ عمر بن العاص اسکندریہ سے چل کر قصر الشمع میں آئے یہاں ان کا وہ خیمہ اب تک اسی حالت سے کھڑا تھا جس کو وہ اسکندریہ کے محلے کے وقت خالی چھوڑ گئے تھے چنانچہ اسی خیمے میں اترے اور وہیں نئی آبادی کی بنیاد ڈالی۔ ہر ہر قبلہ کے الگ الگ احاطے کھینچے اور معاویہ بن خدنج شریک بن سمیعی، عمرو بن مخرم، حویل بن ناشرہ کو متعین کیا کہ جس قبلے کو جہاں مناسب سمجھیں آباد کریں۔ جس قدر محلے اس وقت تھے اور جو قبائل ان میں آباد ہوئے ان کے نام علامہ مقریزی نے تفصیل سے لکھے ہیں۔ جامع مسجد خاص اہتمام سے بنی۔ عام روایت ہے کہ ۸۰ صحابہ نے جمع ہو کر قبلہ کی سمت متعین کی ان صحابہ میں زبیر، مقداد، عبادہ، ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بڑے بڑے اکابر صحابہ شریک تھے۔ یہ مسجد مہر گز لمبی اور مسہر گز چوڑی تھی۔ تین طرف دروازے تھے جن میں سے ایک دار الحکومت کے مقابل تھا۔ اور عمارتوں میں سات گز کا فاصلہ تھا۔

عمرو بن العاص نے ایک مکان خاص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے تعمیر کرایا تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ بھیجا یہ میرے کس کام کا ہے تو وہاں بازار آباد کرایا گیا چونکہ اس شرکی آبادی خیمہ گاہ سے شروع ہوئی تھی اس لئے اس کا نام فسطاط پڑا۔ جس کے معنی عربی میں خیمہ کے ہیں۔ آبادی کا سن الہ بھری ہے۔

## فسطاط کی وسعت آبادی

فسطاط نے نمایت جلد ترقی کی۔ اور اسکندریہ کی بجائے مصر کا صدر مقام بن گیا۔ امیر معاویہ کے زمانے میں مہر ہزار عرب کے نام و فرسیں قلبند تھے مؤمن فقضائی کا کا بیان ہے کہ ایک زمانہ میں یہاں ۴۴۳ مسجدیں، ۸ ہزار سڑکیں، ۱۷ امامتھ تھے۔ اس کی وسعت اور ہر

قسم کے سروسامان کی کثرت کو مقرری نے کئی صفحہ میں تفصیل سے لکھا ہے۔ مدت تک یہ شرطیان مصرا کا پائے تخت اور تمدن و ترقی کا مرکز رہا۔ علامہ بشاری جس نے چوتھی صدی میں دنیا کا سفر کیا اس شہر کی نسبت اپنے جغرافیہ میں لکھا ہے فاسخ بغداد مفسحہ الاسلام خزانۃ المغرب ليس في الإسلام أكبر مجالس من جامعه ولا أحسن تجعلا من أهل ولا أكثر مراكب من ساحله یعنی ”یہ شریف بغداد کا ناخ مغرب کا خزانہ اور اسلام کا فخر ہے تمام اسلام میں یہاں سے زیادہ کسی جامع مسجد میں علمی مجلسیں نہیں ہوتیں نہ یہاں سے زیادہ کسی شہر کے ساحل پر جمادات لنگر ذاتے ہیں۔“

## موصل

موصل یہ مقام اسلام سے پہلے بھی موجود تھا۔ لیکن اس وقت اس کی حالت یہ تھی کہ ایک قلعہ اور اس کے پاس عیسائیوں کے چند معبد تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمد میں شہر کی حیثیت سے آباد ہوا۔ ہر شہر بن عربی نے اس کی بیانیہ کی اور قبائل عرب کے متعدد محلے آباد کئے ایک خاص جامع مسجد بھی تعمیر کرائی۔ ملکی حیثیت سے یہ شرایک خاص حیثیت رکھتا ہے یعنی اس کے ذریعے سے مشرق اور مغرب کا ذہن امتا ہے اور شاید اسی مناسبت سے اس کا نام موصل رکھا گیا۔ یا قوت جموی نے لکھا ہے کہ یہ مشور ہے کہ دنیا کے بڑے شر قمین ہیں۔ نیشاپور جو مشرق کا دروازہ ہے اور دمشق جو مغرب کا دروازہ ہے اور موصل جو مشرق و مغرب کی گذرگاہ ہے یعنی آدمی کسی طرف جانا چاہے تو اس کو یہاں سے گزرنا پڑتا ہے اس شہر نے بھی رفتہ رفتہ نہایت ترقی کی۔ چنانچہ اس کی وسعت اور عظمت کے حالات مجمجم البلدان اور جغرافیہ بشاری وغیر میں تفصیل سے ملتے ہیں۔

## جیزہ

یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے جو دریائے نیل کے غربی جانب فسطاط کے مقابل واقع ہے عموم بن العاص اسکندریہ کی فتح کے بعد فسطاط آئے تو اس غرض کے لئے روی دریا کی طرف سے نہ چڑھ آئیں، تھوڑی سی فوج اس مقام پر متعین کروی جس میں حمیر اور انزوہ بدان کے قبیلے کے لوگ تھے۔ فسطاط کی آبادی کے بعد عموم بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں کو بلا لیتا چاہا لیکن ان کو دریا کا منظر ایسا پسند آیا کہ وہ یہاں سے ہٹا نہیں جا سکتے تھے اور جنت یہ پیش

کی کہ ہم جاد کے لئے یہاں آئے تھے اور ایسے عمرہ مقصد کو چھوڑ کر اور کہیں نہیں جاسکتے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے حالات کی اطلاع حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دی۔ وہ اگرچہ وریا کے نام سے گھبراتے تھے لیکن مصلحت دیکھ کر اجازت دی اور ساتھ ہی یہ حکم بھیجا کہ ان کی خوافات کے لئے ایک قلعہ تعمیر کیا جائے چنانچہ ۱۱۰ ہجری میں قلعہ کی بنیاد پڑی اور ۱۱۲ ہجری میں بن کر تیار ہوا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب قلعہ بننا شروع ہوا تو قبیلہ ہمدان نے کہا کہ ”ہم نامروں کی طرح قلعہ کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتے۔ ہمارا قلعہ ہماری تکوار ہے“ چنانچہ یہ قبیلہ اور ان کے ساتھ بعض اور قبیلوں نے قلعہ سے باہر کھلے میدان میں ڈیرے ڈالے اور ہمیشہ وہیں رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی برکت سے یہ چھوٹا سا مقام بھی علمی حدیث سے خالی نہیں رہا۔ چنانچہ بڑے بڑے محدث یہاں پیدا ہوئے۔ ان میں بعض کے نام مجتمم البلدان میں مذکور ہیں۔

(جیزہ کے متعلق مقرری نے نایت تفصیل سے کام لیا ہے)

## صیغۂ فوج

اسلام سے پہلے دنیا میں اگرچہ بڑی بڑی عظیم الشان سلطنتیں گذر چکی ہیں۔ جن کی بقیہ یادگاریں خود اسلام کے عمد میں بھی موجود تھیں فوجی شم جہاں جہاں تھا غیر منظم اور اصول سیاست کے خلاف تھا۔ روم کبیر میں جس کی سلطنت کسی ننانے میں تمام دنیا پر چھاگئی تھی، فوج کے انتظام کا یہ طریقہ تھا۔

## فوجی نظام روم میں ایضاً میں

کہ ملک میں جو لوگ نام و نمود کے ہوتے تھے اور پہ گری پہ سالاری کا جو ہر رکھتے تھے ان کو بڑی بڑی جاگیریں وی جاتی تھیں اور یہ عمد لیا جاتا تھا کہ جنکی سہمات کے وقت اس قدر فوج لے کر حاضر ہوں گے یہ لوگ تمام ملک میں پھیلے ہوئے تھے اور خاص خاص تعداد کی فوجیں رکھتے تھے لیکن ان فوجوں کا تعلق برآ راست سلطنت سے نہیں ہوتا تھا۔ اور اس وجہ سے اگرچہ کبھی بغاوت بلند کرتے تھے تو ان کی فوج ان کے ساتھ ہو کر خود سلطنت کا مقابلہ کرتی تھی اس طریقہ کا نام فیوڈل شم تھا اور یہ فوجی افسریہن کہلاتے تھے اس طریقے نے یہ وسعت حاصل کی کہ یہون لوگ بھی اپنے نیچے اس قسم کے جاگیردار اور علاقہ دار رکھتے تھے اور سلسلہ بسلسلہ بست سے طبقے قائم ہو گئے تھے۔

## فوجی نظام فارس میں

ایران میں بھی قریب قریب یہی دستور تھا فارسی میں جن کو مرزاں اور دشمن کہتے ہیں وہ اسی قسم کے جاگیردار اور زمیندار تھے۔ اس طریقے نے روم کی سلطنت کو دراصل برباد کر دیا تھا آج تو عام طور پر مسلم ہے کہ یہ نہایت برآ طریقہ تھا۔

## فوجی نظام فرانس میں

فرانس میں الہاء تک فوج کی تنخواہ یا روزنہ کچھ نہیں ہوتا تھا۔ فتحی لوٹ میں جو مل جاتا تھا وہی قرعہ ڈال کر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اس ننانے کے بعد کچھ ترقی ہوئی تو وہی روم کا فیوڈل شم قائم ہو گیا چنانچہ اسلام کے بعد الہاء تک یہی طریقہ جاری رہا۔ عرب میں شاہان یعنی دیروں کے ہاں فوج کا کوئی منظم بندوبست نہیں تھا۔ اسلام کے

آغاز تک اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمد میں صرف اس قدر ہوا کہ خلافت کے پہلے سال غیمت سے جس قدر بچا وہ سب لوگوں پر دوسروں روپے کے حساب سے تقسیم کر دیا گیا۔ دوسرے سال آمنی نزدیک ہوئی تو تعداد دوسرے سے بیس تک پہنچ گئی۔ لیکن نہ فوج کی کچھ تجوہ مقرر ہوئی نہ اہل فوج کا کوئی رجسٹرینا نہ کوئی محکمہ جنگ قائم ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اوائل خلافت تک بھی یہی حال رہا۔ لیکن ہر ہجری ہی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صیغہ کو اس قدر منظم اور باقاعدہ کر دیا کہ اس وقت کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے۔

### حضرت عمر بن الخطاب کا فوجی نظام

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توجہ کرنے کے مختلف اسباب بیان کئے گئے ہیں۔ عام روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حربین کے حاکم مقرر کئے تھے۔ پانچ لاکھ درہم لے کر مدینہ میں آئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی اطلاع دی۔ پانچ لاکھ کی رقم اس وقت اس قدر عجوبہ چیز تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ خیر ہے! کہتے کیا ہو؟ انہوں نے پھر پانچ لاکھ کما۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تم کو کتنی بھی آتی ہے؟ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہاں، یہ کہہ کر پانچ دفعہ لاکھ لاکھ کما۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یقین آیا تو مجلس شوریٰ منعقد کی اور رائے پوچھی کہ اس قدر زکر کیسے کیا جائے؟ حضرت علی، حضرت عثمان اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مختلف تجویزیں پیش کیں۔ ولید بن رہشام نے کہا کہ میں نے شام کے والیان ملک کو دیکھا ہے کہ ان کے ہاں فوج کا دفتر اور رجسٹر مرتب رہتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ رائے پسند آئی اور فوج کی اسم فیصلی اور ترتیب و فتر کا خیال پیدا ہوا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ رائے دمنہ نے سلاطین عجم کا حوالہ دیا اور یہی روایت قریں قیاس ہے کیونکہ جب دفتر مرتب ہو تو اس کا نام دیوان رکھا گیا۔ اور یہ فارسی لفظ ہے دیستان، دییر، دفتر، دیوان سب ایک مادہ کے لفظ ہیں جن کا مشترک مادہ دب ایک پہلوی لفظ ہے جس کے معنی نگاہ رکھنے کے ہیں۔ (اب مقریزی صفحہ ۹۷ اور فتوح البلدان صفحہ ۲۲۹)

### تمام ملک کا فوج بنانا

بہر حال ہر ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کا ایک مستقل محکمہ

قام کرنا چاہا اس باب میں ان کی سب سے زیادہ قابل لحاظ جو تجویز تھی وہ تمام ملک کا فوج بنانا تھا، انہوں نے اس مسئلے کو کہ ہر مسلمان فوج اسلام کا ایک سپاہی ہے باقاعدہ طور سے عمل میں لانا چاہا۔ لیکن چونکہ ابتداء میں ایسی تعلیم نہ تھی۔ اول قریش اور انصار سے شروع کیا۔ مدینہ منورہ میں اس وقت تین شخص بہت بڑے نواب اور حساب کتاب کے فن میں استاد تھے مخرمه بن نوبل، جبیر بن معطم، عقیل بن ابی طالب علم الانساب عرب کا موروثی فن تھا اور خاص کریے لے تینوں ہر زرگ اس فن کے لحاظ سے تمام عرب میں ممتاز تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو بلا کریے خدمت سپرد کی کہ تمام قریش اور انصار کا ایک دفتر تیار کریں جس میں ہر ایک کا نام و نسب مفصل اور جہاں لوگوں نے ایک نقشہ بنایا کر پیش کیا۔ جس میں سب سے پہلے بنوہاشم پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاندان پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبیلہ تھا۔ یہ ترتیب ان لوگوں نے خلافت و حکومت کے لحاظ سے قرار دی تھی۔ لیکن اگر وہ قائم رہتی تو خلافت خود غرضی کا آلہ کاہر ن جاتی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ”تو یوں نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داؤروں سے شروع کرو اور درج بدر جہا لوگ جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہوتے گئے ہیں۔ اسی ترتیب سے ان کا نام آخر میں لکھتے جاؤ۔ یہاں تک کہ جب میرے قبیلے تک نوبت آئے تو میرا نام بھی لکھو۔“

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ خلافتے اربعہ میں سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسب سب سے اخیر میں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے، غرض اس ہدایت کے موافق رجسٹر تیار ہوا اور حسب ذیل تنخواہیں مقرر ہوئیں۔ (تنخواہوں کی تفصیل میں مختلف روایتیں ہیں۔ میں نے کتاب المخراج صفحہ ۲۲۷ و مقریزی جلد اول صفحہ ۱۶۸ و میلادی صفحہ ۲۲۸ و یعقوبی صفحہ ۱۵۵ اور طبری صفحہ ۲۲۸ کے بیانات کو حتی الامکان مطابق کر کے لکھا ہے)

تقسیم مرتب	تعداد تنخواہ سالانہ
حوالگ جنگ بدر میں شریک تھے	۵ ہزار درہم
مهاجرین جبش اور شرکائے جنگ احمد۔	۳ ہزار درہم

۳ ہزار درہم	فوج مکہ سے پہلے جن لوگوں نے بھرت کی۔
۲ ہزار درہم	جو لوگ فوج مکہ میں ایمان لائے۔
۲ ہزار درہم	جو لوگ جنگ قادسیہ اور یرموک میں شریک تھے۔
۳ سورہم	اہل مکہ میں
۳ سورہم	قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین
۲ سورہم	بلا امتیاز مراتب

جن لوگوں کے نام درج وفتر ہوئے ان کی بیوی بچوں کی تنوہاہیں مقرر ہوئیں چنانچہ  
ہماجرین اور انصار کی بیویوں کی تنوہاہ ۲۰۰ سے ۳۰۰ درہم تک اور اہل بدر کی اولاد ذکور کی دو ہزار  
درہم مقرر ہوتی اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن لوگوں کی جو تنوہاہ مقرر ہوتی  
ان کے غلاموں کی بھی وہی تنوہاہ مقرر ہوتی۔ اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کے  
نزدیک غلاموں کا کیا درج تھا۔

جس قدر آدمی درج رجسٹر ہوئے اگرچہ سب درحقیقت فوج کی حیثیت رکھتے تھے  
لیکن ان کی دو قسمیں قرار دی گئیں۔

### ۱) جو ہر وقت جنگی مہمات میں مصروف رہتے تھے گویا یہ فوج نظام یعنی باقاعدہ فوج تھی۔

۲) اس موقع پر ایک امر نہایت توجہ کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ بست سے ظاہر ہوں کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے تمام  
عرب کی تنوہاہیں مقرر کیں اس کو فونی صیغہ سے چند اس تعلق نہیں بلکہ یہ رفاه عام کی غرض سے تھا لیکن یہ نہایت  
غلط خیال ہے اولاجہاں مغرب خوں نے اس واقعہ کاشان نزول یا ان کیا ہے لکھا ہے کہ ولید بن رہشا نے حضرت عمرؓ  
سے کہا کہ قدیمہ بہت الشام فرائیت ملو کھاتے نہ نوادیو ناوجندا واجندا فدائی دو و انا وجد جندا فأخذ  
بقولہ۔ یعنی میں نے شام کے بادشاہوں کو دیکھا کہ وہ فرائیت اور فوج رکھتے ہیں آپ بھی وفتر بنائے اور فوج مرتب کیجئے  
چنانچہ عمرؓ نے ولید کے قول پر اکمل کیا۔

دوسرے یہ کہ جن لوگوں سے جنگی خدمت نہیں لی جاتی تھی اور قدمی جنگی خدمتوں کا استحقاق بھی نہیں رکھتے تھے  
حضرت عمرؓ ان کی تنوہاہیں مقرر کرتے تھے اسی بناء پر مکہ کے لوگوں کو تنوہاہ نہیں ملتی۔ تھی فتح البلدان میں ہے  
ان عمر کان لا یعطی اهل مکۃ عطا لولا یضرب عليهم بعثاً فتوح صفحہ ۲۵۶ کی وجہ تھی کہ جب صحرائیں  
ید ولی نے حضرت ابو عینہؓ سے تنوہاہ کی تقریب کی درخواست کی تو انہوں نے فرمایا کہ جب تک آبادی میں رہنے والوں  
کی تنوہاہیں مقرر نہ ہو جائیں۔ صحرائیوں کا روزہ نہ نہیں مقرر ہو سکتا۔

المبتدا میں شک نہیں کہ اول اول فوج کے رجسٹر میں اور بھی بست یہ قسم کے لوگ شامل تھے۔ مثلاً جو لوگ قرآن  
مجید حفظ کر لیتے تھے یا کسی فن میں صاحب کمال تھے۔ لیکن استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ یہ خلاط مجھ سے  
ضفورت اختیار کیا گیا تھا مٹا گیا چنانچہ اسی مضمون میں آگے اس کی بحث آتی ہے۔

(۲) جو معمولاً اپنے گروں میں رہتے تھے لیکن ضرورت کے وقت طلب کئے جاسکتے تھے ان کو عربی میں مُبَطَّوْعَة کہتے ہیں اور آج کل کی اصلاح میں اس قسم کی فوج کو والشہر کہا جاتا ہے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ آج کل والشہر تنخواہ نہیں پاتے۔

فوجی نظام و نسق کا یہ پسلا دیباچہ تھا اور اس وجہ سے اس میں بعض بے ترتیبیاں بھی تھیں سب سے بڑا خلط بحث یہ تھا کہ تنخواہوں کے ساتھ پولیسکل تنخواہیں بھی شامل تھیں اور ان دونوں کا ایک ہی رجسٹر تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ یعنی ۱۹۰۰ء بھری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صیغے کو اس قدر مرتب اور منظم کر دیا کہ غالباً اس عمد تک کہیں اور کبھی نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ ہم ایک ایک جزئی انتظام کو اس موقع پر نمایت تفصیل سے لکھتے ہیں جس سے معلوم ہو گا کہ عرب کے ابتدائے تمدن میں انتظامات فوجی کی اس قدر شانخیں قائم کرنی اور ایک ایک شاہزاد کا اس حد تک مرتب اور باقاعدہ کرنا اسی شخص کا کام تھا جو فاروق اعظم کا لقب رکھتا تھا۔

اس صیغے میں سب سے مقدم اور اصولی انتظام، ملک کا جنگی حیثیت سے مختلف حصوں میں تقسیم کرنا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۹۰۰ء بھری میں ملکی حیثیت سے ملک کی دو تقسیمیں کیں۔ ملکی اور فوجی، ملکی کا حال دیوانی انتظامات کے ذکر میں گزر چکا ہے۔

### فوجی صدر مقامات

فوجی حیثیت سے چند بڑے بڑے فوجی مرکز قرار دیئے جن کا نام الجند رکھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے ان کی تفصیل یہ ہے۔ مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، مصر، دمشق، حمص، اربون، فلسطین، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں فتوحات کی حد اگرچہ بلوچستان کے ڈانڈنے سے مل گئی تھی۔ لیکن جو ممالک آئینی ممالک کے جاسکتے تھے وہ صرف عراق، مصر، جزیرہ اور شام تھے۔ چنانچہ اسی اصول پر فوجی صدر مقامات بھی انہی ممالک میں قائم کئے گئے موصل جزیرہ کا صدر مقام تھا۔ شام کی وسعت کے لحاظ سے وہاں متعدد صدر مقام قائم کرنے ضروری تھے اس لئے دمشق، فلسطین، حمص، اربون چار صدر مقام قرار دیئے۔ فسطاط کی وجہ سے جواب قاہروہ سے بدل گیا ہے۔ تمام مصر پر اثر پڑتا تھا۔ بصرہ، کوفہ، یہود شریفارس اور خوزستان اور تمام مشرق کی فتوحات کے دروازے تھے۔

لے جنگی تحقیقات کے لئے دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۳۲ مورخ یعقوبی نے واقعات ۱۹۰۰ء میں لکھا ہے کہ اس سال حضرت عمر نے فوجی صدر مقامات قائم کئے لیکن مؤخر نہ کوئی نہ صرف فلسطین، جزیرہ موصل اور قنسرين کا نام لکھا ہے۔ یہ صریح غلطی ہے۔

ان صدر مقامات میں جو انتظامات فوج کے لئے تھے وہ حسب ذیل تھے

### فوچی بار کیس

فوچوں کے رہنے کے لئے بار کیس تھیں۔ کوفہ، بصرہ، فاططہ، یہ تینوں شرتو دراصل فوج کے قیام اور بودویاں کے لئے آبادی کئے گئے تھے موصل میں مجیلوں کے نامے کا ایک قلعہ چند گرجے اور معمولی مکانات تھے ہرثمن عرفیہ ازدی (گورنر موصل) نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پدایت کے بھوجب داغ نیل ڈال کر اس کو شرکی صورت میں آباد کیا۔ اور عرب کے مختلف قبیلوں کے لئے جدا جدا محلے بسائے

### گھوڑوں کی پرواخت

ہر جگہ بڑے اصبل خانے تھے جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت سازوسماں کے ساتھ رہتے تھے یہ صرف اس غرض سے میا رکھے جاتے تھے کہ دفعہ ضورت پیش آجائے تو ۳۲ ہزار سواروں کا رسالہ تیار ہوا جائے ہے بھری میں جزیرہ والوں نے دفعتاً بغاوت کی تو یہی تدبیر کلید ظفر تھری، ان گھوڑوں کی پرواخت اور ترتیب میں نہایت اہتمام کیا جاتا تھا۔ مدینہ منورہ کا انتظام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود اپنے اہتمام میں رکھا تھا۔ شر سے چار منزل پر ایک چڑاگاہ تیار کرائی تھی اور خود اپنے غلام کو جس کا نام ہنی تھا اس کی حفاظت اور غرانی کے لئے مقرر کیا تھا۔ ان گھوڑوں کی رانوں پر داغ کے ذریعے سے یہ الفاظ لکھے جاتے تھے۔ جیش فی سبیل اللہ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۴۶) کوفہ میں اس کا اہتمام سلمان بن ربعہ البانی کے متعلق تھا جو گھوڑوں کی شناخت اور پرواخت میں کمال رکھتے تھے یہاں تک کہ ان کے نام میں یہ خصوصیت داخل ہو گئی تھی اور سلمان الحلی نام سے پکارے جاتے تھے جاٹوں میں یہ گھوڑے اصبل خانے میں رکھے جاتے تھے چنانچہ چوتھی صدی تک یہ جگہ آری کے نام سے مشہور تھی جس کے معنی اصبل خانے کے ہیں اور اسی لحاظ سے

۱۔ تاریخ طبری صفحہ ۲۵۰ میں ہے کان لعمرا ربعة الاف فرس عدة لکون ان کان یشتیها فی قبلۃ قصر الكوفة وبالبصرہ نحو منها قیم علیها جزین معاویہ وفی کل مصر من الامصار الشمانیۃ علی قدرها فان نابتهم نائبہ کب قوم لا تقدمو الی ان یستعدم الناس ۲۔ حضرت عمر نے گھوڑوں اور اونزوں کی پورش اور پرواخت کے لئے عرب میں متعدد چاراں ہیں تیار کرائیں تھیں۔ سب سے بڑی چڑاگاہ رہنہ میں منورہ سے چار منزل کے فاضلے پر نجدے کے ضلع میں واقع ہے۔ یہ چڑاگاہوں میں بھی اور اسی قدر جوڑی بھی اور بودسری مقام ضریبہ میں تھی جو کہ مظہم سے سات منزل پر ہے اسی کی دست ہر طرف سے چھچھے میں لگتی ہی اس میں تقریباً چالیس ہزار اونٹ پورش پاتے۔ ان چڑاگاہوں کی پوری لفظی خلاصت الوفا با خبار داراً مصطفیٰ مطبوعہ مصر صفحہ ۲۵۶، ۲۵۵ میں ہے۔

مجھی اس کو آخر شاہ جہاں کتے تھے بھار میں یہ گھوڑے ساحل فرات پر عاقوں کے قریب شاداب چ را گاہوں میں چ رائے جاتے سلمان ہمیشہ گھوٹوں کی ترتیب میں نمایت کوشش کرتے تھے اور ہمیشہ سال میں ایک وفعہ گھوڑو ڈبھی کرتے تھے۔

خاص کر عمدہ نسل کے گھوٹوں کو انہوں نے نمایت ترقی دی۔ اس سے پہلے الہ عرب، نسل میں ماں کی پرواد نہیں کرتے تھے سب سے پہلے سلمان نے یہ امتیاز قائم کیا۔ چنانچہ جس گھوڑے کی ماں عربی نہیں ہوتی تھی دو غلا قرار دے کر تقسیم غنیمت میں سوار کو حصہ سے محروم کر دیتے تھے۔ (اتب رجال میں سلمان بن ربيعہ کا نزد کہ دیکھو)

بصرہ کا اہتمام جزر بن معادیہ کے متعلق تھا جو صوبہ اہواز کے گورنرہ چکے تھے۔

### فوج کا دفتر

فوج کے متعلق ہر قسم کے کاغذات اور فرقہ اُنی مقامات میں رہتا تھا۔

### رسد کا غلہ

رسد کے لئے جو غلہ اور اجتناس میا کی جاتی تھیں وہ اُنی مقامات میں رکھی جاتی تھیں۔ اور یہیں سے اور مقامات کو بھیجی جاتی تھیں۔

### فوچی چھاؤنیاں

ان صدر مقامات کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے بڑے شہروں اور مناسب مقامات میں نمایت کثرت سے فوچی چھاؤنیاں قائم کیں اور عرب کو تمام ممالک مفتوح میں پھیلا دیا اگرچہ یہ ان کا عام اصول تھا کہ جو شریعت ہوتا تھا اسی وقت ایک مناسب تعداد کی فوج وہاں مستعین کر دی جاتی تھی جو وہاں سے ملتی نہ تھی۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب شام فتح کیا تو ہر ہر ضلع میں ایک عامل مقرر کیا جس کے ساتھ ایک معتقدہ فوج رہتی تھی لیکن امن و امان قائم ہونے پر بھی کوئی بڑا ضلع یا شرایبانہ تھا جہاں فوچی سلسہ قائم نہیں کیا گیا۔

کلد ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب شام کا سفر کیا تو ان مقامات میں جہاں ملک کی سرحد دشمن ملک سے ملتی تھی۔ یعنی دلوک، منیخ، رعیان، قورس، تیزین، انطا کیہ وغیرہ (عربی میں ان کو فروج یا نفور کہتے ہیں) ایک ایک شرکا درہ کیا اور ہر قسم کا فوچی نظم و نق

اور مناسب انتظامات کے جو مقامات دریا کے کنارے پر واقع تھے بلاد ساحلیہ کہلاتے تھے۔ یعنی عسقلان، یا فاساریہ، ارسوف عکا، صور، بیروت، طرطوس، صیدا، ایاس الاذقیہ، چونکہ رومیوں کی بحری طاقت کی زد پر تھے اس لئے ان کا مستقل جدا گانہ انتظام کیا اور اس کا افسر کل عبد اللہ بن قیس کو مقرر کیا۔ بالس چونکہ غربی فرات کے ساحل پر تھا اور عراق سے ہمسرحد تھا۔ وہاں فوجی انتظام کے ساتھ اس قدر اضافہ کیا کہ شامی عرب جو اسلام قبول کر چکے تھے آباد کئے

(فتح البلدان صفحہ ۱۸۷ میں ہے) فرتباً ابو عبیدہ بیالس جماعتِ المقاتلة واسکنہا قوماً من العرب الذين كانوا بباب الشام فاسلموا بعد قدوم المسلمين الشام)

۴۹ بھری میں جب یزید بن ابی سفیان کا انتقال ہوا تو ان کے بھائی معاویہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دی کہ سواحل شام پر زیادہ تیاری کی ضرورت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت حکم بھیجا کہ تمام قلعوں کی نئے سرے سے مرمت کرائی جائے اور ان میں فوجیں مرتب کی جائیں اس کے ساتھ تمام دریائی منظر گاہوں پر پھرہ والے تعینات کئے جائیں اور آگ روشن رہنے کا انتظام کیا جائے۔ (فتح البلدان صفحہ ۱۸۸ میں ہے۔ ان معاویۃ کتب الی عمر بن الخطاب بعد موت اخی یزید الحلال السواحل فكتب الیہ فی مرمت حصونها اقترایب المقاتلة فیہا واقامت الحوس علی مناظرها واتخاذ المواقید لها)

اسکندریہ میں یہ انتظام تھا کہ عمرو بن العاص کی افسری میں جس قدر فوجیں تھیں اس کی ایک چوتحائی اسکندریہ کے لئے مخصوص تھی۔ ایک چوتحائی ساحل کے مقامات میں رہتی تھی۔ باقی آدمی فوج خود عمرو بن العاص کے ساتھ فسطاط میں اقامت رکھتی تھی، یہ فوجیں بڑے بڑے وسیع ایوانوں میں رہتی تھیں اور ہر ایوان میں ان کے ساتھ ایک عریف رہتا تھا جو ان کے قبیلہ کا سردار ہوتا تھا اور جس کی معرفت ان کو تجوہیں تقسیم ہوتی تھیں ایوانوں کے آگے گھن کے طور پر وسیع افتادہ نہیں ہوتی تھی۔ (مقریزی جلد اول صفحہ ۱۸۷ میں ہے۔ وکان لکل عریف قصر ینزل بمن معن اصحابہ اتخدوا فیہ اخاید)

۵۰ بھری میں جب ہر قل نے دریا کی راہ سے مصیرِ حملہ کرنا چاہا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں قائم کر دیں یہاں تک کہ عمرو بن العاص کی ماتحتی مکاری طبیری صفحہ ۲۵۲۳۔ اصل عبارت یہ ہے۔ قسم عمر الارزاق وسمی الشواتی والصنوا الف وسدف وج الشام فمسالحها وانخذل ریها وسمی ذلک فی کل کورہ واستعمل عبد اللہ بن قیس علی السواحل من کل کورہ۔

میں جس قدر فوج تھی اس کی ایک چوتھائی انہی کے مقامات کے لئے مخصوص لے کر دی۔ عراق میں بصرہ و کوفہ اگرچہ محفوظ مقامات تھے چنانچہ خاص کوفہ میں چالیس ہزار سپاہی، ہیشہ رہتے تھے اور انتظام یہ تھا کہ ان میں سے ۴۰ ہزار بیرونی مہماں میں مصروف رکھتے جائیں تاہم ان اضلاع میں بھیوں کی جو فوجی چھاؤنیاں پلے سے موجود تھیں از سرنو تعمیر کر کے فوجی قوت سے مضبوط کر دی گئیں۔ خربیہ اور زابوق میں سات چھوٹی چھوٹی چھاؤنیاں تھیں وہ سب نئے سرے سے تعمیر کر دی گئیں۔ صوبۂ خوزستان میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں۔ چنانچہ خرتیری، منادر، سوق الابواز، سرق، ہرمزان، سوس، بنیان، جندی، سابور، مر جانقدق یہ تمام فوجوں سے معمور ہو گئے رے اور آذربایجان کی چھاؤنیوں میں، ہیشہ ۴۰ ہزار فوجیں موجود رہتی تھیں۔

اسی طرح اور سینکڑوں چھاؤنیاں جا بجا قائم کی گئیں جن کی تفصیل کی چند اس ضرورت نہیں۔ البتہ اس موقع پر یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اس سلسلے کو اس قدر وسعت کیوں دی گئی تھی۔ اور فوجی مقامات کے انتخاب میں کیا اصول ملاحظہ تھے؟ اصل یہ ہے کہ اس وقت اسلام کی فوجی قوت نے اگرچہ بہت زور اور وسعت حاصل کر لی تھی لیکن بھری طاقت کا کچھ سامان نہ تھا، اور یونانی مدت سے اس فن میں مشاہد ہوتے آتے تھے اس وجہ سے شام میں اگرچہ کسی اندر بیوی بغاوت کا کچھ اندریشہ نہ تھا۔ کیونکہ اہل ملک باوجود اختلاف مذہب کے مسلمانوں کو عیسائیوں سے زیادہ پسند کرتے تھے لیکن رومیوں کے بھری حملوں کا ہیشہ کھنکاگار تھا۔ اس کے ساتھ ایشیائے کوچک ابھی تک رومیوں کے قبیلے میں تھا اور وہاں ان کی قوت کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا تھا۔ ان وجوہ سے ضروری تھا کہ سرحدی مقامات اور بندروگاہوں کو نہایت محکم رکھا جائے۔

## فوجی چھاؤنیاں کس اصول پر قائم تھیں؟

یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس قدر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں انہی مقامات میں کیں جو یا ساحل پر واقع تھے یا ایشیائے کوچک کے ناکے پر تھے عراق کی حالت اس سے مختلف تھی کیونکہ وہاں سلطنت کے سوا ملک کے بڑے بڑے ریس جو مریبان کملاتے تھے اپنی بقارے ریاست کے لئے لڑتے رہتے تھے اور دب کر مطیع بھی ہو جاتے تھے تو

۱۔ دیکھو طبری صفحہ ۲۵۹۷ و مقریزی صفحہ ۳۷۲ ۲۔ تاریخ طبری صفحہ ۲۸۰۵ میں ہے و کان بالکوفہ اذنا کاربعون الف مقاتل و کان ببغداد و عین الشفرين (ای الری فاذربایجان) ہم عشرہ الاف فی کل سند فکان الرجل یصیبہ فی کل الریسم سنتین غزوۃ۔ ۳۔ فتوح البلدان صفحہ ۵۵۰ س۔ ۴۔ طبری صفحہ ۳۷۵۔

ان کی اطاعت پر اطمینان نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے ان ممالک میں ہر جگہ فوجی سلسلہ کا قائم رکھنا ضروری تھا کہ مدعاۃ عیان بریاست بغاوت کا خواب نہ دیکھنے پائیں۔

## فوجی دفتر کی وسعت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سلسلے کے ساتھ انتظامات کے اور صیغوں پر بھی توجہ کی اور ایک ایک صیغہ کو اس قدر منظم کر دیا کہ اس وقت کے تین کے لحاظ سے ایک معجزہ سا معلوم ہوتا ہے فوجوں کی بھرتی کا دفتر جس کی ابتداء مہاجرین اور انصار سے ہوئی تھی وسیع ہوتے ہوئے قریباً تمام عرب کو محیط ہو گیا، مدینہ سے عسفان تک جو مکہ مکہم سے دو منزل ادھر ہے جس قدر قبائل آباد تھے ایک ایک کی مردم شماری ہو کر رجسٹر بنے۔ جریں جو عرب کا انتہائی صوبہ ہے بلکہ عرب کے جغرافیہ نوں اس کو عراق کے اضلاع میں شمار کرتے ہیں۔ وہاں کے تمام قبائل کا دفتر تیار کیا گیا، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، جیرہ وغیرہ میں جس قدر عرب آباد ہو گئے تھے سب کے رجسٹر مرتب ہوئے اس بیشتر گروہ کی اعلیٰ قدر مرتب تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ اور اگرچہ ان سب کا مجموعی شمار تاریخوں سے معلوم نہیں ہوتا، تاہم قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم آٹھ دس لاکھ ہتھیار بند آدمی تھے۔

## ہر سال مسدر ہزار نئی فوج تیار ہوتی تھی

ابن سعد کی روایت ہے کہ ہر سال مسدر ہزار نئی فوج فتوحات پر بھیجی جاتی تھی کوفہ کی نسبت علامہ طبری نے تصریح کی ہے کہ وہاں ایک لاکھ آدمی لڑنے کے قابل بسائے گئے جن میں سے ۴۰ ہزار باقاعدہ فوج تھی یعنی ان کو باری باری سے ہمیشہ رے اور آذربایجان کی مهمات میں حاضر رہنا ضروری تھا۔

یہی نظام تھا جس کی بدولت ایک مدت تک تمام دنیا پر عرب کا رعب و داب قائم رہا۔ اور فتوحات کا سیلاب برا بر بھٹکا گیا۔ جس قدر اس نظام میں کمی ہوتی گئی عرب کی طاقت میں ضعف آتا گیا۔ سب سے پہلے امیر معاویہ نے اس میں تبدیلی کی یعنی شیرخوار بچوں کی تنخواہ بند کر دی، عبد الملک بن مروان نے اور بھی اس کو گھٹایا اور مقquam باللہ نے سرے سے فوجی دفتر میں سے عرب کے نام نکال دیئے اور اسی دن در حقیقت حکومت بھی عرب کے ہاتھ سے نکل گئی۔

یہ ایک اتفاقیہ جملہ تیج میں آگیا تھا۔ ہم پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فوجی نظام

کی طرف واپس آتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوجی دفتر کو یہاں تک وسعت دی کہ اہل عجم بھی اس میں داخل کئے گئے۔

### فوج میں عجمی رومی ہندوستانی اور یہودی بھی داخل تھے

یزد گرد شاہنشاہ فارس نے ولیم کی قوم سے ایک منتخب دستہ تیار کیا تھا جس کی تعداد چار ہزار تھی اور چند شاہنشاہ یعنی فوج خاصہ کھلا تھا۔ یہ فوج قادیہ میں کئی معروکوں کے بعد اپر انبوں سے علیحدہ ہو کر اسلام کے حلقوں میں آگئی۔ سعد ابن ابی و قاس گورنر کوفہ نے ان کو فوج میں داخل کر لیا اور کوفہ میں آباد کر کے ان کی تشویہ مقرر کر دیں۔ چنانچہ اسلامی فتوحات میں ان کا نام بھی جانجا تاریخوں میں آتا ہے۔ یزد گرد کی فوج ہراول کا سردار ایک بڑا نای افسر تھا جو سیاہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔

کلد ہجری میں یزد گرد اصفہان کو روانہ ہوا تو سیاہ کو تین سو سواروں کے ساتھ جن میں ستر بڑے بڑے نامی پلوان تھے اصلٹر کی طرف بھیجا کہ ہر ہر شر سے چندہ بہادر منتخب کر کے ایک دستہ تیار کرے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مہر ہجری میں سوس کا محاصرہ کیا تو یزد گرد نے سیاہ کو حکم دیا کہ اس چیدہ رسالے کے ساتھ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلے کو جائے سو فتح کے بعد سیاہ نے مع تمام سرداروں کے ابو موسیٰ سے چند شرائط کے ساتھ امن کی درخواست کی، ابو موسیٰ کو ان شرائط پر راضی نہ تھے لیکن کیفیت واقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ بھیجا کہ تمام شرائط منظور کرنے جائیں۔ چنانچہ..... وہ سب کے سب بصرہ میں آباد کئے گئے اور فوتی دفتر میں نام لکھا کر ان کی تشویہ مقرر ہو گئیں، ان میں سے چھ افسروں کے جن کے نام یہ تھے سیاہ، خرو، شریار، شیرور، افرودین، دھانی، ڈھانی، ہزار اور سو بیاروں کی دوہری تشویہ مقرر ہوئی۔ تستر کے معمر کے میں سیاہ ہی کی تدبیر سے فتح حاصل ہوئی۔

(طبی و اقتات کے ہجری ذکر فتح موس و فتح البلدان از صفحہ ۲۷۵ تا ۲۷۶)

بازان، نوشیروان کی طرف سے یمن کا گورنر تھا اس کی رکاب میں جو ایرانی فوج تھی ان میں سے اکثر مسلمان ہو گئے۔ ان کا نام بھی دفتر میں لکھا گیا تجھ بیہے کہ فاروقی لشکر ہندوستان کے بہادروں سے بھی خالی نہ تھا۔ سندھ کے جاث جن کو اہل عرب زٹ کہتے تھے، یزد گرد کے لشکر میں شامل تھے سوں کے معمر کے کے بعد وہ اسلام کے حلقوں گوش ہوئے اور فوج

میں بھرتی ہو کر بصرہ میں آباد کئے گئے۔ (فتح البلدان صفحہ ۲۷۵)

یونانی اور رومی بہادر بھی فوج میں شامل تھے چنانچہ فتح مصر میں ان میں سے پانچ سو آدمی شریک جنگ تھے اور جب عمرو بن العاص نے فسطاط آباد کیا تو یہ جداگانہ محلے میں آباد کئے گئے یہودیوں سے بھی یہ سلسلہ خالی نہ تھا، چنانچہ مصر کی فتح میں ان میں سے ایک ہزار آدمی اسلامی فوج میں شریک تھے۔ (مقریزی صفحہ ۲۹۸ میں ان سبکے حالات کسی قدر تفصیل سے لکھے ہیں)

غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صیخہ جنگ کو جو وسعت دی تھی اس کے لئے کسی قوم اور کسی ملک کی تخصیص نہ تھی۔ یہاں تک کہ مذہب و ملت کی بھی کچھ قید نہ تھی، والنتیہ فوج میں تو ہزاروں مجوہی شامل تھے جن کو مسلمانوں کے برابر مشاہرے ملتے تھے۔ فوجی نظام میں بھی مجوہیوں کا پتہ ملتا ہے چنانچہ اس کی تفصیل غیر قوموں کے حقوق کے ذکر میں آئے گی۔ لیکن یہاں کھنا چاہئے کہ صیخہ جنگ کی یہ وسعت جس میں تمام قوموں کو داخل کیا گیا تھا۔ صرف اسلام کی ایک فیاضی تھی ورنہ فتوحات ملکی کے لئے عرب کو اپنی تلوار کے سوا اور کسی کا بھی ممنون ہونا نہیں پڑا۔ البتہ اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ جن قوموں سے مقابلہ تھا ان کے ہم قوموں کو ان سے لڑانا فن جنگ کا بڑا اصول تھا۔

### کہ خرگوش ہر مرزا بے شگفت سگ آل ولایت تو اندر گرفت

جیسا کہ ہم اپر لکھ آئے ہیں کہ ابتدائے انتظام فوجی صیخہ صاف صاف جداگانہ حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ یعنی جو لوگ اور حیثیت سے تنخواہیں پاتے تھے ان کے نام بھی فوجی رجسٹر میں درج تھے اور اس وقت یہی مصلحت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اب یہ پرده بھی اٹھا دینا چاہا۔ شروع شروع میں تنخواہ کی کمی بیشی میں قرآن خوانی کے وصف کا بھی لحاظ ہوتا تھا لیکن چونکہ اس کو فوجی امور سے کچھ تعلق نہ تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو صیخہ تعلیم کر کے اس دفتر سے الگ کر دیا۔ چنانچہ سعد بن ابی وقار کو یہ الفاظ لکھ بھیجے لالفاظ علی القرآن احداً۔

### تنخواہوں میں ترقی

اس کے بعد تنخواہوں کی ترقی کی طرف توجہ کی۔ چونکہ وہ فوج کو زراعت، تجارت اور اس قسم کے تمام اشغال سے بہرہ باز رکھتے تھے اس لئے ضروری تھا کہ ان کی تمام ضروریات کی کفالت کی جائے اس لحاظ سے تنخواہوں میں کافی اضافہ کیا۔ ادنی سے ادنی شرح جو ۲۰۰

سالانہ تھی ۳۰۰ کرداری۔ افسوں کی تنخواہ سات ہزار سے لے کر دس ہزار تک بڑھا دی۔ بچوں کی تنخواہ دو دو چھوٹے کے بعد سے مقرر ہوتی تھی۔ اب حکم دے دیا کہ پیدا ہونے کے دن سے مقرر کردی جائے۔

### رسد کا انتظام

رسد کا بندوبست پہلے صرف اس قدر تھا کہ فوجیں مثلاً قادیہ میں پہنچیں تو آس پاس کے دیہات پر حملہ کر کے جنس اور غلہ نوٹ لائیں۔ البتہ گوشت کا بندوبست دارالخلافہ سے تھا۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ سے بھیجا کرتے تھے۔ پھر یہ انتظام ہوا کہ مفتوحہ قوموں سے جزیہ کے ساتھ فی کس ۲۵ اماں غلہ لیا جاتا تھا مصروفین غلہ کے ساتھ روغن، زيتون، شدہ اور سرکہ بھی وصول کیا جاتا تھا جو سپاہیوں کے سالن کا کام رہتا تھا۔ جزیرہ میں بھی یہی انتظام تھا۔ لیکن اس میں رعایا کو زحمت ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آخر اس کے بجائے نقدی مقرر کر دی۔ جس کو رعایا نے نمایت خوشی سے قبول کیا۔

### رسد کا مستقل محکمہ

رفت رفت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسد کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا جس کا نام ڈاہراء تھا۔ چنانچہ شام میں عمرو بن عقبہ اس محکمے کے افسر مقرر ہوئے۔ اہراء ہری کی جمع ہے۔ ہری ایک یونانی لفظ ہے۔ جس کے معنی گودام کے ہیں، جو نکہ رسد کے یکجا جمع ہونے اور وہاں سے تقسیم ہونے کا یہ طریقہ یونانیوں سے لیا گیا تھا اس لئے نام میں بھی وہی یونانی لفظ قائم رہا، تمام جنس اور غلہ ایک وسیع گودام میں جمع ہوتا تھا۔ اور مینے کی پہلی تاریخ فی سپاہی امن اماں کے حساب سے تقسیم ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ فی کس ۲۳ اماں روغن زيتون اور ہر اماں سرکہ بھی ملتا تھا۔ اس کے بعد اور بھی ترقی ہوئی یعنی خشک جنس کی بجائے پکا پکایا کھانا ملتا تھا۔

### خوارک، کپڑا اور بھتنة

چنانچہ مؤذن یعقوبی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سفر کے ذکر میں اس کی تصریح کی ہے۔ تنخواہ اور خوارک کے علاوہ کپڑا بھی دربار خلافت سے ملتا تھا۔ جس کی تفصیل

۱۔ فتح البلدان صفحہ ۲۵۶، اصل عبارت یہ ہے فاذا اجتا جوالی العلف والطعام اخر جوا حلولاً في البر فاغارت على اسفل القراء وكان عمر يبعث اليهم من المدينة الغنم والجوز۔ ۲۔ فتح البلدان صفحہ ۲۲۸۔ ۳۔ تاریخ طبری صفحہ ۲۴۵۔ اہر کے معنی اور مفہوم کے لئے دیکھو سان العرب اور فتح البلدان صفحہ

وردی کے باب میں آئے گی، ان تمام باتوں کے ساتھ بھتہ بھی مقرر تھا جس کو عربی میں مفہومہ کہتے ہیں۔ سواری کا گھوڑا سواروں کو اپنے اہتمام سے تیار کرنا ہوتا تھا۔ لیکن جو شخص کم سروایہ ہوتا تھا اور اس کی تنخواہ بھی ناکافی ہوتی تھی۔ اس کو حکومت کی طرف سے گھوڑا ملتا تھا۔ چنانچہ خاص اس غرض کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے خود دار الخلافہ میں چار ہزار گھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے۔ (کتاب المحراب صفحہ ۱۲۱ صل عبارت یہ ہے کان لعمرین الخطاب اربعۃ الاف فرس فاذا کان فی عطا الرجل خفتۃ او کان محتاجاً عطا الفرس)

### تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ

بھتہ و تنخواہ وغیرہ کی تقسیم کے اوقات مختلف تھے شروع محرم میں تنخواہ، فعل بمار میں بھتہ اور فعل کے کٹنے کے وقت خاص جا گیروں کی آمنی تقسیم ہوتی تھی۔ تنخواہ کی تقسیم کا یہ طریقہ تھا کہ ہر قبیلے کے ساتھ ایک عریف یعنی مقدم یار میں ہوتا تھا فوج افسر جو کم سے کم ۱۰۰ سپاہیوں پر افسر ہوتے تھے اور جو امراء الاعشار کہلاتے تھے، تنخواہ ان کو دی جاتی تھی۔ وہ عریف کے حوالے کرتے تھے اور عریف اپنے اپنے قبلہ کے سپاہیوں کے حوالے کرتے تھے ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی چنانچہ کوفہ، بصرہ میں سو عریف تھے جن کے ذریعے سے ایک کروڑ کی رقم تقسیم ہوتی تھی، اس انتظام میں نہایت احتیاط اور خبرگیری سے کام لیا جاتا تھا عراق میں امراء الاعشار نے تنخواہوں کی تقسیم میں بے اعتدالی کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرب کے بڑے بڑے نواب اور اہل الرائے مثلاً سعید بن عمران، مشعلہ بن نعیم وغیرہ کو بلا کر اس کی جانچ پر مقرر کیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے دوبارہ نہایت تحقیق اور صحت کے ساتھ لوگوں کے عہدے اور روزینے مقرر کئے اور دس دس کے بجائے سات سات سپاہی پر ایک ایک افسر مقرر کیا۔ عریف کا تقرر بھی فارغی ایجادوں سے تھا جس کی تقلید توں تک کی گئی کنزِ العمال باب الجماد میں علامہ نیھنی کی روایت ہے۔

### تنخواہوں کی ترقی

تنخواہوں میں قدامت اور کارکردگی کے مطابق سیدقہ فوقاً اضافہ ہوتا رہتا تھا قادریہ میں زہرہ، عصمتہ، جنتی وغیرہ نے بڑے بڑے مردانہ کام کئے تھے اس لئے ان کی تنخواہیں دو، دو ہزار طبی صفحہ ۱۳۸۶ صل عبارت یہ ہے وامر لهم بمعادتهم في الربيع من كل سنة فبا عطيائهم في المحرم من كل سنة وبفتحهم عند طلوع الشعري في كل سنة وذلك عند اداء كل الغلات۔ لـ ۱۴ یہ واقعات نہایت تفصیل کے ساتھ طبی صفحہ ۱۳۹۵ و مقرزی صفحہ ۹۳ میں ہیں۔

سے ڈھائی ڈھائی ہزار ہو گئیں۔ مقررہ رقوں کے علاوہ غنیمت سے وقار و قابو جو ہاتھ آتا تھا اور علی قدر مراتب فوج پر تقسیم ہوتا تھا۔ اس کی کچھ انتہائی تھی۔ چنانچہ جلوالا میں نو ہزار نماوند میں چھ چھ ہزار درہم ایک سوار کے حصے میں آئے تھے صحت اور تدرستی قائم رکھنے کے لئے حسب ذیل قاعدے مقرر تھے۔

### اختلاف موسم کے لحاظ سے فوج کی تقسیم

جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے لٹائی کی جتیں معین کر دی تھیں، یعنی جو سرد ملک تھے ان پر گرمیوں میں اور گرم ملکوں پر جائوں میں فوجیں بھیجی جاتی تھیں اس کی تقسیم کا نام شاتیہ اور صافیہ رکھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے یہاں تک کہ ہمارے مؤذین مغربی مہمات اور فتوحات کو صرف صوانف کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں یہ انتظام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلد ہجری میں کیا تھا۔ علامہ طبری لکھتے ہیں۔ **وسم الشواتی والصوانف وسمی فلکی کل کوہہ۔**

### بہار کے زمانے میں فوجوں کا قیام

فصل بہار میں فوجیں ان مقامات پر بھیج دی جاتی تھیں جہاں کی آب و ہوا عمدہ اور سبزہ و مرغزار ہوتا تھا۔ یہ قاعدہ اول اول کلد میں جاری کیا گیا۔ جبکہ مدائن کی فتح کے بعد وہاں کی خراب آب و ہوا نے فوج کی تدرستی کو نقصان پہنچایا چنانچہ عقبہ بن غزوہ ان کو لکھا کہ ہمیشہ جب بہار کا موسم آئے تو فوجیں شاداب اور سربز مقامات میں چلی گائیں۔ عمرو بن العاص گورنر مصر، موسم بہار کے آنے کے ساتھ فوج کو بنا ہر بھیج دیتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ سیر و شکار میں بسر کریں اور گھوٹوں کو چڑا کر فریہ بنا کر لا گئیں۔

### آب و ہوا کا لحاظ

بار کوں کی تغیری اور چھاؤں کے بنانے میں ہمیشہ عمدہ آب و ہوا کا لحاظ کیا جاتا تھا اور مکانات کے آگے کھلے ہوئے خوش فضا صحن چھوڑے جاتے تھے فوجوں کے لئے جو شر آباد کے گئے مثلاً کوئی ریہ قرطاط و غیرہ میں صحت کے لحاظ سے سڑکیں اور کوچے اور گلیاں نہایت وسیع تاریخ طبری صفحہ ۲۲۸۶ میں ہے و کتب عمر الی سعد بن مالک والی عتبہ بن غزوہ ان بتریہا بالناس فی کل حین ریچ فی اطیب ارضهم۔

ہوتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس میں اس قدر اہتمام تھا کہ مساحت اور وسعت کی تعین بھی خود لکھ کر بھیجی تھی۔ چنانچہ اس کی تفصیل ان شہروں کے ذکر میں گذر چکی۔

## کوچ کی حالت میں فوج کے آرام کا دن

فوج جب کوچ پر ہوتی تھی تو حکم تھا کہ ہمیشہ جمعہ کے دن مقام کرے اور پورے ایک شب و روز قیام رکھے تاکہ لوگ دم لیں اور ہتھیاروں اور کپڑوں کو درست کر لیں یہ بھی تاکید تھی کہ ہر روز اسی قدر مسافت طے کریں جس سے تھکنے نہ پائیں اور پڑاؤ ہیں کیا جائے جماں ہر قسم کی ضروریات میا ہوں چنانچہ سعد بن وقاریں کو جو فرمان فوجی ہدایتوں کے متعلق لکھا۔ اس میں اور اہم باتوں کے ساتھ ان تمام جزئیات کی تفصیل بھی لکھی۔

(عقد الفرید جلد اول صفحہ ۲۹ میں یہ فرمان بعینہ منقول ہے)

## رخصت کے قاعدے

رخصت کا بھی باقاعدہ انتظام تھا جو فوجیں دور دراز مقامات پر مامور تھیں ان کو سال میں ایک دفعہ ورنہ دو دفعہ رخصت ملتی بلکہ ایک موقع پر جب انسوں نے ایک عورت کو اپنے شوہر کی جدائی میں دروناک اشعار پڑھتے سناؤ افسروں کو احکام بھیج دئے کہ کوئی شخص چار میں سے زیادہ باہر ہنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

لیکن یہ تمام آسانیاں اسی حد تک تھیں کہ جماں تک ضرورت کا تقاضا تھا۔ ورنہ آرام طلبی، کاملی، عیش پرستی سے بچنے کے لئے سخت بند شیں تھیں۔ نہایت تاکید تھی کہ اہل فوج رکاب کے سوارے سے سوار نہ ہوں، زم کپڑے نہ پہنیں، دھوپ کھانا نہ چھوڑیں، حماموں میں نہ نماہیں۔

## فوج کا لباس

تاں بخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کے لئے کوئی خاص لباس جس کو دردی کرتے ہیں قرار دیا تھا۔ فوج کے نام ان کے جو احکام منقول ہیں ان میں صرف اس قدر ہے کہ لوگ عجمی لباس نہ پہنیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کی تقلیل پر چند اس زور نہیں دیا گیا کیونکہ ۱۳۰ ہجری میں جب مصر میں ذمیوں پر جزیہ مقرر ہوا تو فوج کے

کپڑے بھی اس میں شامل تھے اور وہ یہ تھے کہ اون کا جبکہ، لمبی نوپی یا یعنی لمبا جائیداد موزہ، حالانکہ اول اول پا جامہ اور موزہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بقرع منع کیا تھا۔

## فوج میں خزانچی و محاسب و مترجم

فوج کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور بہت سی ایجادیں ہیں جن کا عرب میں کبھی وجود نہ ملا تھا۔ مثلاً ہر فوج کے ساتھ ایک افسر خزانہ، ایک محاسب، ایک قاضی اور متعدد مترجم ہوتے تھے ان کے علاوہ متعدد طبیب اور جراح ہوتے تھے چنانچہ جنگ قادریہ میں عبد الرحمن بن ریبعہ، قاضی، زیاد بن ابی سفیان محاسب، ہلال بھری مترجم ہوتے۔ فوج میں ملکہ عدالت سرسرشہ حساب مترجمی اور ڈاکٹری کی ابتداء بھی اسی زمانے سے ہے۔

## فن جنگ میں ترقی

فوچی قواعد کی نسبت ہم کو صرف اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوجی افسروں کو جواہام صحیحتے تھے ان میں چار چیزوں کے سیکھنے کی تائید ہوتی تھی، تیرنا، گھوڑے دوڑانا، تیر لگانا، ننگے پاؤں چلانا، اس کے سوا ہم کو معلوم نہیں کہ فوج کو کسی قسم کی قواعد سکھائی جاتی تھی۔ تاہم اس میں شہر نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمد میں سابق کی نسبت فن جنگ نے بہت ترقی کی۔

عرب میں جنگ کا پہلا طریقہ یہ تھا کہ دونوں طرف کے غول بے ترتیب کھڑے ہو جاتے تھے پھر دونوں طرف سے ایک ایک سپاہی نکل کر لڑتا تھا۔ اور باقی تمام فوج چپ کھڑی رہتی تھی۔ اخیر میں عام حملہ ہوتا تھا۔ اسلام کے آغاز میں صفت بندی کا طریقہ جاری ہوا تھا۔ اور فوج کے مختلف حصے قرار پائے مثلاً مینہ، میسرہ، وغیرہ لیکن ہر حصہ بطور خود لڑتا تھا۔ یعنی تمام فوج کسی ایک پہ سالار کے نیچے رہ کر نہیں لڑتی تھی۔ سب سے پہلے ھلہ بھری میں یہ موك کے معركہ میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدولت تعبیہ کی طرز پر ٹھنڈجنگ ہوئی یعنی کل فوج جس کی تعداد چالیس ہزار کے قریب تھی ۳۶۰ صفویوں میں تقسیم ہو کر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں کام کرتی تھی اور وہ تمام فوج کو تہاڑاتے تھے۔

۱۔ فتح المدن صفحہ ۳۴۵۔ ۲۔ طبری واقعات ۳۷۰ صفحہ ۳۲۲۔

۳۔ علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں فصل فی الحروب کے عنوان سے عرب اور فارس و روم کے طریقہ جنگ پر ایک مضمون لکھا ہے اس میں لکھا ہے کہ تعبیہ کا طریقہ اول اول مروان بن الحنم نے قائم کیا۔ لیکن یہ غلط ہے طبری اور دیگر مؤلفین نے بقرع لکھا ہے کہ یہ موك کے معركہ میں اول اول خالد نے تعبیہ کی طرز پر صرف آرائی کی۔

## فوج کے مختلف حصے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں فوج کے جس قدر حصے اور شعبے تھے،  
حسب ذیل ہیں۔

قلب	پہ سالار اسی حصے میں رہتا تھا۔
مقدمہ	قلب کے آگے کچھ فاصلے پر ہوتا تھا۔
مینڈ	قلب کے دائیں ہاتھ پر رہتا تھا۔
میسو	بائیں ہاتھ پر۔
ساتھ	سب کے پیچھے۔
ظیلیعہ	گفت کی فوج جو دشمن کی فوجوں کی دیکھ بھال رکھتی تھی۔
روء	جو ساقہ کے پیچھے رہتی تھی تاکہ دشمن عقب سے حملہ نہ کر سکے۔
راہند	جو فوج کے چارہ اور پانی کی تلاش کرتی تھی۔
رکبان	شتر سوار۔
فرسان	گھوڑا سوار۔
راجل	پیادہ۔
سراہ	تیر انداز۔

## ہر سپاہی کو جو ضروری چیزیں ساتھ رکھنی پڑتی تھیں

ہر سپاہی کو جنگ کی ضرورت کی تمام چیزیں اپنے ساتھ رکھنی پڑتی تھیں۔ فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ کثیر بن شاہب (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک فوجی افسر تھے) کی فوج کا ہر سپاہی اشیائے زیل ضرور اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ سویاں، سوا، ذورا، پینچی، سوتالی، توبرا، چھلنی۔ (فتح البلدان صفحہ ۱۸)

## قلعہ شکن آلات

قلعوں پر حملہ کرنے کے لئے تجیق کا استعمال اگرچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے نامے میں شروع ہو پکا تھا چنانچہ سب سے پہلے ۸۰ ہجری میں طائف کے محاصرے میں اس سے کام لیا گیا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نامے میں اس کو بست ترقی ہوئی اور بڑے بڑے قلعے اس کے ذریعہ سے فتح ہوئے مثلاً ۱۰۰ ہجری میں برسہ شیر کے محاصرے میں ۲۰ میخینیں استعمال کی گئیں۔ محاصرے کے لئے ایک اور آله تھا جس کو دیباہ کہتے تھے یہ ایک لکڑی کا برج ہوتا تھا جس میں اوپر تلے کئی درجے ہوتے تھے اور نیچے پیسے لگتے تھے سگ اندازوں اور نقشبندانوں کو اس کے اندر بٹھا دیا جاتا تھا اور اس کو رحلتے ہوئے آگے بڑھاتے چلتے تھے اس طرح قلعہ کی جڑیں پہنچ جاتے تھے اور قلعہ کی دیواروں کو آلات کے ذریعے سے توڑ دیتے تھے برسہ شیر کے محاصرہ میں یہ آله بھی استعمال کیا گیا تھا۔

### سفرینا

راستہ صاف کرنا، سڑک بنانا، پل باندھنا۔ یعنی جو کام آج کل سفرینا کی فوج سے لیا جاتا ہے اس کا انتظام بھی نہایت معقول تھا اور یہ کام خاص کر مفتوحہ قوموں سے لیا جاتا تھا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب فسطاطن فتح کیا تو موقوفہ والی مصر نے یہ شرط منظور کی کہ فوج اسلام جدھر رکھ کرے گی سفرینا کی خدمت کو مصری انجام دیں۔ گے چنانچہ عمرو بن العاص جب رویوں کے مقابلہ کے لئے اسکندریہ کی طرف بڑھے تو خود مصری منزل بنزل پل باندھتے سڑک بناتے اور بازار لگاتے گئے۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ چونکہ مسلمانوں کے سلوک نے تمام ملک کو گرویدہ کر لیا تھا۔ اس واسطے قبلي خود بڑی خوشی سے ان خدمتوں کو انجام دیتے تھے

### خبرسانی اور جاسوسی

جاسوسی اور خبرسانی کا انتظام نہایت خوبی سے کیا گیا تھا اور اس کے لئے قدرتی سامان ہاتھ آگئے تھے۔ شام و عراق میں کثرت سے عرب آباد تھے اور ان میں سے ایک گروہ کثیر نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ لوگ چونکہ مدت سے ان ممالک میں رہتے تھے اس لئے کوئی واقعہ ان سے چھپ نہیں سکتا تھا۔ ان لوگوں کو اجازت دی کہ اپنا اسلام لوگوں پر ظاہرنہ کریں اور چونکہ یہ لوگ ظاہر و ضع قطع سے پارسائی یا عیسائی معلوم ہوتے تھے اس لئے دشمن کی فوجوں میں جہاں چاہتے تھے چلے جاتے تھے یہ موك قادریہ، تکریت میں انہی جاسوسوں کی بدولت

۱۔ مقریزی صفحہ ۲۷۳ میں ہے۔ فخر ج عمر بالمسلمین فخر ج معاشرت من روؤسا القبط و قد اصلحوا الهم الطرق و اقاموا لهم الجسور والأسواق۔

بڑے بڑے کام نکلے۔ (تاریخ شام المازری صفحہ ۱۵۳، طبری صفحہ ۲۳۳۹ و ۲۴۵۔ ازی کی عبارت یہ ہے لما نزلت الرقم منزلهم الذي نزلوا به و سنتا اليهم رجالاً من أهل البلد كانوا نصارى و حسن اسلامهم و أمر لهم ان يدخلوا عسکرهم و يكتسوا اسلامهم و ينذروا بأخبارهم)۔

شام میں ہر شرکے رئیسوں نے خواپنی طرف سے اور اپنی خوشی سے جاسوس لگا رکھے تھے جو قیصر کی فوجی تیاریوں اور نقل و حرکت کی خبریں پہنچاتے تھے۔ قاضی ابویوسف صاحب کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔ (کتاب مذکور صفحہ ۸۰)

فلمارأى أهل الذمة وفاء المسلمين لهم وحسن السيرة فهم  
صاروا أشداء على عدو المسلمين وعوناً للمسلمين على أعد  
آنهم نبعث أهل كل مدينة منمن جرى الصلح بينهم وبين  
المسلمين رجالاً من قبلهم يتجمسون إلا خبار عن الروم عن  
ملكيهم وما يرون أن يضعوا۔

### خبر سانی اور جاسوسی

اروں اور فلسطین کے اضلاع میں یہودیوں کا ایک فرقہ رہتا تھا جو ساموں کھلاتا تھا۔ یہ لوگ خاص جاسوسی اور خبر سانی کے کام کے لئے مقرر کئے گئے اور اس کے صلے میں ان کی مقبوضہ زمینیں ان کو معافی میں دے دی گئیں ام۔ اسی طرح جزا جس کی قوم اس خدمت پر مامور ہوئی کہ ان کو بھی خراج معاف کروایا گیا۔ فوجی انتظام کے سلسلے میں جو چیز سب سے بڑھ کر حیرت انگیز ہے یہ ہے کہ باوجود یہ کہ اس قدر بے شمار فوجیں تھیں اور مختلف ملک، مختلف قبائل مختلف طبائع کے لوگ اس سلسلے میں داخل تھے۔ اس کے ساتھ وہ نسایت و دراز مقامات تک پھیلی ہوتی تھیں۔ جہاں سے دارالخلافہ تک سینکڑوں ہزاروں کوس کا فاصلہ تھا۔ تاہم تمام فوج اس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبضہ قدرت میں تھیں کہ گویا وہ خود ہر جگہ فوج کے ساتھ موجود ہیں۔

### پرچہ نویسوں کا انتظام

اس کا عام سبب تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سطوت اور ان کا رعب و داب تھا۔ لیکن ایک برا سبب یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس لگا رکھے تھے اور فوج کی ایک ایک بات کی ان کو خبر پہنچتی رہتی تھی علامہ طبری ایک ضمنی موقع پر

لکھتے ہیں کہ :

و كانت تكون لعمر العيون في جيش فكتب إلى بما كان في

فلك الغزاوة وبلغة الذي قال عتبة۔ (طبری صفحہ ۲۳۰۸)

ایک اور موقع پر لکھتے ہیں۔

و كان عمر لا يخفى عليه شيئاً في عمله۔ (طبری صفحہ ۲۵۶)

اس انتظام سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کام لیتے تھے کہ جہاں فوج میں کسی شخص سے کسی قسم کی بداعت دالی ہو جاتی تھی فوراً اس کا تارک کروئیتے تھے جس سے اوروں کو بھی عبرت ہو جاتی تھی۔ ایران کی فتوحات میں عموم عدی کرب نے ایک دفعہ اپنے افسر کی شان میں گستاخانہ کلمہ کہہ دیا تھا۔ فوراً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ہوئی اور اسی وقت انہوں نے عموم عدی کرب کو تحریر کے ذریعے سے ایسی چشم نمائی کی کہ پھر ان کو کبھی ایسی جرأت نہیں ہوئی۔ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں جن کا استقصاء نہیں ہو سکتا۔

## صیغۂ تعلیم

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگرچہ تعلیم کو نہایت ترقی دی تھی۔ تمام ممالک مفتوحہ میں ابتدائی مکاتب قائم کئے تھے جن میں قرآن مجید، اخلاقی اشعار اور امثال عرب کی تعلیم ہوتی تھی۔ بڑے بڑے علمائے صحابہ اضلاع میں حدیث و فقہ کی تعلیم کے لئے مامور کئے تھے مدرسین اور معلمین کی تشویاہیں بھی مقرر کی تھیں۔ لیکن چونکہ تعلیم زیادہ تر مذہبی تھی۔ اس لئے اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ صیغۂ مذہبی کے بیان میں آئے گا۔

## صیغۂ مذہبی

خلافت کی حیثیت سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواہر مذہب کی تعلیم و تلقین تھی اور در حقیقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کارناموں کا اظہرا یہی ہے۔ لیکن مذہب کی روحانی تعلیم، یعنی توجہ الی اللہ، استغراق فی العبادة، صفائی قلب، قطع علاائق خصوص و خشوع یہ چیزیں کسی محسوس اور مادی رشتہ انتظام کے تحت میں نہیں آسکتیں۔ اس لئے نظام حکومت کی تفصیل میں ہم اس کا ذکر نہیں کر سکتے اس کا ذکر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذاتی حالات میں آئے گا۔ البتہ اشاعت اسلام، تعلیم قرآن و حدیث، احکام مذہبی کا اجراء

اس قسم کے کام انتظام کے تحت میں آسکتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے متعلق جو کچھ کیا اس کی تفصیل ہم اس موقع پر لکھتے ہیں۔

### اشاعت اسلام کا طریقہ

اس صیغہ کا سب سے بڑا کام اشاعت اسلام تھا۔ اشاعت اسلام کے یہ معنی نہیں کہ لوگوں کو توارکے ذریعے نور سے مسلمان بنایا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طریقے کے بالکل خلاف تھے اور جو شخص قرآن مجید کی اس آیت پر **لا اکراہ فی الدین** (یہ روایت طبقات ابن سعد میں موجود ہے جو نہایت محترم کتاب ہے۔ دیکھو کنز العمال جلد چشم صفحہ ۲۹۶ مطبوعہ حیدر آباد دکن) بلا تاویل عمل کرنا چاہتا ہے وہ ضرور اسکے خلاف ہو گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقع پر یعنی جب ان کا غلام باد جو دہائیت و ترغیب کے اسلام نہ لایا تو فرمایا کہ **لا اکراہ فی الدین**۔

اشاعت اسلام کے یہ معنی ہیں کہ تمام دنیا کو اسلام کی دعوت دی جائے اور لوگوں کو اسلام کے اصول اور مسائل سمجھا کر اسلام کی طرف راغب کیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس ملک پر فوجیں بھیجنے تھے تاکید کرتے تھے کہ پہلے ان لوگوں کو اسلام کی ترغیب دلائی جائے اور اسلام کے اصول و عقائد سمجھائے جائیں۔ چنانچہ فاتح ایران سعد و قاص کو جو خط لکھا اس میں یہ الفاظ تھے۔ وقد کنت أمرتک أن تدعوا من لقيته إلى الإسلام قبل القتال۔ قاضي ابو يوسف صاحب نے لکھا ہے کہ ”حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ جب ان کے پاس کوئی فوج مہیا ہوتی تو ان پر ایسا افراد مقرر کرتے تھے جو صاحب علم اور صاحب فقة ہوتا تھا“ یہ ظاہر ہے کہ فوجی افسروں کے لئے علم و فقہ کی ضرورت اسی تبلیغ اسلام کی ضرورت سے تھی۔ شام و عراق کی فتوحات میں تم نے پڑھا ہو گا کہ ایرانیوں اور عیسائیوں کے پاس جو اسلامی سفارتیں لگیں انہوں نے کس خوبی اور صفائی سے اسلام کے اصول و عقائد کے سامنے بیان کئے۔

اشاعت اسلام کی بڑی تدبیریہ ہے کہ غیر قوموں کو اسلام کا جو نمونہ دکھلایا جائے وہ ایسا ہو کہ خود بخود لوگوں کے دل اسلام کی طرف کھینچ آئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمد میں یہ نہایت کثرت سے اسلام پھیلا اور اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اپنی تربیت اور ارشاد سے تمام مسلمانوں کو اسلام کا اصلی نمونہ بنایا تھا۔ اسلامی فوجیں جس ملک میں

جاتی تھیں۔ لوگوں کو خواہ خواہ ان کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا تھا۔ کیونکہ چند بادیہ نشینوں کا دنیا کی تسبیح کو اٹھنا حیرت اور استحباب سے خالی نہ تھا۔ اس طرح جب لوگوں کو ان سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا تھا تو ایک ایک مسلمان چائی اور سادگی اور پاکیزگی جوش اور اخلاص کی تصویر نظر آتا تھا۔ یہ چیزیں خود بخود لوگوں کے دل کو کھیپھتی تھیں اور اسلام ان میں گھر کر جاتا تھا۔ شام کے واقعات میں تم نے پڑھا ہو گا کہ رومیوں کا سفیر جارج ابو عبیدہ کی فوج میں جا کر کس اثر سے متاثر ہوا۔ اور کس طرح دفعہ قوم اور خاندان سے الگ ہو کر مسلمان ہو گیا۔ شطا جو مصر کی حکومت کا بستہ ہزار تیس تھا مسلمانوں کے حالات ہی سن کر اسلام کا گروہ ہو گیا۔ اور آخر دو ہزار آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔ (تاریخ مقریزی صفحہ ۲۸۳ میں ہے فخرج شطا فی الفین من اصحابہ ولحق بالمسلمین وقد کان قبل ذلك يحب الخير ويميل الى ما يسمى من سيرة اهل

(الاسلام)

اسلامی فتوحات کی بوا بھی نے بھی اس خیال کو قوت دی، یہ واقعہ کہ چند صحرائشنوں کے آگے بڑی بڑی قدیم اور پر نور قوموں کا قدم اکھڑتا جاتا ہے۔ خوش اعتقاد قوموں کے دل میں خود بخود خیال پیدا کرتا تھا کہ اس گروہ کے ساتھ تائید آسمانی شامل ہے۔ یہ زور دشمن شاہ فارس نے جب خاقان چین کے پاس استعداد کی غرض سے سفارت بھیجی تو خاقان نے اسلامی فوج کے حالات

### اشاعت اسلام کے اسباب

دریافت کئے اور حالات سن کر یہ کہا کہ ”ایسی قوم سے مقابلہ کرنا بے فائدہ ہے۔“ فارس کے معزکہ میں جب پارسیوں کا ایک مشہور بہادر بھاگ نکلا اور سردار فوج نے اس کو گرفتار کر کے بھاگنے کی سزا دی چاہی تو اس نے ایک بڑے پھر کوتیر سے توڑ کر کہا کہ یہ ”تیر بھی جن لوگوں پر اثر نہیں کرتے خدا ان کے ساتھ ہے۔“ اور ان سے لڑنا بیکار ہے لہ۔ ابو رجاء فارسی کے دادا کا بیان ہے کہ قادریہ کی لڑائی میں میں حاضر تھا اور اس وقت تک میں جو سی تھا۔ عرب نے جب تیر اندازی شروع کی تو ہم نے تیروں کو دیکھ کر کہا کہ ”تکے ہیں۔“ لیکن ان ہی تکلوں نے ہماری سلطنت بڑا کر دی۔ مصر پر جب حملہ ہوا تو اسکندریہ کے بشپ نے قبطیوں کو لکھا کہ ”رومیوں کی سلطنت ختم ہو چکی۔ اب تم مسلمانوں سے مل جاؤ۔“

(مقریزی جلد اول صفحہ ۲۸۹)

ان باتوں کے ساتھ اور اسباب بھی اسلام کے پھیلنے کا سبب ہوئے عرب کے قبائل جو عراق اور شام میں آباد تھے اور عیسائی ہو گئے تھے فطرۃ جس قدر ان کا میلان ایک نبی علی کی طرف ہو سکتا تھا غیر قوم کی طرف نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ جس قدر زمانہ گزرتا گیا وہ اسلام کے حلقوں میں آتے گئے یہی بات ہے کہ اس عمد کے نو مسلم جس قدر عرب تھے اور قویں نہ تھیں ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض بڑے بڑے پیشوائے مذہبی مسلمان ہو گئے تھے۔ مثلاً مشق جب فتح ہوا تو وہاں کا بیشپ جس کا نام ارکون تھا حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لایا۔ ایک پیشوائے مذہب کے مسلمان ہونے سے اس کے پیروکار لوخواہ مخواہ اسلام کی رغبت ہوتی ہوگی۔

ان مختلف اسباب سے نمایت کثرت کے ساتھ لوگ ایمان لائے افسوس ہے کہ ہمارے مؤمن خین نے کسی موقع پر اس واقعہ کو مستقل عنوان سے نہیں لکھا۔ اس کی وجہ سے ہم تعداد کا اندازہ نہیں بتاسکتے۔ تاہم ضمی تذکروں سے کسی قدر پتہ لگ سکتا ہے چنانچہ ہم ان کو اس موقع پر بیان کرتے ہیں۔

### حضرت عمر بن الخطاب کے زمانے میں جو لوگ اسلام لائے

۱۴) بھری کے اخیر میں جب جلواس فتح ہوا تو بڑے بڑے رو سا اور نواب اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے ان میں سے جو زیادہ صاحب اختیار اور نامور تھے ان کے یہ نام ہیں۔ جمیل بن بصیری، سطام بن نرسی، رفیل، فیروز، ان رئیسوں کے مسلمان ہو جانے سے ان کی رعایا میں خود بخود اسلام کو شیوع ہوا۔

قادیسیہ کے معمر کے بعد چار ہزار ویلیم کی فوج جو خسرو پوریز کی تربیت یافت تھی اور امپریل گارڈ یعنی شاہی رسالہ کملاتی تھی۔ کل کی کل مسلمان ہو گئی۔ (فتح البلدان صفحہ ۲۸۰)

یزدگرد کے مقدمہ الجیش کا افراد ایک مشورہ مبارکہ تھا جس کا نام سیاہ تھا۔ یزدگرد جب اصفہان کو روانہ ہوا تو اس نے سیاہ کو بلاؤ کر تین سو بڑے بڑے رئیس اور پہلوان ساتھ کئے اور اصلخز کو روانہ کیا۔ یہ بھی حکم دیا کہ راہ میں ہر ہر شہر سے عمدہ سپاہی انتخاب کر کے ساتھ لیتا جائے۔ اسلامی فوجیں جب قستر پنچیں تو سیاہ اپنے سرداروں کے ساتھ ان اطراف میں مقیم تھا۔ ایک دن اس نے تمام ہمراہیوں کو جمع کر کے کہا، ہم لوگ جو پہلے کما کرتے تھے کہ یہ لوگ (عرب) ہمارے ملک پر غالب آجائیں گے۔ اسکی روز بروز تصدیق ہوتی جاتی ہے۔ اس لئے بہتر

یہ ہے کہ ہم لوگ اسلام قبول کر لیں۔ چنانچہ اسی وقت سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ یہ لوگ اسادرة کملاتے تھے کوفہ میں ان کے نام سے نہ اسادرة مشور ہے ان کے اسلام لانے پر سیا بجہ، زط، اندغار بھی مسلمان ہو گئے تینوں قویں اصل میں سندھ کی رہنے والی تھیں۔ جو خسرو پوریز کے عمد میں گرفتار ہو کر آئی تھیں۔ اور فوج میں داخل کی گئی تھیں۔

مصر میں اسلام کثرت سے پھیلا۔ عمر بن العاص نے جب مصر کے بعض قبصات کے لوگوں کو اس بنا پر کہ وہ مسلمانوں سے لڑتے تھے، گرفتار کر کے لوڈی غلام بنایا۔ اور وہ فروخت ہو کر تمام عرب میں پھیل گئے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی قدغن کے ساتھ ہر جگہ سے انکو داپس لے کر مصر بھیج دیا اور لکھ بھیجا کہ ان کو اختیار ہے خواہ اسلام لائیں، خواہ اپنے مذہب پر قائم رہیں چنانچہ ان میں سے قصبہ بلہیب کے رہنے والے کل کے کل اپنی خواہش سے مسلمان ہو گئے دمیاط کی فتح کے بعد جب اسلامی فوجیں آگے بڑھیں تو بقارہ اور وراءہ سے لیکر عسقلان تک جو شام میں داخل ہے ہر جگہ اسلام پھیل گیا۔ (مقریزی صفحہ ۲۹۸، ۲۹۹)

ولما فتح المسلمين الفرس بعدهما افتتحوا دمياط وتنيس ساروا الى بقارة فاسلم من بها وساروا منها الى الوراء فدخل اهلها فى الاسلام وصالحولها الى عسقلان)

شہزادہ مصر کا ایک مشور شہر ہے جہاں کے کپڑے مشور ہیں یہاں کارائیں مسلمانوں کے حالات سن کر ہی پسلے اسلام کی طرف مائل تھا۔ چنانچہ جب اسلامی فوجیں دمیاط میں پہنچیں تو دو ہزار آدمیوں کے ساتھ شہزادہ سے نکل کر مسلمانوں سے آملا۔ اور مسلمان ہو گیا۔

(مقریزی جلد اول)

سلطان جس کو عمرو بن العاص نے آباد کیا تھا اور جس کی جگہ اب قاہروہ دار السلطنت ہے یہاں تین بڑے محلے تھے جہاں زیادہ تر نو مسلم آباد کرائے گئے۔ ایک محلہ بنوبہ کے نام سے آباد تھا جو ایک یونانی خاندان تھا۔ اور مسلمان ہو گیا تھا۔ مصر کے معمر کے میں اس خاندان کے سو آدمی اسلامی فوج کے ساتھ شامل تھے۔

دوسرा محلہ بنوالارزق کے نام پر تھا یہ بھی ایک یونانی خاندان تھا اور اس قدر کثیر اشیاء تھا کہ مصر کی جنگ میں اس خاندان کے ۴۰۰ بہادر شریک تھے۔

تیسرا محلہ رتیل کے نام سے آباد تھا۔ یہ لوگ پہلے یہ مون و قیساریہ میں سکونت رکھتے تھے پھر مسلمان ہو کر عمرو بن العاص کے ساتھ مصر پلے آئے تھے۔ یہ ایک بست بڑا یہودی خاندان تھا۔ مصر کی فتح میں ہزار آدمی اس خاندان کے شامل تھے۔

(اس کے متعلق پوری تفصیل مقریزی صفحہ ۲۹۸، جلد اول میں ہے)

فسطاط میں ایک اور محلہ تھا جہاں صرف نو مسلم بھوسی آباد کرائے گئے تھے۔ چنانچہ یہ محلہ انہی کے نام پر پارسیوں کا محلہ کہلاتا تھا یہ لوگ اصل میں باذان کی فوج کے آدمی تھے جو نوشیروان کی طرف سے یمن کا عامل تھا جب اسلام کا قدم شام میں پہنچا تو یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور عمرو بن العاص کے ساتھ مصر آئے اسی طرح اور جستہ جستہ مقامات سے پتہ چلتا ہے کہ ہر جگہ کثرت سے اسلام پھیل گیا تھا۔ مؤرخ بلاذری نے بالس کے ذکر میں لکھا ہے کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہاں وہ عرب آباد کرائے جو شام میں سکونت رکھتے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے۔ مؤرخ ازدی جنگ یرمود کے حالات میں لکھتا ہے کہ جب رومیوں کی فوجیں یرمود کی میں اتریں تو وہ لوگ جاسوس بنایا کر بھیجے جاتے تھے جو وہیں کہ رہنے والے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے ان لوگوں کو تاکید تھی کہ اپنا اسلام ظاہرنہ کریں تاکہ رومی ان سے بدگمان نہ ہونے پائیں۔ مؤرخ نے سن ہر بھری کے واقعات میں لکھا ہے کہ اس لڑائی میں بہت سے اہل عجم نے مسلمانوں کو مدد دی جن میں سے کچھ لڑائی سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے اور کچھ لڑائی کے بعد اسلام لائے ان واقعات سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک عمد میں اسلام کثرت سے پھیلا اور تکوار سے نہیں بلکہ اپنے فیض و برکت سے اشاعت اسلام کے بعد اصول مذہب اعمال مذہبی کی ترویج یعنی جن چیزوں پر اسلام کا دار و مدار ہے ان کا حفظ رکھنا اور ان کی اشاعت اور ترویج کرنا۔ اس سلسلے میں مذہب سے مقدم قرآن مجید کی حفاظت اور اس کی تعلیم و ترویج تھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے متعلق جو کوششیں کیں ان کی نسبت شاہ ولی اللہ صاحب نے نمایت صحیح لکھا کہ "امروز ہر کہ قرآن میخواند از طوائف مسلمین، منت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ در گردن اوست"۔

### حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مجید کی جمع و ترتیب میں جو کوششیں کیں

یہ مسلم ہے کہ اسلام کا اصل قرآن مجید ہے اور اس سے انکار بھی نہیں ہو سکتا کہ قرآن مجید کا جمع کرنا، ترتیب دینا، صحیح نہیں لکھوا کر حفظ کرنا، تمام ممالک میں اس کا واجد رہنا، جو کچھ ہوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہتمام اور توجہ سے ہوا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عبد تک قرآن مجید مرتب نہیں ہوا تھا۔ متفق

اجزاء متعدد صحابہ کے پاس تھے وہ بھی کچھ ہڈیوں پر کچھ کھجور کے پتوں پر کچھ پتھر کی تختیوں پر لوگوں کو پورا حفظ یاد بھی نہ تھا۔ کسی کو کوئی سورت یاد تھی کسی کو کوئی۔ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمد میں جب مسیلمہ کذاب سے لڑائی ہوئی تو سینکڑوں صحابہ شہید ہوئے جن میں بہت سے حفاظ قرآن تھے لڑائی کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا کر کہا کہ اگر اسی طرح حفاظ قرآن اٹھتے گئے تو قرآن جاتا رہے گا۔ اس لئے ابھی سے اس کی جمع و ترتیب کی فکر کرنی چاہئے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جو کام رسول اللہ نے نہیں کیا تو میں کیون کر کروں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بار بار اس کی مدد و مدد اور ضرورت بیان کی۔ یہاں تک کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انکی رائے سے متفق ہو گئے صحابہ میں سے وہی لکھنے کا کام سب سے زیادہ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا۔ چنانچہ وہ طلب کئے گئے اور اس خدمت پر مأمور ہوئے کہ جہاں جہاں سے قرآن کی سورتیں یا آیتیں ہاتھ آئیں سیکھا کی جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمیع عام میں اعلان کیا کہ جس نے قرآن کا کوئی حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا ہو میرے پاس لے کر آئے اس بات کا التزام کیا گیا کہ جو شخص کوئی آیت پیش کرتا تھا اس پر دو شخصوں کی شادست لی جاتی تھی کہ ہم نے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمد میں قلمبند کیا تھا۔ غرض اس طرح جب تمام سورتیں جمع ہو گئیں تو چند آدمی مأمور ہوئے کہ ان کی گنگرانی میں پورا قرآن ایک مجموعہ میں لکھا جاوے۔

سعید بن العاص بتاتے جاتے تھے اور زید بن ثابت لکھتے جاتے تھے مگر ان لوگوں کو حکم تھا کہ کسی لفظ کے تلفظ و لمحہ میں اختلاف پیدا ہو قبیلہ مضر کے لمبجہ کے مطابق لکھا جائے کیونکہ قرآن مجید، مضری کی خاص زبان میں اترائے۔ (کنز العمال جلد اول صفحہ ۱۲۷ اور تقدیم ۲۲)

### قرآن مجید کی حفاظت اور صحت والفاظ و اعراب کی تدبیریں

اس وقت قرآن مجید کی حفاظت اور صحت کے لئے چند امور نہایت ضروری تھے۔ اول یہ نہایت وسعت کے ساتھ اس کی تعلیم شائع کی جائے اور سینکڑوں ہزاروں آدمی حافظ قرآن بنادیئے جائیں تاکہ تحریف و تغیر کا احتمال نہ رہے۔ وہ سبے یہ کہ اعراب اور الفاظ کی

صحت نہایت اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھی جائے تیرے یہ کہ قرآن مجید کی بہت سی نقلیں ہو کر ملک میں شائع ہو جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تینوں امور کو اس کمال کے ساتھ انجام دیا کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہ تھا۔

### قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام

تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس جاری کیا۔ اور معلم و قاری مقرر کر کے ان کی تشویاہیں مقرر کیں چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اولیات میں شمار کیا جاتا ہے کہ انہوں نے معلوم کی تشویاہیں مقرر کیں لام تشویاہیں اس وقت کے حالات کے لحاظ سے کم نہ تھیں۔

### مکاتب قرآن

مثلاً خاص مدینہ منورہ میں چھوٹے چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لئے جو مکتب تھے ان کے معلوم کی تشویاہیں پندرہ پندرہ درہم ماہوار تھیں۔

### بدوؤں کو جبری تعلیم

خانہ بدوش بدوؤں کے لئے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر قائم کی چنانچہ ایک شخص کو جسکل نام ابوسفیان تھا، چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا کہ قبل میں پھر پھر کہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن مجید کا کوئی حصہ یاد نہ ہواں کو سزا دے۔

(آناتی جزوہ صفحہ ۵۸۔ اصحاب فی احوال الصحابة میں بھی یہ واقعہ منقول ہے)

### کتابت کی تعلیم

مکاتب میں لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا۔ عام طور پر تمام اضلاع میں احکام بھیج دیئے تھے کہ بچوں کو شہسواری اور کتابت کی تعلیم دی جائے ابو عامر سلیم جو رواۃ حدیث میں ہیں۔ انکی زیانی روایت ہے کہ میں بچپن میں گرفتار ہو کر مدینہ میں آیا۔ یہاں مجھ کو مکتب میں بٹھایا گیا۔ معلم مجھ سے جب میم لکھواتا تھا اور میں اچھی طرح نہیں لکھ سکتا تھا تو کہتا تھا گول لکھو جس طرح گائے کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ (مجموع البلدان لغت حاضرہ مجموعہ میں روایت کو حضرت ابو بکرؓ کے

لہ بیرة العربن لابن الجوزی میں ہے أن عمر بن الخطاب وعثمان بن العفان كان يرزقان المودبين والآتماء والمعلمين۔

عبد کی نسبت لکھا ہے لیکن خود صاحب مجمع نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس وقت تک یہ مقامات فتح نہیں ہوئے تھے۔

## قراء صحابہ کا تعلیم قرآن کے لئے دور راز مقامات پر بھیجا

صحابہ میں سے ۵ بزرگ تھے جنہوں قرآن مجید کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانے میں پورا حفظ کر لیا تھا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان میں خاص کرامی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید القراء تھے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں ان کی مسح کی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سب کو بلا کر کہا کہ شام کے مسلمانوں کو ضرورت ہے کہ آپ لوگ جا کر قرآن کی تعلیم دیجئے ابوایوب ضعیف اور ابی بن کعب بیمار تھے اس لئے نہ جاسکے باقی تین صاحبوں نے خوشی سے منظور کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہدایت کی کہ حفص کو جائیں۔ وہاں کچھ دنوں قیام کر کے جب تعلیم پھیل جائے تو ایک شخص کو وہیں چھوڑ دیں، باقی دو صحابیوں میں سے ایک صاحب دمشق اور ایک صاحب فلسطین جائیں۔ چنانچہ یہ سب لوگ پہلے حفص گئے۔ وہاں جب اچھی طرح بندوبست ہو گیا تو عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہیں قیام کیا۔ اور ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ دمشق اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فلسطین کو روانہ ہوئے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طاعون عمواس میں وفات پائی۔ لیکن ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تک زندہ اور دمشق میں مقیم رہے۔

## تعلیم قرآن کا طریقہ

ابو درداء کی تعلیم کا طریقہ جیسا کہ علامہ ذہبی نے طبقات القراء میں لکھا ہے یہ تھا کہ صبح کی نماز پڑھ کر جامع مسجد میں بیٹھ جاتے تھے گرد قرآن پڑھنے والوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ دس دس آدمیوں کی الگ الگ جماعت کر دیتے تھے اور ہر جماعت پر ایک قاری کو مقرر کرتے تھے کہ ان کو قرآن پڑھائے خود شملتے جاتے تھے اور پڑھنے والوں پر کان لگائے رہتے تھے جب کوئی طالب علم پورا قرآن یاد کر لیتا تھا تو ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اسکو اپنی شاگردی میں لے لیتے تھے۔

۱۔ یہ تمام تفصیل کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۸۱ میں ہے اور اسی روایت طبقات ابرہیم سعدی کے

## دمشق کی مسجد میں طلبہ قرآن کی تعداد

ایک ان ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شمار کرایا تو سولہ سو طالب علم ان کے حلقو درس میں موجود تھے۔

## اشاعت قرآن کے وسائل

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مجید کی نیادہ اشاعت کے لئے ان تدبیروں کے ساتھ اور بست سے وسائل اختیار کئے ضروری سورتوں یعنی بقرہ، نساء، مائدہ، نور کی نسبت یہ حکم دیا کہ سب لوگ اس قدر قرآن سیکھیں کیونکہ ان میں احکام و فرائض مذکور ہیں لہ عمال کو لکھ بھیجا کر جو لوگ قرآن سیکھیں ان کی تشویہ مقرر کرو جائیں گے۔ (بعد میں جب ضرورت نہ رہی تو یہ حکم منسوخ کر دیا) اہل فوج کو جو ضروری بدایتیں لکھ کر بھیجا کرتے تھے ان میں یہ بھی ہوتا تھا کہ قرآن مجید پڑھنا سیکھیں۔ وقتاً فوقاً قرآن خوانوں کا رجسٹر منگواتے رہتے تھے۔ ان تدبیروں کا یہ نتیجہ ہوا کہ بیشمار آدمی پڑھ گئے۔

## حافظوں کی تعداد

ناظرو خوانوں کا شمار تونہ تھا۔ لیکن حافظوں کی تعداد سینکڑوں ہزاروں تک پہنچ گئی۔ فوجی افسروں کو جب اس مضمون کا خط لکھا کہ حفاظان قرآن کو میرے پاس بھیج دو تاکہ میں ان کو قرآن کی تعلیم کے لئے جا بجا بھیجوں، تو سعد و قاص نے جواب میں لکھا کہ صرف میری فوج میں تین سو حفاظ موجود ہیں۔ (کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۲۸)

## صحت اعراب کی تدبیریں

تیراہ یعنی صحت اعراب و صحت تلفظ اس کے لئے بھی نہیں اہتمام کیا۔ اور درحقیقت یہ سب سے مقدم تھا۔ قرآن مجید جب مرتب و مدون ہوا تھا تو اعراب کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے قرآن مجید کا شائع ہونا کچھ مفید نہ تھا۔ اگر صحت اعراب و تلفظ کا اہتمام نہ کیا جاتا تو اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے لئے مختلف تدبیریں اختیار کیں۔ سب سے اول یہ کہ ہر جگہ تاکیدی احکام بھیج کر قرآن مجید کے ساتھ صحت الفاظ و صحت اعراب کی بھی تعلیم دی جائے۔ ان کے خاص الفاظ حسب

روایت ابن الابناری یہ ہیں۔ تعلموا عرب القرآن کما تعلمون حفظه اور مسد  
داری میں یہ الفاظ ہیں۔ تعلمون الفرانسی واللعن والسنن کما تعلمون القرآن

## ادب اور عربیت کی تعلیم

دوسرے یہ کہ قرآن کی تعلیم کے ساتھ ادب اور عربیت کی تعلیم بھی لازمی کروی تاکہ خود لوگ اعرب کی صحت و غلطی کی تمیز کر سکیں۔ تیرے یہ حکم دیا کہ کوئی شخص جو لغت کا عالم نہ ہو قرآن نہ پڑھانے پائے۔ قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ آتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگرچہ حدیث کی ترویج میں نہایت کوشش کی۔ لیکن احتیاط کو ملاحظہ رکھا اور آن کی دلیل سمجھی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ وہ بجز مخصوص صحابہ کے عام لوگوں کو روایت حدیث کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

## حدیث کی تعلیم

شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں، ”چنانچہ فاروق اعظم رحمۃ اللہ علیہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ربانیجتے بکوف فرستادو معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عبد اللہ بن مغفل و عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ رابہ بصرہ و عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ راب شام و بہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ امیر شام بود قد غنیم نوشت کہ از حدیث ایشان تجاوز نہ کند۔“ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت حدیث کے متعلق جو اصول قائم کئے تھے وہ ان کی نکتہ سمجھی کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ لیکن ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ ان کے ذاتی حالات میں انکے فضل و کمال کا جماں ذکر آئے گا، ہم اس کے متعلق نہایت تفصیل سے کام لیں گے۔

## فقہ

حدیث کے بعد فقہ کا رتبہ ہے اور چونکہ مسائل فقہیہ سے ہر شخص کو ہر روز کام پڑتا ہے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اکو اس قدر اشاعت دی کہ آج پا جو در بست سے نئے وسائل پیدا ہو جانے کے نیشوشا نت ممکن نہیں۔ مسائل فقہیہ کی ترویج کے لئے یہ تدبیر ا اختیار کیں۔

## مسائل فقهی کی اشاعت

جہاں تک وقت و فرصت مساعدت کر سکتی تھی خود بالمشافہ احکام نہ بھی کی تعلیم کرتے تھے جمعہ کے دن جو خطبہ پڑھتے تھے اس میں تمام ضروری احکام اور مسائل بیان کرتے تھے حج کے خطبے میں حج کے مناسک اور احکام بیان فرماتے تھے موطا عہد امام محمد میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرفات میں خطبہ پڑھا اور حج کے تمام مسائل تعلیم کئے اسی طرح شام و بیت المقدس وغیرہ کے سفر میں وقار و تقاضا جو مشور اور پراثر خطبے پڑھے ان میں اسلام کے تمام مہمات اصول اور اركان بیان کئے اور چونکہ ان موقعوں پر بے انتہا جمع ہوتا ہے اس لئے ان مسائل کا اس قدر اعلان ہو جاتا تھا کہ کبی اور تدبیر سے ممکن نہ تھا۔ دشمن میں بمقام جابیہ جو مشور خطبہ پڑھا فقہا نے اس کو بت سے مسائل تقیید کے حوالے سے جا بجا نقل کیا ہے وقار و تقاضا عمال اور افسروں کو نہ بھی احکام اور مسائل لکھ کر بھیجا کرتے تھے مثلاً نماز پنج گانہ کی اوقات کے متعلق جس کے تعین میں مجتہدین آج تک مختلف ہیں تمام عمال کو ایک مفصل ہدایت نامہ بھیجا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب موطا میں بعضیہ اس کی عبارت نقل کی ہے اسی مسئلہ کے متعلق ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو تحریر بھیجی اسکو بھی امام مالک نے بالفاظہ نقل کیا ہے دو نمازوں کے جمع کرنے کی نسبت تمام ممالک متفقہ میں تحریری اطلاع بھیجی کہ جائز ہے۔ (موطا امام محمد صفوی ۱۲۹)

من ۱۳۰ ہجری میں جب نماز تراویح جماعت کے ساتھ قائم کی تمام اضلاع کے افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ اس کے مطابق عمل کیا جائے زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام مفصل لکھ کر ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر افسران ملک کے پاس بھیجے۔ اس تحریر کا عنوان جیسا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے یہ تھا۔ **بسم اللہ الرحمن الرحيم۔ هذا کتاب الصدق الخ** قضا اور شادت کے متعلق ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو تحریر بھیجی تھی اس کو ہم اور لکھ آئے ہیں۔ مہمات مسائل کے علاوہ فقه کے مسائل جزیہ بھی عمال کو لکھ کر بھیجی کرتے تھے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک دفعہ ایک خط لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ مسلمان عورتیں حماموں میں جا کر عیسائی عورتوں کے سامنے بے پردہ نہاتی ہیں۔ لیکن مسلمان عورت کو کسی غیر مذہب والی عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں۔ روزہ کے متعلق تمام عمال کو تحریری حکم بھیجا کر لا تکونوا ممن المسرفون لفطر کم زید وہب کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہم لوگوں کے پاس آیا کہ **أَنَّ الْمَرْأَةَ لَا تَصُومُ**

تطوعاً لا ياذن زوجها ابوسائل کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم لوگوں کو لکھا کہ ان الا هلة بعضها اکبر من بعض اسی طرح کی اور بستی بے شمار مثالیں ہیں۔

### مسائل فقیہیہ میں اجماع

یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ جو فقیہی احکام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما دیں کے ذریعہ شائع کرتے تھے چونکہ شاہی دستور العمل کی حیثیت رکھتے تھے اس لئے یہ احتیاط ہمیشہ ملحوظ رہتی تھی کہ وہ مسائل اجتماعی اور متفق علیہ ہوں۔ چنانچہ بست سے مسائل جن میں صحابہ کا اختلاف تھا ان کو مجمع صحابہ میں پیش کر کے پہلے طے کرا لیا۔ مثلاً چور کی سزا جس کی نسبت قاضی ابویوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔ ان عمر استشار فی السارق فاجمعوا الخ (کتاب مذکور صفحہ ۴۰۲) غسل جنابت کی نسبت جب اختلاف ہوا تو تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور یہ مسئلہ درپیش کر کے سب سے رائے طلب کی۔ لوگوں نے مختلف رائے دیں۔ اس وقت فرمایا انتم اصحاب بدرو وقد اختلفتم فمن بعد کم اشد اختلافاً۔ یعنی جب آپ لوگ اصحاب بدروں میں ہو کر آپس میں مختلف الرائے ہیں تو آئندہ آنے والی نسلوں میں اور سخت اختلاف ہو گا۔ چنانچہ ازواج مطہرات سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا۔ اور ان کی رائے قطعی پا کر شائع کی گئی۔ (ازال الخنا صفحہ ۸۸)

جنازہ کی تکمیر میں نہایت اختلاف تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کو جمع کیا اور منتفع بات طے ہو گئی یعنی چار تکمیر پر اتفاق ہو گیا۔

### مسائل فقیہیہ میں اجماع

اضلاع کے عمال کا فرجو مقرر کرتے تھے ان کی یہ یحیث بھی ملحوظ رکھتے تھے کہ عالم اور فقیہ ہوں چنانچہ بست سے مختلف موقعوں پر اس کا اعلان کر دیا گیا تھا۔

ایک دفعہ مجمع عام میں خطبہ دیا، جس میں یہ الفاظ تھے۔ انی اشہد کم علی امر لا مصادر انی لم ابعثهم الا لیقہم والناس فی دینہم یعنی تم لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے افسروں کو اس لئے بھیجا ہے کوئی کام کو مسائل اور احکام بتا نہیں۔ یہ الزمام ملکی افسروں تک محدود نہ تھا بلکہ فوجی افسروں میں بھی اس کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ قاضی ابویوسف لکھتے ہیں ان عمر بن الخطاب کان اذا جتمع الیه جیش من اهل الایمان بعث عليهم رجالاً من اهل

الفقہ والعلم۔ کتاب الخراج صفحہ ۷۶) یہی نکتہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمد کے فوجی اور ملکی افسروں میں ہم حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کا نام پاتے ہیں جو ملکی اور فوجی قابلیت کے ساتھ علم و فضل میں بھی ممتاز تھے اور حدیث و فقہ میں آکرشن کا نام آتا ہے۔ ہر تمام ممالک محروسہ میں فقہا اور معلم متین کے کہ لوگوں کو مدد ہی احکام کی تعلیم دین ممکن ہے اس امر کو کسی خاص عنوان کے نیچے نہیں لکھا اور اس وجہ سے ان معلوموں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکتی۔

### فقہ کی تعلیم کا انتظام

تاہم جستہ جستہ تصویحتات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہر ہر شرمنیں متعدد فقہاء اس کام پر مامور تھے۔ مثلاً عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں صاحب اسد الغابہ نے لکھا ہے کہ ”یہ سنبھلہ ان دس بزرگوں کے ہیں جن کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصرہ بھیجا تھا کہ فقہ کی تعلیم دیں۔“ عمران بن الحصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بہت بڑے رتبہ کے صحابی تھے ان کی نسبت علامہ ذہبی طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں۔

وكان من بعضهم عمر بن الخطاب الی اهل البصرة یلقفهم یعنی ان لوگوں میں ہی جن کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصرہ میں فقہ کی تعلیم کے لئے شام بھیجا تھا۔ عبد الرحمن بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں طبقات الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو تعلیم فقہ کے لئے شام بھیجا تھا اور صاحب اسد الغابہ نے انہی کے حالات میں لکھا ہے ”یہی وہ شخص ہیں کہ جنہوں نے شام میں تابعین کو فقہ سکھائی عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں لکھا ہے کہ جب شام فتح ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو درداء کو شام میں بھیجا تاکہ لوگوں کو قرآن مجید پڑھائیں اور فقہ سکھائیں۔ جلال الدین سیوطی نے حسن الحاضرہ فی اخبار مصر والقاهرة میں جان بن الجبل کی نسبت لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو مصر میں فقہ کی تعلیم پر مامور کیا تھا ان فقہاء کے درس کا طریقہ یہ تھا کہ مساجد کے صحن میں ایک طرف بیٹھ جاتے تھے اور شاکرین تمام نہایت کثرت سے ان کے گرد طرف کی صورت میں جمع ہو کر فقہی مسائل پوچھتے جاتے تھے اور وہ جواب دیتے جاتے تھے۔ ابو مسلم خولانی کا بیان ہے

کہ میں حص کی مساجد میں داخل ہو ا تو دیکھا کہ ۳۰ بڑے بڑے صحابہ وہاں تشریف رکھتے تھے اور مسائل پر گفتگو کرتے تھے لیکن جب ان کو کسی مسئلہ میں شک پڑتا تھا تو ایک نوجوان شخص کی طرف رجوع کرتے تھے میں نے لوگوں سے اس نوجوان کا نام پوچھا تو پتہ چلا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ یسٹ بن سعد کا بیان ہے کہ ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسجد میں آتے تھے تو ان کے ساتھ لوگوں کا اسقدر ہجوم ہوتا تھا جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا تھا اور یہ سب لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ (تذكرة الحفاظ ترجمۃ معاذ بن جبل ۲)

### فقہا کی تخلیقیں

ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان فقہا کی تخلیقیں بھی مقرر کیں تھیں۔ اور درحقیقت تعلیم کا مرتب اور منظم سلسلہ بغیر اس کے قائم نہیں ہو سکتا تھا۔

### معلمین فقہ کی رفتگشان

یہ بات خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن لوگوں کو تعلیم فقہ کے لئے اختیاب کیا تھا۔ مثلاً معاذ بن جبل، ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبدالرحمن بن عثمان، عمران بن حصین، عبداللہ بن مغفل تمام جماعت اسلام میں منتخب تھے اس کی تصدیق کے لئے اسد الغابہ اور اصحابہ وغیرہ میں ان لوگوں کے حالات دیکھنے چاہئیں۔ (تذكرة الحفاظ ذکر ابو درداء)

### ہر شخص فقہ کی تعلیم کا مجاز نہ تھا

ایک بات اور بھی لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات کی بڑی احتیاط کی کہ عموماً ہر شخص فقہ کے مسائل کا مجاز نہ ہو۔ مسائل بھی خاص کروہ تعلیم دیئے جاتے تھے جن میں صحابہ کا اتفاق رائے ہو چکا تھا۔ یا جو مجمع صحابہ میں پیش ہو کر طے کر لئے جاتے تھے چنانچہ اس کی پوری تفصیل شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت خوبی سے لکھی ہے ہم اس کے جستہ جستہ فقرے جو ہماری بحث سے متعلق ہیں اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

معداً بعد عمِّ خلیفہ برچیزے مجال مخالفت نبود، ورجیع ایس امور شذر زر نمیر فتنہ وبدون استطلاع رائے خلیفہ کارے را مضمون نہی ساختند للذاد ریں عصر اخلاف مذهب

وتشت آرائیں نہ ہم بکار میں متفق ہیں بلکہ اس مجتمع چوں ایام خلافت خاصہ بالکلیہ منقرض شد و خلافت عامہ ظہور نمود علماء در ہر بلادے مشغول بافادہ شدند۔ ابن عباس در کہ فتویٰ می دید و عائشہ صدیقہ و عبد اللہ بن عمر در مدینہ حدیث را روایت می نہما نیں دا ابو ہریرہ اوقات خود را برآ کشار، روایت حدیث مصروف می سانو۔ بالجملہ دریں ایام اختلاف فتاویٰ پیدا شد کیے را برداشت دیگر اطلاع نہ و اگر اطلاع شدہ مذکورہ واقع نہ و اگر مذکورہ۔ میان آمد از امت شبہ و خروج از مصیت اختلاف بفضلے التلاق میرنہ، اگر تبعیت کنی روایت علمائے صحابہ کہ پیش از انفرض خلافت خاصہ از عالم گزشتہ اند بغاہت کم یابی۔ و جمع کلہ ایام خلافت زندہ اند ہرچہ روایت کردہ اند۔ بعد ایام خلافت خاصہ روایت کردہ اند ہر چند جمیع صحابہ عدول اند و روایت ایشان مقبول و عمل بمحبوب آنچہ بروایت صدق ایشان ثابت شود لازم اما در میان آنچہ حدیث و فقہ در زمان فاروق اعظم بودو آنچہ بعد وے حداث شدہ فرق مابین **السموت والارض** ست۔

(ازالت الخفاء جلد دوم صفحہ ۴۰)

### عملی انتظام

یہ تمام امور جن کا اور پڑکر ہوا علمی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ عملی صیغہ پر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت توجہ کی۔ اور ہر قسم کے ضروری انتظامات قائم کئے

### اماموں اور مؤذنوں کا تقرر

ہر شرود قصبه میں امام و مؤذن مقرر کئے اور بیت المال سے ان کی تنخواہیں مقرر کیں علامہ ابن الجوزی سیرۃ العمرین میں لکھتے ہیں۔ ان عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان کان بر ز قان المؤذنین والاتئمہ موطا امام محمد سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی میں صفوں کے درست کرنے کے لئے خاص اشخاص مقرر تھامن حج کے زمانے میں اس کام پر لوگ مامور ہوتے تھے کہ حاجیوں کو مقام منی میں پہنچا آئیں تھے یہ اس غرض سے کہ اکثر لوگ ناواقفیت سے عقبہ کے اسی طرف ٹھہر جاتے تھے حالانکہ وہاں ٹھہرنا مناسک حج میں محسوب نہ تھا۔

### حاجیوں کی قافلہ سالاری

چونکہ عمد خلافت میں متصل حاج کئے اس لئے امیر حاج بپیشہ خود ہوتے تھے اور حاج کی خبرگیری کی خدمت خود انجام دیتے تھے

## مسجد کی تعمیر

تمام ممالک مفتوحہ میں نہایت کثرت سے مسجدیں تیار کرائیں۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو کوفہ کے حاکم تھے لکھا کہ بصرہ میں ایک جامع مسجد اور ہر قبیلہ کے لئے الگ الگ مسجدیں تعمیر کی جائیں۔ سعد و قاص اور عمر بن العاص کو بھی اسی قسم کے احکام بھیجے شام کے تمام عمال کو لکھا کہ ہر ہر شریں ایک ایک مسجد تعمیر کی جائے چنانچہ یہ مسجدیں آج بھی جو امع عمری کے نام سے مشہور ہیں گوان کی اصلی عمارت اب باقی نہیں رہی۔ ایک جامع عمری میں جو بیروت میں واقع ہے راقم کو بھی نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے محدث جمال الدین نے روضۃ الا حباب میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمد میں چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ یہ خاص تعداد کو قطعی نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ مساجد فاروقی کاشمار ہزاروں سے کم نہ تھا۔

## حرم محترم کی وسعت

حرم محترم کی عمارت کو وسعت دی اور اسکی نسب و نہیت پر توجہ کی اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کو جو روز افرزوں و سعیت ہوتی جاتی تھی اس کے لحاظ سے حرم محترم کی عمارت کافی نہ تھی اس لئے سنہ ملہ ہجری میں گرد و پیش کے مکانات مولے کرڈھادیے اور ان کی نہیں حرم کے صحن میں شامل کر دی۔ اس زمانے تک حرم کے گرد کوئی دیوار نہ تھی اور اس لئے اس کی حد عالم مکانات سے ممتاز نہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احاطہ کی دیوار کھنچوائی اور اس سے یہ کام بھی لیا کہ اس پر رات کو چراغ جلانے جاتے تھے۔ کعبہ پر غلاف اگرچہ ہمیشہ سے چڑھایا جاتا تھا۔ چنانچہ جامیت میں بھی فتح کا غلاف چڑھاتے تھے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قباطی کا بنوایا جو نہایت عمدہ قسم کا پڑا ہوتا ہے اور مصر میں بنایا جاتا ہے حرم کی حدود سے (جو کسی طرف سے تین میل اور کسی طرف سے ۷ میل اور ۹ میل میں) چونکہ بہت سے شرعی احکام متعلق ہیں چنانچہ اسی غرض سے ہر طرف پھر کھڑے کر دیے گئے تھے جو انصاف حرم کملاتے تھے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سن ملہ ہجری میں نہایت اہتمام اور احتیاط سے اس کی تجدید کی۔ صحابہ میں جو سے لوگ حدود حرم کے پورے واقف کار تھے یعنی مخزمه بن نوبل، از ہربن عبد عوف، جو یطیب بن عبد العزیز سعید بن پریلوغ

کواس کام پر مأمور کیا اور نہایت جانچ کے ساتھ پھر نصب کئے گئے۔

## مسجد نبوی کی وسعت اور مرمت

مسجد نبوی کو بھی نہایت وسعت اور رونق دی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمد میں جو عمارت تیار ہوئی تھی وہ اس عمد کے لئے کافی تھی۔ لیکن مدینہ کی آبادی روز بروز تنی کرتی جاتی تھی۔ اور اس وجہ سے نمازوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی۔ سنہ ۱۷ھ بھری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو وسیع کرنا چاہا۔ گرد و پیش کے تمام مکانات قیمت دے کر لئے لیکن حضرت عباس نے اپنے مکان کے بیچنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کافی معاوضہ دیتے تھے اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی طرح راضی نہ ہوتے آخر مقدمہ ابی بن کعب کے پاس گیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جبراً خریدنے کا کوئی حق نہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اب میں بلا قیمت عامہ مسلمین کے لئے دے دیتا ہوں۔ غرض اذواج مطہرات کے مکانات کو چھوڑ کر بیاقی جس قدر عمارتیں تھیں گرا کر مسجد کو وسعت دی گئی پہلے طول مہر گز تھا انہوں نے ۱۰۰ مہر گز کر دیا۔ اسی طرح عرض میں جس قدر ستون وغیرہ لکڑی کے تھے اسی طرح رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد کی تجدید کے ساتھ ایک گوشہ میں ایک چبوترہ بھی بنوایا۔ اور لوگوں سے کہا کہ جس کوبات چیت کرنی ہو یا شعر پڑھنا ہو اس کے لئے یہ جگہ ہے۔

(خلاصة الوقا بالذاردار المصطفى مطبوعہ مصر صفحہ ۳۲، صفحہ ۳۳)

## مسجد میں فرش اور روشنی کا انتظام

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے مسجد میں روشنی کا کچھ سامان نہیں تھا اس کی ابتداء بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمد میں ہوئی۔ یعنی ان کی اجازت سے تمیم دری مسجد میں چراغ جلائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں خوشبو اور بخود کا انتظام بھی کیا جس کی ابتداء یوں ہوئی کہ ایک دفعہ مال نعمت میں عود کا ایک بندل آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کو تقسیم کرنا چاہا۔ لیکن وہ کافی نہ تھا۔ حکم دیا کہ مسجد میں صرف کیا جائے کہ تمام مسلمانوں کے کام آئے چنانچہ مژوں کے حوالہ کیا۔ وہ ہمیشہ جمعہ کے دن انگیٹھی میں جلا کر نمازوں کے سامنے پھرتا تھا۔ اور ان کے کپڑے بساتا تھا لم۔ فرش کا انتظام بھی اول حضرت

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی کیا۔ لیکن یہ کوئی پر تکلف قالین اور شطرنجی کا فرش نہ تھا بلکہ اسلام کی سادگی یہاں بھی قائم تھی یعنی چٹائی کا فرش تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ نمازوں کے پڑے گرد خاک میں آلوونہ ہوں۔

## متفق انتظامات

حکومت کے متعلق بڑے بڑے انتظامی صیغوں کا حال اور گذرچکا ہے لیکن ان کے علاوہ اور بہت سے جزئیات ہیں جن کے لئے جدا جدا عنوان قائم نہیں کئے جاسکتے تھے اس لئے ان کو کیجا لکھنا زیادہ موزوں ہو گا۔ ان میں سے ایک دفتر اور کاغذات کی ترتیب اور اسکی ضرورت سے من اور سال قائم کرتا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے ان چیزوں کا وجود نہ تھا۔ عام واقعات کے یاد رکھنے کے لئے جامیت میں بعض بعض واقعات سے سنے کا حساب کرتے تھے مثلاً ایک زمانے تک کعب بن لوی کی وفات سے سال کا شمار ہوتا تھا۔ پھر عام الفیل قائم ہوا۔ یعنی جس سال ابرہہ الاشرم نے کعبہ پر حملہ کیا تھا پھر عام الجمار اور اس کے بعد اور مختلف سہ قائم ہوئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مستقل سہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔

## سنہ ہجری مقرر کرنا

اسکی ابتداء یوں ہوئی کہ سنہ ۱۱۴ ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک چک پیش ہوئی صرف شعبان کا لفظ لکھا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یہ کیونکہ معلوم ہو گز شہ شعبان کا مینہ مراد ہے یا موجودہ اسی وقت مجلس شوریٰ منعقد کی تمام بڑے بڑے صحابہ جمع ہوئے اور یہ مسئلہ پیش کیا گیا، اکثر نے رائے دی کہ فارسیوں کی تحلید کی جائے چنانچہ ہر مزان جو خورستان کا بادشاہ تھا اور اسلام لا کر مینہ منورہ میں مقیم تھا طلب کیا گیا۔ اس نے کہا کہ ہمارے ہاں جو حساب ہے وہ اس کو ماہ روز کہتے ہیں۔ اور اس میں تاریخ اور مینہ دونوں کا ذکر ہوتا ہے اس کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ سنہ کی ابتداء کب سے قرار دی جائے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت نبوی کی رائے دی اور اسی پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ آخر پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ریچ الاول میں ہجرت فرمائی تھی۔ یعنی سال میں دو مینے آٹھ دن گذرچکے تھے اس لحاظ سے ریچ الاول سے آغاز ہونا چاہئے تھا۔ لیکن چونکہ عرب میں

سال محرم سے شروع ہوتا ہے اس لئے دو مینے آٹھ دن پیچھے ہٹ کر سال شروع سے سن قائم کیا۔ (مقریزی جلد اول صفحہ ۲۸۳)

عرب میں اگرچہ قدیم سے لکھنے پڑھنے کافی الجملہ رواج تھا۔ چنانچہ جب اسلام کا زمانہ آیا تو صرف ایک قریش قبیلہ میں کافی شخص لکھنا پڑھنا جانتے تھے لیکن حساب کتاب سے عموماً لوگ بے ہوش تھے یہاں تک کہ جب سن ۲۳ ہجری میں الپہ فتح ہوا تو تمام فوج میں ایک شخص نہ تھا جسے حساب کتاب آتا ہوا اور جو مال غنیمت کو قاعدے سے تقسیم کر سکتا۔ مجبوراً لوگوں نے ایک چودہ سالہ لڑکے یعنی زیاد بن الی سفیان کی طرف رجوع کیا۔ اور اس صلی میں اس کی تہذیب و دورہم یومیہ مقرر کی۔ یا تو یہ حالت تھی یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدولت نمایت خوبی سے ہر قسم کے مفصل کاغذات اور نقشے تیار ہوئے۔

### مختلف قسم کے رجسٹر

سب سے مشکل اور تیچ روز بند واروں کا حساب تھا۔ جو اہل عطا کلاتے تھے اور جن میں ہر قسم کی فوجیں بھی شامل تھیں۔ ان کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی۔ اور مختلف گروہوں کو مختلف حیثیتوں سے تجزیہ ملی تھی مثلاً پہاری کی لحاظ سے ثابت کے لحاظ سے، پچھلی کارگزاریوں کے لحاظ سے، اس کے ساتھ قابل کی تفرقی بھی محفوظ تھی۔ یعنی ہر ہر قبیلہ کا جدا جدار جائز تھا۔ اور ان میں بھی مختلف وجوہ کے لحاظ سے ترتیب قائم رکھی جاتی تھی اس صیغہ کے حساب و کتاب کی درستی کے لئے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے بڑے قابل لوگوں کو مامور کیا۔ مثلاً دار الخلافہ میں عقیل بن الی طالب، مخزونہ بن نوفل، جیسر بن مطعم کو، بصرہ میں مخیہ بن شعبہ کو، کوفہ میں عبد اللہ بن خلف کو۔

### دفتر خراج

تمام دفتر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئئے تھے۔ فارسی، شامی، قبطی، زبان میں رہا کیونکہ عرب میں اس فن کو اس قدر ترقی نہیں ہوئی تھی کہ یہ دفتر عربی زبان میں منتقل ہو سکتا۔

### بیت المال کے کاغذات کا حساب

بیت المال کا حساب نمایت صحت سے مرتب رہتا تھا زکوہ اور صدقہ میں جو مویشی آتے تھے بیت المال سے متعلق تھے چنانچہ ان کے رجسٹر تک نمایت تفصیل سے مرتب

تھے جانوروں کا حلیہ رنگ اور عمر تک لکھی جاتی تھی۔ اور بعض وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ (طبی صفحہ ۲۷۶)

### مصارف جنگ کے کاغذات

مصارف جنگ اور مال غنیمت کا حساب یہ شہ افسروں سے طلب کیا جاتا تھا چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معزولی اسی بناء پر ہوئی تھی کہ وہ کاغذات حساب کے بھینے کی ذمہ داری نہیں قبول کرتے تھے۔ جلوہ کی قسم میں جو سنہ ۱۳ھجری میں واقع ہوئی تھی۔ زیاد بن ابی سفیان حساب کے کاغذات لے کر مدینہ میں آئے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملاحظہ کرایا تھا۔

### مردم شماری کے کاغذات

زکوٰۃ اور جزیہ کی تشخیص کی ضرورت سے ہر مقام کی مردم شماری کرائی گئی تھی۔ اور اس کے کاغذات نہایت اہتمام سے محفوظ تھے۔ چنانچہ مصوٰ عراق کی مردم شماری کا حال مقرر ہی اور طبری نے تفصیل سے لکھا ہے۔ خاص خاص صفتوں کے لحاظ سے بھی نقشہ تیار کرائے گئے تھے مثلاً سعد و قاص کو حکم بھیجا تھا کہ جس قدر آدمی قرآن پڑھ سکتے ہیں ان کی فرست تیار کی جائے۔ شاعروں کی فرست بھی طلب کی تھی۔ چنانچہ اس کا ذکر کسی اور موقع پر آئے گا۔

مفتوحہ ممالک کی قوموں یا اور لوگوں سے جس قدر تحریری معابدے ہوتے تھے وہ نہایت حفاظت سے ایک صندوق میں رکھے جاتے تھے۔ جو خاص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہتمام میں رہتا تھا۔ (طبی صفحہ ۲۷۵)

### کاغذات حساب کے لکھنے کا طریقہ

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ اس وقت تک حساب کتاب کے لکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ مستطیل کاغذ پر لکھتے تھے اور اس کو لپیٹ کر رکھتے تھے۔ یعنی اس طرح جس طرح ہمارے ملک میں مہاجنوں کی بیساں ہوتی ہیں۔ کتاب اور رجسٹر کا طریقہ خلیفہ سفاح کے نامے میں اس کے وزیر خالد برکی نے ایجاد کیا۔

## سکہ

سکہ کی نسبت اگرچہ عام مورخوں نے لکھا ہے کہ عرب میں سب سے پہلے جس نے سکہ جاری کیا وہ عبد الملک بن مروان ہے۔ لیکن علامہ مقریزی کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے موجہ بھی عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں۔ چنانچہ اس موقع پر ہم علامہ موصوف کی عبارت کا الفاظی ترجمہ کرتے ہیں۔

جب امیر المؤمنین خلیفہ ہوئے اور خدا نے ان کے ہاتھ پر مصر و شام و عراق فتح کیا تو انہوں نے سکہ کے معاملہ میں کچھ دخل نہ دیا۔ بلکہ پرانے سکہ کو جو جاری تھا حال رہنے دیا۔ سنہ ۱۳۷ھجری میں جب مختلف مقامات سے سفارتیں آئیں تو بصرہ سے بھی سفراء آئے جن میں احنف بن قیس بھی شامل تھے۔ احنف نے باشند گان بصرہ کی صوریات اور جھیتیں بیان کیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی درخواست پر معقل بن یسار کو بھیجا۔ جنہوں نے بصرہ میں ایک نہر تیار کرائی جس کا نام نہر معقل ہے اور جس کی نسبت یہ فقرہ مشور ہے اذاجاء نہر اللہ بطل نہر معقل۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی زمانے میں یہ انتظام کیا کہ ہر شخص کے لئے ایک جریب غله اور دو درہم ماہوار مقرر کئے۔ اسی زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے سکہ کے درہم جاری کئے جو نوشیروانی سکہ کے مشابہ تھے البتہ اتنا فرق تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سکوں پر العمد لله اور بعض سکوں پر محمد رسول اللہ اور بعض پر لا اله الا اللہ وحده لکھا ہوتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخیر زمانے میں دس درہم مجموعی رقم کا وزن چھ مثقال کے برابر ہوتا تھا۔ (دیکھو کتاب التقدیم الاسلامیہ المقریزی مطبوعہ مطبع جواب سنہ ۹۸۷ھجری صفحہ ۲۵)

یہ مقریزی کی خاص روایت ہے لیکن اس قدر عموماً مسلم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سکہ میں ترمیم و اصلاح کی۔ علامہ ماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ ایران میں تین قسم کے درہم تھے بغلی آٹھ دانگ کاظمی چار دانگ کا، مغربی تین دانگ کا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ بغلی چونکہ زیادہ چلتے ہیں اس لئے دونوں کو ملا کر ان کا نصف اسلامی درہم قرار دیا جائے۔ چنانچہ اسلامی درہم چھ دانگ کا قرار پایا۔ الاحکام السلطانیہ

## لہ ذمی رعایا کے حقوق

پارسیوں اور عیسائیوں کا برتاؤ غیر قوموں کے ساتھ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذمی رعایا کو جو حقوق دیئے تھے اس کا مقابلہ اگر اس زمانے کی اور سلطنتوں سے کیا جائے تو کسی طرح کا نتیجہ نہ ہو گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمسایہ میں جو سلطنتیں تھیں وہ روم و فارس تھیں ان دونوں سلطنتوں میں غیر قوموں کے حقوق غلاموں سے بھی بدتر تھے۔ شام کے عیسائی بادویوں کے رو میوں کے ہم نہ ہب تھے تاہم ان کو اپنی مقبوضہ زمینوں پر کسی قسم کا مالکانہ حق حاصل نہیں تھا بلکہ وہ خود ایک قسم کی جائیداد خیال کے جاتے تھے۔ چنانچہ نہیں کے انتقال کے ساتھ وہ بھی منتقل ہو جاتے تھے اور مالک سابق کو ان پر جو مالکانہ اختیارات حاصل تھے وہی قابض حال کو حاصل ہو جاتے تھے۔ یہودیوں کا حال اور بدتر تھا بلکہ اس قابل نہ تھا کہ کسی حدیث سے ان پر رعایا کا اطلاق ہو سکتا۔ کیونکہ رعایا آخر کار کچھ نہ کچھ حق رکھتی ہے اور وہ حق کے نام سے بھی محروم تھے۔ فارس میں جو عیسائی تھے ان کی حالت اور بھی رحم کے قائل تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ان ممالک کو زیر نگیں کیا تو دفعۃ وہ حالت بدل گئی جو حقوق ان کو دیئے گئے، اس کے لفاظ سے گویا وہ رعایا نہیں رہے بلکہ اس قسم کا تعلق نہ گیا جیسا کہ دو برابر کے معاملہ کرنے والوں میں ہوتا ہے۔ مختلف ممالک کی فتح کے وقت جو معاملے لکھے گئے، ہم انکو اس مقام پر بینہ نقل کرتے ہیں جس سے اس دعویٰ کی تصدیق ہو گی۔ اور ساتھ ہی اس بات کے موازنہ کا موقع ملے گا کہ یورپ نے اس قسم کے حقوق کبھی غیر قوم کو کبھی نہیں دیے ہیں؟

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ تاریخوں میں جو معاملے منقول ہیں ان میں بعض مفصل باقی محل ہیں۔ کیونکہ مفصل شرائط کا بار بار اعادہ کرنا تلویں عمل کا باعث تھا۔ اس لئے اکثر معاملوں میں کسی مفصل معاملے کا حوالہ دیا گیا ہے۔ بیت المقدس کا معاملہ جو خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں اور ان کے الفاظ میں لکھا گیا حسب ذیل ہے۔

### بیت المقدس کا معاملہ

هذا ما عطني بهدالله حرمي المؤمنين اهل ايلمان الامان

لہ ذمی سے وہ قویں مراد ہیں جو مسلمان نہ تھیں لیکن مالک اسلام میں سکونت رکھتی تھیں۔

اعطاهم اماناً لانفسهم واموالهم ولكن ناسهم وصلبانهم  
وسيمها بريها وسائر ملتها انه لا يسكن كناسهم ولا تهدم  
ولا ينقض منها ولا من حيزها ولا من صلبه ولا بن شئ من  
اموالهم ولا يكرهون على دينهم ولا يضار احد من اليهود  
وعلى اهل ايليا ان يعطوا العجزة كما يعطى اهل المداňن  
وعليهم ان يخرجوا منها الروم والصوص فمن خرج منهم  
 فهو امنٌ على نفسه وما به حتى يبلغوا مأمنهم ومن اقام منهم  
 فهو امنٌ وعليه مثل اهل ايليا من العجزة ومن احب من اهل  
ايليا ان يسير بنفسه وما به مع الروم ويخلی بهم صلبهم  
لانهم امنون على انفسهم وعلى بيعهم وصلبهم حتى يبلغوا  
ما فيهم وعلى ما في هذا الكتاب عهد الله وذمة رسوله وذمة  
الخلفاء وذمة المؤمنين اذا اعطوا الذي عليهم من العجزة شهد  
على ذلك خالد بن الوليد وعمر بن العاص وعبد الرحمن بن  
عوف ومعاوية بن ابي سفيان وكتب وحضر سنه الابجري۔

(دیکھو تاریخ ابو عفرج بر طبری۔ فتح بیت المقدس ۲۲)

”یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمر نے ایلیا کے لوگوں کو  
دی۔ یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تند رست، میکار اور ان کے  
تمام مذہب والوں کے لئے ہے اس طرح پر کہ ان کے گرجاویں میں نہ  
سکونت کی جائے گی۔ نہ وہ دھائے جائیں گے نہ ان کو اور نہ ان کے  
احاطے کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال  
میں کچھ کی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں ان پر جرنہ کیا جائے  
گا۔ نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ ایلیاء میں ان کے  
ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے ایلیاء والوں پر یہ فرض ہے کہ اور  
شروع کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں اور چوبوں کو نکال دیں۔ ان  
یونانیوں میں سے جو شر سے نکلے گا اس کی جان اور مال کو امن ہے  
تاکہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے اور جو ایلیاء ہی میں رہنا اختیار کرے  
تو اس کو بھی امن ہے اور اس کو جزیہ دیتا ہو گا اور ایلیاء والوں میں

سے جو شخص اپنی جلن اور مال لے کر یونانیوں کے ساتھ چلا جانا چاہے تو ان کو اور ان کے گرجاؤں کو اور صلیبیوں کو امن ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں اور جو کچھ اس تحریر میں ہے ان پر کہا رسول خدا کے خلیفہ کا اور مسلمانوں کا ذمہ ہے۔ بشرطیکہ یہ لوگ جزیہ مقررہ ادا کرتے رہیں۔ اس تحریر پر گواہ ہیں خالد بن الولید اور عمرو العاص اور عبد الرحمن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور یہ ہلہ بھری میں لکھا گیا۔“

اس فرمان میں صاف تصریح ہے کہ عیسائیوں کے جان، مال اور مذہب ہر طرح سے محفوظ رہے گا اور یہ ظاہر ہے کہ کسی قوم کو جس قدر حقوق حاصل ہو سکتے ہیں انہی تین چیزوں سے تعلق رکھتے ہیں گرچہ اور چرچ کی نسبت یہ تفصیل ہے کہ نہ تو وہ توڑے جائیں گے نہ ان کی عمارت کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائے گا نہ ان کے احاطوں میں دست اندازی کی جائے گی۔ مذہبی آزادی کی نسبت دوبارہ تصریح ہے کہ لا یکرہون علی دینہم عیسائیوں کے خیال میں چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے صلیب دے کر قتل کیا تھا اور یہ واقعہ خاص بیت المقدس میں پیش آیا تھا۔ اس لئے ان کی خاطر سے یہ شرط منظور کی کہ یہودی بیت المقدس میں نہ رہیں گے۔ یونانی باوجود اس کے کہ مسلمانوں سے لڑتے تھے اور درحقیقت وہی مسلمانوں کے اصلی عدو تھے تاہم ان کے لئے یہ رعایتیں ملحوظ رکھیں کہ بیت المقدس میں رہنا چاہیں تو وہ سکتے ہیں۔ اور نکل جانا چاہیں تو نکل جاسکتے ہیں۔ دونوں حالتوں میں ان کو امن حاصل ہو گا۔ اور ان کے گرجاؤں اور معبدوں سے کچھ تعریض نہ کیا جائے گا۔ سب سے بڑھ کر بیت المقدس کے عیسائی اگر یہ چاہیں گے کہ وطن سے نکل کر یورپیوں سے جامیں تو اس پر بھی کچھ تعریض نہ کیا جائے گا۔ بلکہ ان کے گرجے وغیرہ جو بیت المقدس میں ہیں محفوظ رہیں گے کیا کوئی قوم مفتودہ ملک کے ساتھ اس سے بڑھ کر انصبا فانہ بر تاؤ کر سکتی ہے؟ سب سے مقدم امر یہ ہے کہ ڈیموں کی جان و مال کو مسلمانوں کی جان و مال کے برابر قرار دیا۔ کوئی مسلمان اگر کسی ذی کو قتل کر ڈالتا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً اس کے بد لے مسلمان کو قتل کر دیتے تھے۔ امام شافعی نے روایت کی ہے کہ قبیلہ بکرین وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ بھیجا کہ قاتل، مقتول کے وارثوں کو دیا جائے۔ چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جس کا نام خسین تھا

حوالہ کیا گیا۔ اور اس نے اس کو قتل کر لئا۔ مال اور جائیداد کے متعلق کی حفاظت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ جس قدر زمینیں ان کے قبضے میں تھیں اسی حیثیت سے بحال رکھیں۔ جس حیثیت سے فتح سے پہلے ان کے قبضے میں تھیں۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو ان زمینیوں کا خریدنا بھی ناجائز قرار دیا گیا۔ چنانچہ اس بحث کو ہم تفصیل کے ساتھ محاصل ملکی کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔

### بندوبست مال گذاری میں ذمیوں کا خیال

مال گذاری جو شخص کی گئی وہ نہایت نرم اور ہلکی چھکلی تھی۔ اس پر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خیال ہوا کہ کہیں ان پر سخت تو نہیں کی گئی۔ چنانچہ مرتبہ مرتبہ بھی یہ خیال نہ گیا۔ ہر سال یہ معمول تھا کہ جب عراق کا خراج آتا تھا تو دس شخص کوفہ اور دس شخص بصرہ سے طلب کئے جاتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے چاروں فوجہ بتا کید تتم لیتے تھے کہ مال گذاری کے وصول کرنے میں کچھ سخت تو نہیں کی گئی ہے۔ وفات سے دو تین دن پہلے کا واقعہ ہے کہ افران بندوبست کو بلا یا اور تشخیص جمع کے متعلق ان بے گفتگو کی۔ اور بار بار پوچھتے رہے کہ جمع سخت تو نہیں مقرر کی گئی۔ (کتاب المخراج صفحہ ۲۱۷ میں ہے) قال شہدت عمر بن الخطاب قبل ان یہ سباب بثلاث اربع وافقاً علی حنیفۃ بن الیمان عثمان بن حنیف فھو يقول لهم العلما حملتم ما لا تطيق)

### ذمیوں سے ملکی انتظامات میں مشورہ

ایک بڑا حق جو رعایا کو حاصل ہو سکتا ہے کہ انتظامات ملکی میں ان کو حصہ دیا جائے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ ان انتظامات میں جن کا متعلق ذمیوں سے ہوتا تھا ذمیوں کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے تھے، عراق کا بندوبست جب پیش آیا تو عجمی رئیسوں کو مدینہ میں بلا کرم مال گذاری کے حالات دریافت کئے۔ مصر میں جو انتظام کیا اس میں موقع سے اکثر رائے لی۔ (قریزی جلد اول صفحہ ۳۷۷)

جان و مال و جائیداد کے متعلق جو حقوق ذمیوں کو دیئے گئے تھے وہ صرف زبانی نہ تھے بلکہ نہایت مضبوطی کے ساتھ ان کی پابندی کی جاتی تھی۔ شام کے ایک کاشتکار نے شکایت کی کہ اہل فوج نے اسکی زراعت کو پا مال کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال

سے ۱۰ ہزار درہم اس کو معاوضہ دلوائے۔ اضلاع کے حکام کو تاکیدی فرمان بھیجتے تھے کہ ذمیوں پر کسی طرح زیادتی نہ ہوئے پائے خود بالمشاف لوگوں کو اس کی تاکید کرتے رہتے تھے قاضی ابویوسف نے کتاب الخراج باب الجزیہ میں روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب شام سے واپس آرہے تھے تو چند آدمیوں کو دیکھا کہ دھوپ میں کھڑے ہیں اور ان کے سرپر تیل ڈالا جا رہا۔ لوگوں سے پوچھا کہ کیا ما جرا ہے؟ معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے جزیہ نہیں ادا کیا اس لئے ان کو سزا دی جاتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ آخران کا کیا عذر ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ”نادری“ فرمایا کہ چھوڑو، اور ان کو تکلیف نہ دو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ساہے لَا تُعذِّبُ النَّاسَ فَإِنَّ الَّذِينَ يَعذَّبُونَ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا يَعذَّبُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”لوگوں کو تکلیف نہ دو، جو لوگ دنیا میں لوگوں پر عذاب پہنچاتے ہیں خدا قیامت میں ان کو عذاب پہنچائے گا۔“

### ذمیوں کی شرائط کا ایفا

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شام کی فتح کے بعد جو فرمان لکھا اس میں یہ الفاظ

تھے

وامْنَعْ الْمُسْلِمِينَ مِنْ ظُلْمِهِمْ وَالْأَضْرَارِ بِهِمْ وَأَكْلِ اسْوَالِهِمْ  
بِحَلْهَا وَوَفِ لَهُمْ بِشَرْطِهِمُ الَّذِي شَرَطْتُ لَهُمْ فِي جَمِيعِ  
مَا عَطَيْتُهُمْ۔

(کتاب الخراج صفحہ ۷۸)

”مسلمانوں کو منع کرنا کہ ذمیوں پر ظلم نہ کرنے پائیں، نہ ان کا مال بے وجہ کھانے پائیں اور جس قدر شرطیں تم نے ان سے کیں ہیں سب وفا کرو۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات کے قریب خلیفہ ہونے والے شخص کے لئے ایک مفصل وصیت فرمائی تھی۔ اس وصیت نامہ کو امام بخاری، ابو بکر، بیہقی، جاھن اور بہت سے مؤرخین نے نقل کیا ہے۔ اس کا اخیر فقرہ یہ ہے

وَاوَصَيْهِ بِذَمَّةِ اللَّهِ وَذَمَّةِ رَسُولِهِ إِنْ يَوْمَ يَوْمِ الْحِسْبَرِ بِعَهْدِهِمْ وَإِنْ

۱۔ کتاب الخراج صفحہ ۷۸۔

يقاتل من ورائهم وان لا يكفو افق طاقتهم۔

(صحیح بخاری صحیحہ امطبوعہ میرٹھ)

”یعنی میں ان لوگوں کے حق میں دیست کرتا ہوں جن کو خدا اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے (یعنی ذمی) کہ ان سے جو عمدہ ہے وہ پورا کیا جائے اور انکی حمایت میں لا راجائے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔“

اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرتب وقت بھی ذمیوں کو نہ بھولے۔

غرفہ ایک صحابی تھے ان کے سامنے ایک عیسائی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی غرفہ نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ کر ارا عیسائی نے عمرو بن العاص کے پاس جا کر شکایت کی۔ انہوں نے غرفہ کو بلا بھیجا اور باز پرس کی، غرفہ نے واقعہ بیان کیا عمر بن العاص نے کہا کہ ذمیوں سے امن کا معاملہ ہو چکا ہے، غرفہ نے کہا، نعوز بالله ان کو یہ اجازت ہرگز نہیں دی گئی کہ رسول اللہ کو اعلانیہ گالیاں دیں۔ اس سے یہ معاملہ ہوا کہ اپنے گرجاؤں میں جو کچھ چاہیں کریں اور اگر ان پر کوئی دشمن چڑھ آئے تو ہم ان کی طرف سے سینہ پر ہو کر لڑیں اور ان پر کوئی ایسا بارہنہ ڈالا جائے جس کے وہ متھل نہ ہوں۔ عمر بن العاص نے کہا ہاں یہ سچ ہے لہ اس واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ذمیوں کے حقوق کا کس قدر خیال رکھا جاتا ہے۔

### ذہبی امور میں آزادی

ذہبی امور میں ذمیوں کو پوری آزادی تھی وہ ہر قسم کی رسوم ذہبی ادا کرتے تھے علاوہ ناقوس بجاتے تھے صلیب نکالتے تھے ہر قسم کے میلے ٹھیلے کرتے تھے ان کے پیش وایان ذہبی کو جو ذہبی اختیارات حاصل تھے بالکل برقرار رکھے گئے تھے مصر میں اسکندریہ کا پیشیارک بنیا میں تیو برس تک رومیوں کے ڈر سے ادھرا ہمرا راما پھرا۔ عمر بن العاص نے جب مصر فتح کیا تو سہ مہر بھری میں اسکو تحریری امان لکھ کر بھیجی۔ وہ نمایت ممنون ہو کر آیا۔ اور پیشیارک کی کرسی دوبارہ اس کو نصیب ہوئی۔ چنانچہ علامہ مقریزی نے اپنی کتاب (جلد اول صفحہ ۲۷۷) میں اس واقعہ کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ معاملات میں اور امور کے ساتھ ذہبی آزادی کا بھی حق التزام کے ساتھ درج کیا جاتا تھا۔ چنانچہ بعض معاملات کے اصلی الفاظ ہم

اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔ حذیفہ بن الیمان نے مادہ بیار والوں کو جو تحریر لکھی تھی اس میں یہ الفاظ تھے۔

لَا يغِرُونَ عَنْ مِلَةٍ وَلَا يَحْالُونَهُمْ وَيُنَزِّلُنَّ شَرَائِعَهُمْ

(طبری صفحہ ۲۳۳)

”ان کا مذہب نہ بدل جائے گا اور ان کے مذہبی امور میں کچھ دست اندازی نہ کی جائے گی۔“

جرجان کی فتح کے وقت یہ معاهدہ لکھا گیا۔

لَهُمُ الْأَمَانُ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ وَمُلْكِهِمْ وَشَرَائِعِهِمْ وَلَا

تَغْيِيرٌ مِنْ شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ۔ (طبری صفحہ ۲۵۸)

”ان کے جان و مال اور مذہب و شریعت کو امان ہے اور اس میں سے کسی شے میں تغیر نہ کیا جائے گا۔“

آذربایجان کے معاهدہ میں یہ تصریح تھی۔

الْأَمَانُ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ وَشَرَائِعِهِمْ (طبری صفحہ ۲۹۷)

”جان مال مذہب اور شریعت کو امان ہے۔“

موقان کے معاهدہ میں یہ الفاظ تھے۔

الْأَمَانُ عَلَى أَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ وَمُلْكِهِمْ وَشَرَائِعِهِمْ

”جان مال مذہب اور شریعت کو امان ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کی اشاعت کی اگرچہ نہایت کوشش کرتے تھے اور منصب خلافت کے لحاظ سے ان کا یہ فرض تھا لیکن وہیں تک جہاں تک وعظ اور پند کے ذریعے سے ممکن تھا ورنہ یہ خیال وہ ہمیشہ ظاہر کروایا کرتے تھے کہ مذہب کے قبول کرنے پر کوئی شخص مجبور نہیں کیا جا سکتا استقی ان کا ایک عیسائی غلام تھا، اس کو ہمیشہ اسلام قبول کرنے کی ترغیب دلاتے تھے لیکن جب اس نے انکا کیا تو فرمایا لا اکراہ فی الدین یعنی مذہب میں زبردستی نہیں ہے۔ (کنز الدعمال بحوالہ طبقات ابن سعد جلد چشم صفحہ ۲۲۹)

## مسلمانوں اور ذمیوں کی ہمسری

حقیقت یہ ہے کہ واقعات سے جو نتیجہ استنباط کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملکی حقوق کے لحاظ سے ذمیوں اور مسلمانوں میں کوئی تمیز نہیں رکھی

تحتی کوئی مسلمان اگر ذمی کو قتل کرتا ہے تو بے دریغ اس کے قصاص میں قتل کروایا جاتا تھا۔ مسلمان اگر ذمی سے سخت کلامی کرتے تھے تو پاداش کے مستحق ہوتے تھے ذمیوں سے جزیہ اور عشور کے سوا کسی قسم کا محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی۔ جس کی مقدار و نوں سے زیادہ تھی۔ اس کے سوا عشور مسلمانوں سے بھی وصول کیا جاتا۔ البتہ اس کی شرح بمقابلہ ذمیوں کے کم تھی بیت المال سے والشیروں کو گھر بیٹھے جو تنخواہ ملتی تھی اس میں بھی برابر کے شریک تھے سب سے بڑھ کریے (اور در حقیقت صرف اسی ایک مثال سے اس بحث کا فیصلہ ہو سکتا ہے) کہ یہ جو قاعدہ تھا کہ جو مسلمان اپائیج اور ضعیف ہو جاتا تھا اور محنت و مزدوری سے معاش پیدا نہیں کر سکتا تھا۔ بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر ہو جاتا تھا۔ اسی قسم کی بلکہ اس سے زیادہ فیاضانہ رعایت ذمیوں کے ساتھ بھی مرعی تھی۔ اول اول یہ قاعدہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمد میں مقرر ہوا۔ چنانچہ خالد بن الولید نے جبو کی فتح میں جو معاملہ لکھا اس میں یہ الفاظ تھے

وَجَعَلْتُ لِهِمْ أَيْمَانِيْخَ ضَعْفَ عَنِ الْعَمَلِ أَوْ أَصَابَهُمْ أَفْتَةً مِّنَ الْاِلَاقَاتِ  
أَوْ كَانَ خَنِيَا فَأَفْتَرَ وَصَارَ أَهْلَ دِينِهِ يَتَصَدَّقُونَ عَلَيْهِ وَطَرَحَتْ  
جَزِيَّتُهُ وَعِيلُهُ مِنْ بَيْتِ مَالِ الْمُسْلِمِينَ وَعِيلَهُ مَا أَقَى مَوَابِدَارَ  
أَمْجَرَةً وَدَارَ الْاسْلَامَ وَلَوْ ذَهَبَا فَلَمَّاْسَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ النَّفَقَةَ  
عَلَى عِيَالِهِمْ۔ (کتاب الخراج صفحہ ۸۵)

”اور میں نے ان کو یہ حق دیا کہ اگر کوئی بوڑھا شخص کام کرنے سے معدور ہو جائے یا اس پر کوئی آفت آئے یا پہلے دولت مند تھا پھر غیر ہو گیا اور اس وجہ سے اس کے ہم نہ ہب اس کو خیرات دینے لگیں تو اس کا جزیہ موقوف کر دیا جائے گا۔ اور اس کو اور اس کی اولاد کو مسلمانوں کے بیت المال سے چھا جائیا جب تک وہ مسلمانوں کے ملک میں رہے لیکن اگر وہ غیر ملک میں چلا جائے تو مسلمانوں پر اس کا نفقہ واجب نہ ہو گا۔“

یہ قاعدہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمد میں بھی قائم رہا بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قرآن مجید کی آیت سے مستند کر دیا یعنی بیت المال کے داروغہ کو لکھ کر بھیجا کہ قرآن مجید کی آیت انما الصدقات للفقراء والمسكينين (صدقة اور خیرات فقيروں اور مسکينوں کے لئے ہے) اس میں فقراء کے لفظ سے مسلمان اور مسکين کے لفظ سے اہل کتاب یہودی اور عیسائی مراد ہیں۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

عنه نے ایک پیر کہن سال کو بھیک مانتے رکھا۔ پوچھا کہ کیوں بھیک مانتا ہے؟

اس نے کہا ”مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے اور مجھ کو ادا کرنے کا مقرر نہیں۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو ساتھ گھر پر لائے اور کچھ نقد دے کر بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا کہ اس قسم کے معذوروں کے لئے بیت المال سے وحیفہ مقرر کرو جائے اسی واقعہ میں آیت مذکورہ بالا کا حوالہ دیا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ”واللہ یہ انصاف کی بات نہیں کہ ان لوگوں کی جوانی سے ہم منتفع ہوں اور بڑھاپے میں ان کو نکال دیں۔“

(کتاب المخراج صفحہ ۱۷)

### ذمیوں کی عزت کا خیال

ذمیوں کی عزت و آباد کا اسی تدریس تحفاظ تھا جس قدر مسلمان کی عزت و ناموس کا، ان کی نسبت کسی قسم کی تحریر کا لفظ استعمال کرنا عنایت ناپسندیدہ خیال کیا جاتا تھا عمر بن سعد جو حمس کے حاکم تھے اور زہد و تقدس و ترک دنیا میں تمام عبده داران خلافت میں کوئی ان کا ہمسرنہ تھا۔ ایک دفعہ ان کے منہ سے ایک ذمی کی شان میں یہ لفظ نکل گیا۔ اخوازک اللہ یعنی خدا تجھ کو رسوا کرے اس پر ان کو اس قدر ندامت اور تاسف ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر تو کری سے استغفار دے دیا اور کہا کہ اس نوکری کی بدولت مجھ سے یہ حرکت صادر ہوئی۔ (دیکھو ازاد اخلاقاء صفحہ ۲۰۳)

### سازش اور بغاوت کی حالت میں ذمیوں کے ساتھ سلوک

ایک خاص بات جو سب سے بڑھ کر لحاظ کے قابل ہے یہ ہے کہ ذمیوں نے اگر کبھی سازش یا بغاوت کی تب بھی ان کے ساتھ مراعات کو ملحوظ رکھا گیا۔ آج کل جن حکومتوں کو تنہیہ و ترقی کا دعویٰ ہے رعلیا کے ساتھ ان کی تمام عنایت اسی وقت تک ہے جب تک ان کی طرف سے کوئی پولیٹیکل شبہ پیدا نہ ہو۔ ورنہ دفتاؤہ تمام مہماں غصب اور قبر سے بدل جاتی ہے اور ایسا خونخوار اور پر غیظ انتقام لیا جاتا ہے کہ وحشی قویں بھی اس سے کچھ زیادہ نہیں کر سکتیں۔ برخلاف اس کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قدم کسی حالت میں جاؤ انصاف سے ذرا نہیں ہٹتا۔ شام کی آخری سرحد پر ایک شر تھا جس کا نام عربوس تھا اور جس کی سرحد ایشیائے کوچک سے ملی ہوئی تھی۔ شام جب فتح ہوا تو یہ شر بھی فتح ہوا اور صلح کا معاملہ ہو گیا۔ لیکن یہاں کہ لوگ درپرہ رو میوں سے سازش رکھتے تھے اور اوہر کی خبریں ان کو پہنچاتے

رہتے تھے عبیر بن سعدہ بہاں کے حاکم نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی حضرت عمرؓ نے ان کی مکین خصلت کا جائز قام  
یا تھا وہی تھا کہ عبیر بن سعدہ جس قدر الگ چاہیزادہ نہیں، موئیشی اور اساب ہے سب شمار کر کے ایک ایک  
چیز کی وجہ پر قیمت دے دو۔ اور ان سے کو اور کمیں چلے جاؤ۔ اگر اس پر راضی نہ ہوں تو ان کو  
ایک برس کی مہلت دو۔ اور اس کے بعد جلاوطن کرو۔ چنانچہ جب وہ اپنی شرارت سے باز نہ  
آئے تو اس حکم کا تعییل کی گئی۔ لے کیا آج کل کوئی قوم اس درگذر اور غنوم سماحت کی کوئی نظر  
دکھا سکتی ہے؟ ذمیوں کے ساتھ جو لطف و مراعات کی گئی تھی اس کا ایک برا شوت یہ ہے کہ  
ذمیوں نے ہر موقع پر خود اپنے ہم نہ بہ سلطتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ ذی ہی  
تھے جو مسلمانوں کے لئے رسد بہم پہنچاتے تھے لٹکر گاہ میں یہاں بازار لگاتے تھے اپنے اہتمام  
اور صرف سفر کی لہڈیل تیار کرتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جاسوی اور خبر سانی کرتے تھے  
یعنی دشمنوں کے ہر قسم کے راز مسلمانوں سے اگر کہتے تھے حالانکہ یہ دشمن انہی کہ ہم  
نہ بہ عسائی یا پاری تھے ذمیوں کو مسلمانوں کے حسن سلوک کی وجہ سے جو اخلاص پیدا ہو  
گیا تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جنگ یرموک کے پیش آنے کے وقت جب  
مسلمان شریح حص سے نکلے تو یہودیوں نے تورت ہاتھ میں لے کر کہا کہ جب تک ہم زندہ ہیں  
کبھی رومی یہاں نہ آنے پائیں گے عسائیوں نے نہایت حسرت سے کہا کہ ”خدا کی قسم تم  
رومیوں کی بہ نسبت کمیں بڑھ کر ہم کو محبوب ہو۔“

آخر میں ہم کو ان واقعات کی حقیقت بھی بتانا ضروری ہے جن کی وجہ سے لوگوں کو یہ  
غلط خیال پیدا ہوا ہے یا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے باخود سلام نے ذمیوں کے ساتھ نافصانہ سلوک  
کئے

### مخالف کی طرف سے اعتراض کی تقریر

اس مسئلے کو مخالف اس طرح بیان کر سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے  
زمیوں کے حق میں یہ حکم دیا کہ وضع اور لباس وغیرہ میں کسی طرح مسلمانوں کا تشبیہ نہ کرنے  
پائیں۔ کمر میں زنا بادھیں۔ لمبی ثوبیاں پہنیں۔ گھوڑوں پر کاٹھی نہ کیں، ہنی عبادت کا ہیں  
نہ بتائیں شراب اور سوڑنہ بیچیں، ناقوس نہ بجائیں۔ صلیب نہ نکالیں۔ بنو تغلب کو یہ بھی حکم  
تھا کہ اپنی اولاد کو اصطبلاغ نہ دینے پائیں۔ ان سب باتوں پر یہ مستزادہ حضرت عمر رضی اللہ  
تعالیٰ عنہ نے عرب کی وسیع آبادی میں ایک یہودی یا عسائی کو نہ رہنے دیا اور برپے بڑے قدیم

خاندان جو سینکڑوں برس سے عرب میں آباد تھے جلاوطن کر دیئے بے شبه یہ اعتراضات نمایت توجہ کے حامل ہیں اور ہم انکے جواب دینے میں کسی قدر تفصیل سے کام لیں گے کیونکہ ایک زمانہ دراز کے تعصباً اور تقلید نے واقعیت کے چہرے پر بست پروے ڈال دیتے یہ حق ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کو غیر قوموں کی مشاہبت اور غیر قوموں کو مسلمانوں کی مشاہبت سے روکتے تھے لیکن اس سے فقط قوی خصوصیتوں کو قائم رکھنا مقصود تھا۔ لباس کی بحث میں تحقیق طلب امریہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذمیوں کو جس لباس کی پابندی کی تھی آیا یہ لباس ذمیوں کا قدمہ لباس تھا یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی نیا لباس بطور علامت تحریر کے تجویز کیا ہے جس شخص نے عجم کی تاریخ پڑھی ہے وہ یقیناً جان سکتا ہے کہ جس لباس کا یہاں ذکر ہے وہ عجم کا قدمہ لباس تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاهدہ جس کو کنز العمال وغیرہ میں نقل کیا گیا ہے اگرچہ راویوں نے اس کو بہت کچھ کم و پیش کر دیا ہے تاہم جماں ذمیوں کی طرف تھے اقرار نہ کو رہے کہ ہم فلاں فلاں لباس نہ پہنیں گے وہاں یہ الفاظ بھی ہیں۔ وان تلزم زینا حیث ما کنا (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۶۲) یعنی ہم وہی لباس پہنیں گے جو یہی شے سے پہنے آتے تھے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جس لباس کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا وہ عجم کا قدمہ لباس تھا۔

زنار جس کا ذکر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان میں ہے اس کی نسبت ہمارے فقماء نے اکثر غلطیاں کی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وہ انگل برابر مونا ایک قسم کا جنیو ہوتا تھا، اور اس سے ذمیوں کی تحریر مقصود تھی لیکن یہ سخت غلطی ہے زنار کے معنی پیشی کے ہیں۔ اور عرب میں یہ لفظ آج کل بھی اس معنی میں مستعمل ہے پیشی کو عربی میں منطقہ بھی کہتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے زنار اور منطقہ مراد الفاظ ہیں ان دونوں الفاظ کا مترادف ہونا کتب حدیث سے ثابت ہے۔

کنز العمال میں یہی وغیرہ سے روایت منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرداران فوج کو یہ تحریری حکم بھیجا و قلزمواهم المناطق یعنی الزنانير اسی زنار کو کستیج بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ جامع صغیر وغیرہ میں بجائے زنار کے کستیج ہی لکھا ہے اور غالب یہ ہے کہ یہ لفظ عجمی ہے۔ بہر حال اہل عجم قدمہ سے پیشی لگاتے تھے علامہ مسعودی نے کتاب التنبیہ والا شراف میں لکھا ہے کہ عجم کی اس قدمہ عادت کی وجہ میں نے کتاب

مروج الذهب میں لکھی ہے، ایک قطعی دلیل اس بات کی یہ لباس ذمیوں کا قدمیم لباس تھا۔ یہ ہے کہ خلیفہ منصور نے اپنے دربار کے لئے جو لباس قرار دیا تھا وہ قریب قریب یہی لباس تھا۔ لبی ثوبیاں جو زسل کی ہوتی تھیں۔ وہی عجم کی ثوبیاں تھیں جس کا نمونہ پارسیوں کے سروں پر آج بھی موجود ہے اس درباری لباس میں پیٹی بھی داخل تھی۔ اور یہ وہی زنا ریا منطقہ یا کستیج ہے جو عجم کی قدیم وضع تھی منصور کے اس مجونہ لباس کی نسبت تمام موڑخین عرب نے تصریح کی ہے کہ عجم کی تقلید تھی اب یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس لباس کی نسبت تمام موڑخین نے تصریح کی ہے وہ اگر کوئی جدید لباس تھا۔ اور ان کی تحریر کے لئے ایجاد کیا گیا تھا تو خلیفہ منصور اسکو اپنا اور اپنے درباریوں کا لباس کیوں نکر قرار دے سکتا تھا۔

### صلیب اور ناقوس کی بحث

ذمیوں کو نئی عبادت کا ہیں نثار شراب یعنی، صلیب نکالنے ناقوس پھونکنے، اصطبلاغ دینے سے روکنا بے شبہ ہی دست اندازی ہے لیکن میں یہاں کانہ اس راز کی پرده دری کرتا ہوں کہ یہ احکام جن قیدوں کے ساتھ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاری کئے تھے وہ بالکل مناسب تھے لیکن زمانہ مابعد کے موڑخوں نے ان قیدوں کا ذکر چھوڑ دیا۔ اس وجہ سے تمام دنیا میں ایک عالمگیر غلطی پھیل گئی۔

صلیب کی نسبت معابرے میں جو الفاظ تھے اس میں یہ قید تھی۔

ولا ير فعافي نادى اهل الاسلام صليباً (كتاب الخراج صفحہ ۸۰)

”یعنی مسلمانوں کی مجلس میں صلیب نہ نکالیں۔“

ناقوس کی نسبت یہ تصریح تھی يضر بوانو اقيسهم في آية ساعة شاؤ ومن اليل او نهار الا في اوقات المصلوة (كتاب الخراج صفحہ ۸۶) یعنی ذی رات دن میں جس وقت چاہیں ناقوس بجا سیں، بجز نماز کے اوقات کے، سور کی نسبت یہ الفاظ تھے۔ ولا يخرجوا بخنزير امن منازلهم التي انتهية المسلمين یعنی ذی سور کو مسلمان کے احاطے میں نہ لے جائیں۔

ان تصریحات کے بعد کس کوشش ہو سکتا ہے کہ صلیب نکالنا یا ناقوس بجانا عموماً منع نہ تھا۔ بلکہ خاص حالات میں ممانعت تھی اور ان خاص حالات میں آج بھی ایسی ممانعت خلاف انصاف نہیں کی جاسکتی۔ سب سے زیادہ قابل لحاظ امری تغلب عیسائیوں کی اولاد کا اصطبلاغ

وے دناتھا اور یہ گویا

## اصطبا غ نہ دے سکتا

اس بات کی حفاظت ہے کہ آئندہ وہ کوئی اور مذہب قبول نہ کرنے پائے بے شرط  
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عام طور پر اس رسم کو روکنے کا کچھ حق نہ تھا۔ لیکن اس زمانے  
میں ایک نیا سوال پیدا ہوتا تھا۔ یعنی یہ کہ اگر عیسائی خاندان میں سے کوئی شخص مسلمان ہو  
جائے اور نابالغ اولاد چھوڑ کر مرے تو اس کی اولاد کس مذہب پر پورش پائے گی؟ یعنی وہ  
مسلمان سمجھی جائے گی یا ان کے خاندان والوں کو جو عیسائی مذہب برکت ہیں یہ حق حاصل ہو گا  
کہ اس کو اصطبا غ دے کر عیسائی بنالیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صورت خاص کے لئے یہ قرار دیا کہ خاندان  
والے اسکو اصطبا غ نہ دیں اور عیسائی نہ بنائیں اور یہ حکم بالکل قرین انصاف ہے کیونکہ جب  
اس کا باپ مسلمان ہو گیا تو اس کی نابالغ اولاد بھی بظاہر مسلمان قرار پائے گی۔

علامہ طبری نے جماں بنو تغلب کے واقعہ کا ذکر کیا ہے شرائط صلح میں یہ الفاظ نقل  
کئے ہیں۔ علی ان لا ينصروا ولهمَا من أسلم أهأهُم (طبری صفحہ ۳۳۳) یعنی بنو  
تغلب کو اختیار نہ ہو گا کہ جن کے باپ مسلمان ہو چکے ہیں ان کو عیسائی بنائیں۔ ایک اور  
موقع پر یہ الفاظ ہیں۔ ان لا ينصروا ولادهم اذا أسلم أهانَهُم (طبری صفحہ ۳۵) یہاں  
شاید یہ اعتراض ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک فرضی صورت قائم کر کے معاهده  
کو سخت کیوں کیا۔ لیکن جواب یہ ہے یہ فرضی صورت نہ تھی بلکہ بنو تغلب میں بہت سے  
لوگ اسلام قبول کر چکے تھے اس لئے ان کی خاص حالت کے لحاظ سے اس صورت کا ذکر ضرور  
تھا بلکہ علامہ طبری نے صاف تصریح کی ہے کہ تغلب میں سے جو لوگ اسلام لائچے تھے خود  
انہوں نے معاهدہ کے لئے یہ شرائط پیش کیں تھیں۔

اب ہر شخص انصاف کر سکتا ہے کہ امن عام میں خلل نہ واقع ہونے کے لئے  
عیسائیوں کو اگرچہ یہ حکم دیا جائے کہ وہ مسلمانوں کی مجلس میں صلیب اور سورہ نہ لائیں۔  
خاص نماز کے وقت ناقوس نہ بجائیں نو مسلم عیسائیوں کی اولاد کو اصطبا غ نہ دیں تو کیا کوئی  
شخص اس کو تعصب نہیں سے تبیر کر سکتا ہے لیکن افسوس اور سخت افسوس یہ ہے کہ  
ہمارے پچھلے مؤرخوں نے ان احکام کی قیوں اور خصوصیتوں کو اڑا دیا۔ بلکہ قدماء میں بھی یہ

تعصب آمیز بیعت رکھتے تھے روایت میں ان خصوصیتوں کو چھوڑ جاتے تھے، یہ غلطیاں اگرچہ نہایت سخت تناج پیدا کرتیں تھیں، لیکن چونکہ ظاہر میں خفیف تھیں۔ ابن الاشیر وغیرہ نے اس کا کچھ خیال نہیں کیا۔ رفتہ رفتہ یہ غلطیاں اس قدر پھیل گئیں کہ عرب زبان سرتاپا اس سے معمور ہو گئی۔ فقہاء چونکہ تابع ہیں کہ واقفیت رکھتے تھے انہوں نے بے تکلف انہی روایتوں کو قبول کر لیا اور ان پر فقہ کے مسائل تفریغ کر لئے۔

### عیسائیوں کے جلاوطن کرنے کا معاملہ

عیسائیوں اور یہودیوں کے جلاوطن کرنے کے معاملے میں حقیقت یہ ہے کہ یہودی کسی زمانہ میں مسلمانوں کی طرف سے صاف نہیں ہوئے خیر جب فتح ہوا ان سے کہہ دیا گیا کہ جس وقت مناسب ہو گام کو یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ان کی شراریں زیادہ ظاہر ہوئیں۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک دفعہ بالاخانہ سے دھکیل دیا۔ جس سے ان کے ہاتھ میں زخم آیا مجبوراً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عام مجمع میں کھڑے ہو کر ان کی شراریں بیان کیں۔ اور پھر ان کو عرب سے نکال دیا۔ چنانچہ صحیح بخاری *ہدایہ الشووطی* میں یہ واقعہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

نجران کے عیسائی یہاں اور اس کے اطراف میں رہتے تھے اور ان سے کچھ تعریض نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے چکے چکے جنگی تیاریاں شروع کیں۔ اور بستے گھوڑوں پر تھیار میا کئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف اس ضرورت سے ان کو حکم دیا کہ یہاں چھوڑ کر عراق چلے جائیں۔ (کتاب المراج صفحہ ۲۲)

غرض یہ امر تمام تاریخی شہادتوں سے قطعاً ثابت ہے کہ عیسائی اور یہودی پولیسیکل ضرورتوں کی وجہ سے جلاوطن کئے گئے اور اس وجہ سے یہ امر کسی طرح اعتراض کے قابل نہیں ہو سکتا۔ البتہ لحاظ کے قابل یہ ہے کہ اس حالت میں بھی کسی قسم کی رعایت ان کے ساتھ محفوظ رکھی گئی۔ ذکر کے یہودی جب نکالے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک واقف کا شخص کو بھیجا کہ ان کی نیشن اور باغوں کی قیمت کا تخمینہ کرے۔ چنانچہ متعینہ قیمت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال سے ان کو دلوادی لے۔ اسی طرح حجاز کے یہودیوں کو بھی ان کی نیشن کی قیمت دلوادی۔ (فتح البلدان صفحہ ۲۹)

نجران کے عیسائیوں کو جب عرب کی آبادی سے نکال کر شام و عراق میں آباد کیا تو ان

کے ساتھ نمایت فیاضانہ رعایتیں کیں۔ ان کو امن کا جو پروانہ دیا اس میں یہ شرطیں لکھیں۔  
 ① عراق یا شام جہاں یہ لوگ جائیں وہاں کے افران کی آبادی اور زراعت کے لئے ان کو  
 نشن دیں۔

② جس مسلمان کے پاس یہ کوئی فریاد لے کر جائیں وہ ان کی مدد کریں ۲۳ مینے تک ان سے  
 مطلقاً جزیہ نہ لیا جائے۔

اس معاهدے پر احتیاط اور تأکید کے لحاظ سے بڑے بڑے صحابہ کے دستخط ثبت  
 کرائے چنانچہ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں اس معاهدہ کو بالفاظ اپنا نقل کیا  
 ہے۔ (کتاب مذکور صفحہ ۷۷)

ایک ایسی فوج جس کی نسبت بغاوت اور سازش کے ثبوت موجود ہوں اس کے ساتھ  
 اس سے بڑھ کر اور کیا رعایت کی جاسکتی ہے اب صرف جزیہ کا معاملہ رہ جاتا ہے ہم نے اس  
 بحث پر اگرچہ ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور وہ تینوں زبانوں (اردو، عربی، انگریزی) میں چھپ  
 کر شائع ہو چکا ہے تاہم مختصر طور پر یہاں بھی لکھنا ضروری ہے۔

### جزیہ کی بحث

جزیہ کا موضوع اور مقصد، اگرچہ شروعِ حکومت میں ظاہر کر دیا گیا تھا کہ وہ حفاظت کا  
 معاوضہ ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں یہ مسئلہ ایسا صاف ہو گیا ہے کہ  
 احتمال کی بھی گنجائش نہیں رہی۔ اولاً تو انہوں نے نو شیروان کی طرح جزیہ کی مختلف شرطیں  
 قائم کیں اور اس طریقہ سے گویا صاف بتادیا۔ کہ یہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ وہی نو شیروانی محصول  
 ہے اس کے علاوہ موقع بہ موقع عملی طور پر اس بات کو ظاہر کیا کہ وہ صرف حفاظت کا معاوضہ  
 ہے اس کتاب کے پہلے حصے میں تم پڑھ آئے ہو کہ جب یہ موک کے پر خطر معركہ کے پیش  
 آئے کی وجہے اسلامی فوجیں شام کے مغربی حصوں سے ہٹ آئیں۔ اور ان کو یقین ہو گیا کہ جن  
 شہروں سے وہ جزیہ وصول کرچکے تھے یعنی حمص و دمشق و غیرہ وہاں کے باشندوں کی حفاظت کا  
 اب وہ ذمہ نہیں اٹھا سکتے تو جزیہ سے جس قدر رقم وصول ہوئی تھی سب واپس کر دی اور صاف  
 کہہ دیا کہ اس وقت ہم تمہارے جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔ اس لئے  
 جزیہ لینے کا بھی ہم کو کوئی حق نہیں ہے۔ اس سے بھی فیاضہ قطعی شہادت یہ ہے کہ جن لوگوں  
 سے کبھی کسی قسم کی فوجی خدمت لی گئی ان کو باوجود ان کے مذہب پر قائم رہنے کے جزیہ معاف

کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود سنہ ۷۴ھجری میں عراق کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ۔

بِسْتَعِنْدِنَا بِمِنْ احْتَاجُوا إِلَيْهِ مِنَ الْمَسَاوِرَةِ وَبِرْفَعِ عَنْهُمُ الْجَزَاءِ

(طبی صفحہ ۲۲۹)

”یعنی فوج سواروں میں سے جس سے مدینے کی ضورت ہواں سے مد لے لو“ اور ان کا جزیہ چھوڑو۔

یہاں تک کہ اگر کسی قوم نے صرف ایک دفعہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شرکت کی تو اس سال کا جزیہ اس کے لئے معاف کر دیا گیا۔ ۷۶ھجری میں جب آذربایجان فتح ہوا تو اہل شرکویہ فرمان لکھ دیا گیا۔

وَمِنْ حَشْرِ مِنْهُمْ فِي سَنَةٍ وَضُعِّعَ عَنْهُ جَزَاءُ تِلْكَ السَّنَةِ

”یعنی جو لوگ کبھی سال فوج کے ساتھ کام دیں گے اس سال کا جزیہ ان سے نہیں لیا جائے گا۔“

اسی سال آرمینیہ کے رئیس شہر بر از سے جو معاملہ ہوا اس میں یہ الفاظ تھے  
وعلی اہل اور مینیہ ان بیفر والکل خارہ و بینفزو والکل امر ناب او لم بنب راہ

الوالی صلاحاً علی ان توضیح العذاء۔ (طبی صفحہ ۳۵۵)

اسی سنہ میں جرجان فتح ہوا اور فرمان میں یہ عبارت لکھی گئی۔

ان لکم الذمة و علينا الممنعة على ان عليكم من العذاء في كل سنتة على قدر طاقتكم ومن استعن به منكم فله جزاءه في معونة

عواض عن جزائه (ایضاً)

”یعنی ہم پر تمہاری حفاظت ہے اس شرط پر کہ ہر سال بقدر طاقت جزیہ ادا کرنا ہو گا۔ اور اگر تم سے اعانت لیں گے تو اس اعانت کے بدله جزیہ معاف ہو جائے گا۔“

غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقوال سے معاہدوں سے طرز عمل سے روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا ہے کہ جزیہ کا موضوع کیا تھا اور وہ کس غرض سے مقرر کیا تھا۔

جزیہ کا صرف فوجی مصارف پر محدود تھا۔ یعنی اس رقم سے صرف اہل فوج کے لئے خوراک لباس اور دیگر ضروریات میا کی جاتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

جمال جمال جزیہ مقرر کیا اس کے ساتھ جنس اور غلہ بھی شامل کیا۔ مصر میں فی کس جزیہ کی تعداد دراصل چاروں نیار تھی۔ لیکن دونقد اور باقی کے عوض گیسوں، تو غن، زینون، شد، سرکہ لیا جاتا تھا۔ اور یہی اہل فوج کی خوراک تھی۔ البتہ آگے چل کر جب رسد کا انتظام مستقل طور پر ہو گیا تو کل جزیہ کی مقدار نقص کروی گئی اور جنس کے بجائے چاروں نار لئے جانے لگے۔  
(فتح البلدان صفحہ ۲۷۸)

## غلامی کارواج کم کرنا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگرچہ غلامی کو معدوم نہیں کیا اور شاید اگر کرنا بھی چاہتے تو نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ انہوں نے مختلف طریقوں سے اس کے رواج کو کم کر دیا۔ اور جس قدر قائم رکھا اس خوبی سے رکھا کہ غلامی غلامی نہیں بلکہ برادری اور ہمسری ہے گئی۔ عرب میں انہوں نے سرے سے اس کا استیصال کر دیا۔ اور اس میں ان کو اس قدر اہتمام تھا کہ عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے ساتھ پلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ننانے میں قبائل مردہ میں جو لوگ لوندی غلام بنائے گئے تھے سب آزاد کر دیئے اس کے ساتھ یہ اصول قائم کیا کہ اہل عرب کبھی کسی کے غلام نہیں ہو سکتے۔ ان کا یہ قول ہے کہ لا استرق عربی،

## عرب کا غلام نہ ہو سکنا

یعنی عرب کا کوئی آدمی غلام نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ بہت سے مجتہدین اور آئمہ فن نے ان کے اصول کو تسلیم نہیں کیا۔ امام احمد خبل کا قول ہے لا اذہب الى قول عمر لہیں على عربی ملکت۔ یعنی میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ رائے نہیں مانتا کہ اہل عرب غلام نہیں ہو سکتے لیکن یہ موقع اس مسئلہ پر بحث کرنے کا نہیں۔ یہاں صرف یہ بیان کرنا ہے کہ عرب کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ یہ تھا۔ (مشق الاخبار لابن تیمیہ)

غیر قوموں کی نسبت وہ کوئی قاعدہ عام نہیں قائم کر سکے۔ جب کوئی ملک فتح ہو تاھما تو اہل فوج ہمیشہ اصرار کرتے تھے کہ ملک کے ساتھ تمام رعایا ان کی غلامی میں دے دی جائے۔ ملک کی تقسیم میں تو جیسا کہ ہم اپر لکھ آئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مجید کے استدلال سے لوگوں کی زبان بندی کی لیکن غلامی کے لئے کوئی ایسا استدلال موجود نہ تھا۔

۱۔ کنز العمال میں امام شافعی کی روایت سے یہ قول منقول ہے۔ دیکھو کتاب فذ کور صفحہ ۳۷۸ جلد دوم۔

اس لئے وہ تمام اہل فوج کے خلاف نہیں کر سکتے تھے۔ تاہم اتنا کیا کہ عملًا غلامی کو نہایت کم کر دیا۔ جس قدر ممالک ان کے زمانے میں فتح ہوئے ان کی وسعت کافی ہزار میل تھی جس میں کوئوں آدمی بستے تھے، لیکن غلامی کا جہاں جہاں پڑتا چلتا ہے وہ نہایت محدود اور گفتگو کے مقولات تھے اور وہاں بھی صرف وہ لوگ غلام بنائے گئے جو معرکہ جنگ میں شریک تھے عراق اور مصر ہیں جو بجاۓ خود ستعلیٰ مملکتیں ہیں باوجود فوج کے اصرار کے ایک شخص بھی غلام نہیں بنایا گیا ہیاں تک۔

کہ جب مهر کے بھیں دیبات کے آدمی جو مسلمانوں سے لڑے تھے غلام بنا کر عرب میں بھیج دیئے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کو جا بجا سے جمع کر کے مصر کو واپس بھیج دیا کہ ان کو غلام بنانا جائز نہ تھا۔ چنانچہ مؤذن مقریزی نے ان دیبات کے نام اور اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔ شام کے شروں میں بصری، محل، طبریہ، دمشق، حمص، حماہ، عسقلان، انتاكیہ وغیرہ جہاں عیسائی بڑے نزوں شور سے لڑے غلامی کا بہت کم پڑتا چلتا ہے۔ شاید شام میں صرف قیساریہ ایک جگہ ہے جہاں اسیران جنگ غلام بنائیے گئے فارس، خوزستان، کران، جزیرہ وغیرہ میں خود معابدہ صلح میں یہ الفاظ لکھ دئے گئے تھے کہ لوگوں کے جان وال سے تعرض نہ ہو گا۔ صامغان، جندی، سابور، شیراز وغیرہ میں اس سے زیادہ صاف الفاظ تھے کہ لا اسپوا یعنی وہ لوگ گرفتار ہو کر لوہنڈی غلام نہ بنائے جائیں گے۔

مناذر میں باوجود اس کے کہ فوج نے اسیران جنگ کو غلام بنا کر ان پر قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم پہنچا کہ ان کو چھوڑو۔ اور خراج و جزیہ مقرر کرو۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حکم بھیجا کہ کوئی کاشتکاریا پیشہ ور غلام نہ بنایا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اور طریقہ سے اس روانج کو گھٹایا۔ یعنی یہ قاعدة قرار دیا کہ جس لوہنڈی سے اولاد ہو جائے وہ خردی اور پیشی نہیں جاسکتی جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ لوہنڈی نہیں رہتی۔ یہ قاعدة خاص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایجاد ہے۔ ان سے پہلے اس قسم کی لوہنڈیوں کی برابر خریدو فروخت ہوتی تھی۔ چنانچہ مژار خیں اور محدثین نے جہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اولیات لکھے ہیں اس قاعدے کو بھی لکھا ہے۔ غلاموں کی آزادی کا ایک اور طریقہ تھا۔ جس کو مکاتبہ کہتے ہیں یعنی غلام ایک معابدہ لکھ دے کہ میں اتنی مدت میں اس قدر رقم ادا کروں گا جب وہ زرعینہ ادا کر دیتا ہے تو وہ بالکل آزاد ہو جاتا ہے۔ یہ قاعدة خود قرآن میں موجود ہے لکھا تبوہم ان علمتم فیہم خمراً لیکن فقراء اس حکم کو وجوبی نہیں قرار دیتے۔ یعنی آقا کو اختیار ہے کہ معابدے کو قبول کرے یا نہ کرے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو وجوبی قرار دیا۔ صحیح بخاری کتاب المکاتب میں

ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام سیرین نے مکاتبت کی درخواست کی۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کیا۔ سیرین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر حاضر ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو ترے لگائے اور مذکورہ بلا آئیت سند میں پیش کی۔ آخر انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مجبور آمانا پڑا۔

کتنا ضور ہے عام طور پر بیشور ہے کہ جب فارس فتح ہوا تو یونگرو شہنشاہ فارس کی بیٹیاں گرفتار ہو کر مدینہ میں آئیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عام لوگوں کی طرح بازار میں ان کے بیچنے کا حکم دیا لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع کیا کہ خاندان شاہی کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہیں۔ ان لوگوں کی قیمت کا اندازہ کرایا جائے۔ پھر یہ لوگوں کسی کے اہتمام اور سپردگی میں دی جائیں، اور اس کے انکی قیمت اعلیٰ سے اعلیٰ شرح پر لی جائے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خوان کو اپنے اہتمام میں لیا اور ایک این کو ایک محمد بن ابی بکر کو، ایک عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت کی۔ اس غلط قصہ کی حقیقت یہ ہے کہ زمخشیری نے جس کوفن تاریخ سے کچھ واسطہ نہیں ہے ربیع الاول ابرار میں اس کو لکھا اور ابن خلکان کے امام زین العابدین کے حال میں یہ روایت اس کے حوالہ سے نقل کر دی لیکن یہ محض غلط ہے اولاً تو زمخشیری کے سوا طبری ابن الاشیر، یعقوبی، باذری، ابن قتبہ وغیرہ کی اس واقعہ کو نہیں لکھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمد میں یونگرو اور خاندان شاہی پر مسلمانوں کو مطلق قابو نہیں ہوا۔ ماہین کے معرکے میں یونگرو مع تمام اہل و عیال کے دارالسلطنت سے نکلا اور حلوان پنجا جب مسلمان حلوان پر بڑھے تو اصفہان بھاگ گیا اور پھر کران وغیرہ میں پھرتا ہا۔ مویں پنج کرسنہ مسہر بھری میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ ہے مارا گیا۔ اس کی آل اولاد اگر گرفتار ہوئے ہوئے تو اسی وقت گرفتار ہوئے ہوں گے مجھ کو شبہ ہے کہ زمخشیری کو یہ بھی معلوم تھا یا نہیں کہ یونگرو کا قتل کس عمد میں واقع ہوا۔

اس کے علاوہ جس وقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اس وقت حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر ۴۰ برس تھی۔ کیونکہ جانب مموج بھرت کے پانچویں سال کے بعد پیدا ہوئے اور فارس سن ۷۳ھ بھری میں فتح ہوا۔ اس لئے یہ امر بھی کسی قدر مستبعد ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی نتابتی میں ان پر اس قسم کی عنایت کی ہوگی۔

اس کے علاوہ ایک شہنشاہ کی اولاد کی قیمت نہایت گراس قرار پائی ہوگی اور حضرت علی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی بس رکرتے تھے غرضیکہ کسی حیثیت سے اس واقعہ کی صحت پر گمان نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخ میں اس قسم کا واقعہ جو مسلم طور پر ثابت ہے اس میں وہی بر تاؤ کیا گیا۔ جو تندہ بہ و انسان کا مقتضاناً تھا اور جو آج بھی تمام مذب ملکوں میں جاری ہے عمرو بن العاص نے جب مصر پر چڑھائی کی تو اول بلیس پر حملہ ہوا سخت لڑائی کے بعد مسلمانوں کو فتح ہوئی اور تین ہزار عیسائی گرفتار ہوئے اتفاق سے موقوس یاد شاہ مصر کی بیٹی جس کا نام اس انوسہ تھا یہیں مقیم تھی وہ بھی گرفتار ہوئی۔

### شاہی خاندان کے اسیران جنگ کے ساتھ بر تاؤ

عمرو بن العاص نے اس کو نہایت عزت و حرمت سے موقوس کے پاس بھیج دیا اور مزید احتیاط کے لئے اپنے ایک سردار کو جس کا نام قیس بن الیخا تھا کہ حفاظت کے ساتھ پہنچا آئے۔ (مقرری جلد اول صفحہ ۱۷۷)

### عام غلاموں کے ساتھ مراعات

یہ توهہ کارنے سے تھے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلامی روکنے کے لئے کیا ہے لیکن جو لوگ غلام بنا لئے گئے تھے ان کے حق میں وہ مراعاتیں قائم کیں کہ غلامی ہمسری کے درجے تک پہنچ گئی۔ فوجی انتظامات کے بیان میں تم نے پڑھا ہو گا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدروغیوں کے مجاہدین کی جب تنخواہیں مقرر کیں تو ان کے غلاموں کی بھی انہی کے برابر تنخواہ مقرر کی۔ بعد کی تمام کانوں ایسوں میں بھی انہوں نے یہ اصول ملاحظہ رکھا۔ اضلاع کے جو عمل تھے ان کی نسبت وہ اور باتوں کے ساتھ ہمیشہ یہ بھی دریافت کرتے رہتے تھے کہ غلاموں کے ساتھ ان کا بر تاؤ کیا ہے۔ چنانچہ اگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ غلاموں کی عیادت کو نہیں جانتے تو صرف اسی جرم پر ان کو معزول و موقوف کر دیتے تھے۔ (طبی صفحہ ۲۷۷)

اکثر غلاموں کو بلا کر ساتھ کھانا کھلایا کرتے تھے اور حاضرین کو سنائی کرتے تھے کہ خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے سے عار ہے۔ سردار ان فوج کو لکھ بھیجا کہ تمہارا کوئی غلام کسی قوم کو امان دے تو وہ امان تمام مسلمانوں کی طرف سے سمجھی جائے گی۔ اور فوج کو اس کا پابند ہونا ہو گا۔ چنانچہ ایک سردار کو یہ الفاظ لکھے۔ ان عبد المسلمين من المسلمين و فمتهمن ذمتهم بجوز امانه۔ (کتاب الخراج صفحہ ۳۶۴)

## غلاموں کو اپنے عزیزو اقارب سے جدا نہ کیا جانا

غلاموں کے لئے بھی تکلیف کی بات یہ تھی کہ وہ اپنے عزیزو اقارب سے جدا ہوتے تھے بیٹا باپ سے چھٹ جاتا تھا۔ بیٹا مال سے پھر جاتی تھی، آج جو لوگ غلامی کی برائیوں پر مظاہر لکھتے ہیں اور اسی واقعہ کو دروازگیز صورت میں دکھاتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ کوئی غلام اپنے عزیزو اقارب سے جدا نہ ہونے پائے یعنی یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ بیٹا کسی کے ہاتھ آئے اور باپ کسی اور کی غلامی میں رہے باپ، بیٹے بھائی، بیٹا، بیٹیاں بھتی تھیں تو ساتھ بکتیں تھیں۔ اور جن کی غلامی میں رہتی تھیں ساتھ رہتی تھیں۔ اس باب میں ان کے جواہر کام ہیں ان کو کنز العمال میں مستدرک حاکم تیہقی مصنف بن الی شیبہ وغیرہ کے حوالے سے نقل کیا ہے اور وہ یہ ہیں۔

لَا يُفْرِقُ بَيْنَ الْخَوَنِ إِذَا يَحَا لَا يُفْرِقُ قَوَافِنَ الْأَمْ وَ لَدَهَا لَا يُفْرِقُ  
بَيْنَ السَّبَابِيَا وَ أَوْلَادِهِنَّ۔

”یعنی جب دو بھائی بیچے جائیں تو ایک دوسرے سے جدا نہ بیچا جائے یعنی بچہ مال سے الگ نہ کیا جائے یعنی لوڈی غلام جو گرفتار ہو کر آئیں تو بچہ مال سے علیحدہ نہ کئے جائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس باب میں تمام مهاجرین اور انصار کو جمع کر کے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا۔ وَ تَقْطَعُوا الرَّاحِمَكُمْ اور کہا کہ اس سے بڑھ کر قطع رحم کیا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ حاکم اور بیہقی نے نقل کیا ہے۔ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۳۳)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلط ابن اسود ایک افسر کو شام کی مہماں پر بھیجا اور ان کے بیٹے شریعت کو کوفہ میں کسی کام پر مأمور کیا تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کی کہ آپ جب غلام کو اپنے عزیزوں سے جدا نہیں ہونے دیتے تو مجھ کو کیوں بیٹے سے دور پھینک دیا ہے۔ (فتح البدان صفحہ ۸۷)

## غلاموں میں اہل مکال

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلاموں کا جو رتبہ قائم کیا اور عرب کو جو نمونے

وکھلائے اس کا یہ اثر ہوا کہ غلاموں کے گروہ میں بڑے بڑے صاحب کمال لوگ پیدا ہو گئے جن کی تمام ملک عزت و تقویٰ کرتا تھا۔ عکرمه جو آگہ حدیث میں شمار کئے جاتے تھے اور جن کو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتویٰ کی اجزت دی تھی۔ نافع جو امام مالک کے استاد تھے اور جن کی روایت کے سلسلے کو محدثین سلسلۃ الذہب یعنی سونے کی زنجیر سے تعبیر کرتے ہیں، یہ دونوں بزرگ غلام تھے اور اسی عمد کے ترتیب یافتہ تھے۔

علامہ ابن خلکان نے حضرت امام زین العابدین کے حال میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں لوگ کنیزوں اور کنیززادیوں کو حقیر سمجھتے تھے لیکن جب قاسم (حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے) اور سالم (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے) اور امام زین العابدین سن رشد کو پہنچے اور علم و فضل میں تمام مدینہ والوں سے بڑھ گئے تو خیالات بدل گئے اور لوندی غلاموں کی قدر بڑھ گئی۔ لیکن ہمارے نزدیک اس قبول اور عزت کا اصل سبب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریق عمل تھا بے شبہ قاسم و سالم (امام زین العابدین کا نام اس سلسلے میں لینا بے ادبی خیال کرتا ہوں) کے فضل و کمال نے اس مسئلے پر اثر کیا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امہات اولاد کا وہ رتبہ قائم نہ کیا ہوتا تو ان بزرگوں کو فضل و کمال حاصل کرنے کا موقع کیوں نکرنا تھا۔ آتا۔

ان سب باتوں کے ساتھ اس موقع پر یہ بتائیا ضرور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یکوئی نیا مسئلہ نہیں ایجاد کیا تھا۔ اور نہ خدا نخواستہ ان کو یہ حق تھا۔ غلامی کا گھٹانا اور غلاموں کے ساتھ مساویانہ برداشت کرنا خود پیغمبر اسلام کا مقصد تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ کیا وہ اسی مقصد کی تعمیل تھی۔ امام بخاری نے کتاب المفرد میں غلاموں کے متعلق آخر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو افعال اور اقوال لکھے ہیں ان سے اس وعوی کی کافی تصدیق ہوتی ہے۔

## سیاست و تدبیر، عدل و انصاف

عام سلاطین اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق سیاست میں فرق

خلافت فاروق بسیط عالم میں کہاں سے کہاں تک پھیلی ہے اور کس قدر مختلف ملک، مختلف مذاہب، مختلف قومیں، اس کے دائرے میں داخل ہیں۔ لیکن اس سرے سے اس

سرے تک ہر طرف امن و امان اور سکون و اطمینان چھایا ہوا ہے۔ دنیا میں اور بھی لیے صاحب جاہ و جلال گزرے ہیں جن کی حکومت میں کوئی شخص سر نہیں اٹھا سکتا تھا۔ لیکن ان کو یہ بات اس سیاست کی بدولت حاصل ہوئی تھی جس کے اصول یہ تھے کہ بغاوت کے ذرا سے احتکال پر دفعتاً انصاف کا قانون بالکل اللٹ دیا جائے ایک شخص کے جرم میں تمام خاندان پکڑا جائے واقعات کے ثبوت میں لیقین کے بجائے صرف قیاس سے کام لیا جائے وحشیانہ سزا میں دی جائیں آبادیاں جلا کر بریاد کروی جائیں۔ یہ اصول قدم زمانے تک محدود رہے تھے۔

اب بھے یورپ کو باوجود اس تمدن و تہذیب کے انہی قاعدوں سے کام لینا پڑتا ہے۔

لیکن خلافت فاروقی میں کبھی بال بر ایر انصاف سے تجاوز نہیں ہو سکتا۔ عربوس والوں نے بار بار عمد شکنی کی تو ان کو جلاوطن کیا لیکن اس طرح کہ ان کی جائیداد، مال و اسباب کی مفصل فہرست تیار کر کے ایک ایک چیز کی دو گنی قیمت ادا کروی۔ مجرمان کے عیسائیوں نے خود مختاری اور سرکشی کی تیاریاں کیں۔ اور ۲۰۰ ہزار آدمی بھم پہنچائے تو ان کو عرب سے نکال کر دوسرے ممالک میں آباد کرایا۔ مگر اس رعایت کے ساتھ کہ انکی جائیداد وغیرہ کی قیمت دے دی۔

اور عاملوں کو لکھ بھیجا کہ راہ میں جد ہران کا گذر ہوان کے آرام کے سامان بھم پہنچائے جائیں اور جب یہ کہیں مستقل قیام کر لیں تو چوبیں مینے تک ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔

(ان واقعات کو ہم زمیوں کے حقوق کے بیان میں اوپر لکھ آئے ہیں۔ اور وہاں کتابوں کا حوالہ بھی دیا ہے)

### حضرت عمر بن الخطابؓ کی مشکلات

شاید تم کو یاد ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایسی رعایا ہاتھ آئی تھی جس میں زیادہ تر اطاعت و انقیاد کا مادہ تھا۔ اور اس لئے ان کو جابرانہ سیاست کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوچ پوچھو تو درحقیقت دونوں طرح کی مشکلات کا سامنا تھا غیر قویں جو حلقة اطاعت میں آئی تھیں۔ پارسی یا عیسائی تھیں جو مدت تک شاہنشاہی کے لقب سے متاز رہی تھیں۔ اس لئے ان کو رعیت بننا مشکل سے گوارہ ہو سکتا تھا۔ اندر یونی حالت یہ تھی کہ عرب میں بہت سے صاحب ادعا موجود تھے جو حضرت عمر رضیؓ کی خلافت کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مثلاً ایک مؤلفۃ القلوب کا گروہ

تحا۔ جن کا قول تھا کہ خلافت بنوہاشم یا بنو ارمیہ کا حق ہے اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی میں سے نہیں۔ عمرو بن العاص جو مصر کے گورنر تھے ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اخراج کے معاملے میں بگ پکڑا تو انہوں نے نہایت حرست سے کماکہ خدا کی قدرت ہے! جامیت میں میرا باپ جب کنوب کی قبانیب تن کرتا تھا تو خطاب (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد) سر پر لکڑی کا گشحالادے پھرتے تھے آج اسی خطاب کا بیٹا مجھ پر حکومت جتارہا ہے، بنوہاشم ہمیشہ استحقاب کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ ان کے ہوتے ہوئے تیسی اور عدوی خلافت پر کیونکر قبضہ کر بیٹھے ہیں۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نامے میں علامیہ نقش خلافت کے مشورے ہوتے رہے چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ازالت الحفاء میں لکھتے ہیں کہ ”زیر و جمعہ از بنوہاشم در خانہ حضرت فاطمہ جمع شده در باب نقش خلافت مشورہ بالکار می بروند“۔

(ازالت الحفاء حصہ دوم صفحہ ۲۹)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سطوت نے بنوہاشم کے ادعا کو اگرچہ دبایا لیکن بالکل مست کیونکر سکتی تھی، اس کے علاوہ عرب کا فطری مذاق آزادی اور خود سری تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ کبھی کسی فرمانروائی حکومت کے نیچے نہیں آئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر امیر معاویہ کی طرح اس آزادی اور خود سری کو مٹا کر حکومت کا رعب و داب قائم رکھے تو چند اس قابل تعجب نہ تھا۔ لیکن وہ عرب کے اس جوہر کو کسی طرح مٹانا نہیں چاہتے تھے بلکہ اور چکاتے تھے بارہا مجامع عام میں لوگ ان پر نہایت آزادانہ بلکہ گستاخانہ نکتہ چینیاں کرتے تھے اور وہ گوا رکرتے تھے شام کے سفر میں جب انہوں نے مجمع عام میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معزولی کی وجہ اور اپنی برأت بیان کی تو ایک شخص نے وہیں اٹھ کر کہا۔

(اسد الغائب تذکرہ احمد بن حسن المخروی)

وَاللَّهُ مَا عَدْلَتْ يَا عُمَرْ! لَقَدْ نَزَعْتْ عَامِلًاً أَسْتَعْمِلْهُ، رَسُولُ اللَّهِ  
وَخَمْدَتْ سَيْفَاهُسْلَهُ، رَسُولُ اللَّهِ، وَلَقَدْ قُطِعَتْ الرَّحْمُ وَحَسْدَتْ أَبْنَى

الاعم۔

”یعنی اے عمر! خدا کی قسم تو نے انصاف نہیں کیا۔ تو نے رسول اللہ کے عامل کو موقوف کر دیا۔ تو نے رسول کی کھینچی ہوئی تلوار کو نیام میں ڈال دیا۔ تو نے قطع رحم کیا تو نے اپنے پچیرے بھائی سے حد کیا۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سب سن کر کماکہ تم کو اپنے بھائی کی حمایت میں

ان حالات کے ساتھ یہ رعب و اب تھا کہ حضرت خالد کو عین اس وقت جب تمام عراق و شام میں لوگ ان کا کلمہ پڑھنے لگے تھے معزول کروتا تو کسی نے دم نہ مارا اور خود حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی قسم کا خیال دل میں نہ لاسکے امیر معاویہ و عمرو بن العاص کی شان و شوکت محتاج بیان نہیں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے ان کو لرزہ آتا تھا۔ عمرو بن العاص کے بیٹے عبد اللہ نے ایک شخص کو یوجہ مارا تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو بن العاص کے سامنے ان کو اسی مصنوب کے ہاتھ سے کوڑے لگوائے اور باپ بیٹے دونوں عبرت کا تماثہ دیکھا کر سعد و قاص کو فاتح ایران کی معمولی شکایت پر جواب دی۔ میں طلب کیا تو ان کو بے عذر حاضر ہوتا پڑا۔

ان واقعات سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سیاست و تدبیر کے فن میں جو کمال حاصل تھا۔ کسی بدیر اور فرمانرواء کے حالات میں اس کی نظر نہیں مل سکتی اُنکی حکومت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی آئین حکومت میں شاد و گدا، شریف و ذیل، عزیز و بیگانہ سب کا ایک رتبہ تھا۔

### حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت کی خصوصیتیں

جبکہ بن الائیم غسانی، شام کا مشہور رئیس بلکہ بادشاہ تھا اور مسلمان ہو گیا۔ کعبہ کے طواف میں اس کی چادر کا گوشہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آگیا۔ جبلہ نے اس کے منہ پر تھپر کھینچ مارا۔ اس نے بھی برا بر جواب دیا۔ جبلہ غصے سے بیتاب ہو گیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی شکایت سن کر کہا ”تم نے جو کچھ کیا اس کی سزا پائی“ اس کو سخت حیرت ہوئی اور کہا کہ ”ہم اس رتبہ کے لوگ ہیں کہ کوئی ہمارے آگے گستاخی سے پیش ہو تو قتل کا مستحق ہوتا ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”جالیت میں ایسا ہی تھا۔ لیکن اسلام نے پست و یاند کو ایک کر دیا“ اس نے کہا کہ ”اگر اسلام ایسا مدد ہب ہے جس میں شریف و ذیل کی کچھ تیز نہیں تو میں اسلام سے باز آتا ہوں۔ غرض وہ چھپ کر قسطنطینیہ چلا گیا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی خاطر سے قانون انصاف کو بدلنا نہیں چاہا۔

ایک دفعہ ملک کے عدید اربوں کوچ کے ننانے میں طلب کیا اور مجعع عام میں کھڑے

ہو کر کہا کہ جس کسی کو ان لوگوں سے شکایت ہو پیش کرے اس مجمع میں عمرو بن العاص گورنر مصراور بڑے بڑے رتبہ کے حکام اور عمال موجود تھے ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ فلاں عامل نے بے وجہ مجھ کو سودہے مارے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اٹھ اور اپنا بدله لے عمرو بن العاص نے کہا امیر المؤمنین اس طریق عمل سے تمام عمال بے دل ہو جائیں گے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”تاہم ایسا ضرور ہو گا“ یہ کہہ کر پھر مستغیث کی طرف متوجہ ہوئے کہ ”اپنا کام کر“ آخر عمرو بن العاص نے مستغیث کو اس بات پر راضی کیا کہ وہ دوسو دنار لے اور اپنا دعویٰ سے باز آئے

ایک دفعہ سرداران قریش ان کی ملاقات کو آئے اتفاق سے صیب، بلاں، عمار وغیرہ بھی موجود تھے جن میں اکثر آزاد شدہ غلام تھے اور دنیاوی حیثیت سے معمولی درجہ کے لوگ بھیجھے جاتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اول انہی لوگوں کو بلایا اور سرداران قریش باہر بیٹھے رہے ابوسفیان جونانہ جاہلیت میں تمام قریش کے سردار رہے تھے ان کو یہ امر سخت ناگوار گذرا اور ساتھیوں سے خطاب کر کے کہا کہ ”کیا خدا کی قدرت ہے۔ غلاموں کو دباؤ میں جانے کی اجازت ملتی ہے اور ہم لوگ باہر بیٹھے انتظار کر رہے ہیں ابوسفیان کی یہ حرمت اگرچہ ان کے اقران کے مذاق کے مناسب تھی تاہم ان میں کچھ حق شناس بھی تھے ایک نے کہا ”بھائیوں یہ ہے کہ ہم کو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شیں بلکہ اپنی شکایت کرنی چاہئے اسلام نے سب کو ایک آواز سے بلایا۔ لیکن جو اپنی شامت سے پیچھے پیچھے وہ آج بھی پیچھے رہنے کے سختی ہیں۔ (اتاب الخراج صفحہ ۲۶)

قادییہ کے بعد جب تمام قبائل عرب اور محلہ کی تنخواہیں مقرر کیں تو بڑے ریکٹ و منافرت کا موقع پیش آیا۔ سرداران قریش اور معزز قبائل کے لوگ جو ہر موقع پر اقتیاز کے خونگر تھے بڑے دعوے کے ساتھ منتظر ہے کہ تنخواہ کے تقریں حفظ مراتب کا خیال کیا جائے گا۔ اور فرست میں ان کے نام سب سے پہلے نظر آئیں گے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے تمام خیالات غلط کر دیئے، انہوں نے دولت و جاہ، نور قوت، ناموری و شہرت اعزاز و اقتیاز کی تمام خصوصیتوں کو مٹا کر صرف اسلامی خصوصیت قائم کی اور اسی اعتبار سے تنخواہ کم و بیش مقرر کیں، جو لوگ اول اسلام لائے تھے یا جہاد میں کارہائے تمایاں کئے تھے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خصوصیت رکھتے تھے ان کو غیروں پر ترجیح دی جوان خصوصیتوں میں برابر رہتے۔ ان کی تنخواہیں برابر مقرر کیں۔ یہاں تک کہ غلام اور آقا

میں کچھ فرق نہ رکھا۔ حالانکہ عرب میں غلام سے بڑھ کر کوئی گروہ خوار و ذلیل نہ تھا۔ اسی موقع پر اسامہ بن زید کی تنخواہ جب اپنے بیٹے سے زیادہ مقرر کی تو انہوں نے عذر کیا کہ واللہ اسامہ کسی موقع پر مجھ سے آگے نہیں رہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں! لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اسامہ کو مجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

اہل عرب کا شعار تھا کہ لا رائیوں میں فخر ہے اپنے اپنے قبیلہ کی جی پکارتے تھے اس فخر کو مٹانے کے لئے تمام فوجی افسروں کو لکھ بھیجا کر جو لوگ ایسا کریں ان کو سخت سزا دی جائے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے جو نبہ کے قبیلہ سے تھا لڑائی میں آیا آل نبہ کا فرعون گایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ہوئی تو سال بھر کے لئے اس کی تنخواہ بند کر دی۔ اس قسم کے اور بہت سے واقعات تاریخوں میں ملتے ہیں۔ (فتح البلدان صفحہ ۲۵۱)

### اصول مساوات

اسی اصول مساوات کی بنا پر وہ کسی شخص کے لئے کسی قسم کا انتیاز پسند نہیں کرتے تھے۔ عمرو بن العاص نے مصر کی جامع مسجد میں منبر بنا�ا تو لکھ بھیجا کر کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اور مسلمان نیچے بیٹھے ہوں اور تم اپر بیٹھو۔ عمال کو ہیشہ تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے کہ کسی طرح کی انتیاز اور نمود انتیار نہ کریں۔

ایک دفعہ الی بن کعب سے کچھ نزاع ہوئی۔ زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ پیش ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس گئے تو انہوں نے تنظیم کے لئے جگہ خالی کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ یہ پہلی نافصانی ہے جو تم نے اس مقدمہ میں کی۔ ”یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔ یہی بھید تھا کہ طرز معاشرت نہایت سادہ اور غریبانہ رکھی تھی۔ سفر و حضر میں جلوٹ و خلوٹ میں مکان اور بازار میں کوئی شخص ان کو کسی علامت سے پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ خلیفہ وقت ہیں۔ قیصر و کسری کے ایچی مسجد نبوی میں آگ روشنی ڈالتے تھے کہ شاہنشاہ اسلام کماں ہیں۔ حالانکہ شاہنشاہ وہیں پیوند لگے کہڑے پہنے کسی گوشے میں بیٹھا ہوتا تھا۔ ان کے عمال ان کو اسی برابر کے القاب سے خط لکھتے جس طرح وہ عمال کو لکھا کرتے تھے۔

اس اصول انصاف سے اگرچہ خاص خاص آدمی جن کی ادعائی شان کو صدمہ پہنچتا تھا۔ دل میں مکدر ہوتے تھے لیکن چونکہ یہ عرب کا اصلی مذاق تھا۔ اس لئے عام ملک پر اس

کا نہایت عمدہ اثر ہوا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں تمام عرب گرویدہ ہو گیا۔ خواص میں بھی جو حق شناس تھے وہ روز بروز معرفت ہوتے گئے۔ اور جو بالکل خود پرست تھے وہ بھی میلان عام کے مقابلے میں اپنی خود رائی کے اظہار کی جرأۃ نہ کر سکے۔

اس اصول کے عمل میں لانے سے بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قبائل عرب میں جوانی بیووہ مفاخر کی بناء پر آپس میں لڑتے رہتے تھے اور جس کی وجہ سے عرب کا سارا خطہ ایک میدان کا رزار بن گیا تھا۔ ان کی باہمی رقبات اور مفاخرت کا زور بالکل گھٹ گیا۔

### امیر المؤمنین کا لقب کیوں اختیار کیا

اس موقع پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصول مساوات کے ساتھ اپنے لئے امیر المؤمنین کا پُر فخر لقب کیوں ایجاد کیا۔ اصل یہ ہے کہ زمانے تک یہ لقب کوئی فخر کی بات نہیں سمجھی جاتی تھی۔ بلکہ اس سے صرف عمدہ اور خدمت کا اظہار ہوتا تھا۔ افسران فوج عموماً امیر کے نام سے پکارے جانتے تھے کفار عرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امیر مکہ کہا کرتے تھے۔ سعد بن وقاص کو عراق میں لوگوں نے امیر المؤمنین کہنا شروع کر دیا تھا۔ (مقدمہ ابن خلدون فصل فی اللقب بامیر المؤمنین)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لقب کا خیال تک نہ تھا اس کی ابتدائیوں ہوئی کہ ایک وفعہ لبید بن ربيعہ اور عدی بن حاتم مدینہ میں آئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ قaudہ کے موافق اطلاع کرائی اور پہنچ کو فہریں رہ کر امیر المؤمنین کا لفظ ان کی زبان پر چڑھا ہوا تھا اطلاع کرتے وقت یہ کہا کہ امیر المؤمنین کو ہمارے آنے کی اطلاع کر دو۔ عمروں العاص نے اطلاع کی اور یہی خطاب استعمال کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خطاب کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے کیفیت واقعہ بیان کی۔ اس لقب کو پسند کیا اور اسی تاریخ سے اس کو شہرت عام ہو گئی۔ اس موقع پر ممکن ہے کہ ایک کوتاہ نظر کو یہ خیال ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت سے اگر کسی قسم کا جادہ و اعزاز مقصودہ نہ تھا تو انہوں نے خلافت اختیار کیوں کی؟ بے غرضی کا یہ اقتضا تھا کہ وہ اس خوان نعمت کو ہاتھ ہی نہ لگاتے لیکن یہ خیال مخفی عامیانہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے شبہ خلافت سے ہاتھ اٹھاتے لیکن دوسرا کون شخص تھا جو اس کو سنبھال لیتا؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قطعی طور سے جانتے تھے کہ یہ بارگراں ان کے سوا کسی سے اٹھ نہیں سکتا! کیا ایسے وقت میں

ان کی راست بازی کا یہ تقاضہ تھا کہ وہ دیدہ و انسنة لوگوں کی بدگمانی کے خیال سے خلافت سے دستبردار ہو جاتے اگر وہ ایسا کرتے تو خدا کو کیا جواب دیتے؟ انہوں نے اسی دن خطبہ میں کہہ دیا تھا کہ۔

لولا رجائي ان اکون خيركم لكم واقواكم عليكم واشدكم  
اطلاعًا بما ينوب من مهم امركم ماتوليت ذلك منكم۔

”یعنی اگر مجھ کو یہ امید نہ ہوتی کہ میں تم لوگوں کے لئے سب سے زیادہ کار آمد سب سے زیادہ قوی اور مهمات امور کے لئے سب سے زیادہ قوی بانو ہوں تو میں اس منصب کو قبول نہ کرتا۔“

اس سے زیادہ صاف وہ الفاظ ہیں جو امام محمد نے موظا میں روایت کئے ہیں۔

اوعلمت ان احداً القوى على هذا الامر مني لكان ان اقدم  
في ضرب عنقى اهون على۔ (کتاب نذکور مطوع مصطفائی صفحہ ۴۲۲)

”یعنی اگر میں جانتا کہ کوئی شخص اس کام (خلافت) کے لئے مجھ سے زیادہ قوت رکھتا ہے تو خلافت قبول کرنے پر نسبت میرے نزدیک زیادہ آسان تھا کہ میری گردان ماروی جائے۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان الفاظ پر غور کرو اور دیکھو کہ اس کا ایک حرف بھی صحیح اور وا قعیت سے ہٹا ہوا ہے؟

## سیاست

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیاست کے اصول سے خوب واقف تھے، اور یہ وہ خصوصیت ہے جس میں وہ دیگر تمام صحابہ سے علائیہ ممتاز ہیں جو ممالک و ائمہ خلافت میں داخل تھے ان کی اصلی تین تقسیمیں تھیں۔ عرب، ایران، شام و مصر اس لے ہر ایک کی حالت کے مناسب الگ الگ تدبیریں اختیار کیں۔ عراق و ایران میں چونکہ مدت سے مریبان اور دریقان چلے آتے تھے اور اسلام کی فتح کے بعد بھی ان کا نوزرا اور اقتدار قائم تھا۔ اس لئے ان کی پولیٹیکل تنخواہیں مقرر کر دیں جس سے وہ بالکل رام ہو گئے۔ چنانچہ رؤسائے عراق میں ابن التحیر جان، سطام بن نری، رفیل، خالد، جیل کے معقول روزی نے مقرر کر دیئے۔ شام اور مصر میں رومیوں نے اصلی باشندوں کو صاحب جائیداد نہیں چھوڑا تھا۔ اس لئے ان کی طرف

سے چند اس اندیشہ نہ تھا۔ وہ رومی حکومت کی بجائے ایک عادل اور منصف گورنمنٹ چاہتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ وہ مراعاتیں کیں کہ انہوں نے بارہا کہا کہ ہم کو مسلمان رو میوں کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہیں۔ غیر قوموں کے ساتھ اگرچہ ان کا برتاو عموماً نہایت فیاضانہ تھا۔ چنانچہ اس کی بحث ذمیوں کے حقوق میں گذر چکی۔ لیکن زیادہ شخص سے معلوم ہوتا ہے کہ شام و مصر کی رعایا پر خاص توجہ مبنیوں تھی۔

مصر میں موقق مصرا کا باشندہ اور رومیوں کی طرف سے نائب حکومت تھا۔ اس کے ساتھ شروع سے ایسے برتاو کئے کہ وہ ناخپیدہ غلام بن گیا اور اس کی وجہ سے تمام مصری رعایا مل سے حلقہ بگوش اطاعت ہو گئی، ان باتوں پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ جنکی مقامات پر عرب کے خاندان آباد کر دیئے اور فوجی چھوٹیاں قائم کر دیں جن کی وجہ سے سینکڑوں میل تک اڑ پہنچا اور کسی بغاوت کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ کوفہ و بصرہ جو عرب کی طاقت کا مرکز بن گیا تھا۔ خاص اسی غرض سے آباد کرایا گیا تھا۔ شام اور مصر میں تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں اسی ضرورت سے قائم کی گئی تھیں۔

خاص عرب میں ان کو مختلف پولٹیکل، تمیبوں سے کام لینا پڑا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے بالکل نکال دیا۔ بڑے بڑے ملکی افسروں کو ہمیشہ بدلتے رہتے تھے چنانچہ عمرو بن العاص کے سوا کوئی ایسا گورنر مقرر نہیں ہوا جو مختلف صوبجات میں بدلتا ہے۔ ملکی افسروں میں سے جس کی نسبت زیادہ نور پا جانے کا خیال ہوتا تھا۔ اس کو علیحدہ کر دیتے تھے جو لوگ زیادہ صاحب اثر تھے ان کو اکثر دارالخلافہ سے باہر نہیں جانے دیتے تھے۔ چنانچہ ایک وفہ ان لوگوں نے جہاد پر جانے کی اجازت طلب کی تو فرمایا کہ ”آپ لوگ دولت بست جمع کر چکے ہیں، پھر فرمایا لا تخر جوا فتسلا ول ایمنا و شما لا“ (تاریخ یعقوبی صفحہ ۷۸) ایک وفہ عبد الرحمن بن عوف نے پوچھا کہ ”آپ ہم لوگوں کو باہر جانے سے کیوں روکتے ہیں؟“ فرمایا کہ اس کا جواب نہ دنا جواب دینے سے بہتر ہے (تاریخ یعقوبی صفحہ ۷۸) اپنے قبیلے کے لوگوں کو کبھی ملکی عمدے نہیں دیئے صرف نعمان بن عدی کو ضلع کا حاکم کیا تھا پھر ایک معقول وجہ سے موقوف کر دیا۔ بنوہاشم کو بھی ملکی عمدے نہیں دیئے اور اس میں زیادہ تریکی مصلحت ملحوظ تھی۔

اس وقت تمام عرب میں تین شخص تھے جو مشورہ در اور صاحب ادعا تھے۔ امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیثہ بن شعبہ۔ چونکہ مہمات ملکی کے انجام دینے کے لئے ان لوگوں سے بڑھ کر تمام عرب میں کوئی شخص ہاتھ نہیں آسکتا تھا۔ اس لئے سب کو بڑے بڑے عمدے دیئے گئے لیکن یہیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے اور اس کی تدبیر کرتے رہتے تھے کہ وہ قابو سے باہر نہ ہونے پائے۔ ان کی وفات کے بعد کوئی ایسا شخص نہ رہا جو ان کو دیا سکتا چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو ہنگامے برپا ہوا کئے سب انہی لوگوں کی بدولت تھے۔

سیاست اور پالیٹکس حکومت اور سلطنت کا لازمہ ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس باب میں تمام دنیا پر جو اقتیاز حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اور بادشاہوں نے پالیٹکس کی ضرورت سے جو جو کام کئے ان کا نام واقعی خدع، مکر، فریب، ظاہرداری اور فناق تھا۔ بادشاہوں پر موقوف نہیں ہوتے بڑے رفارہ اس شائبہ سے خالی نہیں ہوتے تھے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کسی کارروائی پر فریب اور حکمت عملی کا نقاب نہیں ہوتا تھا۔ وہ جو کچھ کرتے تھے علانیہ کرتے تھے اور لوگوں کو صاف صاف اس کی مصلحت سے واقف کر دیتے تھے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معزول کیا تو تمام اضلاع میں فرمان بیجھ دیا کہ۔

انی لم اعزل خالدًا عن سخطته ولا خيانة ولكن الناس فتنوا به  
فخفت ان يوكلوا اليه۔

”یعنی میں نے خالد کو ناراضی یا خیانت کے جرم میں نہیں موقوف کیا بلکہ اس وجہ سے کہ لوگ ان کی طرف زیادہ مائل ہوتے جاتے تھے اس لئے میں ڈر آکہ ان پر بھروسہ نہ کر لیں۔“

شیعی کی معزولی کے وقت بھی ایسے ہی خیالات ظاہر کئے اور فرمایا۔

لَمْ أَعْزِلْهُمَا عَنْ رِبِّيْتَهُولَكِنَ النَّاسُ عَظِمُوهُمَا فَخَشِّيَتْانِيْوَكَلَوَ  
الْهَمَّا۔ (طبری صفحہ ۲۵۸)

بنوہاشم کو جس وجہ سے ملکی خدمتیں نہیں دیں حضرت عبد اللہ بن عباس سے صاف اس کی وجہ بیان کرو۔ چنانچہ ایک دوسرے مناسب موقع پر اس کی تفصیل آئے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حسن سیاست کا ایک بڑا کارنامہ اور ان کی کامیابی کا بت بڑا سبب یہ ہے کہ انہوں نے حکومت و انتظام کی کل میں نہایت موزوں پرزاے استعمال کئے تھے۔

## عمرہ دار ان سلطنت کا عمرہ انتخاب

یہ عموماً مسلم ہے کہ جو ہر شناسی کی صفت، ان میں سب سے بڑھ کر تھی۔ اس ذریعہ سے انہوں نے تمام عرب کے قابل آدمیوں اور ان کی مختلف قابلیتوں سے واقفیت پیدا کی تھی اور انہی قابلیتوں کے لحاظ سے ان کو مناسب عہدے دیئے تھے سیاست و انتظام کے فن میں تمام عرب میں چار شخص اپنی نظر نہیں رکھتے تھے۔ امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مخیو بن شعبہ، زیاد بن سمیہ چنانچہ ان سب کو بڑی بڑی ملکی خدمتیں پردازیں، اور درحقیقت ان لوگوں کے سوا شام و کوفہ و مصر پر اور کوئی شخص قابو نہیں رکھ سکتا تھا۔

جنگی مہمات کے لئے عیاض بن غنم، سعد و قاص، خالد، نعمان بن مقرن وغیرہ کو انتخاب کیا۔ عمرو معدی کرب اور طیب بن خالد اگرچہ پہلوانی اور سپہ گردی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے لیکن فوج کو لڑا نہیں سکتے تھے۔ اس لئے ان دونوں کی نسبت حکم دے دیا کہ ان کو کسی حصہ فوج کی افسری نہ دی جائے۔ زید بن ثابت و عبد اللہ بن ارقم انشاع و تحریر میں مستثنی تھے۔ ان کو میراثی مقرر کیا۔ قاضی شریعہ، کعب بن سور، سلمان بن ربیعہ، عبد اللہ بن مسعود فصل قضایا میں ممتاز تھے ان کو قضاکی خدمت دی۔ غرض یہ کہ جس کام پر مقرر کیا، وہ گویا اسی کے لئے پیدا ہوا تھا۔ اس امر کا اعتراف غیر قوموں کے مؤمنوں نے بھی کیا ہے ایک مشہور عیسائی مؤرخ لکھتا ہے کہ ”عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کے سرداروں اور گورنرزوں کا انتخاب بلا رورعایت کیا۔ اور مخیو و عمار کو چھوڑ کر باقی سب کا تقرر نہایت مناسب اور مونوں ہوا۔“

## بے لاگ عدل و انصاف

سب سے بڑی چیز جس نے ان کی حکومت کو مقبول عام بنا لیا اور جس کی وجہ سے الٰل عرب ان کے سخت احکام کو بھی گوارا کر لیتے تھے یہ تھی کہ ان کا عدل و انصاف ہی شہ بے لاگ رہا۔ جس میں دوست و شمن کی کچھ تمیز نہ تھی۔ ممکن تھا کہ لوگ اس بات سے ناراض ہوتے کہ وہ جرائم کی پاداش میں کسی کی عظمت و شان کا مطلق پاس نہیں کرتے لیکن جب وہ دیکھتے تھے کہ خاص اپنی آل و اولاد اور عزیزو اقارب کے ساتھ بھی ان کا یہی برتاب ہے تو لوگوں کو صبر

ان کے بیٹے ابو شمہ نے جب شراب پی تو خود اپنے ہاتھ سے ۸۰ روپے مارے اور اسی صدمہ سے وہ بیچارے قضا کر گئے تدامہ بن مطعون جوان کے سالے اور بڑے رتبہ کے صحابی تھے۔ جب اسی جرم میں ماخوذ ہوئے تو علائیہ ان کو ۸۰ روپے لگوائے۔

### قدیم سلطنتوں کے حالات و انتظامات سے واقفیت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیاست کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ قدیم سلطنتوں اور حکمرانوں کے قواعد اور انتظامات سے واقفیت پیدا کرتے تھے اور ان میں جو چیزیں پسند کے قابل ہوتی تھیں اس کو اختیار کرتے تھے۔ خراج، عشر، دفتر، رسد، کاغذات، حساب ان تمام انتظامات میں انہوں نے ایران اور شام کے قدیم قواعد پر عمل کیا۔ البتہ جہاں کوئی نقش پایا اس کی اصلاح کروی۔ عراق کے بندوبست کا جب ارادہ کیا تو حذیفہ اور عثمان بن حنیف کے نام حکم بھیجا کہ عراق کے دو بڑے زمینداروں کو میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ یہ زمیندار مع مترجم کے ان کے پاس آئے اور انہوں نے ان سے دریافت کیا کہ سلاطین عجم کے ہاں مالگزاری کی تشخیص کا کیا طریقہ تھا۔ جزیہ حالانکہ بظاہر مذہبی لگاؤ رکھتا تھا۔ تاہم اس کی تشخیص میں وہی اصول ملاحظہ رکھے جو نو شیروں والے اپنی حکومت میں قائم کئے تھے۔ علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے جہاں نو شیروں والے انتظامات اور بالخصوص جزیہ کا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے کہ

وَهِيَ الْوَصَانِعُ الَّتِي أَقْتَلَى بَهَا عُمَرُ بْنُ النَّخَاطَبَ حِينَ افْتَحَهُ  
بِلَادَ الْفَرْسِ۔

”یعنی یہ وہی قاعده ہے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب فارس کا ملک فتح کیا تو ان کی اقتداء کی۔“

اس سے زیادہ صاف اور مصوح علامہ ابن مسکویہ نے اس مضمون کو لکھا ہے، علامہ موصوف نے جو حکیم اور فلسفی اور شیخ بوعلی سینا کے معاصر، ہم پایا ہے تاریخ میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام تجارت الامم ہے اس میں جہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتظامات ملکی کا ذکر کیا لکھا ہے کہ۔

لے ابو شہم کے قصے میں واعظوں نے بڑی رنگ آمیزیاں کی ہیں۔ لیکن اس قدر صحیح ہے کہ حضرت عمر نے ان کو شرعی سزا دی۔ اور اسی صدمہ سے انہوں نے انتقال کیا۔ (دیکھو معارف بن قتیبہ ذکر اولاد عمر)۔

لہ کتاب الخراج صفحہ ۲۷۔ ۲۸ تاریخ طبری صفحہ ۲۲۲۔ ۲۹ یہ کتاب تخلصیہ کے کتب خانہ مسجد الماصوفیا میں موجود ہے اور میں نے اسی نسخے نقل کیا ہے۔

وَكَانَ عُمَرُ يَكْثُرُ الْخُلُوَّةَ بِقَوْمٍ مِنَ الْفَرْسِ يَقْرُونُ عَلَيْهِ سِيَاسَاتِ  
الْمُلُوكِ وَلَا سِيمَا مُلُوكِ الْعِجْمَ الْفَضْلَا وَسِيمَا النُّوْشِرْوَانِ  
وَانَّهُ كَانَ مَعْجَابًا لَهَا كَثِيرًا الْأَقْتَدِيَّةِ -

”يعني عمر رضي الله تعالى عنه فارس کے چند آدمیوں کو صحبت خاص  
میں رکھتے تھے، یہ لوگ ان کو بادشاہوں کے آئین حکومت پڑھ کر  
سنا یا کرتے تھے خصوصاً شاہان عجم اور ان میں بھی خاص کر نو شیروان  
کے اس لئے کہ ان کو نو شیروان کے آئین بست پسند تھے اور وہ ان کی  
بست پیروی کرتے تھے۔“

علامہ موصوف کے بیان کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ عموماً موڑخوں نے لکھا  
ہے کہ جب فارس کا ریس ہر مہین اسلام لایا تو حضرت عمر رضي الله تعالى نے ان کو اپنے  
خاص درباریوں میں داخل کیا۔ اور انتظامات ملکی کے متعلق اس سے اکثر مشورہ لیتے تھے۔

### واقفیت حالات کے لئے پرچہ نویس اور واقعہ نگار

حضرت عمر رضي الله تعالى عنہ کی بڑی کوشش اس بات پر مبنیول رہتی تھی کہ ملک کا  
کوئی واقعہ ان سے مخفی نہ رہنے پائے انہوں نے انتظامات ملکی کے ہر ہر صیغہ پر پرچہ نویس  
اور واقعہ نگار مقرر کر کر رکھے تھے۔ جس کی وجہ سے ملک کا ایک ایک جزئی واقعہ ان تک پہنچتا  
تھا۔ امام طبری لکھتے ہیں۔

وَكَانَ عُمَرُ لَا يَخْفِي عَلَيْهِ شَيْءًا فِي عَمَلِهِ كَتَبَ إِلَيْهِ مِنَ الْعَرَاقِ

بِخُرُوجِ مِنْ خَرْجٍ وَمِنْ الشَّامِ بِجَازِيَّةِ مِنْ أَجْمَعِ فِيهَا

”يعني عمر پر کوئی بات مخفی نہیں رہتی تھی عراق میں جن لوگوں نے خروج  
کیا اور شام میں جن لوگوں کو انعام دیئے گئے سب تحریری اطلاعیں  
ان کو پہنچیں۔“

عراق کے ایک معرکہ میں سردار لشکر نے عمرو معدی کرب کو دوسرا حصہ نہیں دیا۔  
عمرو معدی کرب نے وجہ پوچھی انہوں نے کہا کہ تمہارا گھوڑا دو غلام ہے اس لئے اس کا حصہ کم  
ہو گیا۔ معدی کرب کو اپنی پہلوانی کا غور تھا۔ بوئے کہ ہاں دو غلام کو پچان بھی سکتا  
ہے حضرت عمر رضي الله تعالى عنہ گو فوراً خبر ہوئی عمرو معدی کرب کو سخت تنیبیہ کی جس کی  
وجہ سے ان کو آئندہ پھر ایسی گستاخی کی جرأت نہیں ہوئی۔ نعمان بن عدی میسان کے حاکم تھے

دولت و نعمت کے مزے میں پڑ کر انہوں نے اپنی بی بی کو ایک خط لکھا جس میں یہ شعر بھی تھا۔  
 لعل امیر المؤمنین سو وہ تنا دمنا بالجوسق المتهدم  
 ” غالباً امیر المؤمنین کو خبر پہنچے گی تو وہ بر امانیں گے کہ ہم لوگ محلوں  
 میں رندانہ صیتیں رکھتے ہیں۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فوراً خبر ہوئی اور ان کو معزول کر کے لکھا کہ ہاں مجھ کو  
 تمہاری یہ حرکت ناگوار ہوئی۔ (اسد الغابہ ذکر حذیفہ بن عمار بن عدی)

صحابہ میں حذیفہ بن الیمان ایک بزرگ تھے جن کو اکثر مخفی باتوں کا پتہ لگتا تھا۔ عبد  
 نبوت میں وہ آخر پرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محروم راز تھے اور اسی وجہ سے صاحب السر  
 کھلاتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن ان سے پوچھا کہ منافقین کا جو گروہ  
 ہے ان میں سے کوئی شخص میرے عمالوں اور عمدہ داروں میں بھی ہے، انہوں نے کہا، ہاں  
 ایک شخص ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نام پوچھا لیکن انہوں نے رازداری کے لحاظ  
 سے نام نہیں بتایا حذیفہ کا بیان ہے کہ اس واقع کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس  
 کو معزول کر دیا۔ جس سے میں نے قیاس کیا کہ انہوں نے خود پتہ لگا لیا۔ اسی تفھص اور  
 بیدار مغزی کا اثر تھا کہ تمام افسرا اور عمل ان کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے تھے علامہ  
 طبری لکھتے ہیں۔

وَكَانُوا لَا يَدْعُونَ شَيْئًا وَلَا يَأْتُونَهُ إِلَّا وَأَمْرُوهُ فِيهِ۔ (طبری صفحہ

(۲۲۸۷)

”یعنی لوگ کوئی کام ان سے بغیر دریافت کئے نہیں کرتے تھے۔“

### بیت المال کا خیال

بیت المال یعنی خزانہ کا بست خیال رکھتے اور کسی قسم کی رقم کو اس کے احاطے سے  
 باہر نہیں سمجھتے خانہ کعبہ میں مدت کا چڑھاوا جمع تھا۔ اس کی نسبت فرمایا کہ۔

لقد همت ان لا ادع فیها صفراء ولا یهضباء الا قسمت۔

(صحیح بخاری باب کسرة الكعبۃ)

”یعنی میں نے ارادہ کیا ہے کہ جو کچھ اس میں سونا چاندی ہے سب  
 لوگوں کو تقسیم کروں۔“

ایک دفعہ غیمت کا مال آیا۔ حضرت حفظہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (حضرت عمر رضی اللہ

اسد الغابہ ذکر حذیفہ بن الیمان۔

تعالیٰ عنہ کی بیٹی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ (کو خبر ہوتی وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئیں اور کہا کہ امیر المؤمنین! اس میں سے میرا حق مجھ کو عنایت کیجئے کیونکہ میں ذوالقربی میں سے ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ! جان پدر تیرا حق میرے خاص مال میں سے ہے لیکن یہ غیمت کا مال ہے تو نے اپنے باپ کو دھوکہ دینا چاہا، وہ بیچاری خفیف ہو کر انہیں گئیں۔ (مسند امام احمد حبیل)

شام کی فتح کے بعد قیصر روم سے دوستانہ مراسم ہو گئے تھے اور خط و کتابت رہتی تھی۔ ایک دفعہ ام کلثوم (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ) نے قیصر کی حرم کے پاس تحفہ کے طور پر عطر کی چند شیشیاں بھیجنیں اس نے اس کے جواب میں شیشوں کو جواہرات سے بھر کر بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حال معلوم ہوا تو فرمایا کہ گو عطر تمہارا تھا لیکن قادر جو لے گیا تھا وہ سرکاری تھا اور اس کے مصارف عام آمنی میں سے ادا کئے گئے غرض وہ جواہرات لے کر بیت المال میں داخل کر دیئے گئے اور ان کو کچھ معاوضہ دے دیا۔

ایک دفعہ بیمار پڑ گئے لوگوں نے علاج میں شہد تجویز کیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن بلا اجازت نہیں لے سکتے تھے۔ مسجد نبوی میں جاگر لوگوں سے کہا کہ اگر اجازت دیں تو بیت المال سے تھوڑا سا شہد لے لوں لاء، اس کارروائی کا مطلب اجازت کے سوایہ ظاہر کرنا تھا کہ خزانہ عامہ پر خلیفہ وقت کو اتنا اختیار بھی نہیں۔

خلافت سے پہلے وہ تجارت کے ذریعے سے بر کرتے تھے خلافت کے مہمات میں یہ شغل قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ صحابہ کو جمع کر کے اپنی ضوریات بیان کیں۔ اور کہا کہ بیت المال سے میں کس قدر اپنے مصارف کے لئے لے سکتا ہوں۔ لوگوں نے مختلف رائے دیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چپ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ ”صرف معمولی درجہ کی خوراک اور لباس“۔ چنانچہ ان کے اور ان کی بیوی بچوں کے لئے بیت المال سے کھانا اور کپڑا مقرر ہو گیا۔ فوجی روزینہ داروں میں جب بدر میں (وہ صحابہ جو جنگ بدمریں شریک تھے) کے لئے تنخواہیں مقرر ہوئیں۔ تو اور لوگوں کے ساتھ پانچ ہزار درہم سال ان کے بھی مقرر ہو گئے کروڑوں روپے کی آمنی میں فارعؑ اعظم کو سال بھر میں جو ملتا تھا اس کی یہ تعداد تھی۔

ان کی محاشرت کے حالات میں آگے چل کر تم پڑھو گے کہ وہ اکثر یہی کپڑے پہننے

تھے نہیں پر سورتے تھے مینوں گیوں کا آٹا گھر میں نہیں پکتا تھا۔ اس کی وجہ کچھ رہبانتی اور جوگی پن نہ تھا۔ بلکہ وہ حقیقت اس سے زیادہ ان کو ملک کی آمنی میں نصیب نہیں ہوتا تھا۔ کبھی کبھی اتفاقیہ کوئی بڑی رقم آجاتی تھی تو وہ بے در لغ خرچ بھی کرتے تھے چنانچہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب نکاح کیا تو ان کے شرف اور خاندان بہوت کے تعلق کی وجہ سے ۲۰۰ ہزار روپ میراندھا اور اسی وقت ادا بھی کر دیا۔

بنوہاشم کو جو ملکی عمدے نہیں دیئے اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کو خوف تھا کہ بنوہاشم چونکہ خمس میں اپنا حصہ ایک شرعی حق سمجھتے ہیں اس لئے اس کے باوجود دولت مندی کے خمس میں سے اپنا حصہ لے لیں گے حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک خمس کے مصارف امام وقت کی رائے پر منحصر ہیں۔ چنانچہ اس کی فضل بحث تک آئے گی انہوں نے بنوہاشم کی نسبت اپنی اس بدرگانی کا اظہار بھی کر دیا تھا جس کا عامل جب مر گیا تو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو مقرر کرنا چاہا۔ لیکن ان کی طرف سے مطمئن نہ تھے اس لئے بلا کران سے کما کہ اُنکی نفسی ہنگ شدی یعنی یہرے دل ہر تھاری طرف سے زرا کھلا ہے انہوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا

انی خشیت علیک ان تاتی علی الفی الذی هوات

”یعنی مجھے ڈر ہے کہ تم محاصل ملکی پر تصرف نہ کرو۔“

یہ صرف سوء ظن نہ تھا بلکہ وقوع میں بھی آیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عمد خلافت میں حضرت عبد اللہ کو عامل مقرر کیا تو انہوں نے بیت المال میں سے بست سی رقم لے لی اور جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باز پر س کی تو لکھ بھیجا کہ ابھی میں نے اپنا پورا حق نہیں لیا۔

یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال کے بارہ میں جو کفایت شعاراتی اور نگف و رزی برتنی وہ خلافت فاروقی کی کامیابی کا بہت بڑا سبب تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں لوگوں نے اخیر میں جو شور شیں کیں اسکی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ جناب موصوف نے بیت المال کے متعلق فیاضانہ برداشت کیا۔ یعنی اپنے عزیزو اقارب کو فو القلبی کی بنا پر رقمیں عطا کیں۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ ان کو بے انتہا کام درپیش رہتے تھے دار الخلافہ سے سیکھلوں ہزاروں میل تک فوجیں پھیلی ہوئی تھیں۔ جن کی ایک ایک حرکت ان کے اشاروں پر موقوف تھی۔ انتظامات حکومت کی مختلف شاخوں کا ذکر تم اور پڑھ آئے ہو۔ فقهہ کی ترتیب

اور افقاء جو ایک مستقل اور بستہ کام تھا اپنے ذاتی اشغال جدا تھے۔ تاہم ہر کام وقت پر انجام پاتا تھا۔ اور کسی کام میں کبھی حرج نہیں ہوتا تھا۔ نہاوند کا سخت معزک جس میں تمام ایران امنڈ آیا تھا پیش تھا کہ عین اسی زمانے میں سعد و قاص گورز کوفہ کی شکایت گذری۔

### تمام کاموں کا وقت پر انجام پانا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگرچہ بست ٹنگ وقت ہے تاہم سعد کی تحقیقات نہیں رک سکتی۔ چنانچہ کوفہ سے فوجوں کی روائی کا انتظام بھی ہوتا رہا۔ اور ساتھ ہی بڑی کدو کاوش سے سعد کی تحقیقات بھی ہوئی۔ جزیرہ والوں نے قیصر سے مل کر جب شام پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اس سرعت سے تمام اضلاع سے فوجیں بھیجنیں کہ جزیرہ کے تمام ناکے روک دیئے اور اہل جزیرہ قیصر تک پہنچ بھی نہ سکے۔ زیاد بن حدیرؑ دو طکلی تحصیل پر مامور تھے۔ انہوں نے ایک عیسائی کے گھوڑے کی قیمت میں ہزار قرار دے کر محصول طلب کیا۔ اس نے کماکہ گھوڑا آپ رکھ لیجئے اور ۱۰ ہزار مجھ کو حوالہ کیجئے۔ دوبارہ عیسائی ان کی سرحد سے گزر اتوں سے پھر محصول مانگا۔ وہ مکہ مطہرہ پہنچا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف اس قدر کماکہ تم مطمئن رہو۔ عیسائی زیاد بن حدیر کے پاس واپس آیا اور دل میں ارادہ کرچکا تھا کہ ایک ہزار اور دے کر گھوڑے کو واپس لے یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان پہلے پہنچ چکا تھا کہ سال بھر میں دو دفعہ ایک چیز کا محصول نہیں لیا جا سکتا۔

ایک اور عیسائی کو اسی سم کا واقعہ پیش آیا۔ وہ عین اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا جب وہ حرم میں خطبہ پڑھ رہے تھے اسی حالت میں اس نے شکایت کی۔ فرمایا دوبارہ محصول نہیں لیا جا سکتا۔ عیسائی چند روز مکہ میں مقیم رہا۔ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا۔ اور کماکہ ”عیسیٰ وہی نصرانی ہوں جس نے محصول کے متعلق شکایت کی تھی۔“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں حسینی (مسلمان) ہوں جس نے تمہارا کام انجام دیا عیسائی نے دریافت کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے ہی دن زیاد کو حکم بھیج چکے تھے۔

اس بات کا بست سخت اہتمام کیا کہ ممالک محدودہ میں سے کوئی شخص فقر و فاقہ میں جتلانہ ہونے پائے غام حکم تھا اور اس کی بیشہ تعییل ہوتی تھی کہ ملک میں جس قدر اپاچ، لے یہ دونوں راستیں کتاب الخراج صفحہ ۸۷۹ میں ہیں۔

از کار رفتہ اور مفلوج وغیرہوں سب کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کر دی جائیں۔ لاکھوں سے متجاوز آدمی فوجی دفتر میں داخل تھے جن کو گھر بیٹھے خوراک ملتی تھی۔ اول یہ انتظام کیا گیا تو حکم دیا کہ ایک جنیب لے آٹا پکایا جائے پک کر تیار ہو اتو ۳۰۰ آدمیوں کو بلا کر کھلایا گیا۔ شام کو پھر اسی قدر آٹا پکوایا۔ اور اسی قدر آدمیوں کو کھلایا۔ دونوں وقت کے لئے یہ مقدار کافی ٹھہری تو فرمایا کہ ایک مینے بھر کی خوراک کے لئے وجہب آٹا کافی ہے۔ پھر حکم دیا کہ ہر شخص کے لئے اس قدر آٹا مقرر کر دیا جائے۔ اعلان عام کے لئے ممبر چڑھے اور پیانہ ہاتھ میں لے کر کماکر میں نے تم لوگوں کے لئے اس قدر خوراک مقرر کر دی ہے جو شخص اس کو گھٹائے گا اس سے خدا سمجھے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ پیانہ ہاتھ میں لے کر یہ الفاظ فرمائے

انی قللر ضست لکل نفس مسلمة فی شهر مدي حنطة و قسطي  
خل۔

”یعنی میں نے ہر مسلمان کے لئے فی ماہ دوم گیوں اور دو قسط سرکہ مقرر کیا ہے۔“

### غرباً اور مساکین کے روزینے

اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کے لئے بھی فرمایا ”ہاں غلام کے لئے بھی ۷۲“ غرباً اور مساکین کے لئے بلا تخصیص مذہب حکم تھا۔ کہ بیت المال سے ان کے روزینے مقرر کر دیئے جائیں۔ چنانچہ جیسا ہم اور ذمیوں کے حقوق میں لکھ آئے ہیں بیت المال کے عالی کو لکھ بھیجا کہ خدا کے اس قول سے کہ انما الصدقات للفقراً و المساکن فقراء سے مسلمان اور مساکین سے اہل کتاب مراد ہیں۔

### مہمان خانے

اکثر شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے جہاں مسافروں کو بیت المال کی طرف سے کھانا ملتا تھا۔ چنانچہ کوفہ کے مہمان خانے کا ذکر ہم کوفہ کی آبادی کے ذکر میں لکھ آئے ہیں۔

منہہ منورہ جو لنگر خانہ تھا اکثر وہاں خود جا کر اپنے اہتمام سے کھانا کھلاتے تھے

۱۔ قرباہ ۲۵ سیر کا ہوتا ہے۔

2۔ یہ پوری تفصیل فتوح البلدان صفحہ ۳۴۰ میں ہے۔ اور تمام تاریخوں میں بھی ذرا ذرا سے اختلاف کے ساتھ یہ روایت مذکور ہے۔

## لاؤارش پچے

اولاد لقطہ یعنی گنام پچے جن کو مائیں شاہراہ وغیرہ پر ڈال جاتی تھیں، ان کے لئے سہ  
۸۸ بھری میں یہ انتظام کیا کہ جمال اس قسم کا کوئی پچے ملے اس کے دودھ پلانے اور دیگر  
مصارف کا انتظام بیت المال سے کیا جائے۔ ممکنچہ ان مصارف کے لئے اول سودہم  
سالانہ مقرر ہوتے تھے پھر سال بہ سال ترقی ہو جاتی تھی۔

## تیموں کی خبرگیری

تیموں کی پورش اور گلن کی جائیداد ہوتی تھی تو اس کی حفاظت کا نہایت اہتمام  
کرتے تھے اور اکثر تجارت کے ذریعہ اسے ترقی دیتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ حکم بن الی  
العاص سے کہا کہ میرے پاس تیموں کا جو مال جمع ہے وہ زکوٰۃ نکالنے کی وجہ سے گھٹتا جا رہا  
ہے۔ تم اس کو تجارت میں لگاؤ اور جو فرع ہو واپس کرو۔ چنانچہ دس ہزار کی رقم حوالہ کی اور وہ  
بڑھتے بڑھتے لاکھ تک پہنچ گئی۔

## قطط کا انتظام

۸۸ بھری میں جب عرب میں قحط پڑا تو عجب سرگرمی ظاہر کی۔ اول بیت المال کا تمام  
نقد و غله صرف کیا۔ پھر تمام صوبوں کے افراد کو لکھا کہ ہر جگہ سے غله روانہ کیا جائے  
چنانچہ حضرت ابو عبیدہ نے چار ہزار اونٹ غله سے لدے ہوئے بھیجے، عمرو بن العاص نے بحر  
قلزم کی راہ سے بیس جمازوں کے لئے جمازوں کے ملاحظہ کے لئے خود بذرگاہ تک گئے۔ جس کا نام  
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان جمازوں کے ملاحظہ کے لئے خود بذرگاہ تک گئے۔ اور مذہب  
جار تھا، اور مذہب منورہ سے تین منزل ہے۔ بذرگاہ میں دو بڑے بڑے مکان بنوائے اور زید بن  
ثابت کو حکم دیا کہ قحط زدوں کا نقشہ بنائیں۔ چنانچہ بقید نام اور مقدار غله رجسٹریار ہوا۔ ہر  
 شخص کو چک تقسیم کی گئی۔ جس کے مطابق اس کو روزانہ غله ملتا تھا۔ چک پر حضرت عمر رضی  
اللہ تعالیٰ عنہ کی ضربت لہ ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ ہر روز ۱۰۰ اونٹ خود اپنے اہتمام سے فتح  
کرواتے تھے اور قحط زدوں کو کھانا پکو اکر کھلاتے تھے اس موقع پر یہ بات خاص طور پر

سو یہ تفصیل یعقوبی صفحے ۷۷ میں ہے اخیر کے نقرے یہ ہیں ثم امر زید بن ثابت ان بکتب الناس علی منازعہم  
وامر ان بکتب مکا کامن قواطیس ثم بختم اسافلها فکان اول من صک وختم اسفل الصسکاک اردب لم  
وپیش ۲ من کا ہوتا ہے۔ ۷ بلاذری صفحہ ۳۵۲ و یعقوبی جلدے صفحے۔

جتا دینے کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اگرچہ ملک کی پورش اور پرواخت کا اتنا کچھ اہتمام تھا لیکن ان کی فیاضی ایشائی قسم کی فیاضی نہ تھی جس کا نتیجہ کامل اور مفت خوری کا رواج دنیا میں ہوتا ہے۔

### رفاه عام کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نکتہ سنجی

ایشیا سلاطین و امراء کی فیاضیوں کا ذکر عموماً بڑے ذوق سے کیا جاتا ہے۔ لیکن لوگ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ اس سے جماں ایک بادشاہ کی مسح نکلتی ہے دوسرا طرف قوم کا دروزہ گر ہونا اور انعام و بخشش پر لوگانے رہنا غابت ہوتا ہے یہی ایشائی فیاضیاں تھیں جس نے آج ہماری قوم میں لاکھوں آدمی ایسے پیدا کر دیے ہیں جو خود ہاتھ پاؤں ہلانا نہیں چاہتے اور نذر دنیا زوغیرہ پر اوقات بس رکرتے ہیں۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے بے خبر نہ تھے وہ اس بات کی سخت کوشش کرتے تھے کہ لوگوں میں کاملی اور مفت خوری کا مادہ نہ پیدا ہونے پائے۔ جن لوگوں کی تنخواہیں اور خواراک مقرر کی تھیں، وہ صرف وہ لوگ تھے جن سے کبھی نہ کبھی فوجی خدمت کی توقع ہو سکتی تھی۔ یا جنوں نے پہلے کوئی نمایاں خدمت کی تھی یا وہ ضعیف اور بیماری کی وجہ سے خود کسب معاش نہیں کر سکتے تھے۔ ان اقسام کے علاوہ وہ کبھی اور قسم کی فیاضی کو روائیں کر سکتے تھے۔

محمد بن جوزی نے سیرۃ العرین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک سائل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ویکھا تو اس کی جھوپی آٹے سے بھری ہوئی تھی۔ چھین کر اونٹوں کے آگے ڈال دی اور فرمایا کہ اب جو مانگنا ہے مانگ، علامہ ماوردی نے احکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ محتسب کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو جو کھانے کمانے کے قابل ہوں اور باوجود اس کے صدقہ اور خیرات لیتے ہوں تنبیہہ و تدابیب کرے۔ اس کے بعد علامہ موصوف نے اس کی سند میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فعل سے استدلال کیا ہے اور لکھا ہے کہ *وَلَدْفَعَ عُمَرَ مِثْلَ فَلَكَ بِقَوْمٍ أَهْلَ الصَّدَقَةِ*  
(الاحکام السلطانیہ مطبوعہ مصر مخفیہ ۲۲۵)

معمول تھا کہ جب کسی شخص کو ظاہر میں خوشحال دیکھتے تو ریافت فرماتے کہ یہ کوئی پیشہ بھی کرتا ہے! اور جب لوگ کہتے کہ نہیں تو فرماتے کہ یہ شخص میری آنکھ سے گر گیا۔ ان کا مقولہ تھا کہ *مَكْسُبٌ فِيهَا دَنَانَةٌ خَيْرٌ مِنْ مَسَالَةِ النَّاسِ* یعنی ذلیل پیشہ بھی لوگوں سے

سوال کرنے کے بہ نسبت اچھا ہے۔ مفت خوری کا موقع تو زیادہ تر علماء و صوفیا کو ملتا ہے ان کے نہانے تک صوفیہ تو پیدا نہیں ہوئے تھے لیکن علماء کو انہوں نے علاجیہ مخاطب کر کے کما لاتکونو عبلاً علی المسلمين یعنی مسلمانوں پر اپنا بارہہ ڈالو (سیرۃ العربین لابن الجوزی)

### جزئیات پر توجہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخ زندگی میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ ان کو یہ شہر پرے اہم امور سے سابقہ رہتا تھا۔ تاہم نہایت چھوٹے چھوٹے کام بھی وہ خود انجام دیتے تھے اور اس کے لئے ان کو وقت اور فرصت کی بیشگی نہیں ہوتی تھی۔ ان میں ایسے کام بھی ہوتے تھے جن کا اختیار کرنا بظاہر شان خلافت کے خلاف تھا۔ لیکن ان کو کسی کام سے عارنہ تھا۔

روزینہ داروں کے جو روزینہ مقرر تھے اکثر خود جا کر تقسیم کرتے تھے۔ قدید اور عسفان مدینہ سے کئی منزل کے فاصلے پر دو قبیلے ہیں جہاں قبیلہ خزانہ کے لوگ آباد تھے ان دونوں مقاموں میں خود تشریف لے جاتے تھے۔ روزینہ داروں کا دفتر ہاتھ میں ہوتا تھا۔ ان کو دیکھ کر چھوٹے بڑے سب کے سب گھروں سے نکل آتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اپنے ہاتھ سے تقسیم کرتے جاتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ دار الصدقہ میں جاتے اور ایک ایک اونٹ کے پاس کھڑے ہو کر ان کے دانت گنتے اور ان کا حلیہ قلب بند کرتے۔

محب طبری نے ابو حذیفہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کا معمول تھا کہ مجاہدین کے گھروں پر جاتے اور عورتوں سے کہتے کہ تم کو کچھ بازار سے منگوانا ہو تو میں لا دوں۔ وہ لوگوں کی ساتھ کر دیتیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود چیزیں خریدتے اور ان کے حوالہ کرتے مقام جنگ سے قاصد آتا اور اہل فوج کے خطوط لاتا تو خود ان کے گھروں پر پہنچا آتے تھے اور کہتے کہ فلاں تاریخ تک قاصد والیں جائے گا تم جواب لکھوار کھو کہ اس وقت تک روانہ ہو جائے کاغذ، قلم اور دو اور خود میا کر دیتے اور جس گھر میں کوئی حرفاں نہ ہوتا خود چوکھت کے پاس بیٹھ جاتے اور گھروں لے جو لکھواتے لکھتے جاتے۔

### رعایا کی شکایتوں سے واقعیت کے وسائل

ان کی سب سے زیادہ توجہ اس بات پر مبنیوں رہتی تھی کہ رعایا کی کوئی شکایت ان تک پہنچنے سے نہ رہ جائے یہ معمول رکھا کہ ہر نماز کے بعد گن بجد میں بیٹھ جاتے اور جس کو جو

کچھ ان سے کہنا سنتا ہوتا کہتا۔ کوئی نہ ہوتا تو تھوڑی دیر انتظار کر کے اٹھ جاتے لب راتوں کو دوڑہ کیا کرتے۔ سفر میں راہ چلتیں سے حالات پوچھتے۔ یہ وہی اضلاع سے جو سرکاری مقاصد آتے ان سے ہر قسم کی پرس و جوڑ کرتے۔

### سفرارت

ایک عمدہ طریقہ دریافت حالات کا یہ تھا کہ تمام اضلاع سے ہر سال سفارتیں آتیں۔ اور وہ ان مقامات کے متعلق ہر قسم کی ضروری باتیں پیش کرتے، اس سفارت کو وفد کہتے تھے اور یہ عرب کا قدیم دستور تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانے میں اس سے وہ کام لیا جو آج کل جمیوری سلطنتوں میں رعایا کے قائم مقام ممبر انجام دیتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں مختلف اضلاع سے جو سفارتیں آتیں اور جس طرح انہوں نے اپنی مقامی ضرورتیں پیش کیں۔ اس کا حال عقد الفرید وغیرہ میں تفصیل ملتا ہے۔

### شام کا سفر اور رعایا کی خبرگیری

ان تمام باتوں پر ان کو تسلی نہ ہوئی تھی فرماتے کہ عمال رعایا کی پواہ نہیں کرتے اور ہر شخص مجھ تک پہنچ نہیں سکتا۔ اس بناء پر ارادہ کیا تھا کہ شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ کا دوڑہ کریں اور ہر جگہ دو دو مینے ٹھہریں۔ لیکن موت نے فرصت نہ دی۔ تاہم اخیر دفعہ جب شام کا سفر کیا تو ایک ایک ضلع میں ٹھہر کر لوگوں کی شکایتیں سیئیں۔ اور دادرسی کی۔ اس سفر میں ایک پر عترت واقعہ پیش آیا۔ دار الخلافہ کو واپس آرہے تھے کہ راہ میں ایک خیمه دیکھا، سواری سے اتر کر خیمه کے قریب گئے ایک بڑھیا عورت نظر آئی۔ اس سے پوچھا گمرا کچھ حال معلوم ہے؟ اس نے کہا ہاں شام سے روانہ ہو چکا لیکن خدا اس کو غارت کرے، آج تک مجھ کو اس کے ہاں سے ایک خبہ بھی نہیں ملا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، اتنی دوڑ کا حال عمر کو کیوں معلوم ہو سکتا ہے بولی کہ "اس کو رعایا کا حال معلوم نہیں تو خلافت کیوں کرتا ہے" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت رقت ہوئی۔ اور بے اختیار روپڑے ہم اس موقع پر متعدد حکایتیں نقل کرتے ہیں جس سے اندازہ ہو گا کہ رعایا کی آرام و آسائش اور خبرگیری میں ان کو کس قدر

سرگرمی اور ہمدردی تھی۔

ایک دفعہ ایک قافلہ مدینہ منورہ میں آیا اور شرکے باہر اڑا اس کی خبر گیری اور حفاظت کے لئے خود تشریف لے گئے پھر دیتے پھرتے تھے کہ ایک طرف سے رونے کی آواز آئی۔ ادھر متوجہ ہوئے دیکھا تو ایک شیر خوار بچہ مال کی گود میں رورہا ہے مال کو تاکید کی کہ بچہ کو بہلانے تھوڑی دریکے بعد پھر ادھر سے گذر ہوا تو بچے کو رو تاپیا۔ غیظ میں آگرفرمایا۔ کہ تو بھی بے رحم مال ہے۔

اس نے کہا کہ تم کو اصل حقیقت معلوم نہیں خواہ مخواہ مجھ کو حق کرتے ہو۔ بات یہ ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا ہے کہ بچے جب تک مال کا دودھ نہ چھوڑیں بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے میں اس غرض سے اس کا دودھ چھڑاتی ہوں اور یہ اس وجہ سے روتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رفت ہوئی اور کہا کہ ہائے عمر! تو نے کتنے بچوں کا خون کیا ہو گا؟ اسی دن سے منادی کرادی کہ بچے جس دن پیدا ہوں اسی تاریخ سے ان کے روز پہنچے مقرر کر دیے جائیں۔ اسلام (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام) کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو گشت کے لئے نکلے مدینہ سے تین میل پر صرار کا ایک مقام ہے۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکارہی ہے اور دو تین پہنچے رو رہے ہیں۔ پاس جا کر حقیقت حال دریافت کی۔ اس نے کہا کہ کئی وقت سے بچوں کو کھانا نہیں ملا ہے۔ ان کے بہلانے کے لئے خالی ہانڈی میں پانی ڈال کر چڑھا دی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی وقت اٹھنے میں آگر بیت المال سے آٹا گوشت، گھنی اور سکھوڑیں لیں۔ اور اسلام سے کہا کہ میری پیٹھ پر رکھ دو، اسلام نے کہا کہ میں لئے چتا ہوں، فرمایا ہاں! لیکن قیامت کے روز میرا بار تم نہیں المخاؤ گے غرض سب چیزیں خواٹھا کر لائے اور عورت کے آگے رکھ دیں اس نے آٹا گوندھا، ہانڈی چڑھائی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود چولما پھونکتے جاتے تھے۔ کھانا تیار ہوا تو بچوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور اچھلنے کو نہ لگے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے عورت نے کہا، خدا تم کو جزاۓ خیر دے سچ یہ ہے کہ امیر المؤمنین ہونے کے قابل تم ہونہ کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے کہ ایک بدروانے خیمہ سے باہر نہیں پر بیٹھا ہوا تھا۔ پاس جا کر بیٹھے اور ادھر ادھر کی باتیں شروع کیں۔ دفعہ خیمہ سے رونے کی آواز آئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ کون روتا ہے؟ اس نے کہا کہ میری بیوی دعوہ میں جتنا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر پر آئے اور امام کلثوم (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

زوجہ تھیں) کو ساتھ لیا۔ بدوسے اجازت لے کرام کلشوم کو خیمہ میں بھیجا۔ تھوڑی دیر بعد پچ پیدا ہوا۔ ام کلشوم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکارا کہ امیر المؤمنین اپنے دوست کو مبارکباد دیجئے امیر المؤمنین کا لفظ سن کر بدوفچونک پڑا۔ اور موذوب ہو بیٹھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نہیں کچھ خیال نہ کرو۔ کل میرے پاس آتا میں اس پچ کی تختواہ مقرر کر دوں گا۔

عبد الرحمن بن عوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو میرے مکان پر آئے میں نے کہا آپ نے کیوں تکلیف کی۔ مجھ کو بلا لیا ہوتا۔ فرمایا کہ ابھی مجھے معلوم ہوا ہے کہ شر سے باہر ایک قافلہ اتراء ہے لوگ تھکے ماندے ہوں گے اور ہم تم چل کر پہنچوں۔ چنانچہ دونوں اصحاب گئے اور رات بھر پہنچ دیتے رہے

جس سال عرب میں قحط پڑا، ان کی عجیب حالت ہوئی، جب تک قحط رہا گوشت، گھی، چمٹی غرض کوئی لذیذ نہ کھائی۔ نہایت خصوص سے دھائیں مانگتے تھے کہ ”اے خدا! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو میری شامت اعمال سے تباہ نہ کرنا۔“ اسلام ان کے غلام کا بیان ہے کہ قحط کے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو گلرو ترور ہتا تھا اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ اگر قحط فرع نہ ہوتا تو وہ اسی غم میں تباہ ہو جائیں گے۔ قحط کا جو انتظام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا اس کو ہم اور لکھ آئے ہیں۔

ایک دفعہ ایک بدوان کے پاس آیا، اور یہ اشعار پڑھے۔

**ياعمر الخير خير العنة اكس** بناتم وامهنه اقسم بالله لتفعلته

"مے عمر! الطف اگر ہے تو جنت کا ہے میری لڑکیوں کو کیڑے پہنا۔

خدا کی قسم تحریر کو یہ کرنا ہو گا۔

حضرت عمر رضي اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اور میں تمہارا کہنا نہ کروں تو کیا ہو گا، یہ دو نے کہا۔

**تكون عن حالٍ لتسأله والواقف المسئول** **يمتنعاً ما أتى ناراً وأما جنة**

”تھجھ سے قیامت میں میری نسبت سوال ہو گا۔ اور تو چکایکا رہ جائے

گاپھریادونخ کی طرف یا بہشت کی طرف جانا ہو گا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر روئے کہ واڑھی تر ہو گئی، پھر غلام سے کہا کہ میرا یہ کرتا اس کو دے دے۔ اس وقت اس کے سوا اور کوئی چیز میرے پاس نہیں۔

(سیرۃ العرس و ازالۃ المفاسد)

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک عورت اپنے بالا خانے پر بیٹھی یہ اشعار  
کاہی تھی۔

تطاول هنالیل وا زوجانبه و ليس الى جنبي خليل الاعبه  
”رات کالی ہے اور لمبی ہوتی جاتی ہے اور میرے پہلوں میں یار نہیں۔  
جس سے خوش فعلی کروں“۔

اس عورت کا شوہر جماد پر گیا تھا۔ اور وہ اس کے فرق میں یہ درد انگیز اشعار بڑھ رہی  
تھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت قلق ہوا اور کماکہ میں نے زنان عرب پر بلا غلام کیا۔  
حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور پوچھا کہ عورت کتنے دن مرد کے بغیر بسر  
کر سکتی ہے؟ انہوں نے کماکہ چار مینے، صبح ہوتے ہی ہر جگہ حکم بیج دیا کہ کوئی سپاہی چار مینے  
سے زیادہ باہر نہ رہنے پائے۔

سعید بن یروع ایک صحابی تھے جن کی آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ  
تعالیٰ عنہ نے ان سے کماکہ آپ جسد میں کیوں نہیں آتے انہوں نے کماکہ میرے پاس آدمی  
نہیں کہ مجھ کو راستہ بتائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی مقرر کیا جو ہمہ ان  
کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ (اسد الفاقہ بن کہ سعد بن یروع)

ایک دفعہ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے ایک شخص کو دیکھا بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے  
پاس جا کر کماکہ دائبے ہاتھ سے کھاؤ۔ اس نے کما جنگ موتی میں میرا دایاں ہاتھ جاتا رہا۔  
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رقت ہوئی اس کے برابر بیٹھ گئے اور روکرنے لگے کہ افسوس  
تم کو وضو کون کرتا ہو گا۔ سر کون دھوتا ہو گا؟ کپڑے کون پہننا تا ہو گا؟ پھر ایک نوکر مقرر کر دیا۔  
اور اس کے لئے تمام ضروری چیزیں خود مہیا کر دیں۔

## امامت اور اجتہاد

امامت کا منصب، درحقیقت نبوت کا ایک شائیہ ہے اور امام کی فطرت قریب قریب  
پیغمبر کی فطرت واقع ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں ”وازمیان امت جمعہ ہند کہ جو  
ہر نفس ایشان قریب بکوہ انہیاء مخلوق شدہ واں جماعتہ دارا صل فطرت خلفائے انہیاء اندر  
در امانت۔ (ازالۃ الخفاء جلد اول صفحہ ۹۰)

ذہبی عقائد اور احکام اگرچہ بظاہر سادہ اور صاف ہیں کیونکہ صانع عالم کا اعتقاد اس کی صفات کمال کا اعتراف سزاوجز کا یقین، نہدو عبادت محسن اخلاق یہی چیزیں تمام ذہب کے اصل الاصول اور احکام ہیں۔ اور یہ سب بظاہر سادہ اور صاف ہاتھیں ہیں۔ لیکن ان کے سائل میں اشتبہا اور ابہام اس قدر ہے کہ اگر کہتے سنی اور دیقہ رسی سے کام نہ کیا جائے تو ان کی حقیقت بالکل بدل جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بالجود اس کے کہ یہ سائل قریباً تمام ذہب میں مشترک تھے۔ تاہم کم و بیش سب میں غلطیاں واقع ہوئیں اسلام انہی غلطیوں کے مٹانے کے لئے آیا اور تائید کے ساتھ ان پر توجہ دلائی۔ لیکن چونکہ عام طبائع نکتہ سنچ نہیں ہوتیں۔ اس لئے ہر زمانے میں اکثر لوگ اصل حقیقت سے دور ہو جاتے تھے اور اسی لئے آخرہ اور مجددین کی ضرورت باقی رہی کہ ان اسرار پر پردہ نہ پڑنے پائے۔ مثلاً اسلام نے شرک کو کس قدر نور و شور سے مٹایا۔ لیکن غور سے دیکھو تو قبیلوں اور مزاجوں کے ساتھ عوام کی ایک طرف خواص کا جو طرز عمل اس میں اب بھی کس قدر شرک کا مخفی اثر موجود ہے۔ گو استفادہ عن القبور اور حصول برکت کے خوشنما الفاظ نے ان پر پردہ ڈال رکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان نازک اور مشتبہ سائل میں جس طرح اصل حقیقت کو سمجھا اور جس جرأت و دلیری سے اس کو لوگوں کے سامنے ظاہر کیا۔ اس کی نظری صحابہ کے نامے میں بہت کم ملتی ہے۔

### مسئلہ قضاوقدر

اللیلیات کا ایک بڑا نازک مسئلہ قضاوقدر کا مسئلہ ہے جس میں عموماً بڑے بڑے آخرہ ذہب کو غلطیاں واقع ہوئیں۔ یہاں تک کہ اکابر صحابہ میں سے بھی بعض کو اشتبہا ہوا۔ طاعون عمواس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب شام کا سفر کیا تو مقام سرغ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہاں وبا کی نمایت شدت ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واپسی کا راہ کیا۔ حضرت ابو عییدہ نے اس خیال سے کہ جو کچھ ہوتا ہے قضاۓ الہی سے ہوتا ہے نمایت طیش میں اگر کماکہ *الرواد من قدر اللہ* یعنی قضاۓ الہی سے بھاگتے ہو؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس نازک مسئلے کو ان مختصر اور بلیغ الفاظ میں حل فرمایا۔ (یہ واقعہ مفصل طور پر صحیح مسلم باب الطاعون میں مذکور ہے)

*نعم نفر من قدر اللہ الی قدر اللہ*

”یعنی ہاں ہم خدا کے حکم سے خدا کے حکم کی طرف بھاگتے ہیں۔“

اسلام کا اصول شعائر اللہ کی تعظیم ہے، اسی بناء پر کعبہ اور حجر اسود وغیرہ کے احترام کا حکم ہے لیکن اس کی صورت صنم پرستی سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب میں اسی اصول سے رفتہ رفتہ صنم پرستی قائم ہو گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف موقعوں پر لوگوں کو اس غلطی میں پڑنے سے باز رکھا۔  
ایک بار حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر علانیہ کیا۔

انی اعلم انک حجر و انک لا تضر ولا تنفع  
”میں جانتا ہوں کہ تو ایک پھر ہے نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔“

### تعظیم شعائر اللہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فعل مذاق عام سے جس قدر الگ تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بہت سے محدثین نے جہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے وہاں یہ روایت بھی اضافہ کی ہے کہ اسی وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کوٹوکا۔ اور ثابت کیا کہ حجر اسود فائدہ اور نقصان دونوں پہنچا سکتا ہے کیونکہ وہ قیامت میں لوگوں کی نسبت شہادت دے گا۔ لیکن یہ اضافہ محض غلط اور بناوٹ ہے چنانچہ ناقیدین فن نے اسکی تصریح کی ہے۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے لوگوں سے جہاد پر بیعت لی تھی۔ اس بناء پر یہ درخت حبرک سمجھا جانے لگا۔ اور لوگ اس کی زیارت کو آتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دیکھ کر اس کو جڑ سے کٹا دیا۔ ایک دفعہ سفرج سے واپس آرہے تھے، راستے میں ایک مسجد تھی جس میں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔ اس خیال سے لوگ اس طرف دوڑے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ الٰل کتاب انہی باتوں کی بدولت تباہ ہوئے کہ انہوں نے پیغمبروں کی یادگاروں کو عبادت گاہ بنالیا۔ (ازالت الخفاء حصہ دوم صفحہ ۹)

**نبی کے اقوال و افعال کماں تک منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں**

**نبوت کی حقیقت کی نسبت عموماً لوگ غلطی کرتے آئے ہیں اور اسلام کے ننانے میں**

لے ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۹۔ علامہ زرقانی نے شرح موسیٰ بلندیہ میں بیعت رضوان کے واقعہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ ابن سحد نے طبقات میں اس واقعہ کو مسند صحیح روایت کیا ہے۔

بھی یہ سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ نبی کا ہر قول و فعل خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ بعضوں نے زیادہ ہمت کی صرف معاشرت کی باتوں کو مستثنی کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شے خدا کی طرف سے ہوتا ہے باقی امور وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ تشریعی اور نہیں ہونے والے اس مسئلے کو جس قدر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صاف اور واضح کروایا کسی نے نہیں کیا۔ خراج کی تشخیص جزئیہ کی تعین ام ابولد کی خرید و فروخت وغیرہ وغیرہ مسائل متعلق امام شافعی نے اپنی کتابوں میں نہایت ادعا کے ساتھ احادیث سے استدلال کیا ہے اور ان کے مسائل میں جمال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریق عمل مختلف ہے بہی دلیری سے ان پر قرح کی چیز لیکن امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ نکتہ نظر انداز کیا ہے کہ یہ امور منصب نبوت سے تعلق نہیں رکھتے اسلئے ان مسائل میں خود شارع علیہ السلام کی طرف سے ہر شخص کو اجتناد کی اجازت ہے چنانچہ اس بحث کی تفصیل آگے آتی ہے شریعت کے احکام کے متعلق بہت بڑا اصول جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قائم کیا یہ تھا کہ شریعت کے تمام احکام مصالح عقلی پر مبنی ہیں۔

ذہبی احکام کے متعلق شروع سے دو خیال چلے آتے ہیں، ایک یہ کہ ان میں عقل کا دخل نہیں، دوسرا یہ کہ اس کے تمام احکام اصول عقلی پر مبنی ہیں۔ یہی دو سرا خیال علم اسرار الدین کی بنیاد ہے، یہ علم اگرچہ اب مستقل فن بن گیا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب کی مشہور کتاب (ججۃ اللہ البالغ) خاص اسی فن میں ہے تاہم ہر زمانے میں بہت کم لوگ اس اصول کو تسلیم کرتے تھے۔ جس کی وجہ کچھ یہ تھی کہ واقع فن عام طبائع کی دسترس سے باہر تھا اور کچھ یہ کہ ذہبی محیت اور ولادگی کی بظاہر شان ہی یہ ہے کہ ہر یات بغير چوں وجہ اکے مان لی جائے اور رائے عقل کو کچھ دخل نہ دیا جائے۔

### حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی

لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی دوسرے اصول کے قائل تھے اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی۔ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ججۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عائشہؓ نے مسئلہ کو قائم دلہ حضرت عمر نے بند کیا یا آخرت نے، صحیح یہ ہے کہ منع حضور مسیح علیہ السلام کی اور حضرت عمرؓ نے اس کی تکمیل فرمائی۔ محمد عبد اللہ غفرانہ مفتی خیال المدارس مذاہن۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس علم سے بحث کی اور اس کے وجہ نظارہ کئے (جبلۃ اللہ البالغ صفحہ ۶۱) شاہ صاحب نے جن لوگوں کا نام لیا، ان میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ۳۷ برس کی تھی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سن جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت وس گیا وہ برس سے زیادہ نہ تھا۔ نید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھرتوں کے وقت ۱۰ برس کا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کل ۱۸ برس کی تھیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گویا سب بزرگ اس علم کے ترقی دینے والے ہوں گے لیکن اولیت کا منصب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو حاصل ہو گا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسائل شریعت کی نسبت ہمیشہ مصالح اور وجہ پر غور کرتے تھے اور اگر ان کے خیال میں کوئی مسئلہ خلاف عقل ہوتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے تھے سفر میں جو قصر نماز کا حکم دیا گیا تھا وہ اس بناء پر تھا کہ ابتدائے اسلام میں راستے محفوظ نہ تھے اور کافروں کی طرف سے ہمیشہ خوف کا سامنا رہتا تھا چنانچہ قرآن مجید میں خود ارشاد ہے لیس علیکم جناح ان تقصیر و امن الصلوٰۃ ان خفتم ان یفتکم الذين کفروا لیکن جب راستے مامون ہو گئے تب بھی قصر کا حکم باقی رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر استجواب ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اب سفر میں قصر کیوں کیا جاتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ خدا کا انعام ہے (صحیح مسلم احادیث نماز سن)

حج کے ارکان میں رمل ایک رکن ہے یعنی طواف کرتے وقت تین دو ٹوں میں آہستہ آہستہ دوڑتے چلتے ہیں اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ سے مکہ تشرف لائے تو کافروں نے مشور کیا کہ مسلمان ایسے نحیف اور کمزور ہو گئے کہ کعبہ کا طواف بھی نہیں کر سکتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر رمل کا حکم دیا (صحیح مسلم) اس کے بعد یہ فعل معمول ہے ہو گیا چنانچہ آئندہ اربعاء اس کو حج کی ایک ضروری سنت سمجھتے ہیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صاف کہ مالنا وللر مل انما کنارا اینا بہ المشرکین وقد اهلكهم اللہ (صحیح بخاری باب الرمل) یعنی اب ہم کو رمل سے کیا گرض؟ اس سے مشرکوں کو رعب دلانا مقصود تھا سو ان کو خدا نے بلاک کر دیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے مجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے رمل کے ترک کا ارادہ بھی

کر لیا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگار سمجھ کر رہے تھے دیا۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص تربیت یافتہ تھے۔ ان سے جب کہا گیا کہ لوگِ رمل کو سنت سمجھتے ہیں اُنکا غلط سمجھتے ہیں۔

(ازالت الحفاء صفحہ ۲۸۵ حصہ دو)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتنے کے مسائل اس کثرت سے بیان کئے ہیں کہ ایک مستقل رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔ ان تمام مسائل میں یہ خصوصیت صاف نظر آتی ہے کہ یہ مصالح عقلی کے موافق ہیں اس سے بذاتہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس علم (اسرار الدین) کے بست بڑے استاد اور ماہر تھے۔

### اخلاق اسلامی کا محفوظ رکھنا اور ترقی دینا

منصب امامت کے حافظ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سب سے بڑا کارنامہ جو تھا وہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کا جس قسم کے برگزیدہ اور پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دی تھی۔ اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اصلی مقصد تھا جیسا کہ خود ارشاد فرمایا **لاتعم مکاروم الاخلاق** حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیض سے قوم میں وہ اخلاق محفوظ رہے اور نئی قومیں جو اسلام میں داخل ہوتی گئیں اسی اثر سے متاثر ہوتی گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اسلامی اخلاق کی جسم تصوری تھے۔ ان کا خلوص انتظام الی اللہ لذ اندوزنیا سے اجتناب حفظ لسان، حق پرستی، راست گوئی یہ اوصاف خود بخود لوگوں کے دلوں میں اثر کر جاتے تھے اور ہر شخص جو ان کی صحبت میں رہتا تھا۔ کم و بیش اس قلب میں ڈھلن جاتا تھا۔ سورین مخرمه کا بیان ہے کہ ہم اس غرض سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رہتے تھے کہ پہیزگاری اور تقویٰ سیکھ جائیں۔ مؤذن خ مسعودی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات اس جملے سے شروع کئے ہیں کہ ان میں جو اوصاف تھے وہ اُنکے تمام افسروں اور عمدہ داروں میں پھیل گئے تھے پھر نمونے کے طور پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سعید بن عامر وغیرہ کے نام اور ان کے اوصاف لکھتے ہیں۔

### فخر و غور کا استیصال

عرب میں جو اخلاق ذمہ جاتیں کی یادگار رہ گئے تھے وہ نسب کا فخر و غور عام لوگوں

کی تحقیر، بجود بگوئی، عشق و ہوا پرستی پاہ نوشی اور سے پرستی تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام بیووہ اخلاق کا استیصال کر دیا۔ جو چیزیں فخر و غور کی علامت تھیں، بالکل مٹا دیں۔ لڑائیوں میں جو قبائل اپنے قبیلوں کی بے پناہ تھے اس کو حکماً بند کر دیا۔ آقا اور نوکر کی جو تمیز تھی بالکل اخدادی، ایک دفعہ صفوان بن امیہ نے جب بہت سے معزز لوگوں کے ساتھ ان کی دعوت کی اور نوکروں کو کھانے پر نہیں بٹھایا تو نہایت بر فروختہ ہو کر کہا کہ ”خدا ان سے سمجھے جو نوکروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔“

ایک دفعہ بہت سے لوگ ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو بڑے ربیع کے صحابی تھے ملنے گئے جب وہ مجلس سے اٹھے تو ادب اور تعلیم کے لئے لوگ ان کے ساتھ ساتھ چلے آفان سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ادھر آنکھے یہ حالت دیکھ کر ابی کے ایک کوڑا لگایا، ان کو تعجب و رکھا خیر ہے! یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا اوماتری لفتنہ للمتبع مذکونہ للتابع (اسد الغافر ترجمہ زرقان) یعنی تم نہیں جانتے یہ امر متبع کے لئے قند اور تابع کے لئے ذلت ہے۔

### بجو کی ممانعت

بجود بگوئی کا ذریعہ شعرو شاعری تھا۔ شعراء جا بجا لوگوں کی بھوکھتے تھے اور چونکہ عرب میں شعر کو رواج عام حاصل تھا۔ اس لئے یہ بھویں نہایت جلد مشتری ہو جاتی تھیں اور ان سے سینکنوں مقاصد پیدا ہوتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھو کو ایک جرم قرار دیا۔ اور اس کے لئے سزا مقرر کی۔ چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولیات میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ اس نامے کا مشور شاعر تھا۔ اوز سودا کی طرح فن بھویں کمال رکھتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو طلب کر کے ایک تہ خانے میں قید کیا۔ اور اس شرط پر چھوڑا کہ پھر بھو کی کبھی نہیں لکھے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نامے میں قریش نے جب تھیوں سے عاجز ہو کر مسلمانوں کی اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بھویں کہنی شروع کیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان کو ترکی بترکی جواب دینے کی اجازت دی تھی۔ یہ اشعار قریش کے اسلام لانے کے بعد بھی متداول تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عمد خلافت میں حکم دیا کہ وہ اب نہ پڑھے جائیں کیونکہ ان سے پرانی رنجیشیں تانو ہوتی ہیں۔ (آغاز تذکرہ حسان بن ثابت ۲)

## ہو اپرستی کی روک

عشق و ہوس پرستی کا بھی بڑا ذریعہ یہی شعرو شاعری تھا۔ شعراء زیادہ تر رندا نہ اور ایسا نہ اشعار لکھتے تھے اور ان میں اپنے معشو قول کے نام تصریح کے ساتھ لیتے تھے مذاق عام ہونے کی وجہ سے یہ اشعار بچ پچ کی زبان پر چڑھ جاتے تھے اور اس کی وجہ سے رندا و آورگی ان کے خمیر میں داخل ہو جاتی تھی۔

## شاعری کی اصلاح

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قطعی حکم دیا کہ شعراء عورتوں کی نسبت عشقیہ اشعار نہ لکھنے پائیں۔ چنانچہ صاحب اسد الغابہ نے حمید بن ثور کے تذکرے میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھا ہے۔ *تقىم عمر بن الخطاب الى الشعراء ان لا يتشبب احد به امرأة الاجلة۔*

## شراب خوری

شراب پینے کی جو سزا پلے سے مقرر تھی اس کو زیادہ سخت کر دیا۔ یعنی پلے ۲۰ درے مارے جاتے تھے انہوں نے ۲۰ درے سے ۸۰ درے کر دیتے ان سب باтол کا نتیجہ یہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ اس نامے میں دولت کی کثرت اور فتوحات کی وسعت کی وجہ سے عیش و عشرت کے لئے بے انتہا سامان مہیا ہو گئے تھے تاہم لوگ عیش و عشرت بہترانہ ہوئے پائے اور جس پاک اور مقدس زندگی کی بنیاد شارع علیہ السلام نے ڈالی تھی وہ اسی استواری کے ساتھ قائم رہی۔

## آزادی اور حق گوئی قائم رکھنا

اخلاق کی پختگی اور استواری کا اصلی سرچشمہ آزادی اور خودداری ہے، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر بہت توجہ کی اور یہ وہ خصوصیت ہے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اور خلافاً کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ بنو امیہ تو شروع ہی سے آزادی کے دشمن تک یہاں تک کہ عبد الملک نے قطعی حکم دے دیا کہ کوئی شخص اس کے احکام پر زبان نہ کھولنے پائے حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے البتہ آزادی سے تعرض نہیں کیا۔ لیکن اس کے خطرات کی روک تھام نہ کر سکے جس کی بدولت حضرت عثمان

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی نوبت پہنچی، اور جناب امیر کو جمل و صفين کے معمر کے جھینٹے پڑے برخلاف اس کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت اعلیٰ درجہ کی آزادی قائم رکھنے کے ساتھ حکومت کے جبوت میں ذرا کمی نہ آئے دی۔

مختلف موقعوں پر تحریر و تقریر سے جاویدا کہ ہر شخص ماں کے پیش سے آزاد پیدا ہوا ہے اور ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی کسی کے آگے ذلیل ہو کر نہیں رہ سکتا۔ عمرو بن العاص کے معزز فرزند نے جب ایک قبطی کو بے وجہ مارا تو خود اسی قبطی کے ہاتھ سے مجمع عام میں سزا دلوائی اور عمرو بن العاص اور ان کے بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر یہ الفاظ کہے۔

مذکوم تعبید تم الناس و قد ولدتهم امهاتهم احرارا۔

”یعنی تم لوگوں نے آدمیوں کو غلام کب سے بنالیا۔ ان کی ماوں نے تو ان کو آزاد جاتا تھا۔“

عرب میں جو لوگ معزز ہوتے تھے وہ اپنے قبیلہ کے سید یعنی آقا کملاتے تھے اور ان سے کم رتبہ کو لوگ ان الفاظ سے مخاطب کرتے تھے جعلنی اللہ فداء کہ بانی و امی یعنی خدا مجھ کو آپ پر قربان کر دے میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔

چونکہ ان الفاظ سے غلامی اور مخلوقی کی بو آتی تھی۔ مختلف موقعوں پر ان کی نسبت ناراضگی ظاہر کی۔ ایک شخص نے خود ان کی شان میں کہا تھا کہ جعلنی فداء ک تو فرمایا کہ اقا یہ میںک اللہ یعنی اگر خدا ایسا کرے گا تو مجھ کو ذلیل کرے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طریق عمل نے لوگوں کو جس تدر آزادی اور صاف گوئی پر دلیر کر دیا تھا اس کا صحیح انداز ذلیل کے واقعات سے ہو گا۔

ایک دفعہ انہوں نے منبر پر چڑھ کر کہا۔ صاحبو! اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم لوگ کیا کرو گے ایک شخص وہیں کھڑا ہو گیا اور توار میان سے کھینچ کر بولا کہ ”تمارا سراڑا دیں گے“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آزاد نے کوڈا نٹ کر کہا کہ ”کیا میری شان میں تو یہ الفاظ کہتا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں ہاں تمہاری شان میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا لحمد للہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ میں کچھ ہوں گا تو مجھ کو سیدھا کروں گے۔“

عراق کی فتح کے بعد اکثر بزرگوں نے عیسائی عورتوں سے شادیاں کر لی تھیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حذیفہ بن یہمان کو لکھا کہ میں اس کو ناپسند کرتا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ حکم آپ کی ذاتی رائے ہے یا شرعی حکم ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

لکھا کہ میری ذاتی رائے ہے۔ خدیفہ نے لکھ بھیجا کہ آپ کی ذاتی رائے کی پابندی ہم لوگوں پر ضوری نہیں۔ چنانچہ باوجود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ممانعت کے کثرت سے لوگوں نے شایدیاں کیں۔ موجود یعقوبی نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام عمالوں کامال و اسباب نیلام کر کے آوہماں بیت المال میں داخل کر دیا تو ایک عامل نے جس کا نام ابو بکر تھا صاف کیا کہ اگر یہ مال خدا کا تھا تو کل بیت المال میں داخل کرنا چاہئے تھا۔ اور ہمارا تھا تو اس سے تم کو لینے کا کیا حق تھا؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید اور ان کی تعلیم و تربیت کا یہ اثر ہوا کہ جماعت اسلامی کا ہر ممبر پاکیزہ نفسی، نیک خلی، حلم و تواضع، جرأت مندی و آزادی، حق پرستی و بے نیازی کی تصویر بن گیا، تاریخ کے موقع میں اس وقت کی مجالس اور مخالف کا نقشہ دیکھو تو ہر شخص کے حلیہ میں یہ خطوط خال صاف نظر آتے ہیں۔

### اجتہاد کی حیثیت محدث و فقیہ ہونا، اجتہاد کے منصب حدیث و فقہ

حدیث و فقہ کافن درحقیقت تمام تر ان کا ساختہ و پروانختہ ہے۔ صحابہؓ میں اور لوگ بھی محدث اور فقیہ تھے چنانچہ ان کی تعداد ۲۰۰ سے متجاوزہ بیان کی گئی ہے۔ لیکن فن کی ابتداء حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی اور فن کے اصول و قواعد اول انہوں نے قائم کئے۔

### احادیث کا تفہص

حدیث کے متعلق پہلا کام جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا کہ روایتوں کی تفہص و تلاش پر توجہ کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں احادیث کے اسناد کا خیال نہیں کیا گیا تھا۔ جس کو کوئی مسئلہ پیش آتا تھا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ کسی ایک صحابی کو فقہ کے تمام ابواب کے متعلق حدیثیں محفوظ نہ تھیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں زیادہ ضرورتیں پیش آئیں اس لئے مختلف صحابہ سے استفسار کرنے کی ضرورت پیش آئی اور احادیث کے استقراء کا راستہ لکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں چونکہ زیادہ کثرت سے واقعات پیش آئے کیونکہ فتوحات کی وسعت اور نو مسلموں کی کثرت نے سینکڑوں نئے مسائل پیدا کر دیئے تھے۔ اس لحاظ سے انہوں نے احادیث کی زیادہ تفہیش کی تاکہ مسائل آنحضرت کے اقوال کے

موافق طے کئے جائیں۔ اکثر ایسا ہوا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجمع عام میں جس میں اکثر صحابہ موجود ہوتے تھے پکار کر کہتے کہ اس مسئلے کے متعلق کسی کو حدیث معلوم ہے؟ تکمیر جنائز، عقل جنائز، جزئیہ جوں اور اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جن کی نسبت کتب احادیث میں نہایت تفصیل مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجمع صحابہ سے استفسار کر کے احادیث نبوی کا پتہ لگایا۔

### حدیث کی اشاعت

چونکہ حدیث جس قدر زیادہ شائع و مشترکی جائے اسی قدر اس کو قوت حاصل ہوتی ہے اور پچھلوں کے لئے قابل استناد قرار پاتی ہے اس لئے اس کی نشوواشاعت کی بہت سی تغیریں اختیار کیں۔

① احادیث نبوی کو بالفاظہما نقل کر کے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجتے تھے جس سے ان کی عام اشاعت ہو جاتی تھی۔ یہ حدیثیں اکثر مسائل اور احکام کے متعلق ہوتی تھیں۔

② صحابہ میں جو لوگ فن حدیث کے ارکان تھے ان کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لئے بھیجا، شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں چنانچہ فاروق اعظم عبد اللہ بن مسعود را بآجتے کوفہ فرستاد، معقل بن یسار و عبد اللہ بن معقل و عمران بن حصین را بصرہ، عبادہ بن صامت و ابو دروا راشام و معاویہ بن ابی سفیان کہ امیر شام بود قد غن طیخ نوشت کہ از حدیث ایشان تجاوز کنند۔ (ازالۃ الحفاء صفحہ ۶۷ حصہ دوم)

### ایک دلیق نکتہ

اس موقع پر ایک دلیق نکتہ خیال رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ عام خیال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث کی اشاعت میں بہت کچھ اہتمام کیا لیکن خود بہت کم حدیثیں روایت کیں۔ چنانچہ کل وہ مرفوع احادیث..... جوان سے بروایت صحیح مروی ہیں ستر سے زیادہ نہیں، یہ خیال بظاہر صحیح ہے۔ لیکن واقع میں یہاں ایک غلط فہمی ہے۔ محمد شین کے نزدیک یہ اصول مسلم ہے کہ صحابی جب کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جس میں رائے اور اجتہاد کو خل نہیں تو گوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لے لیکن مطلب یہی ہو گا کہ اس نے رسول اللہ سے نہ ہے اور واقع میں یہ اصول بالکل عقل کے مطابق ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مثلاً تمام ممالک میں لکھ بھیجا کہ زکوٰۃ فلاں فلاں چیزوں پر فرض ہے اور اس حساب سے فرض ہے۔ تو اس احتمال کا محل نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود شارع ہیں اور اپنی طرف سے احکام صادر کرتے ہیں لا محالة اس کے بیس معنی ہوں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے متعلق احکام صادر فرمائے تھے، زیادہ سے زیادہ اس احتمال کا موقع باقی رہتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث کا مطلب صحیح نہیں سمجھا اور اس لئے ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقدار کی تعداد کو فرض نہ کیا ہو بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو اپنی فہم کے مطابق فرض سمجھا۔ لیکن یہ احتمال خود ان احادیث میں بھی قائم رہتا ہے جن میں صحابی نے علائیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا ہو۔

اس اصول کی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبوں میں تحریری ہدایتوں میں فرائیں میں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، غیرہ کے متعلق جو اصولی مسائل بیان کئے وہ در حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام ہیں گو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لیا ہو۔

شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں ہفتہم آنکہ مضمون احادیث در خطب خود ارشاد فرمایہ تا اصل احادیث بآں موقوف خلیفہ قوت یا بداینکہ بغور خن نمیر سندرہ ہند آنکہ در متفق علیہ از حضرت صدیق صحیح شد گر شش حدیث و از فاروق اعظم بہ صحبت زید مگر قریب ہفتاد حدیث ایں رانی فہرست و نمی دانتند کہ حضرت فاروق تمام علم حدیث را الجمال تقویت داوہ اعلان نمودہ۔

### احادیث میں فرق مراتب

حدیث کے شخص و جستجو اور اشاعت و ترویج کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ کیا اگرچہ وہ خود مسمتہم بالاشان کام تھے لیکن اس باب میں ان کی فضیلت کا اصلی کارنامہ ایک اور چیز ہے جو انہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ احادیث کی طرف اس وقت جو میلان عام تھا وہ خود بخود احادیث کی اشاعت کا برا سبب تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں نکتہ سنبھال کیں اور جو فرق مراتب پیدا کیا اس پر کسی کی نگاہ نہیں پڑی تھی۔ سب سے پہلے انہوں نے اس پر لحاظ کیا کہ احادیث میں زیادہ قابل اعتماء کس قسم کی حدیثیں ہیں؟

کیونکہ گورسول اللہ کا ہر قول و فعل عقیدت کیشیں کے لئے سمجھیئے مراد ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے اس بناء پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے تمام ترویج ان احادیث کی روایت اور اشاعت پر مبنی کی جن سے عبادت یا معاملات یا اخلاق کے مسائل مستنبط ہوتے تھے جو حدیثیں ان مفہومیں سے الگ تھیں ان کی روایت کے ساتھ چند اس اعتماء نہیں کیا۔ اس میں ایک بڑا نکتہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اقوال و افعال جو منصب رسالت سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ جو بشری حیثیت سے ہیں باہم مختلطانہ ہونے پائیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں۔ ”باستقراء تمام معلوم شد کہ فائق عظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نظر حق و تفرقہ میان احادیث کہ بہ تبلیغ شرائع و تمجیل افراد بشر تعلق دارہ“ از غیر آئی مصروف می ساخت ”لہذا احادیث شامل آنحضرت صلیعہ و علیہ السلام احادیث سنن زوائد رلیاس و عادات کمتر روایت می کرہ بدو وجہ یکے آنکہ اینہا از علوم تکلیفیہ و تشریعیہ نیست“ از سنن زوائد بہ سنن بدی مشتبہ گردہ“۔ (ازالۃ المخاء حصہ دوم صفحہ ۲۷)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان حدیثوں کی روایت کا بھی اہتمام نہیں کیا جس میں الفاظ مخصوصہ کے ساتھ دعا نہیں منقول تھیں، حالانکہ بہت سے بزرگوں کی روایتوں میں بڑا فرقہ اسی قسم کی حدیثوں کا ہے اس کی وجہ جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بات کو جانتے تھے کہ دعاء کے قبول و عدم قبول کا مدار خلوص و تضرع پر ہے نہ الفاظ پر۔ (ایضاً)

سب سے بڑا کام جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ نہ اس فن کے متعلق کیا، وہ حدیثوں کی تحقیق و تنقید اور فن جرح و تعديل کا ایجاد کرنا تھا۔

## روایت کی چھان بیں

آج کل بلکہ مدت میں سے یہ حالت ہے کہ جو چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کروی جاتی ہے گو صحیح نہ ہواں کو فوراً رواج اور قبول حاصل ہو جاتا ہے، اسی بناء پر یہودیوں کی تمام مزخرفات احادیث نبوی کے مجموعہ میں شامل ہو گئیں۔ حدیثیں نے اتنا کیا کہ جرج و تعديل کی روک روک سے تمیم کروک دیا۔ لیکن جب کسی راوی کی تعديل ان کے نزدیک ثابت ہو جاتی تھی تو پھر ان کو زیادہ پرس و جوہ نہیں ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ قرون اول کی نسبت انہوں نے یہ عام کلیہ قائم کر لیا کہ کسی روایت میں ضعف کا احتمال نہیں ہو۔

سکتا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس نکتے سے واقف تھے کہ جو چیزیں خصائص بشری ہیں ان سے کوئی زمانہ مستثنی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے وہ احادیث کی چھان بین میں تمام وہی احتمالات بخوبی رکھتے تھے جو محدثین نے زمانہ با بعد میں پیدا کئے۔

ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے ملنے آئے اور تمیں دفعہ استیزان کے طور پر کہا کہ "السلام علیکم ابو موسیٰ حاضر ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کسی کام میں مصروف تھے اس لئے متوجہ نہ ہو سکے کام سے فارغ ہو چکے تو فرمایا کہ ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہاں ہیں؟ وہ آئے تو کہا کہ تم کیوں واپس گئے۔

انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تم دفعہ اذن مانگو اگر پھر بھی اجازت نہ ملے تو واپس جاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس روایت کا ثبوت دو۔ ورنہ میں تم کو سزا دوں گا۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کے پاس گئے اور حقیقت حال بیان کی۔ چنانچہ ابوسعید نے اگر شادوت دی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے حضرت ابی ابن کعب نے کہا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو عذاب دینا چاہتے ہو؟ فرمایا کہ میں نے ایک روایت سنی اور تصدیق کرنی لے چاہی۔ فقه کا ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ جس عورت کو طلاق بائیں دی جائے اس کو عدت کے زمانے تک نان و نفقہ ملتا چاہئے یا نہیں؟

قرآن مجید میں ہے کہ اسکتو ہن من حیث سکتم جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکان ملتا چاہئے اور مکان کے ساتھ نفقہ خود ایک لازمی چیز ہے۔ فاطمہ بنت قیس ایک صحابیہ تھیں ان کو ان کے شوہر نے طلاق بائیں دی وہ آخر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں کہ مجھ کو نان نفقہ کا حق ہے یا نہیں، ان کا بیان ہے کہ آخر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ فاطمہ نے یہ روایت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے بیان کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ لانترک کتاب اللہ ہے قول امراء لاندروی لعلہا حفظت اونسمیت یعنی ہم قرآن کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے۔ معلوم نہیں اس کو حدیث یاد رہی یا نہیں۔

سقط کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

لے یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ متعدد طریق سے صحیح مسلم باب الاستیزان میں ذکور ہے۔

سے مشورہ کیا۔ مغیو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے متعلق ایک حدیث روایت کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر تم پچھے ہو تو اور کوئی گواہ لاو۔ چنانچہ جب محمد بن مسلم نے تصدیق کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تسلیم کیا۔ اسی طرح حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقدمہ میں جب ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تائیدی شہادت طلب کی اور جب بہت سے لوگوں نے شہادت دی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کہ مجھ کو تمہاری طرف سے بدگمانی نہ تھی۔ لیکن میں نے حدیث کی نسبت اپناطمیناں کرنا چاہا۔ (یہ دونوں روایتیں تذكرة الحفاظات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں مذکور ہیں)

### کثرت روایت سے روکنا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چونکہ اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ روایت میں خواہ مخواہ کی بیشی ہو جاتی ہے اس لئے روایت کے بارے میں سخت احتیاط شروع کی۔ اس کے متعلق انہوں نے جوبند شیں کیس آج کل لوگوں کو ان پر مشکل سے یقین آسکتا ہے اس لئے میں اس موقع پر خود کچھ نہ لکھوں گا۔ بلکہ بڑے بڑے محدثین نے جو لکھا ہے اس کو نقل کر کے لفظی ترجمہ کروں گا۔ علامہ ذہبی نے جن سے بڑھ کر ان کے بعد کوئی محدث نہیں گذر اور جو حافظ ابن حجر و سخاوی وغیرہ کے شیخ الشیخ ہیں۔ تذكرة الحفاظات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں لکھتے ہیں۔

وَقَدْ كَانَ عُمَرُ مِنْ وَجْهِهِ أَنْ يَعْطُلُ الصَّاحِبَ عَلَى وَسُولِ اللَّهِ يَا مَرْهُومِ  
مِرْهُومِ أَنْ يَقُلُوا الرِّوَايَةُ عَنْ يَهُمْ وَلَشَلَّا يَتَشَاغِلُ بِالْحَادِيثِ عَنْ  
حَفْظِ الْقُرْآنِ عَنْ قَرْظَةِ بَنِ كَعْبٍ قَالَ لِمَا سِيرَنَا عَمْرًا إِلَى الْعَرَاقِ۔  
مَشَى مَعْنَا عَزْرُوا وَقَالَ اتَدْرُونَ لِمَا شَيْعَتُكُمْ قَالُوا أَنَّعَمْ مَكْرُمَةً  
لَنَا۔ قَالَ وَمَعَ ذَالِكَ وَإِنْكُمْ تَاتُونَ أَهْلَ قَرِبَةَ لَهُمْ دُوَى بِالْقُرْآنِ  
كَمْوَى النَّحْلِ فَلَا تَصْدُو هُمْ بِالْحَادِيثِ فَتَشَغَلُو هُمْ جَرِدوا  
الْقُرْآنَ وَأَقْلَوَا الرِّوَايَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ وَإِنَا شَرِيكُمْ فَلَمَّا قَدِمْ  
قَرْظَةَ قَالَوا حَدَّثَنَا فَقَالَ نَهَا نَعْمَرَ عَنْ أَبِي سَلْمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ  
قَلَّتْ لَهُ كَنْتَ تَحْدِثُ فِي زَمَانِ عُمَرَ هَكَذَا قَالَ لَوْ كَنْتَ أَحْدَثَ فِي  
زَمَانِ عُمَرٍ مِثْلَ مَا أَحْدَثْتُكُمْ لَفَضَرِبَنِي بِمَخْفَقَةٍ أَنْ عُمَرَ حَبَسَ

ثلاثہ ابن مسعود وابا للوداء وابا مسعود الانصاری ف قال قد

اکثر تم الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

”یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس ذرے کے صحابہ آنحضرت سے روایت کرنے میں غلطی نہ کریں صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہ سے کم روایت کریں تاکہ لوگ حدیث میں مشغول ہو کر قرآن کے یاد کرنے سے غافل نہ ہو جائیں قرند بن کعب سے روایت ہے کہ جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم کو عراق پر روانہ کیا تو خود مشایعت کو نکلے اور کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ میں کیوں تمہارے ساتھ ساتھ آتا ہوں؟ لوگوں نے کہا ہماری عزت برعکانے کو فرمایا کہ ہاں لیکن اس کے ساتھ یہ غرض بھی ہے کہ تم لوگ ایسے مقام میں جاتے ہو جہاں کے لوگوں کی آواز شد کی مکھیوں کی طرح قرآن پڑھنے میں گوئی بھی رہتی ہے تو ان کو حدیثوں میں نہ پھنسالینا قرآن میں آمیزش نہ کرو اور رسول اللہ سے کم روایت کرو اور میں تمہارا شریک ہوں پس جب قرند وہاں پہنچے تو لوگوں نے کہا کہ حدیث بیان کیجئے انہوں نے کہا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم کو منع کیا ہے ابو سلمہ کہتے ہیں کہ ہم نے ابو ہریرہ سے پوچھا کہ آپ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کرتے تھے انہوں نے کہا کہ اگر میں ایسا کرتا تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے کو درے سے مارتے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو دردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو محبوس کیا اور کہا کہ تم نے آنحضرت سے بہت حدیثیں روایت کرنی شروع کیں۔

مسندواری میں قرند بن کعب کی روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مطلب تھا کہ غزوات کے متعلق کم روایت کی جائے اس سے فراغ اور سنن مقصود نہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب واری کے قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں، میرے نزدیک آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے شاائل اور عادات کی حدیثیں مراد ہیں۔ کیونکہ ان سے کوئی غرض شرعی متعلق نہیں۔ یا وہ حدیثیں مقصود ہیں جن کے حفظ اور ضبط میں کافی اہتمام نہیں کیا گیا۔ (ازالت الحفاء صفحہ ۱۷۱ حصہ دوم)

ہمارے نزدیک ان تاویلات کی ضرورت نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد خود انہی کی تصریح سے معلوم ہو سکتا ہے۔ مؤذن بلاذری نے جو محدث بھی ہیں انساب الاشراف میں روایت کی ہے کہ لوگوں نے ان سے کوئی مسئلہ پوچھا تو فرمایا۔

**لولا اني اكر ما ان ازيد على الحديث او انتص لعده تكتم به**

”یعنی اگر مجھے ذرہ ہو تاکہ حدیث کی روایت کرنے میں مجھ سے کچھ کی بیشی ہو جائے گی تو میں حدیث بیان کرتا۔“

مؤذن خدا کوئی اس روایت کو بسند مصل روایت کیا ہے اور رواۃ یہ ہیں۔ محمد بن سعد، عبدالحمید بن عبد الرحمن الحماقی، نعمن، بن ثابت (ابو حنیفہ) موسی بن طلحہ، ابو الحسن شعبان حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی نسبت جو ذر تھا وہی اوروں کی نسبت بھی ہونا چاہیے تھا۔ اس خیال کی تصدیق اس سے اور زیادہ ہوتی ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مقامات علمی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تربیت یا فتح خاص تھے ان کی نسبت حدیثیں نے لکھا ہے کہ۔

**بشد دلي الرواية ويزجر تلاميذه عن التهاون في ضبط الانفاظ**

(تذكرة الحفاظ تذكرة عبد اللہ بن مسعود)

”یعنی وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو ڈانتھت رہتے تھے کہ الفاظ حدیث کے محفوظ رکھنے میں بے پرواہی نہ کریں۔“

حدیثیں نے بھی لکھا ہے کہ وہ کم حدیثیں روایت کرتے تھے یہاں تک کہ سال سال بھر قل رسول اللہ نہیں کہتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روایت کے بارے میں جو احتیاط تھی اگرچہ ان سے پہلے بھی اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تھی۔ علامہ ذہبی نے تذكرة الحفاظ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے احادیث کے باب میں احتیاط کی وہ ابو بکر تھے علامہ موصوف نے حاکم سے یہ بھی روایت کی ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ممہر حدیثیں قلبند کی تھیں۔ لیکن پھر ان کو اُگ میں جلا دیا اور کہا کہ ممکن ہے کہ میں نے ایک شخص کو لشک سمجھ کر اس کے ذریعہ سے روایت

کی ہو اور وہ درحقیقت ثقہ نہ ہو۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احتیاط اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احتیاط میں فرق تھا۔ اور صحابہ صرف راوی کے ثقہ اور عدم ثقہ ہونے کا لحاظ رکھتے تھے کہ راوی نے واقعہ کی پوری حقیقت سمجھی یا نہیں۔ حضرت عائشہ نے اسی بناء پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اکثر مواخذات کئے ورنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ثقہ ہونے میں ان کو بھی کلام نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روک ٹوک اور ضبط احتیاط سے اگرچہ یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ حدیثیں کم روایت کی گئیں۔ لیکن وہ ہر قسم کے احتمالات سے بے داغ تھیں۔ ان کے بعد اگرچہ احادیث کو بہت وسعت ہو گئی لیکن وہ اعتماد اور قوت کا وہ پایہ نہ رہا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے نمایت بیج لکھا ہے کہ ”ہر چند جمع صحابہ عده عمل انور روایت ہمہ مقبول، عمل بہوجب آنچہ برداشت صدوق از ایشان ثابت شود لازم“ آما در میان آنچہ از حدیث و فقہ در زمان فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بود، آنچہ بعد وہ حدث شدہ فرق مابین السوت والارض است۔“ (از الاما خناناء صفحہ ۲۷۱)

### صحابہ میں جو لوگ کم روایت کرتے تھے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احادیث کے متعلق احتیاط و تشدید کا جو خیال پیدا کیا وہ اگرچہ رواج عام نہ پاس کا۔ لیکن محققین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں یہ خیال بے اثر نہ رہا۔ عبد اللہ بن مسعود کی نسبت عام شہرت ہے اور منداری وغیرہ میں جامیجاً تصریح ہے کہ احادیث کی روایت کے وقت ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ بیان کرتے تھے تو کہتے جاتے تھے کہ آنحضرت نے یہ لفظ فرمایا یا شاید اس کے مشابہ یا اس کے قریب یا اس کی مثل، ابودرواء اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بہت بڑے صحابی تھے ان کا بھی یہی حال تھا۔ امام شعی کا بیان ہے کہ میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ سال بھر رہا۔ اس مدت میں ان سے صرف ایک حدیث سنی۔ ثابت بن قطبہ الانصاری کی روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ بھر میں دو تین حدیث روایت کرتے تھے سائب بن یزید کا قول ہے کہ میں سعد و قاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ سے مدینہ تک گیا اور آیا، لیکن انہوں نے اس مدت میں ایک حدیث بھی روایت نہیں کی۔ چنانچہ یہ تمام واقعات اور روایتیں صحیح داری میں بسند متصل منقول ہیں۔

سنداور روایت کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مقدم اصول قائم کئے ان کو اجمالاً بیان کیا جاتا ہے۔

- ① روایت کا بالمنظور ہونا ضروری ہے۔
- ② خبر واحد میں تائیدی شادت کی حاجت ہے جس کو محدثین کی اصطلاح میں تابع اور شاہد کہتے ہیں۔
- ③ محض راوی کا ثقہ ہونا روایت کے لئے کافی نہیں۔
- ④ خبر واحد یہیش قابل جست نہیں ہوتی۔
- ⑤ روایت کے اعتبار میں موقع اور محل کی خصوصیت کا لحاظ شرط ہے۔

### علم فقه

فقہ کافی نہیں تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساختہ و پرواختہ ہے، اس فن کے متعلق ان کی قابلیت اور افضلیت کا تمام صحابہ کو اعتراف تھا۔ مسندواری میں ہے کہ حذیفہ بن الیمان نے کہا کہ فتویٰ دینا اس شخص کا کام ہے جو امام ہو یا قرآن کے ناسخ و منسوخ جانتا ہو۔ لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کون شخص ہے۔ حذیفہ نے کہا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علم دوسرا پلہ میں تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پلہ بھاری رہے۔ گا۔ علامہ ابو الحسن شیرازی نے جو درسہ نظامیہ کے درس اعظم تھے فقہاء کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تذکرے میں صحابہ و تابعین کے اس قسم کے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں اور آخر میں لکھا ہے۔

ولولا خوف الا طاللة لذكرت من فقهه ما يتعجب فيه كل فاضل۔

”یعنی اگر تطویل کا خوف نہ ہوتا تو میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتویٰ اور ان میں جو فقہ کے اصول پائے جاتے ہیں اس قدر لکھتا ہے کہ فضلاً حیران رہ جاتے۔“

**فقہ کے تمام سلسلوں کے مرجع حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ**

علامہ موصوف نے جس چیز کو قلم انداز کیا ہے ہم اس کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ

آگے چل کر لکھیں گے لیکن یہ بتانا ہے کہ فقہ کے جس قدر سلسلے آج اسلام میں قائم ہیں سب کا مرجع حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات بابرکات ہے بلا اسلام میں جو مقامات فقہ کے مرکز مانے جاتے ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ مختصر مذہب منورہ، بصرہ، کوفہ، شام، اس انتساب کی وجہ یہ ہے کہ فقہ کے بڑے بڑے شیوخ اور بانی فن انسی مقامات کے رہنے والے تھے مثلاً کہ مختصر کے شیخ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے مذہب منورہ کے زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ کے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کے ابو درداء و معاذ بن جبل، ان میں (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا) اکثر بزرگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی صحبت سے مستفید ہوتے تھے، اور خاص کر عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک ساعت کا بیٹھنا میں سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہوں۔

(استیعاب قاضی بن عبد البر ازالۃ الخفاء صفحہ ۳۶۹ حصہ اول)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گویا اپنے دامن تہیت میں پالا تھا۔ یہاں تک کہ لوگوں کو اس پر رٹک ہوتا تھا۔ صحیح بخاری میں خود حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ کو شیوخ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے اس پر بعض بزرگوں نے کہا کہ آپ اس نو عمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں۔ اور ہمارے لڑکوں کو جوان کے ہمسر ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے"۔

محدث ابن عبد البر نے استیعاب میں لکھا ہے کان عمر رحب ابن عباس ویقرہ، یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن عباس کو محبوب رکھتے تھے اور ان کو تقرب دیتے تھے، اکثر ایسا ہوتا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا۔ عبداللہ بن عباس اس کا جواب دیتا چاہتے لیکن کم سنی کی وجہ سے جوہ جکھتے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی بہت بندھاتے اور فراتے علم سن کی کمی اور نیادتی پر موقف نہیں کوئی شخص اگر عبداللہ بن عباس کے مجتہدات کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسائل سے ملائے تو صاف نظر آئے گا کہ دونوں میں استفادہ اور شاگرد کا تناسب ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ہی تھے

زید بن ثابت برسوں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت میں تحریر کا کام کرتے رہے تھے امام شیعی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کے سائل باہم ملٹے جلتے ہیں۔ (فتح المغیث صفحہ ۳۸)

### صحابہ میں چھ شخص فقہ کے امام تھے

محدثین کا عام بیان ہے کہ رسول اللہ کے اصحاب میں چھ شخص تھے جن پر علم فقہ کا مدار تھا۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار میں روایت کی ہے۔ ستة من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بتذا کروں الفقه، یعنی علم علی این اہی طالب و اہی واہو مومنی علیہ حدة و عمر و زید و ابن مسعود علیہ حدة یعنی اصحاب رسول اللہ میں چھ شخص تھے جو باہم سائل قسمیں بحث و ذرا کر تے تھے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابی اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک ساتھ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ساتھ مصنفوں ابن سلیم کا قول ہے لہم بکن یقتنی فی ذمِن النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر عمر و علی و معاذ اہی مومنی (تذكرة الحفاظ علامہ ذہبی ذکر ابی موسیٰ اشعری)۔ یعنی آخرین حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صرف چار شخص فتویٰ دیتے تھے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، معاذ، ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم امام شیعی کا مقولہ ہے کان العلم بیوخذ عن ستة من الصحابة (فتح المغیث صفحہ ۳۸) یعنی علم چھ صحابہ سے سیکھا جاتا تھا۔

اگرچہ یہ تحدید بظاہر مستبعد معلوم ہوتی ہے، کیونکہ ہزاروں صحابہ میں صرف ۷۲ یا ۷۳ مفتیوں کی تعداد خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت سے سائل ایسے ہیں جن میں حدیث صحیح، صاف اور مصوح موجود ہے اور کوئی حدیث اس کے معارض بھی نہیں، ان سائل کے لئے فقط احادیث کا جاننا کافی ہے۔ اس کے برخلاف بہت سے سائل ایسے ہیں جن کی نسبت حدیث میں کوئی حکم بصرخ موجود نہیں بلکہ قواعد استنباط کے ذریعے سے حکم متخرج ہوتا ہے یا حکم کی تصریح ہے لیکن اور حدیثیں اس کی معارض ہیں۔

ایسی صورتوں میں اجتہاد اور استنباط کی ضرورت پڑتی ہے اور فقہ دراصل اسی کا نام ہے۔ صحابہ میں ایسے بہت سے بزرگ تھے جو پہلی قسم کے مسائل کے متعلق فتویٰ دیتے اور مفتی کملاتے تھے۔ چنانچہ ان کی تعداد ۲۰ تک پہنچتی ہے، لیکن دوسری قسم کے مسائل کا فیصلہ کرنا انہی لوگوں کا کام تھا جو فن کے باñی اور امام تھے اور اس درجه کے لوگ وہی چوہ بزرگ تھے جن کا اپر ذکر گذر رہا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب چار صاحبوں یعنی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عباس کا نام لکھ کر لکھتے ہیں۔

واما خير هؤلاء الاربعة فكانوا يرون دلالة ولكن ما كان  
يتميزون الركن والشرط من الآداب والسنن ولم يكن لهم قول  
عند تعارض الأخبار وتقابل الدلائل إلا قليلاً كاين عمر و  
عائشة وزيد بن ثابت۔ (جستہ اللہ البالغ صفحہ)

”یعنی ان چاروں کے سوا باقی جو لوگ تھے وہ مطالب صحیح تھے لیکن آداب و سنن اور ارکان و شرائط میں امتیاز و تفریق نہیں کر سکتے تھے اور جمال حدیث میں متعارض ہوتیں تھیں اور دلائل میں تقابل ہوتا تھا وہاں وہ بجز بعض موقوں کے دخل نہیں دیتے تھے مثلاً ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زید بن ثابت۔“

بہر حال مجتہدین صحابہؓ سے زیادہ نہ تھے ان کی کیفیت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم صحبت اکثر وہ لوگ تھے جو فن حدیث و روایت میں بلند پایہ نہ تھے۔ صحیح مسلم کے مقدمہ میں ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں کے سوا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جن لوگوں نے روایتیں کیں، ان پر اعتبار نہیں کیا جاتا تھا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعلیم روایت کے لئے شام بھیجا تھا۔ لیکن ان کا سنہ ۱۸ھ بھری میں انتقال ہو گیا۔ اس لئے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، حدیث او چند اس باقی نماند۔ (ازالت الخفاء صفحہ ۷۸ حصہ دوم)

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص شاگردوں میں تھے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر تحریر کے ذریعے سے حدیث و فقہ کے مسائل تعلیم کرتے رہتے تھے۔ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی دراصل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

مقلد تھے شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں، وزیر بن ثابت نیز دراکثر تبع اورست۔ ان واقعات سے معلوم ہو گا کہ صحابہ میں جن جن لوگوں کی فقہ کاررواج ہوا وہ سب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تربیت یافتہ تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان مسائل تقبیہ میں جس قدر فکر اور خوض کیا تھا۔ صحابہ میں سے کسی نے نہیں کیا تھا۔ انہوں نے آغاز اسلام ہی سے فقہ کو مطبع نظر پہاڑا یا تھا۔ قرآن مجید میں جو مسائل فقہ مذکور ہیں ان میں جب ابہام ہوتا تھا وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے تھے اور جب پوری تسلی نہیں ہوتی تھی بس نہیں کرتے تھے یہ بات اور اصحاب کو حاصل نہ تھی۔ کیونکہ ان کے برابر کوئی شخص رسول اللہ کی خدمت میں کرنے سننے کی جرأت نہیں رکھتا تھا۔ کلالہ کے مسئلہ کو جو ایک دسی اور نہایت مختلف فیہ مسئلہ ہے انہوں نے آخر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر بار بار دریافت کیا کہ آپ حق آگئے اور فرمایا کہ سورہ نساء کی آخر آیت تیرے لئے کافی ہو سکتی ہے۔  
(مسند امام احمد بن حنبل)

### مشکل مسائل قلبند کرنا

جو مسائل زیادہ مشکل ہوتے ان کو یادداشت کے طور پر لکھ لیتے اور یہی شے ان پر غور کیا کرتے۔ وقار فرقہ قرآن کے متعلق جو رائے قائم ہوتی اس کو قلبند اور زیادہ غور و فکر سے اس میں محو و اثبات کیا کرتے پھوپھی کی میراث کی نسبت جو یادداشت لکھی تھی اور آخر اس کو محو کر دیا اس کا حال امام محمد نے مؤطا میں لکھا ہے (مؤطا امام محمد صفحہ ۳۲۱)۔ قسطانی نے شرح بخاری میں معتمد حوالہ سے نقل کیا ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سو مختلف رائے قائم کیں۔

### دقیق مسائل میں وقار فرقہ خوض کرتے رہنا

بعض مسائل کے متعلق ان کو مرتبے دم تک کاوش رہی۔ اور کوئی قطعی رائے نہ قائم کر سکے۔ منداری میں ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق انہوں نے ایک تحریر لکھی تھی۔ لیکن مرنے کے قریب اس کو ملغوا کر مٹا دیا۔ اور کہا کہ آپ لوگ خود اس کا فیصلہ کیجئے گا۔ اسی کتاب میں یہ روایت بھی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زخمی ہوئے تو صحابہ کو بلا کر کہا کہ میں نے دادا کی میراث کے متعلق رائے قائم کی تھی۔ اگر آپ لوگ چاہیں تو اس کو

قبول کریں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کما کہ آپ کی رائے ہم بول کر لیں تب بھی بہتر ہے لیکن ابو بکر کی رائے مانیں تو وہ بڑے صاحب الرائے تھے، اکثر کہا کرتے تھے کہ کاش رسول اللہ تعالیٰ مسئللوں کے متعلق کوئی تحریر قلمبند فرماجاتے کلالہ، دادا کی میراث، ربط کی بعض اقسام مسائل قسمیہ کے متعلق ان کو جو کدو کاوش رہتی تھی اس کا اندازہ کرنے کے لئے ذیل کی مثال کافی ہوگی۔

ورش کے بیان میں خدا نے ایک تم کے وارث کو کلالہ سے تعبیر کیا ہے لیکن چونکہ قرآن مجید میں اس کی تعریف مفصل نہ کرو نہیں اس لئے صحابہ میں اختلاف تھا۔ کہ کلالہ میں کون کون ورش میں داخل ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند بار دریافت کیا، اس پر تسلی نہیں ہوئی تو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک یادداشت لکھ کر دی رسول اللہ سے دریافت کرنا پھر انی خلافت کے زمانے میں تمام صحابہ کو جمع کر کے اس مسئلہ کو پیش کیا۔ لیکن ان تمام باتوں پر ان کو کافی تسلی نہیں ہوئی۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر تین چیزوں کی حقیقت بتا جاتے تو مجھ کو دنیا اور ما فیها سے زیادہ عزیز ہوتی۔ خلافت کلالہ ربط چنانچہ ان تمام واقعات کو محدث عباد الدین ابن کثیر نے صحیح حدیثوں کے حوالے سے اپنی تفسیر قرآن میں نقل کیا ہے۔

### فتوات کی وسعت کی وجہ سے نئے نئے مسئللوں کا پیدا ہونا

چونکہ ان کے زمانے میں فتوحات نہایت تیزی سے بڑھتی جاتی تھیں اور تمدن روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا۔ اس لئے نہایت کثرت سے معاملات کی نئی نئی شکلیں پیش آتی جاتی تھیں۔ اگرچہ ہر جگہ قاضی اور مفتی مقرر تھے اور یہ لوگ اکثر اکابر صحابہ میں سے تھے تاہم، بت سے مسائل میں وہ لوگ عاجز آتے اور بارگاہ خلافت کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ اس بناء پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بت سے چیخیدہ اور غیر منصوص مسائل پر غور و فکر کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ ان کے فتوے جو نہایت کثرت سے تمام کتابوں میں منقول ہیں زیادہ تر انی مسائل کے متعلق ہیں جو ممالک مختلف سے ان کے پاس جواب کے لئے آئے چنانچہ مصنف ابن الیشید وغیرہ میں فتووں کے ساتھ فتویٰ پوچھنے والوں کے نام بھی موجود ہیں۔

### لوگوں کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استفسار کرنا

مثلاً عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو موسیٰ

اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن جراح۔ مخیوں بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ وغیرہ۔

## صحابہ کے مشورہ سے مسائل طے کرنا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ خود بہت بڑے فقیر تھے ان کی رائے بھی فتویٰ کے لئے کافی ہو سکتی تھی۔ تاہم احتیاط کے لئے وہ اکثر مسائل کو عموماً صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں پیش کرتے تھے اور ان پر نمایت آزادی اور نکتہ سنجی کے ساتھ بحثیں ہوتی تھیں، علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی ایسے مسئلہ کو جوان سے پہلے طے نہیں ہوا تھا بغیر صحابہ کے مشورہ کے فیصلہ نہیں کیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب ججۃ اللہ الباشہ میں لکھتے ہیں۔

کان من سیرة عمر<sup>نہ</sup> کان یشاور الصحابة ویناظرهم حتیٰ  
تنكشف الغمة ویاتیه الشیع فصار خالب قضایا وفتاویہ متبعاً  
فی مشارق الارض ومخاریبها۔

”حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورہ اور مناظرہ کرتے تھے یہاں تک کہ پردہ اٹھ جاتا تھا اور یقین آ جاتا تھا، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتوؤں کی تمام مشرق و مغرب میں پیروی کی گئی۔“

## مسائل اجتماعیہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن مسائل کو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مجمع میں پیش کر کے طے کیا ان کی تعداد کچھ کم نہیں، اور کتب احادیث و آثار میں ان کی پوری تفصیل ملتی ہے۔ مثلاً یہ حق نے روایت کی ہے کہ غسل جنابت کی ایک صورت خاص میں (یہ حق نے اس کی تصریح کی ہے) صحابہ میں اختلاف تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ مساجرین اور انصارِ جمع کئے جائیں۔ چنانچہ متفقہ مجلس میں وہ مسئلہ پیش ہوا۔ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک رائے پر اتفاق کیا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مخالف رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ جب آپ لوگ

اصحاب بدر ہو کر مختلف الرائے ہیں تو آگے چل کر کیا حال ہو گا؟ غرض ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فیصلے پر معالمه اٹھا رکھا گیا اور انہوں نے جو فیصلہ کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کو نافذ جاری کر دیا۔ اسی طرح جنازے کی تحریک کی نسبت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بہت اختلاف تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس منعقد کی، جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر معمول کا پتہ لگایا جائے چنانچہ دریافت سے ثابت ہوا کہ جنازہ کی اخیر نمازوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی اس میں چار تحریک کی تھیں، اسی طرح بہت سے سائل ہیں لیکن یہ تفصیل کا محل نہیں۔

### حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سائل قسمیہ کی تعداد

فقہ کے جس قدر سائل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے برداشت صحیح منقول ہیں ان کی تعداد کمی ہزار تک پہنچتی ہے ان میں سے تقریباً ہزار مسئلے ایسے ہیں جو فقه کے مقدم اور اہم سائل ہیں اور ان تمام سائل میں انہرے اربعہ نے ان کی تعلیم کی ہے شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں ”وَهُمْ چَنِّينَ مُجَاهِدِينَ وَرَوَسَ سائلَ فَقِهٖ تَالِعَ مَذَہِبٖ فَارُوقٖ أَعْظَمُ اِنْدَوَانِيَنَّ قَرِيبٖ ہزار سُكُنٖ بَاشَرَ تَحْمِيَنَا“ (ازالت المفاسد حصہ دو مصطفیٰ صفحہ ۸۷)۔ مصنف ابن الیثیب وغیرہ میں منقول ہیں۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انکی مدد سے فقہ فاروقی پر مشتمل رسالہ لکھ کر ازالۃ المفاسد میں شامل کر دیا ہے۔

### أصول فقہ

یہ تمام بحث تدوین مسائل کی حیثیت سے تھی لیکن فن فقہ کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اصلی کارنامہ اور چیز ہے انہوں نے صرف یہ نہیں کیا کہ جویاں کی تدوین کی بلکہ مسائل کی تفریق و استنباط کے اصول اور ضوابط قرار دیے۔ جس کو آج کل اصول فقہ کے نام سے تعبیر کیا جاسکتا ہے سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو اقوال و افعال منقول ہیں وہ کلیتہ مسائل کا مأخذ ہو سکتے ہیں۔ یا ان میں کوئی تفریق ہے شاہ ولی اللہ صاحب نے اس بحث پر جمیۃ اللہ البالغین میں ایک نہایت مفید مضمون لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو افعال و اقوال مروی ہیں ان کی دو

تمیں ہیں۔ ایک وہ جو منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں، ان کی نسبت خدا کا شکر ہے کہ ماتکم الرسول فخدوہ و مانهکم عنہ فانتہوا۔ یعنی پیغمبر تم کو جو دے وہ لو اور جس چیز سے روکے اس سے باز رہو، دوسری وہ جن کو منصب رسالت سے تعلق نہیں۔ چنانچہ اسکے متعلق خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انما انا بشر اذا امرتكم بشی من دینکم فخذلوه، و اذا امرتكم

بشي من رأي فانما الناشر -

”یعنی میں آدمی ہوں“ اس لئے جب میں دین کی بابت کچھ حکم کروں تو اس کو لو۔ اور جب اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میں ایک آدمی ہوں۔

اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طب کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا، یا جو افعال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عادةً صادر ہوئے نہ عبادۃً یا اتفاقاً واقع ہوئے نہ قصداً یا جو باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مزعمات عرب کے موافق اختیار کیں مثلاً ام زرع کی حدیث اور خرافہ کی حدیث یا جو باتیں کسی جزئی مصلحت کی موافق اختیار کیں۔ مثلاً لٹکر کشی اور اس قسم کے بہت سے احکام، یہ سب دوسری قسم میں داخل ہیں۔ (جستہ اللہ البالغ صفحہ ۲۲۳)

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث کے مراتب میں جو فرق بتایا اور جس سے کوئی صاحب نظر انکار نہیں کر سکتا اس تفہیق مراتب کے موجود دراصل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کتب سیرت اور احادیث میں تم نے پڑھا ہو گا کہ بہت سے ایسے موقع پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کرنا چاہایا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی۔ مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ بن ابی کے جنائز پر نماز پڑھنی چاہی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، آپ منافق کے جنائز پر نماز پڑھتے ہیں۔

قیدیان بدر کے معاملے میں ان کی رائے بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز سے الگ تھی۔ صحیح حدیثیہ میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اس طرح دب کر کیوں صحیح کی جائے، ان تمام مثالوں سے تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تمام باتوں کو منصب نبوت سے الگ مجھتے تھے ورنہ اگر باد جو د اس امر کے کہ وہ باتیں منصب رسالت سے تعلق رکھتی تھیں ان میں دخل دیتے تو بزرگ

مانا تو دیکھا، مم ان کو اسلام کے دائرے سے بھی باہر بھختے اسی فرق مراتب کے اصول پر بہت سی  
باتوں میں جو نہ سب سے تعلق نہیں رکھتیں اپنی رایوں پر عمل کیا۔ مثلاً حضرت ابو مکر رضی اللہ  
تعالیٰ عنہ کے زمانے تک امامت اولاد یعنی وہ لوگوں کا جن سے اولاد پیدا ہو جائے برایہ خریدی  
اور پیشی جاتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بالکل روک دیا۔ آنحضرت صلی  
اللہ علیہ وسلم نے جنگ تبوک میں جزیہ کی تعداد فی کس ایک دنار مقرر کی تھی۔ حضرت  
عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف شرعنی مقرر کیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمد میں  
شراب کی کوئی خاص حد مقرر نہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کوڑے مقرر  
کئے یہ ظاہر ہے کہ ان معاملات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اگر  
تشریعی حیثیت سے ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیا مجال تھی کہ ان میں کمی بیشی  
کر سکتے۔ اور خدا نخواستہ وہ کرنا چاہتے۔ تو صحابہ کا گروہ ایک لمحہ کے لئے بھی مدد خلافت پر  
بیٹھنا ان کا کب گوارا کر سکتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امتیاز مراتب کی جرأت اس وجہ سے ہوئی کہ  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد احکام میں جب انسوں نے دخل دیا تو آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم نے اس پر ناپسندیدگی نہیں ظاہر کی۔ بلکہ متعدد معاملات میں حضرت عمر رضی اللہ  
تعالیٰ عنہ کی رائے کو اختیار فرمایا اور بعض موقعوں پر خود وحی الہی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ  
عنہ کی رائے کی تائید کی۔ قیدیان بدر، حجاب ازواج مطہرات، نماز بر جتازہ متفاق، ان تمام  
معاملات میں وحی جو آئی اس تفہیق اور امتیاز کی وجہ سے فقه کے مسائل پر بہت اثر پڑا۔ کیونکہ  
جن چیزوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات منصب رسالت کی حیثیت سے نہ  
تھے ان میں اس بات کا موقع باقی رہا۔ کہ زمانے اور حالات موجودہ کے لحاظ سے نئے قوانین  
وضع کئے جائیں۔ چنانچہ ان معاملات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمانے اور حالات  
کی ضرورتوں سے بہت سے نئے نئے قاعدے وضع کئے جو آج خنفی فقہ میں بکفرت  
موجود ہیں، برخلاف اسکے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یہاں تک کہ کہ ترتیب فوج تھیں  
شعار تشخیص محاصل وغیرہ کے متعلق بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو تشریعی  
قرار دیتے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے افعال کی نسبت لکھتے ہیں کہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی کے قول و فعل کی کچھ اصل نہیں۔

## خبر آحاد کے قابل احتجاج ہونے کی بحث

اس بحث کے بعد وہ سر امر طہ خبر آحاد (یعنی وہ حدیث جس کا راوی ایک سے زیادہ نہ ہو) کی حیثیت احتجاج کا تھا۔ بہت سے اکابر اس قسم کی حدیثوں کو یہ درجہ دیتے ہیں کہ ان سے قرآن مجید کی منصوصات پر اثر پڑ سکتا ہے یعنی قرآن مجید کا کوئی حکم عام ہو تو خبر آحاد سے اس کی تخصیص ہو سکتی ہے بلکہ اس کے ذریعے سے قرآن مجید کا حکم بھی منسوب ہو سکتا ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک خبر آحاد سے ہر موقع پر احتجاج نہیں ہو سکتا۔ اسی بناء پر اذن ملاقات، استقطاب جتنیں، خریداری عباس بن عبد الملک، یسم جنابت کے مسئللوں میں انسوں نے عمار بن یا سر، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، منیبون شعبہ، الی بن کعب کی روایتوں کو اس وقت تک قابل جلت نہیں قرار دیا جب تک اور تائیدی شادتوں نہیں گزریں، چنانچہ تذكرة الحفاظ میں ان واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ اسی بناء پر خبر آحاد سے قرآن مجید کی تشخیص یا تخصیص کو جائز نہیں قرار دیتے تھے فاطمہ بنت قیس نے جب زدن مطلقہ کی سکونت اور نفقہ کے متعلق اپنی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی تو چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک وہ حکم، قرآن مجید کی نص کی مخالف تھا۔ فرمایا کہ ایک عورت کی روایت سے قرآن مجید کا حکم نہیں بدل سکتا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم خیالوں کا یہ استدلال ہے کہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سے واقعات میں اخبار آحاد کو قبول کیا لیکن امام صاحب نے یہ خیال کیا کہ اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصول میں فرق نہیں آتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مذہب ہے کہ ہر خبر آحاد قابل احتجاج نہیں، نہ یہ کہ کوئی خبر آحاد قابل احتجاج نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں تھا ایک شخص کی شادوت کافی ہوتی ہے چنانچہ روز موکے کاموں میں ہر شخص اسی پر عمل کرتا ہے لیکن بعض اوقات ایسے ہم اور نازک ہوتے ہیں کہ جن کی نسبت ایک دو اشخاص کی شادوت کافی نہیں ہو سکتی، بلکہ یہ اختہال رہتا ہے کہ انسوں نے الفاظ روایت، یا واقعہ کی کیفیت سمجھنے میں غلطی کی ہو۔ غرض ہر واقعہ اور ہر راوی کی حالت اور حیثیت مختلف ہوتی ہے اور اس وجہ سے کوئی عام قاعدة قرار نہیں پاسکتا۔

۱۔ اصول حدیث کی بُوستے جس حدیث کے راوی ایک سے زیادہ ہوں لیکن شریت یا تواتر کی حد سے کم ہوں وہ بھی خبر آحاد میں داخل ہے۔ لیکن یہ بعد کی اصطلاح ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے تک ایک کا وجود نہ تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بے شہہ بہت سے موقعوں پر اخبار آحاد سے استدلال کیا۔ لیکن متعدد موقعوں پر اس کے خلاف بھی کیا۔ اس طریقہ عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اخبار آحاد میں خصوصیت حالات کو ظہور کھتے تھے۔ اخبار آحاد کے متعلق فقہاء و محدثین میں سخت اختلاف آراء ہے اور بڑی بڑی طول بحثیں پیدا ہو گئیں ہیں۔ لیکن جماں تک ہم نے ان تمام بحثوں کو دیکھا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں جو نکتہ صحی اور واقعیت رسمی پائی جاتی ہے اس کی نظریہ کمیں نہیں ملتی۔ لیکن اس موقع پر یہ تنبیہہ کبودی ضروری ہے کہ اخبار آحاد کے قبول کرنے یا نہ کرنے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواصول تھا اس کی بناء صرف تحقیق حق تھی اس ننانے کے آزاد خیال کی طرح نفس کی پیروی مقصود نہ تھی کہ جس حدیث کو چاہا صحیح مانا جائے اور جس کو چاہا غلط کہ دیا۔

کارپاکاں را قیاس از خود گیر گرچہ مانند درنو شیش شیرو شیر

### قياس

فقہ کی توسعی اور تمام ضروریات کے لئے اس کا کافی ہونا قیاس پر موقوف ہے یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں تمام چیزیں مذکور نہیں ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ان جزئیات کے فیصلہ کرنے کے لئے قیاس شرعی سے کام لیا جائے اسی ضرورت سے ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حبل رحمۃ اللہ علیہ سب قیاس کے قائل ہوئے ہیں۔ اور ان کے مسائل کا ایک بڑا مأخذ قیاس ہے لیکن قیاس کی بنیاد جس نے ڈالی وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

عام لوگوں کا خیال ہے کہ قیاس کے موجود معاذ بن جبل ہیں، ان لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کو یمن بھیجا تو ان سے استفسار فرمایا کہ کوئی مسئلہ پیش آئے گا تو کیا کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ قرآن مجید سے جواب دوں گا۔ اور اگر قرآن و حدیث میں وہ صورت مذکورہ نہ ہوئی تو اجتہاد کروں گا۔

(یہ حدیث مندرجہ مطبوعہ نظامی صفحہ ۲۲۳ میں مذکور ہے)

لیکن اس سے یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ ان کی مراد قیاس سے تھی۔ اجتہاد قیاس پر منحصر نہیں۔ ابن خرم، راؤڈ ظاہری وغیرہ سرے سے قیاس کے قائل نہ تھے۔ حالانکہ اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے اور مسائل شرعیہ میں اجتہاد کرتے تھے۔ مندرجہ مذکور ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ جب کوئی مسئلہ درپیش آتا تو قرآن مجید کی

طرف رجوع کرتے قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہوتی تو حدیث سے جواب دیتے۔ حدیث بھی نہ ہوتی تو اکابر صحابہ کو جمع کرتے اور ان کے اتفاق رائے سے جو امر قرار پاتا اس کے مطابق فیصلہ کرتے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نامے تک مسائل کے جواب میں قرآن مجید۔ حدیث اور اجماع سے کام لیا جاتا تھا۔ قیاس کا وجود نہ تھا۔

(مسند ابی داود صفحہ ۲۲)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوموسی اشعری کو قضاۓ کے متعلق جو تحریر بھیجی، اس میں قیاس کی صاف ہدایت کی۔ چنانچہ اس کے یہ الفاظ ہیں۔

الفهم الفهم فيما يختلُج في صدرِكِ مَحَالٌم بِلَغْكَ فِي الْكِتَابِ  
وَالسُّنْتُ وَاعْرَفِ الْأَمْثَالُ وَالآشَاهَاتُ ثُمَّ قُسِّ الْأَمْوَالُ عِنْدَ ذَلِكَ

(یہ روایت دارقطنی میں مذکور ہے۔ دیکھو ازالۃ الخناقو صفحہ ۸۱)

”بچوچیز تم کو قرآن و حدیث میں نہ ملے اور تم کو اس کی نسبت شبہ ہو اس پر غور کرو اور خوب کرو۔ اس کے ہم صورت اور ہم شکل و اقعات کو دریافت کرو پھر ان سے قیاس کرو۔“

اصول فقہ کی کتابوں میں قیاس کی یہ تعریف لکھی ہے

تَعْدِيَةُ الْحُكْمِ مِنَ الْأَصْلِ إِلَى الْفَرعِ لِعُلَمَاءِ مُتَحَدِّهِ -

اس کے حکم کو فروع تک پہنچانا کسی ایسی علت کی وجہ سے جو دونوں میں مشترک ہو مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گیوں جیوارو غیرہ کا نام لے کر فرمایا کہ ان کو برابر پہ دو برادر سے زیادہ لوگے تو سودہ ہو جائے گا۔ اس مسئلہ میں قیاس اس طرح جاری ہو گا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گوچند خاص اشیاء کے نام لئے لیکن یہ حکم ان تمام اشیاء میں جاری ہو گا جو مقدار اور نوعیت رکھتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو سیر پھر جونہ دے اور اس سے اسی قسم کا چونہ سوا سیر لے یا عمدہ قسم کا لے تو سودہ ہو جائے گا۔

اصولیں کے نزدیک قیاس کے لئے مقدمہ و شرطیں ہیں۔

① جو مسئلہ قیاس سے ثابت کیا جائے وہ منصوص نہ ہو۔ یعنی اس کے بارہ میں کوئی خاص حکم موجود نہ ہو۔

② مقیس اور مقیس علیہ میں علت مشترک ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحریر میں ان دونوں شرطوں کی طرف اشارہ بلکہ تصریح موجود ہے۔

پہلی شرط کو ان الفاظ میں بیان کیا۔ **معالم بلغک فی الكتاب**  
 دوسری شرط ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے۔ **واعرف الامثال والاشباہ ثم قس الامور**  
 ان صفات اصول کے سوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استنباط احکام اور تفریع  
 مسائل کے اور بہت سے قاعدے مقرر کئے جو آج ہمارے علم اصول فقہ کی بنیاد ہیں لیکن ان  
 کی تفصیل سے پہلے ایک نکتہ سمجھ لینا چاہئے۔

### استنباط احکام کے اصول

یہ امر مسلم ہے کہ امام ابوحنیفہ و امام مالک وغیرہ مسائل قوییہ میں نہایت مختلف  
 الرائے ہیں اس اختلاف رائے کی وجہ کیسیں کیسیں تو یہ ہے کہ بعض مسائل میں ایک صاحب  
 کو حدیث صحیح ملی اور دوسرے کو نہیں، لیکن عموماً اختلاف کا یہ سبب ہے کہ ان صاحبوں کے  
 اصول استنباط و اجتہاد مختلف تھے۔ چنانچہ اصول فقہ کی کتابوں میں ان مختلف فیہ اصولوں کو  
 تفصیل لکھا ہے اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ان ائمہ نے صراحتہ وہ اصول بیان کئے  
 تھے۔ امام شافعیؓ نے پیشہ ایک رسالہ لکھا ہے جس میں اپنے چند اصول منضبط کئے ہیں۔  
 لیکن امام ابوحنیفہ و امام مالک وغیرہ سے ایک قاعدہ بھی صراحتہ متفق نہیں۔ بلکہ ان بزرگوں  
 نے مسائل کو جس طرح استنباط کیا یا مسائل کے متعلق جو تقریر کی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ  
 ان کا استنباط خواہ مخواہ ان اصول کے بناء پر ہے۔ مثلاً ایک امام نے قرآن کی اس آیت سے  
**وَاذَا قرئَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوا لِهِ وَانصُتوا** استدلال کیا کہ مقتدى کو امام کے پیچھے قراءت  
 فاتحہ نہ کرنا چاہئے کسی نے ان سے کہا کہ یہ آیت تو خطبہ کے بارے میں اتری تھی، انہوں  
 نے کہا کہ آیت کسی بارے میں اتری ہو لیکن حکم عام ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس اصول  
 کے قائل تھے۔ **العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب** یعنی سبب کا خاص ہونا  
 حکم کی تعمیم پر کچھ اثر نہیں کرتا۔

اصول فقہ میں امام ابوحنیفہ وغیرہ کے جو اصول مذکور ہیں، وہ اسی قسم کی صورتوں سے  
 مستنبط کئے گئے ہیں، ورنہ ان بزرگوں سے صراحتہ یہ قاعدے کیسیں متفق نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت ہمارا یہ دعویٰ کہ انہوں نے استنباط مسائل  
 کے اصول قائم کئے اسی بناء پر ہے، اکثر مسائل جو انہوں نے طے کئے صحابہ کے مجمع میں  
 بحث و مناظرو کے بعد طے کئے، ان موقعوں پر انہوں نے جو تقریرس کیں، ان کے استقصاء

سے بہت سے اصول قائم ہوتے ہیں اکثر مسائل میں متناقض روایتیں یا ماغذہ استدلال موجود ہوتے تھے اس لئے ان کو فیصلہ کرنا پڑتا تھا۔ کہ دونوں میں سے کس کو ترجیح دی جائے کس کو ناسخ نہ کرایا جائے کس کو منسوخ، کس کو عام نہ کرایا جائے، کس کو خاص، کس کو موقعت مانا جائے، کس کو موبد، اس طرح تفسیر، تخصیص، تطبیق وغیرہ کے متعلق بہت سے اصول قائم ہو گئے۔ عام طور پر فتویٰ دینے کے وقت بھی ان کی تقریر سے اکثر اصول کی طرف اشارہ پایا جاتا تھا۔ مثلاً ایک شخص نے ان سے کہا کہ میرے غلام کے ہاتھ کاٹنے کا حکم کیجئے کیونکہ اس نے میری بیوی کا آئینہ چرایا ہے جس کی قیمت ۴۰ درہم تھی۔ فرمایا کہ تمہارا غلام تھا اور تمہاری چیز چرائی۔ اس پر ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا۔ (موطا امام بالک)

اس سے یہ اصول مستبینط ہوا کہ سرقة کے لئے یہ ضروری ہے کہ سارق کو مال مسروق یہ کسی طرح کا حق نہ ہو۔ ایک اور شخص نے بیت المال سے کچھ چرا لیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بھی اسی بناء پر چھوڑ دیا تھا کہ بیت المال میں ہر شخص کا کچھ نہ کچھ حق ہے ایک دفعہ سفر میں ایک تالاب کے قریب اترے، عمرو بن العاص بھی ساتھ تھے انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں درندے تو پانی نہیں پیتے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو روک دیا کہ ”نہ بتانا“ اس سے دو اصول ثابت ہوئے ایک یہ کہ اصل اشیاء میں اباحد ہے دوسرے یہ ظاہر حالت اگر صحیح ہے تو شخص اور جتو پر ہم ملکت نہیں ہیں۔ ایک دفعہ رمضان میں بدلتی کی وجہ سے آفتاب کے چھپ جانے کا دھوکا ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روزہ کھول لیا تھوڑی دیر کے بعد آفتاب نکل آیا۔ لوگ متزود ہوئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا الخطبہ سیم و قد اجتہدنا یعنی معاملہ چند اس اہم نہیں ہم اپنی طرف سے کوشش کر چکے تھے۔ (موطا امام عمر صفحہ ۱۷۲)

ایسی اور بہت سی مثالیں ہیں کوئی شخص چاہے تو ان سے اصول فقہ کے بہت سے کلیات منضبط کر سکتا ہے۔

### حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسائل قسمیہ کی تعداد

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ کے جو مسائل بیان کئے ان میں اکثر ایسے ہیں جن میں اور صحابہ نے بھی ان کے ساتھ اتفاق کیا اور انہم مجتہدین نے ان کی تقلید کی۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنے استقراء سے اس قسم کے مسائل کی تعداد کم و بیش ایک ہزار بتاتے ہیں لیکن

بہت سے ایسے مسائل بھی ہیں جن میں دیگر صحابہ نے اختلاف کیا وہی حق پر ہیں مثلاً تیم، جنابت منع، تمتع، حج، ملاقات ملک وغیرہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجتہاد سے دیگر صحابہ کا اجتہاد زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن اکثر مسائل میں اور خصوصاً ان مسائل میں جو معرکۃ الاراء رہے ہیں اور جن کو تمدن اور امور ملکی میں دخل ہے عموماً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجتہاد نمایت نکلتے تھی اور وقت نظر پر جئی ہے اور انہی مسائل سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمال اجتہاد کا اندازہ ہوتا ہے ان میں سے بعض مسائل کا ذکر ہم اس موقع پر کرتے ہیں۔

### خمس کا مسئلہ

ایک بڑا معرکہ الاراء مسئلہ خمس کا ہے۔ قرآن مجید میں ایک آیت ہے  
واعلموا انما غنمتم من شئ فان لله خمسه وللرسول ولذی  
القری والمشمی والمسکین وابن السبيل۔

”جو کچھ تم کو جہاد کی لوٹ میں آئے اس کا پانچواں حصہ خدا کے لئے ہے اور پیغمبر کے لئے اور رشتہ داروں کے لئے اور تیموں کے لئے اور غریبوں کے لئے اور مسافروں کے لئے۔“

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خمس میں رسول اللہ کے رشتہ داروں کا بھی حصہ ہے چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباس کی یہی رائے تھی اور حضرت علی نے اگرچہ مصلحتہ بونہاشم کو خمس میں سے حصہ نہیں دیا لیکن رائے ان کی بھی یہی تھی کہ بونہاشم واقعی حقدار ہیں۔

(کتاب المحراج صفحہ ارواہ بیان ابن اسحاق)

یہ صرف حضرت علی و عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے نہ تھی بلکہ تمام اہل بیت کا اس مسئلہ پر اتفاق تھا اسکے مجتہدین میں سے امام شافعی اسی مسئلے کے قائل تھے اور انہوں نے اپنی کتابوں میں بڑے نور شور کے ساتھ اس پر استدلال کیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت لوگوں کا بیان ہے کہ وہ قرابت دار ان پیغمبر کو مطلقاً خمس کا حقدار نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اہل بیت کو کبھی خمس میں سے حصہ نہیں دیا۔ ائمہ مجتہدین میں سے امام ابو حنیفہ بھی ذو القلبی کے خمس کے قائل نہ تھے۔ ان کی رائے تھی کہ جس طرح آخر پرست صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد آخر پرست کا حصہ جاتا رہا اسی

طرح آنحضرت کے قربت داروں کا حصہ بھی جاتا رہا۔

اب ہم کو غور کے ساتھ دیکھنا چاہئے کہ قرآن مجید سے کیا حکم نہ تھا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق عمل کیا تھا۔ قرآن مجید کی عبارت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر پانچ گروہ خس کے مصرف ہیں۔ لیکن اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ فرداً فرداً ہر گروہ میں تقسیم کرنا فرض ہے۔ قرآن مجید میں جہاں زکوٰۃ کے مصارف بیان کئے ہیں وہاں بھی بعینہ اسی قسم کے الفاظ ہیں۔

انما الصدقة للقراء والمسكين والعاملين عليها والمؤلفة  
قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وأ ابن السبيل۔

اس میں زکوٰۃ کے مصارف آٹھ گروہ قرار دیئے ہیں۔ فقیر، مسکین، زکوٰۃ وصول کرنے والے مؤلفۃ القلوب، قیدی، ترپنڈار، مجاہدین، مسافر، ان میں سے جس کو زکوٰۃ دی جائے ادا ہو جائے گی۔ یہ ضرور نہیں کہ خواہ خواہ آٹھ گروہ پیدا کئے جائیں۔ آٹھوں گروہ موجود بھی ہوں تب بھی یہ لحاظ کیا جائے گا کہ کون فرقہ اس وقت زیادہ مدد کا محتاج ہے۔ کون کم اور کون بالکل نہیں۔ یہ التزام مالا ملزم صرف امام شافعی نے اختیاع کیا ہے کہ آٹھ برابر حصے کئے جائیں۔ اور آٹھوں گروہ کو ضرورت بے ضرورت کم بیش تقسیم کیا جائے اسی طرح خس کے مصارف جو خدا نے بتائے ہیں اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ خس ان لوگوں کے سوا اور کسی کو نہ دیا جائے یہ نہیں کہ خواہ خواہ اس کے پانچ برابر حصے کئے جائیں۔ اور پانچوں فرقوں کو برابر دیا جائے اب دیکھو رسول اللہ کا طریق عمل کیا تھا؟ احادیث و روایات کے استقراء سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یہ ہے۔

① ذوی القربی میں سے آپ صرف بنوہاشم و بنو مطلب کو حصہ دیتے تھے۔ بنو نفل و بن عبد شمس حالانکہ ذوی القربی میں داخل تھے۔ لیکن آپ نے ان کو باوجود طلب کرنے کے بھی کچھ نہیں دیا۔ چنانچہ اس واقعہ کو علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں کتب حدیث سے تفصیل نقل کیا ہے۔ (زاد المعاد جلد دوم صفحہ ۲۷)

② بنوہاشم و بنو عبد المطلب کو جو حصہ دیتے تھے وہ سب کو مساویانہ نہیں دیتے تھے۔ علامہ ابن القیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے۔

ولَكُنْ لِمَا يَكُنْ يَقْسِمُهُ إِنْهُمْ عَلَى السَّوَاءِ بِمِنْ أَغْنَيَاهُمْ وَفَقَرَاهُمْ  
وَلَا كَانَ يَقْسِمُهُ قَسْمَةً الْمُبِيرَاتِ بَلْ كَانَ يَصْرِفُهُمْ بِحَسْبِ

المصلحة وال حاجة في زوج منهم اغريهم و يقضى منه عن خار

مهم و يعطي منه فضلهم كفایتہ۔ (زاد المعاوی جلد ثانی صفحہ ۲۷)

”لیکن دولت مندوں اور غریبوں کو برابر نہیں تقسیم کرتے تھے نہ میراث کے قاعدے سے تقسیم کرتے تھے بلکہ مصلحت اور ضرورت کے وافق عطا فرماتے تھے۔ یعنی کواری کی شادی کرتے تھے مقروضوں کا قرض ادا فرماتے تھے، غریبوں کو بقدر حاجت دیتے تھے۔“

ان واقعات سے اولاً یہ ثابت ہوا کہ ذوی القربی کے لفظ میں تعمیم نہیں ہے ورنہ بنو نفل اور بنو عبد الشمس کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حصہ دیتے۔ کیونکہ وہ لوگ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار تھے۔ دوسرے یہ کہ بنوہاشم اور بن عبد المطلب کے تمام افراد کو مساوی طور سے حصہ نہیں ملتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمال تک صحیح روایتوں سے ثابت کیا ہے بنوہاشم اور بنو مطلب کا حق بحال رکھا۔ وہ دو باتوں میں ان سے مخالف تھے ایک یہ کہ وہ مصلحت اور ضرورت کے لحاظ سے کم و بیش تقسیم کرنا خلیفہ وقت کا حق سمجھتے تھے برخلاف اس کے عبد اللہ بن عباس وغیرہ کا یہ دعویٰ تھا کہ پانچوں حصہ پورے کا پورا خاص ذوی القربی کا حق ہے اور کسی کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا حق حاصل نہیں۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں نسائی نے اپنی صحیح میں عبد اللہ بن عباس کا قول نقل کیا ہے

عرض علينا عمر بن الخطاب ان نزوج من الخمس ايمانا  
ونقضى منه عن مغرتنا فاما يهنا الا ان يسلم لنا و انى فلك  
عليها۔ (کتاب الخراج صفحہ ۱۱)

”عمر بن الخطاب نے یہ بات ہم لوگوں کے سامنے پیش کی تھی کہ ہم لوگ خمس کے مال سے اپنی بیواؤں کے نکاح اور مقروضوں کے ادائے قرض کے مصارف لے لیا کریں لیکن ہم بجز اس کے تعلیم نہیں کرتے تھے کہ سب ہمارے ہاتھ دے دیا جائے عمر نے اس کو منظور نہ کیا۔“

اور روایتیں بھی اسی کے موافق ہیں صرف کلبی کی ایک روایت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذوی القیمی کا حق ساقط کر دیا۔ کلبی نایت ضعیف الروایۃ  
ہے اس لئے اس کی روایت کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید کے فحولی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق عمل کو منطبق کر کے  
دیکھو تو صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ کیا وہ بالکل قرآن  
و حدیث کے مطابق تھا۔ امام شافعیؓ وغیرہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں پیش کر سکتے کہ آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم یہیشہ پورا پانچواں حصہ دیتے تھے، قرآن مجید سے یہ تعین و تجدید بالکل ثابت  
نہیں ہو سکتی۔ باقی رہا ذوی القیمی کا غیر معین حق تو اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو  
ہرگز انکار نہ تھا۔ اب اصول عقلی کے لحاظ سے اس مسئلہ کو دیکھو یعنی خس میں سے آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم اور آنحضرت کے قرابت داروں کا حصہ قرار پانا کس اصول کی بناء پر تھا۔ یہ  
ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ احکام اور مہمات رسالت کے انجام دینے کی وجہ  
سے معاش کی تدبیر میں مشغول نہیں ہو سکتے تھے اس لئے ضور تھا کہ ملک کی آمدی میں سے  
کوئی حصہ آپ کے لئے مخصوص کر دیا جائے اس وقت مال غیرمت فی افال بس یہی آمدیاں  
تھیں۔ چنانچہ ان سب میں سے خدا نے آپ کا حصہ مقرر کیا تھا۔ جس کا ذکر قرآن مجید کی  
مختلف آیتوں میں ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کے ذاتی مصارف کے لئے خالصہ  
مقرر کر دیا جاتا ہے ذوی القیمی کا حق اس لئے قرار دیا گیا تھا کہ ان لوگوں نے ابتدائے اسلام  
میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا تھا۔ چنانچہ کفار مکہ نے زیادہ مجبور کیا تو تمام بنوہاشم  
نے جس میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے، آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکل کر ایک پہاڑ کے  
درے میں پناہ گزیں ہوئے تو سب نبی ہاشم بھی ساتھ گئے۔

اس بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ذوی القیمی کے لئے جو کچھ مقرر تھا، وقتی  
ضورت اور مصلحت کے لحاظ سے تھا۔ لیکن یہ قرار ناکہ قیامت تک آپ کے قرابت  
داروں کے لئے پانچواں حصہ مقرر کر دیا گیا۔ اور گوان کی نسل میں کسی قدر ترقی ہو اور گودہ کتنے  
ہی دولت مند اور غنی جائیں تاہم ان کو یہ رقم یہیشہ ملتی رہے گی۔ یہ ایسا قاعدہ ہے جو اصول  
تمدن کے بالکل خلاف ہے کون شخص یقین کر سکتا ہے کہ ایک سچا بانی شریعت یہ قاعدہ بنائے گا  
کہ اس کی تمام اولاد کے لئے قیامت تک ایک معین رقم ملتی رہے۔ اگر کوئی بانی شریعت ایسا  
کرے تو اس میں اور خود غرض بہمنوں میں کیا فرق ہو گا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وعبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو خس کے مدعا تھے ان کا بھی یہ مقصد ہرگز نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ حق قیامت تک کے لئے ہے بلکہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے باقی رہ گئے تھے انہی کی نسبت ان کو ایسا دعویٰ ہو گا۔

### فہ کامسئلہ

ایک اور مہتمم بالشان مسئلہ فہی کا ہے یعنی وہ نہیں یا جائیداً و جس کو مسلمانوں نے فتح کیا ہوا۔ یہ مسئلہ اس قدر معرب کتہ الاراء ہے کہ صحابہ کے عمد سے آج تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا۔ باغ فدک کی عظیم الشان بحث بھی اسی مسئلے کی ایک فرع ہے۔

برا خلط بحث اس میں اس وجہ سے ہوا کہ فہ کے قریب المعنی اور جو الفاظ تھے یعنی نفل، غیمت، سلب ان میں لوگ تفرقہ نہ کر سکتے ہم اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں دستور تھا کہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ آتا تھا، آنحضرت تمام لڑنے والوں کو برابر تقسیم کروایا جاتا تھا سردار کو البتہ سب سے زیادہ چوتھا ملتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ابتداء میں جس طرح اور بہت سی قدمیں قائم رہیں، یہ قاعدہ بھی کسی قدر تغیر صورت کے ساتھ قائم رہا۔ چنانچہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ آتا تھا، عازیوں پر تقسیم ہو جاتا تھا۔ چونکہ قدم سے یہی طریقہ جاری تھا اور جناب رسول اللہ کے عمد میں بھی قائم رہا۔ اس لئے لوگوں کو خیال ہو گیا کہ مال غیمت عازیوں کا ذائقی حق ہے اور وہ اس کے پانے کا ہر حالت میں دعویٰ کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ اس پر جھگڑا اٹھا جنگ بدر میں جب فتح حاصل ہو چکی ہے۔ تو کچھ لوگ کفار کا تعاقب کرتے ہوئے دور تک چلے گئے کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے تعاقب کرنے والے واپس آئے تو انہوں نے دعویٰ کیا کہ غیمت ہمارا حق ہے کیونکہ ہم دشمن سے لڑ کر آئے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ تھے اس لئے ہم زیادہ حقدار ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

”تجھ سے لوگ مال غیمت کی نسبت پوچھتے ہیں تو کہہ دے کہ وہ خدا  
اور رسول کی ملک ہے۔“

اس آیت نے اس اصول کو مٹا دیا کہ تمام مال غیمت لڑنے والوں کا حق ہے اور افسر

کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا اختیار نہیں لیکن اس آیت میں غیمت کے مصارف نہیں بیان کئے گئے پھرہ آیت اتری۔

واعلموا انما غنمتم من شئی فان لله خمسه وللرسول ولنی  
القریٰ والمیتمی والمسکین وابن السبیل۔

”جان لو کہ کوئی چیز جو غیمت میں ہاتھ آئے اس کا پانچواں حصہ خدا کے لئے اور چیغیر کے لئے اور رشتہ دار کے لئے اور قبیلوں کے لئے اور مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے۔“

اس آیت سے یہ قاعدہ معلوم ہوا کہ مال غیمت کے پانچ حصے کے جائیں، چار حصے مجاہدین کو تقسیم کئے جائیں۔ اور پانچویں حصے کے پھر پانچ حصے ہو کر آخر پر صلی اللہ علیہ وسلم اور زندگی القلبی اور مساکین وغیرہ کے مصارف میں آئیں لیکن یہ تمام احکام نقد و اساباب سے متعلق تھے نہیں اور جائیداد کے لئے کوئی قاعدہ نہیں قرار پایا تھا۔ غزوہ بنی نضیر میں جو ہر ہجری میں واقع ہوا۔ سورہ حشر کی یہ آیت اتری۔

ما الاء اللہ علی رسولہ من اهل القری فللہ وللرسول ولنی  
القریٰ والمیتمی والمسکین وابن السبیل الی قولہ للفقراء  
المهاجرين الذين اخرجو من دیارہم الی قولہ والذین جاءوا  
من بعدہم۔

”یعنی جو نہیں یا جائیداد ہاتھ آئے وہ خدا اور چیغیر اور قبیلوں اور مسکینوں اور مسافروں اور فقراء مهاجرین اور ان سب لوگوں کی ہے جو آئندہ دنیا میں آئیں۔“

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو نہیں فتح ہو وہ تقسیم نہیں کی جائے گی بلکہ بطور وقف کے محفوظ رہے گی اور اس کے منافع سے تمام موجودہ اور آئندہ مسلمان ممتنع ہوں گے، یہ ہے حقیقت نفل اور غیمت اور فیکی۔

ان احکام میں لوگوں کو چند مخالف لئے پیش آئے سب سے پہلے یہ کہ لوگوں نے غیمت اور فیک کو ایک سمجھا، ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعیؓ کی بھی یہی رائے ہے اور ان کے مذہب کے موافق نہیں مفتوحہ اسی وقت مجاہدین کو تقسیم کر دیتی چاہئے۔ شام و عراق جب فتح ہوئے تو لوگوں نے اسی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی کہ ممالک مفتوحہ

ان کو تقسیم کر دیئے جائیں۔ چنانچہ عبد الرحمن بن عوف، نبیر بن الولام، ملال بن ریاح رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سخت اصرار کیا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ مانے۔ اس پر (جیسا کہ ہم صیغہ محاصل میں لکھ آئے ہیں) بست بٹا مجھ ہوا اور کئی دن تک بحثیں رہیں۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت مذکورہ بالا سے استدلال کیا اور آیت کے یہ الفاظِ النین جاءہ و امن بعدہم پڑھ کر فرمایا کہ

فَكَانَتْ هَذِهِ عَامَةً لِمَنْ جَاءَ مِنْ بَعْدِهِمْ فَقَدْ صَارَهُذَا الْفَيْضُ سِنْ هُوَدَرْ

جَمِيعًا كَيْفَ نَقْسِمُ لَهُؤُلَاءِ وَنَدْعُ مِنْ بَخْلِ بَعْدِهِمْ۔

(کتاب الحراج صفحہ ۵۷۔ اس مفرکہ کا پورا مال کتاب الحراج کے صفحہ ۱۱۸ میں مذکور

(ہے)

”تو یہ تمام آئندہ آنے والوں کے لئے ہے اور اس بناء پر یہ تمام لوگوں کا حق ٹھہرے پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں موجودہ لوگوں کو تقسیم کروں۔ اور لوگوں کو محروم کروں جو آئندہ پیدا ہوں گے۔“

امام شافعیؓ اور ان کے ہم خیال کا بڑا استدلال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیربر کی نشین کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا تھا۔ لیکن وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ خیربر کے بعد اور مقامات بھی تو قائم ہوئے یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال سے پہلے تمام عرب پر قبضہ ہو چکا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں چہہ بھر بھی نہیں تقسیم کی؟

### 福德 کا مسئلہ

اسی سلسلے میں باعثِ فدک کا معاملہ بھی ہے جو مت تک مرکزِ الاراء رہا ہے۔ ایک فرقہ کا خیال ہے کہ باعثِ خالص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانبیاد تھی۔ کیونکہ اس پر چڑھائی نہیں ہوئی تھی، بلکہ وہاں کے لوگوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سپرد کر دیا تھا، اور اس وجہ سے وہ اس آیت کے تحت میں داخل ہے۔

وَمَا أَلَّأَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ  
وَلَارِكَابٍ وَلَكِنَ اللَّهُ يَسْطُرُ رَسُولَهُ عَلَى مِنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ

شئٍ قَدِيرٌ۔

”یعنی جو کچھ خدا نے اپنے پیغمبر کو ان لوگوں سے دلوایا تو تم لوگ اس پر

روٹ یا گھوڑے دڑا کر نہیں گئے تھے لیکن خدا اپنے پیغمبر کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔“

اور جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مملوکہ خاص ٹھہری تو اس میں وراثت کا عام قاعدہ جو قرآن مجید میں مذکور ہے جاری ہو گا۔ اور آنحضرت کے ورثہ اس کے مستحق ہوں گے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باوجود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طلب و تقاضا کے آل نبی کو اس سے محروم رکھا۔

یہ بحث اگرچہ طرفین کی طبع آذانیوں میں بہت بڑھ گئی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بات نہایت مختصر تھی اور اب جبکہ سیاست مدن کے اصول زیادہ صاف اور عام فہم ہو گئے ہیں یہ مسئلہ اس قابل بھی نہیں رہا کہ بحث کے دائرة میں لا یا جائے اصل یہ ہے کہ نبی یا امام یا بادشاہ کے قبضے میں جو مال یا جائیداد ہوتی ہے س کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مملوکہ خاص جس کے حاصل ہونے میں نبوت اور امامت یا بادشاہت کے منصب کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔ مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بنہ کر معاشر حاصل کرتے تھے یا عالمگیر قرآن لکھ کر سر کرتا تھا۔ یہ آمنی ان کی ذاتی آمنی تھی۔ اور اس پر ہر طرح کائن کو افشار تھا۔ دوسرا مملوکہ حکومت مثلاً داؤد علیہ السلام کے مقبوضہ ممالک جو حضرت سليمان علیہ السلام کے قبضے میں آئے اس دوسری قسم میں وراثت نہیں جائز ہوتی جو شخص پیغمبری یا امامت یا بادشاہت کی حیثیت سے جانشین ہوتا ہے وہی اس کا مالک ہوتا ہے یہ مسئلہ آجکل کے مذاق کے موافق بالکل ایک بدیکی بات ہے مثلاً سلطان عبدالحمید خان کے بعد ان کے ممالک مقبوضہ یا ان کی جاگیر خالصہ ان کے بیٹے بھائی، ماں، بیوی وغیرہ میں تقسیم نہیں ہو گی بلکہ جو تخت نہیں ہو گا اس پر قابض ہو گا۔ مذہبی حیثیت سے بھی مسلمانوں کے ہر فرقہ میں یہ قاعدہ ہمیشہ مسلم رہا۔ مثلاً جو لوگ فدک کو درجہ بدرجہ ائمہ اثنا عشر کا حق سمجھتے ہیں وہ بھی اس میں وراثت کا قاعدہ نہیں ہے جاری کرتے مثلاً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے نمانے میں اس کے مالک ہوئے تو یہ نہیں ہوا کہ ان کی وفات کے بعد وراثت کا قاعدہ جائز ہوتا اور حسین و عباس و محمد بن حنفیہ و نبی نب کو جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وراثت تھے اس کا کچھ کچھ حصہ اس کے پڑتے سے ملتا۔ بلکہ صرف حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبضہ میں آیا کیونکہ امامت کی حیثیت سے وہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جانشین تھے۔

غرض یہ عام اور مسلم قاعدہ ہے کہ جو جائیداد نبوت یا امامت یا بادشاہت کے منصب

سے حاصل ہوتی ہے، وہ مملوکہ خاص نہیں ہوتی۔ اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ کہ باغ فدک کیونکر حاصل ہوا تھا۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب خبر کی فتح سے پھرے، تو مجیسہ بن مسعود النصاری کو فدک والوں کے پاس تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا، فدک یہودیوں کے قبضہ میں تھا اور ان کا سردار یوشع بن نون ایک یہودی تھا۔ یہودیوں نے صلح کا پیغام بھیجا اور معاوضہ صلح میں آدمی نہیں دینی منتظر تھی۔ اس وقت سے یہ باغ اسلام کے قبضہ میں آیا۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی جائیداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مملوکہ خاص کیونکر ہو سکتی ہے۔ فدک کی ملکیت خاص کا دعویٰ اس بناء پر کیا جاتا ہے کہ وہ فوج کے ذریعے فتح نہیں ہوا۔ بلکہ اس آیت کے مصدقہ ہے *فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خِيلٍ وَّلَا رَكَابٍ* لیکن کیا جو ممالک صلح کے ذریعے سے قبضے میں آتے ہیں وہ امام یا پادشاہ کی ملکیت خاص قرار پاتے ہیں؟ عرب کے اور مقامات بھی اس طرح قبضہ میں آئے کہ ان پر چڑھائی نہیں کرنی پڑی۔ کیا ان کو کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت سمجھا؟ البتہ یہ امر غور طلب ہے کہ جب اور مقامات مفتوحہ کی نسبت کسی نے اس قسم کا خیال نہیں کیا تو فدک میں کیا خصوصیت تھی جس کی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوئی۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ مفتوحہ زمینیں علما نیہ وقف عام رہیں، لیکن فدک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مصارف کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ اس سے اس خیال کا موقع ملا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جائیداد خاص ہے۔ اس خیال کی تائید اس سے ہوئی کہ فدک پر لشکر کشی نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے اس پر لوگوں کو کسی قسم کا حق حاصل نہیں تھا۔ لیکن یہ خیال دراصل صحیح نہیں۔ فدک کو بے شہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذاتی مصارف کے لئے خاص کر لیا تھا۔ لیکن کیونکر؟ اس کے متعلق تفصیل روایتیں موجود ہیں۔

**فَكَانَ نَصْفُ فَدْكَ خَالِصًا لِرَسُولِ اللَّهِ وَكَانَ يَصْرُفُ مَا يَا تَهِيَّهُ**

**مِنْهَا إِلَى الْأَبْنَاءِ السَّبِيلِ۔ (فتح البلدان بلاذری صفحہ ۲۹)**

”یعنی آدھا فدک خاص رسول اللہ کا تھا آنحضرت اس میں سے مسافروں پر صرف کرتے تھے۔“

ایک اور روایت میں ہے۔

**إِنَّ فَدْكَ كَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ يَنْفَقُ مِنْهَا**

**لِنَفْرَةِ الْبَلْدَانِ - بِلَادِرِيٍّ ذِكْرُ فَدْكَ**

وَيَا كُلَّ وَيَوْمٍ عَلَى فَقَرَاءَتِنِي هاشم وَزَوْجِ ابْرَاهِيمَ۔

(فتح البلدان صفحہ ۲۱)

”یعنی فدک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا آپ اس میں سے خروج کرتے تھے اور فقرائے بنی ہاشم کو دیتے تھے اور ان کی بیواؤں کی شادی کرتے تھے۔“

بخاری وغیرہ میں بہ تصریح مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سال بھر کا اپنا خرچ اس میں سے لیتے تھے باقی عام مسلمین کے مصالح میں دیتے تھے ان روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ فدک کا مملوکہ نبوت ہونا ایسا ہی تھا جیسا کہ سلاطین کے لئے کوئی جائیداد خالصہ کر دی جاتی ہے اس بناء پر باوجود مخصوص ہونے کے وقف کی حیثیت اس سے زائل نہیں ہوتی۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان اصولوں سے واقف تھے اور اسی بناء پر انہوں نے فدک میں وراثت نہیں جاری کی یا یہ نکات بعد الوقوع ہیں؟

عراق وشام کی فتح کے وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کے مجمع میں تقریر کی تھی اس میں قرآن مجید کی اس آیت سے **مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرْبَى فَلَلَّهُ** الخ سے استدلال کر کے صاف کہ دیا تھا کہ مقامات مفتودہ کی خاص شخص کی ملک نہیں ہیں، بلکہ عام ہیں چنانچہ فوکے ذکر میں یہ بحث گذر جکی ہے، البتہ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے پسلے جو آیت ہے، اس سے فدک وغیرہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص جائیداد ہونا ثابت ہوتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے یہی معنی قرار دیتے تھے آیت یہ ہے

**وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ لَمَّا وَجَفَتُمُ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رَكَابٍ  
وَلِكُمُ اللَّهُ سُلْطَانُ رَسُولِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ۔**

”اور جوان لوگوں سے (یعنی یہودی نصیرے) خدا نے اپنے پیغمبر کو دلوایا تو تم لوگ اس پر چڑھ کر نہیں گئے تھے بلکہ خدا اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دتا ہے۔“

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کو پڑھ کر کہا تھا کہ فکافت خالصہ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ واقعہ صحیح بخاری، باب الحمس اور باب

المغازی اور باب المیراث میں تفصیل مذکور ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی بناء پر فدک وغیرہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خالصہ سمجھتے تھے لیکن اس قسم کا خالصہ الٰہی طمکیت نہیں ہوتا جس طرح سلاطین کے مصارف کے لئے کوئی زمین خاص کروی جاتی ہے کہ اس میں میراث کا عام قاعدہ نہیں جاری ہوتا بلکہ جو شخص جانشین سلطنت ہوتا ہے تھا وہی اس سے ممتع ہو سکتا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس خیال کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے جب آیت مذکورہ بالا کی بناء پر فدک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خالصہ کہا تو ساتھ ہی یہ الفاظ فرمائے جیسا کہ صحیح بخاری باب الممس و باب المغازی وغیرہ میں مذکور ہے۔

لَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ يَنْفَقُ عَلَى أَهْلِهِنْفَقَةً سَتَّهُمْ مِنْ هَذِهِ الْمَالِ ثُمَّ إِذْ  
مَا بَقَى فِيْجَعْلَهُ كَجَعْلِ مَالِ اللَّهِ فَعَمِلَ رَسُولُ اللَّهِ بِذَلِكَ حَيَاةَ ثُمَّ  
تَوَفَّى اللَّهُ نَبِيُّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ  
اللَّهِ فَقَبَضَهَا أَبُو بَكْرٍ فَعَمِلَ فِيهَا بِمَا عَمِلَ رَسُولُ اللَّهِ ثُمَّ تَوَفَّى اللَّهُ  
أَبَا بَكْرٍ فَكَنَّتْ أَنَا وَلِيُّ أَبِي بَكْرٍ فَقَبَضَتْهَا سَتَّنَ مِنْ أَمَاوَتِي أَعْمَلَ  
فِيهَا مَا عَمِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا عَمِلَ فِيهَا  
أَبُو بَكْرٍ۔

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے سال بھر کا خرچ لیتے تھے باقی کو خدا کے مال کے طور پر خرچ کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھرا سی پر عمل فرمایا پھر وفات پائی تو ابو بکر نے کہا کہ میں ان کا جانشین ہوں۔ پس اس پر قبضہ کیا اور اسی طرح کاروائی کی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے پھر انہوں نے وفات پائی تو میں ابو بکر کا جانشین ہوا پس میں نے اس پر دو برس قبضہ رکھا اور وہی کاروائی کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر کرتے تھے۔“

اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود اس کے کہ فدک وغیرہ کو خالصہ سمجھتے تھے تاہم آنحضرت کی ذاتی جائیداد نہیں سمجھتے تھے (جس میں وراثت جاری ہو) اور اس وجہ سے اس کے قبضہ کا مستحق صرف اس کو قرار دیتے تھے جو رسول اللہ کا

جانشین ہو۔ چنانچہ حضرت ابو بکر اور خودا پے قبضہ کی میں وجہ بتائی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تقریر اس وقت فرمائی تھی جب حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کے پاس فدک کے دعویدار ہو کر آئے تھے اور انہوں نے کہہ دیا تھا کہ اس میں وراشت کا قاعدہ نہیں جاری ہو سکتا۔

حاصل یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک فدک وغیرہ آخر پرست صلی اللہ علیہ وسلم کے خالص بھی تھے اور وقف بھی تھے۔ چنانچہ عراق کی فتح کے وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی آیت کو جس سے آخر پرست کا خالص ہونا پایا جاتا ہے پڑھ کر یہ الفاظ کے فہنمہ عامۃ فی القریبی کلہا۔ یعنی جو حکم اس آیت میں ہے وہ انہی مواضع (فدک وغیرہ) پر محدود نہیں بلکہ تمام آبادیوں کو شامل ہے۔

اصل یہ ہے کہ فدک کا ذوجتیں ہونا ہی تمام غلط فہمی کا نشان تھا چنانچہ حافظ بن القیم نے زاد المعاویہ میں اس بات کو ادا کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

**لَهُ مِلْكٌ بِخَالِفِ حُكْمِ خَيْرٍ مِنَ الْمُالَكِينَ وَهُنَّا النَّوْعُ مِنَ الْأُمَّالِ**

هو القسم الذي وقع بعده فهو من النزاع ما وقع الي اليوم

ولولا اشكال امرء عليهم لما طلبت فاطمة بنت رسول الله صلى

الله عليه وسلم ميراثها من تركته وظلت اندیورث عندهما كان

مالكاً كسائر المالكين وخفى عليها رضي الله عنها حقيقة

الملك ليس مهاوريث عنده (زاد المعاویہ صفحہ ۱۳۳ جلد دوم)

ان واقعات سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ ان مسائل کو جواب داء سے آج تک معركہ آراء رہے ہیں۔ اور جن میں بڑے بڑے اکابر صحابہ کو اشتباہ ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس خوبی سے طے کیا کہ ایک طرف قرآن و حدیث کا صحیح محل وہی ہو سکتا ہے اور دوسری طرف اصول سلطنت و نظام تہذیب سے بالکل مطابقت رکھتا ہے۔

## ذاتی حالات اور اخلاق و عادات

عرب میں روحانی تربیت کا آغاز اگرچہ اسلام سے ہوا لیکن اسلام سے پہلے بھی اہل عرب میں بہت سے ایسے اوصاف پائے جاتے تھے جو تمغاۓ شرافت تھے اور جن پر ہر قوم، ہر زمانہ میں ناز کر سکتی ہے۔ یہ اوصاف اگرچہ کم و بیش تمام قوم میں پائے جاتے تھے لیکن بعض بعض اشخاص زیادہ ممتاز ہوتے تھے اور یہ لوگ قوم سے ریاست و حکومت کا منصب حاصل کرتے تھے، ان اوصاف میں فصاحت و بلاغت تقریر، شاعری، نسابی، پس گری، بہادری، آزادی مقدم چیزیں تھیں اور ریاست و افسری میں ان ہی اوصاف کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قدرت نے ان سب میں سے کافی حصہ دیا تھا۔

تقریر کاملکہ خداداد تھا اور عکاظ کے معروکوں نے اس کو اور زیادہ جلا دے دی تھی۔ یہی قابلیت تھی جس کی وجہ سے قریش نے ان کو سفارت کا منصب دیا تھا جو ان لوگوں کے لئے مخصوص تھا جو سب سے زیادہ زبان آور ہوتے تھے ان کے معمولی جملوں میں آرٹیری کا اثر اور بر محل فقرے جوان کے منہ سے نکل جاتے تھے ان میں بلاغت کی بعث پائی جاتی تھی۔ معمون بن معدی کرب کو جب پہل دیکھا تو چونکہ وہ غیر معمولی تن و توش کے آدمی تھے اس لئے متین ہو کر کہا ”اللہ اس کا اور ہمارا خالق ایک ہی ہے۔“ مطلب یہ کہ ہمارے جسم میں اور اس میں اس قدر تقاؤت ہے کہ دونوں ایک کاریگر کے کام نہیں معلوم ہوتے۔

وباء کے واقعہ میں ابو عبیدہ نے ان پر اعتراض کیا آپ قضائے الہی سے بھاگتے ہیں تو کس قدر بلیغ لفظوں میں جواب دیا کہ ”ہاں قضائے الہی کی طرف بھاگتا ہوں۔“

### قوت تقریر

مختلف وقتوں میں جو خطبے انہوں نے دیئے وہ آج بھی موجود ہیں ان سے ان کے نور

تقریر بر جنگلی کلام کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

### خطبے

منہ خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ جو خطبہ دیا اس کے ابتدائی فقرے یہ تھے

اللَّهُمَّ أَنِي خَلِيفَتِي اللَّهُمَّ أَنِي ضَعِيفٌ فَقُوْنِي إِلَّا وَإِنَّ الْعَرَبَ

جَمِيلٌ أَنْفُ وَقَدْ أَعْطَيْتَ خَطَامَهُ إِلَّا وَإِنِّي حَامِلٌهُ عَلَى الْمَحْجَةِ۔

”اے خدا! میں سخت ہوں مجھ کو زم کر۔ میں کمزور ہوں مجھ کو قوت

وے (قوم سے خطاب کر کے) ہاں! عرب والے سرکش اونٹ ہیں

جن کی مہار میرے ہاتھ میں دی گئی ہے لیکن میں ان کو راست پر چلا کر

چھوڑ دیں گا۔“

خلافت کے دوسرے تیرے وہ جب انہوں نے عراق پر لٹکر کشی کرنے کے لئے لوگوں کو جمع کیا تو لوگ ایران کے نام سے جی چراتے تھے خصوصاً اس وجہ سے کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں سے بلا لئے گئے تھے اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زور تقریر کا یہ اثر تھا کہ شنی شیبانی ایک مشہور بہادر بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔ اور پھر تمام مجمع میں آگ لگ گئی۔ دمشق کے سفر میں جابیہ میں ہر قوم اور ہر ملت کے آدمی جمع تھے عیسائیوں کا لارڈ بشپ تک شریک تھا۔ اس کے ساتھ مختلف مذاہب اور مختلف قوم کے آدمی شریک تھے اور مختلف مذاہب اور مختلف مطالب کا ادا کرنا مسلمانوں کو اخلاق کی تعلیم دینی تھی۔ غیر قوموں کو اسلام کی حقیقت اور اسلام کی جنگ و صلح کے اغراض بتانے تھے فوج کے سامنے خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معزولی کا عذر کرنا تھا۔ ان تمام مطالب کو اس خوبی سے ادا کیا کہ مدت تک ان کی تقریر کے جتنے جتنے فقرے لوگوں کی زبان پر رہے فقماء نے اس سے فقهي مسائل استنباط کئے اہل ادب نے قواعد فصاحت و بلاغت کی مثالیں پیدا کیں۔ تصوف و اخلاق کے مضاہیں لکھنے والوں نے اپنا کام کیا۔

۳۴۸ بھری میں جب حج کیا اور یہ ان کا آخر حج تھا تو ایک شخص نے کسی سے تذکرہ کیا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مر جائیں گے تو میں طور پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقام منا میں تشریف رکھتے تھے اور وہیں یہ واقعہ پیش آیا۔ اس وقوع کی خبر ہوئی تو برادر فروختہ ہو کر فرمایا کہ آج رات میں اسی مضمون پر خطبہ دوں گا۔

حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ امیر المؤمنین حج کے مجمع میں ہر قسم کے برے بھلے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اگر آپ نے یہ تقریر کی تو اکثر لوگ صحیح پیڑا یہ نہ سمجھیں گے۔ ہر نہ ادا کر سکیں گے۔ مینہ چل کر خواص کے مجمع میں تقریر کیجئے گا۔ وہ لوگ ہر یات کا پلو سمجھتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ رائے تسلیم کی آخر نو لمحہ

میں مدینہ آئے جمع کے دن لوگ بڑے شوق و انتظار سے مسجد میں پہلے سے آ آکر جمع ہوئے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ زیادہ مشتاق تھے اس لئے منبر کے قریب جا کر بیٹھے اور سعید بن نزید سے مخاطب ہو کر کہا کہ آج عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسی تقریر کریں گے کہ کبھی نہیں کی تھی۔ سعید نے تجب سے کہا کہ ایسی نئی بات کیا ہو سکتی ہے جو انہوں نے پہلے نہیں کہی؟ غرض اذان ہو چکی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ دیا۔ یہ پورا واقعہ اور پورا خطبہ صحیح بخاری میں لمند کوہ ہے۔ اس میں سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ "النصار کے خیالات" حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب، بیعت کی کیفیت، خلافت کی حقیقت کو اس خوبی اور عمدگی سے ادا کیا کہ اس سے برکت کرنا ممکن نہ تھا۔ اس تقریر کو پڑھ کر بالکل ذہن نشین ہو جاتا ہے کہ اس وقت جو کچھ ہوا وہی ہونا چاہئے تھا اور وہی ہو سکتا تھا۔

جن معمول میں غیر قومیں بھی شریک ہوتی تھیں ان میں ان کے خطبہ کا ترجمہ بھی ساتھ ساتھ ہوتا جاتا تھا چنانچہ دمشق میں مقام جابیہ جو خطبہ دیا مترجم ساتھ کے ساتھ اس کا ترجمہ بھی کرتا جاتا تھا۔

اگرچہ اکثر برحمل اور برجستہ خطبہ دیتے تھے لیکن معرب کے جو خطبے ہوتے تھے ان میں تیار ہو کر جاتے تھے سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ میں خود ان کا بیان ہے کہ میں خوب تیار ہو کر گیا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب خلیفہ ہوئے اور خطبہ دینے کے لئے منبر پر چڑھے تو دنختار کے اور زبان نے یاری نہ دی اس وقت یہ عذر کیا گیا کہ "ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم خطبہ کے لئے تیار ہو کر آئتے تھے اور آئندہ سے میں بھی ایسا ہی کروں گا۔"

### نکاح کا خطبہ اچھا نہیں دے سکتے تھے

وہ اگرچہ ہر قسم کے مضمایں پر خطبہ دے سکتے تھے، لیکن ان کا خود بیان ہے کہ "نکاح کا خطبہ مجھ سے بن نہیں آتا۔" عبد اللہ بن المقفع جو دولت عباسیہ کا مشہور ادیب اور فاضل تھا اس سے لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس معنووری کی وجہ پوچھی اس نے کہا کہ نکاح کا خطبہ میں حاضرین میں سے ہر شخص برابری کا درج رکھتا ہے خطیب کی کوئی ممتاز حالت نہیں ہوتی بخلاف اس کے عام خطبیوں میں خطیب جب منبر پر چڑھتا ہے تو عام آدمی اس کو محکوم معلوم ہوتے ہیں اور اس وجہ سے خود بخود اس کی تقریر میں بلندی اور نور آ جاتا ہے۔

لیکن ہمارے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح میں موضوعِ خنگ اور محدود ہوتا ہے اور ہر بار وہی معمولی باقش کرنی پڑتی ہیں۔

پولڈیکل خطا

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے جن مضافین پر لوگ خطبے دیتے تھے وہ پندو موعظت، فخر و عاء قدرتی و اقعتات کا بیان رنج و خوشی کا اظہار ہوتا تھا۔ ملکی پر پچ معاطلات خطبے میں ادا نہیں ہو سکتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے پولیسکل خطبے دیئے اس کے ساتھ وہ خطبوں میں اس طریقے سے گفتگو کر سکتے تھے کہ ظاہر میں معمولی باتیں ہوتی تھیں لیکن اس سے بست سے پہلو نکلتے تھے۔

خطبے کے لئے جو باتیں درکار ہیں

خطبہ کے لئے ملکہ تقریر کے علاوہ اور عارضی باتیں جو درکار ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سب موجود تھیں آواز بلند اور پر رعب تھی، قد اتنا بلند تھا کہ زمین پر کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ منبر پر کھڑے ہیں۔ اس موقع پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان کے بعض خطبے نقل کر دیئے جائیں۔ ایک موقع پر عمال کو مخاطب کر کے جو خطبہ دیا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

انى لا اجد هذا المال يصلحه الا خلل ثلث ان يوخذ بالحق ويعطى بالحق ويمنع من الباطل ولست ادع احدا يظلم احلا حتى اضع خده على الارض وافع لعمى على خده الاخر حتى يذعن للحق بما يها الناس ان الله عظيم حق فوق حق خلقه فقال فيما عظم من حقه ولا يا مركم ان تتخنو الملائكة والنبين ارباباً آلا وانى لم ابعثكم امراء ولا جبارين ولكن بعثتكم أئمة الهدى بهتلي بكم ولا تغلقوا ابواب دونهم فيا كل

قویهم ضعیفہم۔ (کتاب الخراج صفحہ ۶۷)

ایک اور خطے کے چند جملے یہ ہیں۔

فأنتم مستخلفون في الا رض قاهرون لا هلها- قد نصر الله دينكم فلا تصبح امة مخالفتكم الا امتان- امة مستبعدة للاسلام واهله يتجرؤن لكم- عليهم المؤنة ولهم المنفعة وامة ينتظرون وقائم الله وسطواته في كل يوم وليله قد ملأ الله قلوبهم

رعباً - قد دمthem جنود اللہ و نزلت بساحتهم مع رفاهۃ العیش واستقاضۃ المال وتتابع  
اللبعوٹ و سدالثغور - الخ (ازاله المخاء مأخذ از طبری)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خبلوں کا خاتمہ ہیشہ ان فقرول پر ہوتا تھا۔

اللہم لا تدعنی فی عمرۃ ولا تاخذنی علی خرۃ ولا تجعلنی مع الغفلین -

(عقد الفرد خطبات عمر)

## قوت تحریر

قوت تقریر کے ساتھ تحریر میں بھی ان کو کمال تھا۔ ان کے فرائیں خطوط، ستور العل،  
تو قیعات، ہر قسم کی تحریریں آج موجود ہیں جو جس مضمون پر ہے اس باب میں بے نظیر ہے  
چنانچہ ہم بعض تحریریں نقل کرتے ہیں۔  
ابوموسی اشعری کے نام

اما بعد فان للناس نفرة عن سلطانهم فاعوذ بالله ان تدوکني و اياك عمداء مجھولة  
وضغان مجھولة و اهواء متبعثة کن من مال الله على حذر و خوف الفساق و اجعلهم  
يدايدا و رجلاؤ رجلاؤ اذا كانت بين القوم ثائرة بالفلان فانما تلک نجوى الشيطان  
فاضر بهم بالسيف حتى يفيوا الى امر الله و يكون دعوتهم الى الاسلام  
ایک اور تحریر ابو موسی کے نام

اما بعد فان القوة في العمل ان لا تؤخر و اعمل اليوم لغدی فانكم اذا فعلتم ذلك  
تداركت عليكم الا عمال فلم تدرروا اليها تأخذون فاضعتم

عمرو بن العاص کو جب مصر کا گورنر مقرر کر کے بھیجا تو انہوں نے خراج کے بھیجنے میں  
دیر کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تاکید لکھنی، ”عمرو بن العاص نے بھی نہایت آزادی  
اور دلیری سے جواب دیا۔ یہ تحریر مقرری نے تاریخ مصر میں بعینہ نقل کی ہیں، ان کے لکھنے  
سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زور قلم کا اندازہ ہوتا ہے بعض فقرے ایسے ہیں۔

وقد علمت انه لم يمنعك من ذلك الا ان عمال السوء اتخذوك كهفا  
وعندی باذن الله دواء في شفاء انى عجبت من كثرة كتبى اليك فى ابطانك بالخارج  
وكتابك التي يشتات الطرق عما استلک فىيه فلا تعجز ابا عبدالله ان يوخذ منك  
الحق وتعطاه فان النهر يخرج الدر -

## مذاق شاعری

شعر و شاعری کی نسبت اگرچہ ان کی شہرت عام طور پر کم ہے اس میں شبہ نہیں کہ شعر بست کم کہتے تھے لیکن شعر شاعری کا مذاق ایسا عمدہ رکھتے تھے کہ ان کی تاریخ زندگی میں یہ واقعہ متروک نہیں ہو سکتا، عرب کے اکثر مشہور شعرا کا کلام کثرت سے یاد تھا اور تمام شعرا کے کلام پر ان کی خاص رائیں تھیں۔ اہل ادب کو عموماً تسلیم ہے کہ ان کے زمانے میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص شعر کا پر کھنے والا نہ تھا۔ علامہ ابن رشیق القیروانی کتاب الحمدہ میں جس کا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے لکھتے ہیں۔

وَكَانَ مِنْ أَنْقَادِ الْأَهْلِ زَمَانَهُ لِلشِّعْرِ وَأَنْقَادُهُمْ فِيهِ مَعْرِفَةٌ۔

”یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے شناساتھے۔“  
جاہذ نے کتاب البيان والتشیین میں لکھا ہے

کان عمر بن الخطاب اعلم الناس بالشعر۔ (کتاب البيان والتشیین مطبوعہ مصر ۹۷)

”یعنی عمر بن خطاب اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے شناساتھے۔“

نجاشی ایک شاعر تھا جس نے تمیم بن مقبل کے خاندان کی بھجو کی تھی۔ ان لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی شکایت کی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حسان بن ثابت کو جو مشہور شاعر تھے حکم قرار دیا اور جو فیصلہ انہوں نے کیا اسی کو نافذ کیا۔ اس واقعہ سے چونکہ اس غلط فہمی کا احتمال تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود شرف فرم نہ تھے۔ اس لئے اہل ادب نے جماں اس واقعہ کو لکھا ہے تو ساتھ یہ بھی لکھا کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکمت عملی تھی وہ بد زبان شعرا کے بیچ میں نہیں پڑنا چاہتے تھے ورنہ شعر کے دفاتر اس سے کون بڑھ کر سمجھ سکتا تھا۔

(دیکھو کتاب البيان والتشیین للجاہذ صفحہ ۹۔ کتاب الحمدہ باب تعریض الشعرا)

## حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زہیر کو اشعار الشعرا کہتے تھے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اگرچہ تمام مشہور شعرا کے کلام پر عبور تھا۔ لیکن تین شاعروں کو انہوں نے سب میں اختیاب کیا تھا۔ امراء القیس، زہیر، ناہف تھا ان سب میں وہ زہیر کا کلام سب سے زیادہ پسند کرتے تھے اور اس کو اشعار الشعرا کہتے تھے اہل عرب اور

علمائے ادب کے نزدیک اب تک یہ مسئلہ طے نہیں ہوا کہ عرب کا سب سے بڑا شاعر کون تھا؟ لیکن اس پر سب کااتفاق ہے کہ افضلیت انہی تینوں میں محدود ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک زہیر کو سب پر ترجیح تھی۔ جریر بھی اسی کا قائل تھا۔ ایک دفعہ ایک غرذہ میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبد اللہ بن عباس سے کہا کہ اشعر الشعرا کے اشعار پر ہو۔ عبد اللہ بن عباس نے کہا وہ کون؟ فرمایا! زہیر انسوں نے ترجیح کی وجہ پر چھپی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے جواب میں جو الفاظ فرمائے وہ یہ تھے۔

زہیر کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ریمارک۔

لَا نَهُ لَا يَتَبعُ حشْوِي الْكَلَامَ وَلَا يَعْاَذِلُ مِنَ الْمَنْطَقِ وَلَا يَقُولُ  
الْأَمَاءِ يَعْرُفُ وَلَا يَمْتَدِحُ الرَّجُلُ الْأَبْيَاكُونُ فِيهِ۔

”وہ (زہیر) ناموس الفاظ کی تلاش میں نہیں رہتا اس کے کلام میں پیچیدگی نہیں ہوتی اور اسی مضمون کو باندھتا ہے جس سے واقف ہے جب کسی کی مرح کرتا ہے تو انہی اوصاف کا ذکر کرتا ہے جو واقعی اس میں ہوتے ہیں۔“

پھر سند کے طور پر یہ اشعار پڑھئے

إِنَّمَا ابْتَرَتْ قَسِيسَ بْنَ غَيْلَانَ خَاتَمَةً  
مِنَ الْمَجْدِ مَنْ يَسْبِقُ إِلَيْهَا يَسْوَدُ  
وَلَوْ كَانَ حَمْدُ يَخْلُدُ النَّاسَ لَمْ تَمْتَ  
وَلَكِنْ حَمْدُ النَّاسِ لَمْ يَسْبِقْ يَخْلُدَهُ

نادین فن نے زہیر کا تمام کلام پڑھ کر جو خصوصیتیں اس میں بتائی ہیں وہ یہ ہیں کہ اس کا کلام صاف ہوتا ہے اور باوجود اس کے وہ جاہلیت کا شاعر ہے اس کی زبان ایسی شستہ ہے کہ اسلامی شاعر معلوم ہوتا ہے اور اس کے ساتھ وہ بیجا مبالغہ نہیں کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام خصوصیتوں کو نمایت مختصر لفظوں میں ادا کرویا۔

زہیر کا مددج، ہرم بن سنان عرب کا ایک رئیس تھا۔ اتفاق یہ کہ زہیر اور ہرم دونوں کی اولاد نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زانہ پایا۔ اور ان کے دربار میں حاضر ہوئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہرم کے فرزند سے کہا کہ اپنے مرح میں زہیر کا کچھ کلام پڑھو، اس نے

ارشاد کی تحلیل کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تمہارے خاندان کی شان میں زہیر خوب کہتا تھا، اس نے کہا کہ ہم صلہ بھی خوب دیتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لیکن تم نے جو دیا وہ فتا ہو گیا۔ اور اس کا دیا ہوا آج بھی باقی ہے۔ زہیر کے بیٹے سے کہا کہ ہر م نے تمہارے باپ کو جو خلعت دیتے تھے کیا ہوتے اس نے کہا بوسیدہ ہو گئے فرمایا لیکن تمہارے باپ نے ہر م کو جو خلعت عطا کئے تھے زمانہ اس کو بوسیدہ نہ کر سکا۔

### نابغہ کی تعریف

زہیر کے بعد نابغہ کے معرف تھے اور اس کے اکثر اشعار ان کو بیاد تھے۔ امام شعبیؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ سب سے بڑھ کر شاعر کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ آپ سے زیادہ کون جانتا ہے، فرمایا کہ یہ شعر کس کا ہے؟

الاسليمان اذا قال الالله قم في البرية فاحدرها عن الفتى

لوگوں نے کہا کہ نابغہ کا! پھر پوچھا یہ شعر کس کا ہے؟

اتيتك عاري بالخلق اثنائي على خوف تطعن في الطعنونا

لوگوں نے کہا نابغہ کا۔ پھر پوچھا یہ شعر کس کا ہے؟

حلفت فلم اتر ک لنفس کربیة وليس وراء اللهم للمرء مذهب

لوگوں نے کہا نابغہ کے فرمایا کہ یہ شخص اشعر العرب ہے (آنانی تذكرة نابغہ ۲)

### امراء القيس کی نسبت ان کی رائے

بایس ہمہ وہ امراء القيس کی استادی اور ایجاد مضماین کے مکررہ تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شعراء کی نسبت ان کی رائے پوچھی تو امراء القيس کی نسبت یہ الفاظ فرمائے۔

سابقهم خسف لهم عن الشعر وافتقر عن معانٍ عور اصح

بصر۔

”وہ سب سے آگے ہے اسی نے شعر کے چشمے سے پانی نکالا۔ اسی نے اندھے مضماین کو بینا کر دیا۔“

آخر فقرہ اس لحاظ سے ہے کہ امراء القيس یعنی تھا اور اہل یمن فصاحت و بلاغت میں

کم درجہ پر مانے جاتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن رشیق نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ (کتاب الحمدہ باب الشاہیر من الشعاء)

### شعر کا ذوق

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذوقِ خن کا یہ حال تھا کہ اچھا شعر سنتے تھے بار بار مزے لے کر پڑھتے تھے ایک دفعہ زہیر کے اشعار سن رہے تھے یہ شعر آیا۔

### وَإِنَّ الْحُقْقَى مَقْطُوعَهُنَّ لَاثَ

تو حسن تقسیم پر بہت مختلط ہوئے اور دیر تک بار بار اس شعر کو پڑھا کئے ایک اور دفعہ عبدہ ابن الطیب کalamیہ کا قصیدہ سن رہے تھے اس شعر کو سن کر پھر کٹھے اور دوسرا۔

### وَالْمَرْءُ سَاعَ لَا مَرْلِيسَ يَدُوكَهُ

مصرع بار بار پڑھتے رہے اسی طرح ابو قیس بن الاصلت کا قصیدہ سنات تو بعض اشعار کو دیر تک دھرا کئے۔ (یہ تمام روایتیں جا حظنے کتاب البیان والشیئن صفحہ ۹۸۶ میں نقل کی ہیں)

### حفظ اشعار

اگرچہ ان کو مہمات خلافت کی وجہ سے ان اشغال میں مصروف ہونے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ تاہم چونکہ طبعی ذوق رکھتے تھے یعنکشیوں ہزاروں شعرياً تھے علمائے ادب کا بیان ہے کہ ان کے حفظ کا یہ حال تھا کہ جب کوئی معاملہ فیصل کرتے تو ضرور کوئی شعر پڑھتے تھے۔

جس قسم کے وہ اشعار پسند کرتے تھے وہ صرف وہ تھے جن میں خود اداری، آزادی، شرافت، نفس، تمیت، عبرت کے مفہومیں ہوتے تھے۔ اسی بناء پر امرائے فوج اور عملاء اضلاع کو حکم بھیج دیا تھا کہ لوگوں کو اشعار یاد کرنے کی تاکید کی جائے۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعری کو یہ فرمان بھیجا۔

### مِنْ قَبْلِكَ بِتَعْلِمِ الشِّعْرِ فَانْهِ بِدْلَ عَلَى مَعَالِيِ الْخَلَاقِ

### وَصَوَابُ الرَّأْيِ وَمَعْرِفَةُ الْأَنْسَابِ

”لوگوں کو اشعار یاد کرنے کا حکم دو کیونکہ وہ اخلاق کی بلند باتیں اور صحیح رائے اور انساب کی طرف راستہ دکھاتے ہیں۔“

تمام اخلاص میں جو حکم بھیجا تھا اس کے یہ الفاظ تھے

علموا اولادكم العوم والفروسية، ورووهם ماسار من المثل

وحسن من الشعر (ازاله الخناء صفحہ ۲۶۰)

”پنی اولاد کو تیرنا اور شسواری سکھاؤ“ اور ضرب المثلیں اور اچھے اشعار یاد کراؤ۔

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شاعری کے بہت سے عیوب مٹا دیے اس وقت تمام عرب میں یہ طریقہ جاری تھا کہ شعراء شریف عورتوں کا نام علائیہ اشعار میں لاتے تھے اور ان سے اپنا عشق جاتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رسم کو مٹا دیا اور اس کی سخت سزا مقرر کی اسی طرح ہجو گوئی کو ایک جرم قرار دیا اور حیطہ کو جو مشہور ہجو گو تھا اس جرم میں قید کیا۔

### لطیفہ

بِنُ الْجَلَانَ، ایک نہایت معجزہ قبیلہ تھا ایک شاعر نے ان کی ہجو لکھی، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اگر شکایت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ وہ اشعار کیا ہیں؟ انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

اَذَا اللَّهُ عَادَى اهْلَ لَوْمَةٍ فَعَادُتِي بَنِي الْجَلَانَ رَهْطَانَ مَقْبِلٍ  
”خدا اگر کمینہ آدمیوں کو دشمن رکھتا ہے تو قبیلہ جلان کو بھی دشمن رکھے۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ تو ہجو نہیں بلکہ بدعا ہے کہ خدا اس کو قبول نہ کرے انہوں نے دوسرा شعر پڑھا۔

قَبِيلَتَهُمْ لَا يَغْدُرونَ بِنَدْمَةٍ وَلَا يَظْلَمُونَ النَّاسَ حَبَّةً خَرَدْلٍ  
”یہ قبیلہ کسی سے بد عمدی نہیں کرتا“ اور نہ کسی پر رائی بر ای بر ظلم کرتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کاش میرا تمام خاندان ایسا ہی ہوتا۔ حالانکہ شاعر نے اس لحاظ سے کہا تھا کہ عرب میں یہ باقیں کمزوری کی علامت سمجھی جاتی تھیں۔

وَلَا يَرْدُونَ الْمَاءَ الْأَعْشَيَةَ اَذَا صَدَلَ الْوَرَادُعْنَ كُلَّ مَنْهَلٍ  
”یہ لوگ چشمے یا کنوئیں پر صرف رات کے وقت جاتے ہیں۔ جب اور لوگ واپس آچکتے ہیں۔“

یہ بات بھی شاعر نے اس لحاظ سے کہی تھی کہ اہل عرب کے نزدیک بے کس اور کمزور لوگ ایسا کرتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر کہا کہ بھیڑ سے پھنا تو اچھی بات ہے۔ انہوں نے آخری شعر ڈھا۔

**وماسمي العجلان اللائقون لهم خذ القعب احلب ايها العبد واعجل**  
”اس کا نام عجلان اس لئے پڑا کہ لوگ اس سے کہتے تھے کہ ابے اول غلام بیالہ لے اور جلدی سے دودھ لَا۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ سید القوم خادمہم۔

### علم الانساب

علم الانساب یعنی قبائل کا نام و نسب یاد رکھنا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خانہ زادہ علم تھا۔ یعنی کئی پشتون سے چلا آتا تھا، ان کے باپ خطاب مشهور نسب تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس فن کی معلومات کے متعلق اکثر ان کا حوالہ دیا کرتے تھے خطاب کے باپ نضیل بھی اس فن میں شریت رکھتے تھے۔ چنانچہ واقعات کو ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابتدائی حالات میں لکھ آئے ہیں۔  
لکھنا پڑھنا بھی جیسا کہ ہم آغاز کتاب میں لکھ آئے ہیں، اسلام سے پہلے سیکھ لیا تھا۔

### عبرانی زبان سے واقفیت

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر انہوں نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی۔ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک توریت کا ترجمہ عربی زبان میں نہیں ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب توریت کا کچھ کام پڑتا تھا تو عبرانی نسخہ ہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ اور جو نکہ مسلمان عبرانی نہیں جانتے تھے اس لئے یہود پڑھ کر سناتے اور عربی میں ترجمہ کرتے جاتے صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ۔

كان أهل الكتاب يقرءون التوراة بالعبرانية ويفسرون بها

بالعربية لا هيل الاسلام

”یعنی اہل کتاب توریت کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں

کے لئے عربی میں اس کا ترجمہ کرتے جاتے تھے۔"

مند داری میں روایت ہے کہ "ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ توریت کا ایک نسخہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اور اس کو پڑھنا شروع کیا۔ وہ پڑھنے جاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چھو متغیر ہوتا جاتا تھا (مند داری مطبوعہ کانپور صفحہ ۴۲)۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عربانی زبان اس قدر سیکھ گئے تھے کہ توریت کو خود پڑھ سکتے تھے۔

یہ امر بھی صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ یہودیوں کے ہاں جس دن توریت کا درس ہوا کرتا تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر شریک ہوتے تھے ان کا خود بیان ہے کہ میں یہودیوں کے درس کے دن ان کے ہاں جایا کرتا تھا۔ چنانچہ یہودی کما کرتے تھے کہ تمہارے ہم نہ ہوں میں سے ہم تم کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ کیونکہ تم ہمارے پاس آتے جاتے ہو۔

(کنز العمال، روایت: یعنی دیگر جلد اول صفحہ ۲۲۳)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نعمتی اور نکتہ سنجی نے یہاں بھی کام دیا۔ یعنی جس قدر وہ یہودیوں کی کتابوں سے واقف ہوتے گئے اسی قدر ان کے یہودہ انسانوں اور قصوں سے نفرت ہوتی گئی۔ نہایت کثرت سے روایتیں موجود ہیں کہ شام و عراق وغیرہ میں مسلمانوں کو یہودیوں کی تلقینیات ہاتھ آئیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو نہایت سختی سے ان کو پڑھنے سے روکا۔

### ذہانت و طبائی

ان کی ذہانت و طبائی کا صحیح اندازہ اگرچہ ان کے فقیhi اجتہادات سے ہو سکتا ہے جس کا ذکر علمی کمالات میں اوپر گذر چکا ہے۔ لیکن ان کی معمولی بات بھی ذہانت و طبائی سے خالی نہیں۔ چنانچہ ہم دو تین مثالیں نمونہ کے طور پر لکھتے ہیں۔

عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب انہوں نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا تو برس دن بھی نہیں گزرے تھے کہ لوگوں نے دوبار خلافت میں شکایت پیش کی کہ وہ رعب و داب اور سیاست کے آدمی نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو واپس بلا لیا اور کہا کہ میں خود بھی اس بات کو جانتا تھا۔ لیکن میں نے خیال کیا کہ شاید اللہ تعالیٰ آپ کو اس آیت کا مصدق اُن

ہنَّاَكَ (تاریخ طبری واقعہ عمل عمار بن یاسر)

وَنَرِيدُ لِلنَّاسِ عَلَى الْأَرْضِ إِسْتِضْعَافًا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلُهُمْ أَنْمَاءَ  
وَنَجْعَلُهُمُ الْأَوْارِثِينَ۔

”ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر جو کمزور ہیں احسان کریں اور ان کو  
امام اور زمین کا وارث بنائیں۔“

ایک دفعہ ایک شخص کو دعا ملتے تھا کہ ”خدا یا مجھ کو فتنوں سے بچانا۔“ فرمایا کہ تم یہ  
چاہتے ہو کہ خدا تم کو آل اولاد نہ دے (ازالت الخفاء صفحہ ۲۰۵) (قرآن مجید میں خدا نے آل  
دواواد کو فتنہ کھاہے)

انما موالکم واولادكم فتنۃ۔

ایک دفعہ ایک شخص نے پوچھا کہ دریا کے سفر میں قصر ہے یا نہیں؟ اس کی غرض یہ  
تھی کہ دریا کا سفر شرعاً سفر ہے یا نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیوں نہیں، خدا  
خوا فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِي يَسِيرُ كُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ  
”وَهُوَ (خدا) وَهُوَ جُو تم کو خشکی اور تری کی سیر کرتا ہے۔“

### حکیمانہ مقولے

انتے حکیمانہ مقولے اکثر ادب کی کتابوں میں اور خصوصاً مجمع الامثال میدانی کے  
خاتمه میں کثرت سے نقل کئے ہیں نمونے کے طور پر بعض مقولے یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

من کشم سرہ کان الخیار فی بدء  
”جو شخص راز چھپتا ہے وہ اپنا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔“

اتقو من تبغضه قلوبكم اعقل الناس اعدوهم للناس۔

”جس سے تم کو نفرت ہواں ڈرتے رہو سب سے زیادہ عاقل وہ شخص ہے جو اپنے افعال کی  
اچھی تاویل کر سکتا ہو۔“

لَا تؤخر عمل يومك الذي غدرك۔

”آج کا کام کل پر اٹھانہ رکھو۔“

ابت الدراهم الا ان یخرج اعناقها۔

”روپے سراونچا کئے بغیر نہیں رہتے۔“

ما دبر شئی فاقبل۔ ”جو چیز پیچے ہٹی پھر آگے نہیں بڑھتی۔“

من لم یعرف الشریق فیم۔

”جو شخص برائی سے بالکل واقف نہیں وہ برائی میں بتلا ہو گا۔“

ما سألهنی رجل الا تبین لی فی عقلم۔

جب کوئی شخص مجھ سے سوال کرتا ہے تو مجھ کو اس کی عقل کا اندازہ معلوم ہو جاتا ہے۔

### واعظ سے خطاب کر کے

لَا يلهمك الناس عن نفسك اقلل من الدنيا تعش حرًا ترك الخطية أسهل من معالجة

التوبه۔

”تو گوں کی فکر میں تم اپنے تیس بھول نہ جاؤ دنیا تھوڑی سی لوتو آزادانہ بس رکو گے قبہ کی تکلیف سے گناہ کا چھوڑ دیتا زیادہ آسان ہے۔“

لی على كل خانن اسینان الماء والطين

”ہر مدیانت پر میرے دو داروغے متعین ہیں آب و گل۔“

لواز الصبر والشکر بغير ان مابالimet على ايهم اركبت۔

”اگر صبر و شکر دو سواریاں ہوتیں تو میں اس کی نہ پرواہ کرتا کہ دونوں میں سے کس پر سوار ہوں۔“

وَحْمَ اللَّهُ أَمْرًا أَهْدِيَ إِلَيْهِ عَوْنَى۔

”خدا اس شخص کا بھلا کرے جو میرے عیب میرے پاس تھے میں بھیجا ہے (یعنی مجھ پر میرے عیب ظاہر کرتا ہے)۔“

### صاحب الرائے ہونا

رائے نمایت صائب ہوتی تھی۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ

عمر کی معاملہ میں کہتے تھے کہ میرا اس کی نسبت یہ خیال ہے تو ہمیشہ ہی پیش آتا تھا۔ جوان کا گمان

ہوتا تھا۔ (صحیح بخاری باب اسلام)

اس سے زیادہ اصابت رائے کی کیا دلیل ہوگی۔ کہ ان کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں۔ اور آج تک قائم ہیں۔

### اذان کا طریقہ حضرت عمر بن الخطاب کی رائے سے قائم ہوا

نماز کے اعلان کے لئے جب ایک معین طریقہ کی تجویز پیش ہوئی تو لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔ کسی نے ناقوس کا نام لیا۔ کسی نے تری کی رائے دی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ایک آدمی کیوں نہ مقرر کیا جائے جو نماز کی منادی کیا کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت بلال کو حکم دیا کہ اذان دیں۔ چنانچہ یہ پہلا دن تھا کہ اذان کا طریقہ قائم ہوا اور در حقیقت ایک مذہبی فرض کے لئے اس سے زیادہ کوئی طریقہ مؤثر اور مونوں نہیں ہو سکتا تھا۔

### اسیران بدرا

اسیران بدرا کے معاملے میں جب اختلاف ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو رائے دی وہی اسی کے موافق آئی۔

### ازواج مطہرات کا پروہ

آنحضرت کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم پہلے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر بارہا خیال ہوا۔ اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہی کا انتظار فرماتے تھے چنانچہ خاص پردہ کی آیت نازل ہوئی جس کو آیت حجاب کہتے ہیں۔

### منافقوں پر نماز جنازہ

عبد اللہ بن ابی جو منافقوں کا سردار تھا۔ جب مرًا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلق نبوی کی بناء پر سکھ جنازہ کی نماز پڑھنی چاہی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شدت سے منع کیا کہ اپنے منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں! اس پر یہ آیت اُتری۔ ولا تصل على احد منهم یہ تمام واقعات صحیح بخاری وغیرہ میں مذکور ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے صائب کا نتیجہ تھا کہ قرآن مجید مدون مرتب ہوا، ورنہ حضرت ابو بکر اور زید بن ثابت (کاتب وحی) دونوں صاحبوں نے پہلے اس تجویز سے

مخالفت کی تھی۔

تمام مذہبی اور مکملی اہم سائل میں جہاں جہاں صحابہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اختلاف ہوا باستثنائے بعض موقعوں کی عموماً عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائیں صائب نکلیں، ممالک مفتودہ کے متعلق اکثر صحابہ متفق لے رائے تھے کہ فوج کو تقسیم کر دیئے جائیں۔ ایک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس رائے کے خلاف تھے اور اگر لوگوں نے ان کی رائے کو نہ مانتا ہوتا تو اسلامی مملکت آج کاشتکاری سے بدتر ہو گئی ہوتی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں فتوحات کی آمدی میں ہر شخص کا برابر حصہ لگاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حقوق اور کارگذاری کے فرق مراتب کے لحاظ سے مختلف شرحیں قرار دیں، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت دونوں صاحبوں نے امداد اولاد کی خرید و فروخت کو جائز رکھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مخالفت کی۔ ان تمام واقعات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کو جو ترجیح ہے وہ محتاج دلیل نہیں۔

### قابلیت خلافت کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے

خلافت کے متعلق جب بحث پیدا ہوئی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد کون اس بار گران کو اٹھا سکتا ہے؟ تو چھ صاحبوں کے نام لئے گئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر ایک سے متعلق خاص خاص رائیں دیں اور وہ سب صحیح نکلیں۔

### نکتہ سمجھی اور غور رسمی

وہ ہر کام میں غور و فکر کو عمل میں لاتے تھے اور ظاہری بالوں پر بھروسہ نہیں کرتے تھے۔ ان کا قول تھا کہ۔

لَا يَعْجِبُنَّكُم مِّنَ الرِّجَالِ طَنطِنَةٌ  
”یعنی کسی کی شہرت کا آوازہ سن کر دھونکے میں نہ آؤ۔“

اکثر کہا کرتے تھے

لَا تَنْظُرُ وَالَّتِي صَلَوةٌ أَمْرٌ وَلَا صِيامٌ وَلَكِنْ انْظُرُ وَالَّتِي عَقْلٌ وَصِدْقٌ  
”یعنی آدمی کی نماز، روزہ پر نہ جاؤ بلکہ اس کی سچائی اور عقل کو دیکھو۔“

ایک دفعہ ایک شخص نے ان کے سامنے کسی کی تعریف کی، فرمایا کہ تم سے کبھی معاملہ پڑا ہے؟ اس نے کہا نہیں، پوچھا کبھی سفر میں ساتھ ہوا ہے۔ اس نے کہا نہیں، فرمایا کہ تو تم وہاں کہتے ہو جو جانتے نہیں۔ احادیث کے باب میں بڑی غلطی جو لوگوں سے ہوئی یہی تھی کہ اکثر محدثین جس کو زاہد پورا سادیکہتے تھے ثقہ سمجھ کر اس سے روایت شروع کر دیتے تھے عبدالکریم بن الی المخازن جو ایک ضعیف الروایہ شخص تھا اس سے امام مالک نے روایت کی۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ایسے شخص سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا۔

غرنی بکثرة جلوس في المسجد۔ (فتح المغيث صفحہ ۳۸)

”یعنی اس بات نے مجھ کو دھوکہ دیا کہ وہ کثرت سے مسجد میں بیٹھا کر تھا۔

## مدھبی زندگی

دن کو مہمات خلافت کی وجہ سے کم فرصت ملتی تھی۔ اس لئے عبادت کا وقت رات کو مقرر تھا۔ معمول تھا کہ رات کو نفلیں پڑھتے تھے جب صبح ہونے کو آتی تو گھر والوں کو جگاتے اور یہ آیت پڑھتے وامر اهلک بالصلوة (مؤطراً امام مالک) فجر کی نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے لیکن زیادہ سے زیادہ ۲۰۰ آیتیں پڑھتے تھے عبداللہ بن عامر کا بیان ہے کہ میں نے ایک دفعہ ان کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی تو انہوں نے سورہ یوسف اور حج پڑھی تھی۔ یونس، کف، ہود کا پڑھنا بھی ان سے مروی ہے۔

## نماز

نماز جماعت کے ساتھ پسند کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ میں اس کو تمام رات عبادت پر ترجیح دیتا ہوں۔ کوئی ضروری کام آرہتا اور وقت کا تاخیر کا خوف نہ ہوتا تو پہلے اس کو انجام دیتے ایک دفعہ اقامت ہو چکی تھی اور صفحیں درست ہو چکی تھیں ایک شخص صاف سے نکل کر ان کی طرف بڑھا۔ وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور دیر تک اس سے باتیں کرتے لا رہے فرمایا کرتے تھے کہ کھانے سے فارغ ہو تو تب نماز پڑھو۔ بعض اوقات جہاد وغیرہ کے اہتمام میں اس قدر مصروف رہتے تھے کہ نماز میں بھی وہی خیال بندھا رہتا تھا۔ خود ان کا قول ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں اور فوجیں تیار کرتا ہوں۔

۱۔ یہ قول ازالۃ الحفاء حصہ دوم صفحہ ۱۹ میں نقل کیا ہے۔

۲۔ ازالۃ الحفاء بحوالۃ مصنف بن الی شیبہ صفحہ ۴۹۔

ایک اور روایت میں یہ کہیں نے نماز میں بھرن کے جزیرہ کا حساب کیا۔ ایک دفعہ نماز پڑھ رہے تھے کہ آیت فلیعبدوارب هذا الbeit آئی تو کعبہ کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ کیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے نماز میں اس قدر اشارہ کرنا جائز لہ ہے۔ بعض اوقات جمعہ کا خطبہ پڑھتے پڑھتے کسی سے مخاطب ہو جاتے۔ مؤٹا امام مالک میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جمعہ میں دری ہو گئی اور مسجد میں اس وقت پہنچ کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ شروع کر دیا تھا۔ عین خطبہ کی حالت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دیکھا اور کہا یہ کیا وقت ہے؟ انہوں نے کہا میں بازار سے آ رہا تھا کہ اذان سنی فوراً وضو کر کے حاضر ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا وضو پر کیوں اکتفا کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیا کرتے تھے۔

### روزہ

ابو مکرم شیبہ نے روایت کی ہے کہ مرنے سے دو برس پہلے متصل روزے رکھنے شروع کئے تھے لیکن انہی کی یہ روایت بھی ہے کہ ایک شخص کی نسبت سنا کہ صائم الدہر ہے تو اس کے مارنے کے لئے وہ اٹھایا۔ (ازالتہ الخفاء صفحہ ۱۰۲)

حج ہر سال کرتے تھے اور خدا میر قافلہ ہوتے تھے۔

قیامت کے مواخذہ سے بست ڈرتے تھے اور ہر وقت اس کا خیال رہتا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ ابو موسیٰ اشتریؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیوں ابو موسیٰ! تم اس پر راضی ہو کر ہم لوگ جو اسلام لائے اور بھرت کی اور رسول اللہ کی خدمت میں ہرگز موجود ہے ان تمام باتوں کا صد ہم کو یہ ملے کہ برابر سرا بر پر چھوٹ جائیں، نہ ہم کو ثواب ملے نہ عذاب، ابو موسیٰ نے کہا نہیں ہیں تو اس پر ہرگز راضی نہیں ہم نے بست سی نیکیاں کی ہیں اور ہم کو بست کچھ امید ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے کہ میں تو صرف اسی قدر چاہتا ہوں کہ ہم بے مواخذہ چھوٹ جائیں"۔ مرنے کے وقت یہ شعر پڑھتے تھے۔

ظلوم لنفسی غیر اپنی مسلم اصلی الصلوٰۃ کلہا واصوم

بے تعصی

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ ہب کی مجسم تصویر تھے لیکن زاہد منقش نہ تھے

ہمارے علماء عیسائیوں کا برتن وغیرہ استعمال کرنا تقدس کے خلاف سمجھتے ہیں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت امام بخاری اور امام شافعی نے روایت کی ہے۔ تو پاؤ ان ماءِ جمیع بہ عنند نصرانیہ۔ (ازالت الخفاء صفحہ ۲۸ جلد دوم)۔ بغوی کی روایت اس سے زیادہ صاف ہے تو پاؤ عمر من ماءِ فی جرن نصرانیہ۔ (ازالت الخفاء صفحہ ۳۸)۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک عیسائی عورت کے گھرے کے پانی سے وضو کیا۔ بغوی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ عیسائی جو پیر بنتے ہیں اس کو کھاؤ (ازالت الخفاء صفحہ ۳۸)۔ عیسائیوں وغیرہ کا کھانا آج مکرو اور منوع بتایا جاتا ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معاهدات میں یہ قاعدہ داخل کر دیا تھا کہ جب کسی مسلمان کا گذر ہو تو عیسائی اس کو تین دن مہمان رکھیں، آج غیر قوموں سے عداوت اور ضد رکھنے کی تعلیم دی جاتی ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ مرتبے مرتبے بھی عیسائی اور یہودی رعایا کوئہ بھولے چنانچہ ان کی نسبت رحم اور ہمدردی کی جو وصیت کی وہ صحیح بخاری و کتاب الخراج وغیرہ میں مذکور ہے شاہ ولی اللہ صاحب نے اس امر کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محسن و فضائل میں شمار کیا ہے کہ وہ اہل ذمہ (عیسائی اور یہودی جو مسلمانوں کے ملک میں رہتے تھے) کے ساتھ بھلانی کرنے کی تائید کرتے تھے چنانچہ شاہ صاحب کے خالص الفاظ یہ ہیں ”وازاں جملہ آنکہ بامسان اہل ذمہ تائید فرمود“۔ (ازالت الخفاء صفحہ ۳۸ جلد دوم)

محب طبری وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے افسروں کو عیسائیوں کے ملازم رکھنے سے بھی منع کرتے تھے افسوس ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ان روایتوں کو قبول کیا ہے لیکن جس شخص نے محب طبری کتاب (ریاض النصرۃ) دیکھی ہے وہ پہلی نظر میں سمجھ سکتا ہے کہ ان روایتوں کا کیا پایا ہے ان بزرگوں کو بھی یہ خبر نہیں کہ عراق، مصر، شام کا دفتر مال گزاری جس قدر تھا سریانی و قبطی وغیرہ میں تھا۔ اور اس وجہ سے دفتر مال گزاری کے تمام عمل بھوی یا عیسائی تھے ملازمت اور خدمت ایک طرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے توفن فرانس کی ترتیب اور درستی کے لئے ایک روی عیسائی کو مدینہ منورہ میں طلب کیا تھا، چنانچہ علامہ بلاذری نے اس واقعہ کو کتاب الاشراف میں بصریح لکھا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

ابعث المينا برومي يقيم لنا حساب فرأنضنا

”ہمارے پاس ایک روی کو بھیج دو جو فرانس کے حساب کو درست کروے۔“

آج غیر مذہب کا کوئی شخص مکہ معلمہ نہیں جا سکتا اور یہ ایک شرعی مسئلہ خیال کیا جاتا ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں غیر مذہب والے بے تکف مکہ معلمہ جاتے تھے اور جب تک چاہتے تھے مقیم رہتے تھے چنانچہ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں متعدد واقعات نقل کئے ہیں (کتاب الخراج صفحہ ۸۷-۹۷)۔ آج کل یورپ والے جو اسلام پر تنگ دلی اور وہم پرستی کا الزام لگاتے ہیں۔ اسلام کی تصویر خلفاء راشدین کے حالات کے آئینہ میں نظر آسکتی ہے۔

### علمی صحبتیں

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں اکثر علمی مسائل پر گفتگو ہوا کرتی ایک دن صحابہ بدر (وہ صحابہ جو جنگ بدر میں رسول اللہ کے شریک تھے) مجلس میں جمع تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمیع صحابہ کی طرف خطاب کر کے کہا "اذاجأه نصر اللہ و الفتح سے کیا مراد ہے؟ بعضوں نے کہا کہ خدا نے حکم دیا ہے کہ جب فتح حاصل ہو تو ہم خدا کا شکر بجالائیں۔ بعض بالکل چپ رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھا، انہوں نے کہا "اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی طرف اشارہ ہے، یعنی اے محمد! جب فتح و نصرت آپکی تو یہ تیرے دنیا سے اٹھنے کی علامت ہے اس لئے تو خدا کی حمد کر اور گناہ کی معافی مانگ، بے شک خدا بڑا قبول کرنے والا ہے"۔ حضرت عمر رضی اللہ نے فرمایا جو تم نے کہا یہی میرا خیال ہے۔ (صحیح بخاری مطبوعہ میرٹ صفحہ ۲۵۸)

ایک اور دن صحابہ کا جمع تھا۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کے معنی پوچھے۔ ایوہ أحد کم اُن تکون لہ جنتہ لگوں نے کہا کہ خدا زیادہ جانتا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لا حاصل جواب پر غصہ آیا۔ اور کہا کہ نہیں معلوم ہے تو صاف کہنا چاہئے کہ نہیں معلوم ہے۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آیت کے صحیح معنی جانتے تھے۔ لیکن کم عمری کی وجہ سے جھوکتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دیکھا اور کہا کہ صاحبزادے! اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھو، جو تمہارے خیال میں ہو بیان کرو۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ خدا نے ایک کام کرنے والے شخص کی تمثیل دی ہے چونکہ جواب ناتمام

تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر قناعت نہ کی لیکن عبد اللہ بن عباس اس سے زیادہ نہ بتا سکتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ اس آدمی کی تمثیل ہے جس کو خدا نے دولت و نعمت دی کہ خدا کی بندگی بجالائے۔ اس نے نافرمانی کی تو اس کے اچھے اعمال بھی برپا کر دیئے۔

ایک دفعہ مناجین صحابہ میں سے ایک صاحب نے شراب پی اور اس جرم میں ماخوذ ہو کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سزا دینی چاہی۔ انہوں نے کہا کہ قرآن کی اس آیت سے ثابت ہے کہ ہم لوگ اس گناہ کے سزا کے مستوجب نہیں ہو سکتے پھر یہ آیت **لَمْ يَأْتِ الظَّالِمُونَ بِحَاجَةٍ فَيَمْأُوا** طعموا۔ “یعنی جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کئے انہوں نے جو کچھ کھایا پا ان پر الزام نہیں۔” استدلال میں پیش کر کے کہا کہ “میں بدر، خندق، حدیبیہ اور دیگر غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں اس لئے میں ان لوگوں میں داخل ہوں جنہوں نے اچھے کام کئے۔” حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کی طرف دیکھا۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے کہ یہ معانی پچھلے زمانہ کے متعلق ہے یعنی جن لوگوں نے شراب کی حرمت ناصل ہونے سے پہلے شراب پی، ان کے اور اعمال اگر صالح ہیں تو ان پر کچھ الزام نہیں اس کے بعد یہ آیت پڑھی۔ جس میں شراب کی ممانعت کا صریح حکم ہے۔

(ازالت الخفاء بحوالہ روایت حاکم صفحہ ۲۳۳)

**لَا يَأْتِي الظَّالِمُونَ بِحَاجَةٍ فَيَمْأُوا**

**الشَّيْطَنُ فَاجْتَبَاهُ**

### ارباب صحبت

جن لوگوں سے صحبت رکھتے تھے وہ عموماً اہل علم و فضل ہوتے تھے اور اس میں وہ نو عمر اور معصوموں کی تمیز نہیں کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے۔ (صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۲۷۹ بغوی نے زہری سے روایت کی ہے کہ کان مجلس عمر منافقی القراء ازالت الخفاء صفحہ ۱۶۹)

**وَكَانَ الْقَرَاءُ أَصْحَابُ مَجَالِسِهِ عُمُرٌ وَمَشَارِقُهُ كَهْوَلًا كَانُوا وَشْبَانًا۔**

“یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہل مجلس اور اہل مشورت علماء تھے خواہ بوڑھے ہوں یا جوان۔”

فقہ کا بہت بڑا حصہ جو منسق ہوا اور فقہ عمری کملا تا ہے انہی مجلسوں کی بدولت ہوا۔ اس مجلس کے بڑے بڑے ارکان ابی ابن کعب، زید بن ثابت، عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عباس، عبد الرحمن بن عوف، حرب بن قيس رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تمام لوگوں کو علمی فضیلت کی وجہ سے نہایت عزیز رکھتے تھے معمول تھا کہ جب مجلس میں بیٹھتے تو امتیاز مراتب کے لحاظ سے لوگوں کو باریابی کی اجازت دیتے یعنی پسلے قدامے صحابہ آتے پھر ان سے قریب والے وعلیٰ ہذا لیکن کبھی کبھی یہ ترتیب توڑی دی جاتی اور یہ امر خاص ان لوگوں کے لئے ہوتا جو علم کی فضیلت میں ممتاز ہوتے تھے چنانچہ لے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قدامے صحابہ کے صحابہ کے ساتھ شامل کرو دیا تھا۔ تاہم یہ حکم دیا کہ سوال و جواب میں اور بزرگوں کی ہمسری نہ کریں۔ یعنی جو کچھ کہنا ہو سب کے بعد کہیں اکثر ایسا ہو تاکہ جو لوگ عمر میں کم تھے مسائل کے متعلق رائے دینے میں جو ہجتیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ہمت دلاتے اور فرماتے کہ علم من کی کی اور زیادتی پر نہیں ہے۔ عبد اللہ بن عباس اس وقت بالکل نوجوان تھے ان کی شرکت پر بعض اکابر صحابہ نے شکایت کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی خصوصیت کی وجہ بتائی۔ اور ایک علمی مسئلہ پیش کیا جس کا جواب بجز عبد اللہ بن عباس کے اور کسی شخص نے صحیح نہیں دیا۔ عبد اللہ بن مسعود کی بھی قدر کرتے تھے اگر بھری میں جب ان کو کوفہ کا مفتی اور افسر خزانہ مقرر کر کے بھیجا تو اہل کوفہ کو لکھا کہ ”میں ان کو معلم اور وزیر مقرر کر کے بھیجا ہوں اور میں نے تم لوگوں کو اپنے آپ پر ترجیح دی ہے کہ ان کو اپنے پاس سے جدا کرتا ہوں“ بارہا ایسا ہوا کہ جب کسی مسئلہ کو عبد اللہ بن مسعود نے حل کیا تو ان کی شان میں فرمایا۔

**کلفٹ ملئی علماء۔**

”یعنی ایک طرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے۔“

اگرچہ فضل و کمال کے لحاظ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کوئی لعن کا ہمسر نہ تھا۔ تاہم وہ اہل کمال کے ساتھ اس طرح پیش آتے تھے جس طرح خود بزرگ کے ساتھ پیش آتے تھے۔ علامہ ذہبی نے تذكرة الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابی ابن کعب کی نہایت تعظیم کرتے تھے اور ان سے ڈرتے تھے ابی نے جب انتقال کیا تو فرمایا کہ آج مسلمانوں کا سردار اٹھ گیا۔ زید بن ثابت کو اکثر انہی غیر حاضری میں اپنا جانشین مقرر کرتے تھے اور جب واپس آتے تھے تو کچھ نہ کچھ جا گیر کے طور ان کو عطا کرتے تھے (سر العرین

لابن الجوزی) اسی طرح ابو عبیدہ، سلمان فارسی، عمر سعد، ابو موسیٰ اشعری، سالم، ابو درداء، عمران بن حصین وغیرہ کی نہایت عزت کرتے تھے۔ بست سے صحابہ تھے جن کے روزینے فقط اس بناء پر مقرر کئے تھے کہ وہ فضل و کمال میں ممتاز ہیں۔ ابوذر غفاری جنگ بدش شریک نہ تھے لیکن ان کا روزینہ اصحاب بدرا کے برابر مقرر کیا تھا۔ اس بناء پر کہ وہ فضل و کمال میں اور لوگوں سے کم نہیں۔

### اہل کمال کی قدر دوائی

ان کی قدر دوائی کسی گروہ پر محدود نہ تھی۔ کسی شخص میں کسی قسم کا جو ہر ہوتا تھا تو اس کے ساتھ خاص مراعات کرتے تھے۔ عمر بن وہب اہلی کاظمیہ ۲۰۰ ہجری سالانہ اس بناء پر مقرر کیا کہ وہ پر خطر معرکوں میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ (فتح البلدان صفحہ ۲۵۶)۔ خارجہ بن حذافہ اور عثمان بن ابی العاص کے وظائفیں اس بناء پر مقرر کئے کہ خارجہ بہادر اور عثمان نہایت فیاض تھے۔ (کنز العمال جلد دوم صفحہ ۳۱۰)

### لطیفہ

ایک دفعہ مخیو بن شعبہ کو حکم بھیجا کہ کوفہ میں جس قدر شعر اپنیں ان کے وہ اشعار جو انہوں نے زمانہ اسلام میں کئے ہیں لکھوا کر بھیجو۔ مخیو نے پہلے اغلب عجمی کو بلوایا۔ اور شعر پڑھنے کی فرماش کی۔ اس نے یہ شعر پڑھا۔

لقد طلبت هنیأً موجوداً ارجأً اتر يدام قصيداً

”تم نے بست آسان چیز کی فرماش کی ہے، بولو قصیدہ چاہتے ہو یا رجز؟“

پھر لبید کو بلا کریہ حکم سنایا وہ سورہ بقرہ لکھ کر لائے کہ خدا نے شعر کے بدالے مجھ کو یہ عنایت کیا ہے۔ مخیو نے یہ پوری کیفیت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھ بھیجی، وہاں سے جواب آیا کہ ”اگلب کے روزینے میں گھٹا کر لبید کے روزینے میں پانو کا اضافہ کرو“ اغلب نے حضرت عمر کی خدمت میں عرض کی کہ بجا آوری حکم کا یہ صدھ ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لبید کے اضافہ کے ساتھ اس کی تشویجی بحال رہنے دی۔ اس زمانے میں جس قدر اہل کمال تھے مثلاً شعراً، خطباءً، تابُ، پبلوان، بہادر سب ان کے دربار میں آئے اور ان کی قدر دوائی سے مشکور ہوئے اس زمانہ کا سب سے بڑا شاعر متمم بن نوریہ تھا جس کے بھائی کو

ابو بکر صدیق کے نامے میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلطی سے قتل کروایا تھا۔ اس واقعہ نے اس کو اس قدر صدمہ پہنچایا تھا کہ ہمیشہ روایا کرتا اور مرثیے کما کرتا جس طرف نکل جاتا، زن و مرد اس کے گرد جمع ہو جاتے اور اس سے مرثیے پڑھوا کر سنتے۔ مرثیے پڑھنے کے ساتھ خود روتا جاتا تھا اور سب کو رلاتا جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مرثیہ پڑھنے کی فرمائش کی۔ اس نے چند اشعار پڑھے اخیر کے شعر یہ تھے۔

وَكَانَ كَنْدَ مَانِي جَذِيمَةَ حَقْبَةَ

مِنَ الدُّهْرِ حَتَّى قَبِيلَ لَنْ يَتَصَدَّعَا

فَلَمَّا تَفَرَّقَا كَانَى وَمَا لَكَأَ

لَطْوُلُ اجْتِمَاعَ لَمْ نَبْتِ لَيْلَةَ مَعاً

”ایک دن تک ہم دونوں جذیمه (ایک بادشاہ کا نام ہے) کے نہیں ہوں

کے مثل رہے، یہاں تک کہ لوگوں نے کہا اب یہ جانا ہوں گے،“

پھر جب ہم دونوں جدا ہو گئے تو گوا ایک رات بھی ہم دونوں نے

ساتھ برسنیں کی تھی۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متمم سے خطاب کر کے کہا کہ اگر مجھ کو ایسا مرثیہ کہنا آتا تو میں اپنے بھائی زید کا مرثیہ کرتا۔ اس نے کہا امیر المؤمنین! اگر میرا بھائی آپ کے بھائی کی طرح (یعنی شہید ہو کر) مارا جاتا تو میں ہرگز اس کا اقامہ نہ کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ ”متمم نے جیسی میری تعزیت کی کسی نے نہیں کی۔“

اسی نامے میں ایک اور بڑی مرثیہ گوشائع خسائی اس کا دیوان آج بھی موجود ہے جس میں مرثیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ علمائے ادب کا اتفاق ہے کہ مرثیہ کے فن میں آج تک خباء کا مثل نہیں پیدا ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو کعبہ میں روتے اور چینٹتے دیکھا۔ پاس جا کر تعزیت کی۔ اور جب اس کے چار بیٹے جنگ قادریہ میں شہید ہوئے تو چاروں کی تنوایہ اس کے نام جاری کر دیں۔

پہلوانی اور بہادری میں دو شخص طیب بن خالد اور عمرو معدی کرب تمام عرب میں ممتاز تھے اور ہزار ہزار سوار کے برابر امانے جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں کو اپنے دربار میں بار دیا۔ اور قادریہ کے مغرب کے میں جب ان کو بھیجا تو سعد بن وقاریں کو لکھا کہ میں دو ہزار سوار تمہاری مدد کو بھیجا ہوں۔ عمرو معدی کرب پہلوانی کے ساتھ خطیب اور شاعر

بھی تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے فتوح حرب کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے چنانچہ ایک جلسہ میں قبائل عرب اور اسلحہ جنگ کی نسبت جو سوالات کئے اور عمرو معدی کرب نے ایک ایک کی نسبت جن مختصر اور بیغ فقروں میں جواب دیئے اس کو اہل عرب نے عموماً اور مسعودی نے موچ الذهب میں تفصیل لکھا ہے۔ چنانچہ نیزہ کی نسبت پوچھا تو کہا۔

**اخوک و رب ماخانک**

”یعنی تیرابھائی ہے لیکن کبھی کبھی وغایہ جاتا ہے“

پھر تیوں کی نسبت پوچھا تو کہا۔

**بردالمنیاياتخطی و تصبب**

”یعنی موت کے قاصد ہیں کبھی منزل تک پہنچتے ہیں اور کبھی بہک جاتے ہیں۔

ڈھال کی نسبت کہا۔

**علیہم تدوالدواون**

اسی طرح ایک ایک اختیار کی نسبت عجب عجیب بیغ فقرے استعمال کئے جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طریق عمل نے عرب کے تمام قابل آدمیوں کو دربار خلافت میں جمع کر دیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی قابلیتوں سے بڑے بڑے کام لئے

### متعلقاتِ جناب رسول اللہ کا پاس و الحافظ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کا نامیت پاس کرتے تھے جب صحابہ وغیرہ کے روزینے مقرر کرنے چاہے تو عبد الرحمن بن عوف وغیرہ کی رائے تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقدم رکھے جائیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کیا اور کہا کہ ترتیب مدارج میں سب سے مقدم آخر پرست کے تعلقات کے قرب و بعد کا الحافظ ہے چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ بنوہاشم سے شروع کیا۔ اور اس میں بھی حضرت عباس و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عئینم کے ناموں سے ابتداء کی۔ بنوہاشم کے بعد آخر پرست صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت میں قریب بنوامیہ تھے۔ پھر بنو عبد الشمس، بنو نوبل، پھر عبد العزیز یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبیلہ بنو عدی پاٹنچوں درجے میں پڑتا ہے۔ چنانچہ اسی ترتیب سے سب

کے نام لکھے گئے تھواہوں کی مقدار میں بھی اسی کا لحاظ رکھا۔ سب سے زیادہ تھواہیں جن لوگوں کی تھیں وہ اصحاب بدر تھے حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ عنم اگرچہ اس گروہ میں نہ تھے لیکن ان کی تھواہیں اسی حساب سے مقرر کیں، رسول اللہ کی اذواج مطہرات کی تھواہیں بارہ بارہ ہزار مقرر کیں۔ اور سب سے بڑی مقدار تھی اسامہ بن نید کی تھواہ جب اپنے فرزند عبد اللہ سے زیادہ مقرر کی تو عبد اللہ نے عذر کیا۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ کو مجھ سے اور اسامہ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

(یہ تمام تفصیل کتاب المخراج صفحہ ۲۲۵-۲۲۶ میں ہے)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت ابو بکر کی ابتدائی خلافت میں (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں) کسی قدر شکر رثی رہی جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھ میں تک حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر بیعت نہیں کی۔ چنانچہ صحیح بخاری باب غزوہ خیبر میں ہے کہ چھ میں کے بعد یعنی جب فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہو چکا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مصالحت اور بیعت کی غرض سے بلانا چاہا۔ لیکن یہ کہا بھیجا کہ آپ تھا آئیں۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی پسند نہیں کرتے تھے۔

(بخاری کے اصل الفاظ یہ ہیں کہ کراہیتہ لمحضر عمر)

لیکن رفتہ رفتہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت کا ملال جاتا رہا تو بالکل صفائی ہو گئی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑی بڑی مہمات میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورہ کے بغیر کام نہیں کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورے دیتے تھے۔ نہادنڈ کے معركے میں ان کو سپہ سالار بھی بنانا چاہا لیکن انہوں نے منظور نہیں کیا۔ بیت المقدس گئے تو کاروبار خلافت انہی کے ہاتھ میں دے کر گئے اتحادیگانگت کا آخر مرتبہ یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جو فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بطن سے تھیں ان کے عقد میں دے دیا۔ چنانچہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

## اخلاق و عادات تو واضح و سادگی

ان کے اخلاق و عادات کے بیان میں مؤرخین نے تو واضح اور سادگی کا مستقل عنوان

قام کیا ہے اور درحقیقت ان کی عظمت و شان کے تاج پر سادگی کا طرہ نسایت نہ شنا معلوم ہوتا ہے۔ ان کی زندگی کی تصویر کا ایک سخی ہے کہ روم و شام پر فوجیں بیجھ رہتے ہیں۔ قیصر و کسری کے سفیروں سے معاملہ پیش ہے خالد و امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے باز پر اس ہے، سعد بن ابی و قاص، ابو موسیٰ اشعری، عمرو بن العاص کے نام احکام لکھتے جا رہے ہیں۔ دو سر اسخ یہ ہے کہ بدن پر بارہ یونڈ کا کرتے ہے سرپر بھٹا سا عمامہ ہے پاؤں میں بھٹی جو تیار ہیں پھر اس حالت میں یا تو کاندھے پر مشک لئے جا رہے کہ یہود عورتوں کے لہ پانی نہیں ہے۔ یا مسجد کے گوشے میں فرش خاک پر لیٹئے ہیں اس لئے کام کرتے کرتے تھک گئے ہیں اور نیند کی جھکلی سی آگئی ہے۔ (اتاب مذکور صفحہ ۳۸ باب الزہد)

بارہا کم سے مدینہ تک سفر کیا، لیکن خیمه یا شامیانہ بھی ساتھ نہیں رہا جمال نھرے کسی درخت پر چادر ڈال دی اور اسی کے ساتھ میں پڑ رہے ابین سعد کی روایت ہے کہ ان کا روزانہ خانگی خرچ دو در ھم تھا جس کے کم بیش مل آنے ہوتے ہیں ایک دفعہ احنف بن قیس رؤسائے عرب کے ساتھ ان سے ملنے کو گئے دیکھا تو امن چڑھائے اور ھرا ھر دوڑتے پھرتے ہیں۔ احنف کو دیکھ کر کہا ”آ تو تم بھی میرا ساتھ دو۔ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے تم جانتے ہو ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق شامل ہے“ ایک شخص نے کہا کہ امیر المومنین آپ کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں کسی غلام کو حکم دیجئے وہ ڈھونڈ لائے گا۔ فرمایا اُٹی عبدِ عبدالمنی ”یعنی مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے“۔

مؤطا امام محمد میں روایت ہے کہ جب شام کا سفر کیا تو شر کے قریب پہنچ کر قضاۓ حاجت کے لئے سواری سے اترے، اسلام ان کا غلام بھی ساتھ تھا۔ فارغ ہو کر آئے تو (بھول کریا کسی مصلحت سے) اسلام کے اونٹ پر سوار ہو گئے اور اہل شام بھی استقبال کو آرہے تھے جو آتا تھا پلے اسلام کی طرف متوجہ ہوتا تھا۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ لوگوں کو تجھ بھوتا تھا اور آپس میں حیرت سے سر گوشیاں کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ان کی نگاہیں عجمی شان و شوکت ڈھونڈ رہی ہیں (وہ یہاں کہاں)۔

ایک خطبہ میں کہا کہ ”صاحب! ایک نانے میں میں اس قدر نادار تھا کہ لوگوں کو پانی بھر کر لا دیا کرتا تھا۔ اس کے سلے میں وہ مجھ کو چھوہا رے دیتے تھے وہی کھا کر بر کرتا تھا“۔ یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے لوگوں کو تجھ بھوتا کہ یہ منبر پر کہنے کی کیا بات تھی۔ فرمایا کہ میری

طیعت میں ذرا غور آگیا تھا یہ اس کی دو اتنی۔

۳۴۳ بھری میں سفر ج کیا اور یہ زمانہ تھا کہ ان کی سلطنت و جنگوں کا آغاز بصفت  
النہار پر آگیا تھا۔ سعید بن المیب جو ایک مشور تابعی گذرے ہیں وہ بھی اس سفر میں شریک  
تھے ان کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب انہیں پہنچے تو سنگرینے سمیث کر  
اس پر کپڑا ڈال دیا اور اسی کو تکمیل کرنا کہ فرش خاک پر لیٹ گئے پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے  
اور کہا اے خدا! میری عمر اب زیادہ ہو گئی ہے اب قوی کمزور ہو گئے اب مجھ کو دنیا سے اٹھا  
لے۔ (مؤطراً مام محمد صفحہ ۳۰۳)

### زندہ ولی

اگرچہ خلافت کے افکار نے ان کو خشک مزارج بنا دیا تھا۔ لیکن یہ ان کی طبعی حالت نہ  
تمی کبھی کبھی موقع ملتا تو زندہ ولی کے اشغال سے جی بہلاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبد اللہ  
بن عباس سے رات بھرا شعار پڑھوایا کئے۔ ”جب صحیح ہونے لگی تو کہا کہ اب قرآن پڑھو۔“  
محمد بن الجوزی نے سیرۃ العمرین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے۔ ایک  
طرف سے گانے کی آواز آئی۔ اور دریہ تک کھڑے سنتے رہے۔ ایک دفعہ سفر  
ج میں حضرت عثمان، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ ساتھ تھے  
عبد اللہ بن زبیر اپنے ہم سنوں کے ساتھ چمل کرتے تھے اور خنفل کے دامے اچھا لئے پلے  
تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف اس قدر فرماتے تھے کہ دیکھو اونٹ بھڑکنے نہ  
پائیں۔ لوگوں نے رباخ سے حدی گانے کی فروائش کی۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے  
خیال سے رکے لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ ناراضی نہ ظاہر کی تو رباخ  
نے گانا شروع کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی سنتے رہے۔ جب صحیح ہو چلی تو فرمایا کہ  
”بس اب خدا کے ذکر کا وقت آئے۔ ایک دفعہ سفر ج میں ایک سوار گاتا جا رہا تھا۔ لوگوں نے  
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ اس کو منع نہیں کرتے فرمایا کہ گانا شتر سواروں کا  
زادراہ نہ ہے۔ خوات بن جبیر کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سفر میں، میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ  
عنہ کے ساتھ تھا۔ ابو عبیدہ اور عبد الرحمن بن عوف بھی ہر کاب تھے، لوگوں نے مجھ سے  
فروائش کی کہ ضرار کے اشعار گا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بہتر یہ ہے کہ اپنے  
اشعار گائیں چنانچہ میں نے گانا شروع کیا اور ساری رات گاتا رہا۔ (ازالت الحناء صفحہ ۱۹۸)

## مزاج کی سختی

مزاج قدرتی طور پر نہایت تند تیز اور زود مشتعل واقع ہوا تھا۔ جاہلیت کے زمانے میں تو وہ قبر مجسم تھے لیکن اسلام کے بعد بھی مدتوں تک اس کا اثر نہیں گیا۔

غزوہ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو معلوم ہے کافروں نے بنوہاشم کو مجبور کر کے اپنے ساتھ لیا اور نہ وہ خود بکھی نہ آتے اس لئے اگر ابوالحنیزی یا عباس وغیرہ کمیں نظر آئیں تو ان کو قتل نہ کرنا۔ ابوحنیفہ بول اٹھے کہ ہم اپنے باب، بیٹھے بھائی سے درگذر نہیں کرتے تو بنوہاشم میں کیا خصوصیت ہے۔ واللہ اگر عباس مجھ کو ہاتھ آئیں گے تو میں ان کو تلوار کامزہ پچھاؤں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انکی یہ گستاخی ناگوار گزری "حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب ہو کر فرمایا ابو حفص (حضرت عمر کی کنیت تھی) دیکھتے ہو۔ عم رسول کا چہرہ تلوار کے قابل ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے آپ سے باہر ہو گئے اور کہا کہ "جازت دیجئے کہ میں اس کا سراڑا دوں"۔ حنفیہ بڑے رتبہ کے صحابی تھے اور یہ جملہ اتفاقیہ ان کی زبان سے نکل گیا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کچھ مذاخذه نہیں کیا۔

حاطب بن ابی بلتعہ ایک معزز صحابی تھے اور غزوہ بدر میں شریک رہے تھے انہوں نے ایک دفعہ ایک ضرورت سے کفار مکہ سے خفیہ خط و کتابت کی۔ یہ راز کھل گیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ برا فروختہ ہو کر آنحضرت کے پاس پہنچے کہ یہ کافر ہو گیا ہے۔ مجھ کو اجازت دیجئے کہ اس کو قتل کروں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن الخطاب تجھ کو کیا معلوم ہے۔ خدا نے شاید اہل بدر سے کہہ دیا ہو کہ تم جو چاہو کرو۔ میں سب معاف کروں گا۔ ذوالخویصرہ ایک شخص نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گستاخانہ کہا "عمل اختیار کر" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصے سے بیتاب ہو گئے اور چہا کہ اس کو قتل کر دیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا۔

ان واقعات سے تم کو اندازہ ہو گا کہ کس طرح ہر موقع پر ان کی تلوار نیام سے نکلی پڑتی تھی اور کافر تو کافر خود مسلمان کے ساتھ ان کا کیا سلوک تھا۔ لیکن اسلام کی برکت اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخخطاط اور خلافت کی مہمات نے ان کو رفتہ رفتہ نرم اور حلیم بنا دیا۔ یہاں تک کہ خلافت کے زمانے میں وہ کافروں کے ساتھ جس رحمتی اور لطف سے بر تاؤ کرتے

تھے آج مسلمانوں سے مسلمان نہیں کرتے۔

## آل و اولاد کے ساتھ محبت

( ان کی خانگی زندگی کے حالات کم معلوم ہیں قرآن سے اس قدر ثابت ہے کہ وہ ازواج و اولاد کے بہت ولد ادا نہ تھے اور خصوصاً ازواج کے ساتھ ان کو بالکل شفعت نہ تھا جس کی وجہ زیادہ یہ تھی کہ وہ عورتوں کی جس قدر عزت کرنی چاہئے تھی نہیں کرتے تھے صحیح بخاری باب اللباس میں خود ان کا قول مذکور ہے کہ ہم لوگ زمانہ جالمیت میں عورتوں کو بالکل پیچ سمجھتے تھے۔ جب قرآن نازل ہوا اور اس میں عورتوں کا ذکر آیا تو ہم سمجھے کہ وہ بھی کوئی چیز ہیں۔ تاہم ہم ان کو معاملات میں بالکل دخل نہیں دینے دیتے تھے اسی روایت میں ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے اپنی بیوی کو سخت سوت کیا۔ انہوں نے بھی برادر کا جواب دیا۔ اس پر کما اب تمہارا یہ رتبہ پنچاہ بولیں کہ تمہاری بیٹی بھی رسول اللہ سے دوبدو ایسی یاتیں کرتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ کی ایک بیوی جیلیہ تھیں ان کے بطن سے عاصم پیدا ہوئے۔ عاصم ابھی صغير سن ہی تھے کہ حضرت عمر نے کسی وجہ سے ان کو طلاق دے دی۔ یہ حضرت ابو بکر کا زنا نہ تھا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیاسے جہاں پہلے ہمارتے تھے اُنہوں کو مدینہ میں آگئے ایک دن اتفاق سے قباد کی طرف جانب لئے ہم پہلوں ساتھ کیسی ہے تھے حضرت ہجرہ نے ان کو پکڑ کر اپنے ہنوسے پر بھایا۔ اور ساتھ لے جانا چاہا۔ عاصم کی ماں کو خبر ہوئی وہ آن کر مراحم ہوئیں کہ میرا لڑکا ہے۔ میں اپنے پاس رکھوں گی۔ جھگڑے نے طوکھی پنا اور وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں فریادی آئیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف فیصلہ کیا اور اس لئے وہ مجبور ہو گئے یہ واقعہ مؤطراً اُنہوں نے غیرہ میں مذکور ہے ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے ساتھ ان کا سلوک محبت اور رحم کے اس پایا پر نہ تھا جیسا کہ اور بزرگوں کا تھا۔ اولاد اہل خاندان سے بھی ان کی غیر معمولی محبت نہ تھی۔ البتہ زید سے جو حقیقی بھائی تھے نہایت الفت تھی۔ چنانچہ جب وہ یمامہ کی لڑائی میں شہید ہوئے تو بت روئے اور سخت قلق ہوا فرمایا کرتے تھے کہ جب یمامہ کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو مجھ کو زید کی خوبشہ آتی ہے۔ عرب کا مشور مرغیہ گوشاعر ستمہ بن نویرہ جب ان کی خدمت میں آتا تو فرمائش کرتے کہ زید کا مرغیہ کو مجھ کو تمہارے جیسا کہنا آتا تو میں خوکھتا۔

## مسکن

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیسا کہ ہم پہلے حصے میں لکھ آئے ہیں۔ مکہ سے بھرتوں کی توعوں میں مقیم ہوئے جو مدینہ منورہ سے دو تین میل ہے۔ لیکن خلافت کے بعد غالباً وہاں کی سکونت بالکل چھوڑ دی اور شہر میں اگر رہے یہاں جس مکان میں وہ رہتے تھے وہ مسجد نبوی سے متصل باب السلام اور باب الرحمة کے پیچے میں واقع تھا۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصیت کی تھی کہ مکان پیغام بر کران کا قرضہ ادا کیا جائے۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو خریدا اور قیمت سے قرض ادا کیا گیا۔ اس لئے یہ مکان امدت تک دارالقضاء کے نام سے مشہور رہا۔

(دیکھو خلاصة الوفا فی اخبار دار المصطفی مطبوع مصر صفحہ ۱۲۹ اور حاشیہ عطا امام محمد صفحہ ۲۷۲)

## وسائل معاش تجارت

معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حدیث استیزان کی اعلیٰ کا انہوں نے یہی عذر کیا کہ میں خرید و فروخت میں مشغول ہونے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کم حاضر ہوتا تھا۔ لیکن اور فتوحات بھی کبھی کبھی حاصل ہو جاتی تھیں۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جا گیریں عطا کیں خیر بجب فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو ہو معزکہ میں شریک تھے تقسیم کر دیا۔

## جاگیر

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں جو نہیں آئی اس کا نام شمع تھا اور وہ نہایت سیر حاصل نہیں تھی۔ مؤذن بلاذری نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر کے تمام حصہ داروں کے نام ایک کتاب پر قلم بند کرائے تھے۔ یہودی حارش سے بھی ان کو ایک نہیں ہاتھ آئی۔ اور اس کا نام بھی شمع تھا۔ لیکن انہوں نے دون لاکڑیں خدا کی لہ پر وقف کر دیں (خلاصۃ الوفاء لفظ شمع)۔ خیر کی نہیں کے وقف کا واقعہ صحیح بخاری باب الشروط فی الوقف میں مذکور ہے وقف میں جو شرطیں کیں یہ تھیں، یہ نہیں نہ پیگی جائے گی نہ ہبہ کی جائے گی۔ نہ وراشت میں منتقل ہو گی، جو کچھ اس سے حاصل ہو گا وہ فقراء عذوالقبی غلام، مسافر اور مہمان کا حق ہے۔

## مشائہرہ

خلافت کے چند برس بعد انہوں نے صحابہ کی خدمت میں مصارف ضروری کے لئے درخواست کی۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کے موافق اس قدر تنخواہ مقرر ہو گئی جو معمولی خوراک اور لباس کے لئے کافی ہو۔ ہدہ بھری میں جب تمام لوگوں کے روزینے مقرر ہوئے تو اور اکابر صحابہ کے ساتھ ان کے بھی پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر ہو گئے۔

## زراعت

معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر اول اول زراعت بھی کی تھی۔ لیکن اس طرح کہ کھیت بیانی پر دے دیتے تھے خود میا کرتے تھے اور کبھی شریک کے ذمے ہوتا تھا چنانچہ صحیح بخاری باب الزارہ میں یہ واقعہ بقرت الحجہ موجود ہے۔

## غذا

غذانیات سادہ تھی، معمولاً روٹی اور روغن زیتون دسترخوان پر ہوتا تھا۔ روٹی اکثر گیوں کی ہوتی تھی۔ لیکن آٹا اکثر چھانا نہیں جاتا تھا۔ عام التحط میں جو کا التزام کر لیا تھا کبھی کبھی متعدد چیزیں دسترخوان پر ہوتی تھیں۔ گوشت، روغن زیتون، دودھ، ترکاری، سرکہ، مسمان یا سفراء آتے تھے تو کھانے کی ان کو تکلیف ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ ایسی سادہ اور معمولی غذا کے عادی نہیں ہوتے تھے۔

## لباس

لباس بھی معمولی ہوتا تھا، اکثر صرف فیض پہنچتے تھے پرنس ایک قسم کی ٹوپی تھی۔ جو عیسائی درویش اور رحاکرتے تھے مدینہ منورہ میں بھی اس کا رواج ہو چلا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی استعمال کرتے تھے جو تی عربی وضع کی ہوتی جس میں تسرہ لگا ہوتا تھا۔

## سادگی اور بے تکلفی

نمایت بے تکلفی اور سادگی سے رہتے تھے۔ کپڑوں میں اکثر پیوند ہوتا تھا ایک دفعہ دیر تک گھر میں رہے ہاہر آئے تو لوگ انتظار کر رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ پہنے کو کپڑے نہ تھے۔

اس لئے انہیں کپڑوں کو دھو کر سوکھنے ڈال دیا تھا۔ خلک ہو گئے تو وہی پن کر بنا ہر نکلے  
لیکن ان تمام یاتوں سے یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ رہبانیت کو پسند کرتے تھے اس  
باب میں ان کی رائے کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص جس کو انہوں نے  
یمن کا عامل مقرر کیا تھا۔ اس صورت سے ان سے ملنے کو آیا کہ لباس فاخرہ زیب بدن تھا۔ اور  
بالوں میں خوب تیل پڑا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت ناراض ہوئے اور وہ  
کپڑے اتروا کر موٹا کپڑا پہنایا۔ دوسری دفعہ آیا تو پریشان ہوا۔ اور پھر پرانے کپڑے پن کر  
آیا۔ فرمایا کہ یہ بھی مقصود نہیں۔ آدمی کونہ پر آنندہ ہو کر رہنا چاہئے نہ کہ پیاس جانی چاہئیں۔  
حاصل یہ کہ نہ بیووہ تکلفات اور آرائش کو پسند کرتے تھے، نہ رہبانہ زندگی کو اچھا سمجھتے  
تھے۔

### حليہ

حليہ یہ تھا کہ رنگ گندم گوں، قد نہایت لمبا، یہاں تک کہ سینکڑوں، ہزاروں آدمیوں  
کے مجمع میں کھڑے ہوئے تھے تو ان کا قدر سب سے لمبا تھا۔ رخسارے کم گوشت، گھنی ڈاڑھی،  
موچھیں بڑی بڑی، سر کے بال سامنے سے اڑ گئے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر صیغہ میں جو جو نئی باتیں ایجاد کیں ان کو مؤخر خیں  
نے یکجا لکھا ہے اور ان کو لے اولیات سے تعمیر کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم ان کے حالات کو انی  
اولیات کی تفصیل پر ختم کرتے ہیں کہ اول یا آخر نسبتے دارو۔

۱) بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا۔

۲) عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کئے۔

۳) تاریخ اور سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔

۴) امیر المؤمنین کا لقب اختیار کیا۔

۵) فوجی دفتر ترتیب دیا۔

۶) والنشمیوں کی تخلیہ مقرر کیں۔

۷) دفتر مال قائم کیا۔

۸) پیمائش جاری کی۔

لے اس میں سے اکثر اولیات کتاب الاول اکل لابی بلال الحکمی اور تاریخ طبری میں سچائی کوہر ہیں۔ باقی جوست جوست  
موقوعوں سے یکجا کی گئی ہیں۔

- ١ مردم شماری کرائی۔
- ٢ نہیں کھدا ائم۔
- ٣ شر آباد کرائے یعنی کوفہ، بصرہ، جزیرہ، فسطاط، موصل۔
- ٤ ممالک مقبوضہ کو صوبوں میں تقسیم کیا۔
- ٥ عشور یعنی دہ بیکی مقرر کی اس کی تفصیل صبغہ محاصل میں گذر چکی ہے۔
- ٦ دریا کے پیداوار مثلاً عنبر وغیرہ پر محصول لگایا اور محصل مقرر کئے۔
- ٧ حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی۔
- ٨ جیل خانہ قائم کیا۔
- ٩ ذرہ کا استعمال کیا۔
- ١٠ راتوں کو گشت کر کے رعایا کے دریافت حال کا طریقہ نکالا۔
- ١١ پولیس کا محکمہ قائم کیا۔
- ١٢ جا بجا فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔
- ١٣ گھوٹوں کی نسل میں اصلیں اور مجنس کی تمیز قائم کی جو اس وقت تک عرب میں نہ تھی۔
- ١٤ پرچہ نویں مقرر کئے۔
- ١٥ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے آرام کے لئے مکانات بنائے۔
- ١٦ راہ پر پڑے ہوئے بچوں کی پورش اور پرداخت کے لئے روزی نے مقرر کئے۔
- ١٧ مختلف شرکوں میں مہمان خانے تعمیر کرائے۔
- ١٨ یہ قاعدہ قرار دیا کہ اہل عرب (گوکافر ہوں) غلام نہیں بنائے جاسکتے۔
- ١٩ مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزی نے مقرر کئے۔
- ٢٠ مکاتب قائم کئے۔
- ٢١ معلمون اور مدرسوں کے مشاہرے مقرر کئے۔
- ٢٢ حضرت ابو بکرؓ کو اصرار کے ساتھ قرآن مجید کی ترتیب پر آمادہ کیا اور اپنے اہتمام سے اس کام کو پورا کیا۔
- ٢٣ قیاس کا اصول قائم کیا۔
- ٢٤ فرانس میں عوں کا مسئلہ ایجاد کیا۔
- ٢٥ فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیز من النوم کا اضافہ کیا۔ چنانچہ مؤطا امام مالک میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔

- ۳۳ نماز تراویح جماعت سے قائم کی۔
- ۳۴ تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جائیں طلاق بائن قرار دوا۔
- ۳۵ شراب کی حد کے لئے اسی کوڑے مقرر کئے۔
- ۳۶ تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی۔
- ۳۷ بنو شعلب کے عیسائیوں پر بجائے جزیہ کے زکوٰۃ مقرر کی۔
- ۳۸ وقف کا طریقہ ایجاد کیا۔
- ۳۹ نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر تمام لوگوں کا اجماع کرا دیا۔
- ۴۰ مساجد میں وعظ کا طریقہ قائم کیا ان کی اجازت سے تمیم داری نے وعظ کہا اور یہ اسلام میں پسلا وعظ تھا۔
- ۴۱ اماموں اور مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔
- ۴۲ مساجد میں راتوں کو روشنی کا انتظام کیا۔
- ۴۳ ہجو کنے پر تعزیر کی سزا قائم کی۔
- ۴۴ غزلیہ اشعار میں عورتوں کے نام لینے سے منع کیا۔ حالانکہ یہ طریقہ عرب میں متلوں سے جاری تھا۔
- ۴۵ ان کے سوا اور بہت سی ان کی اولیات ہیں جن کو ہم طوالت کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں۔

## ازواج واولاد

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاہلیت و اسلام میں متعدد نکاح کئے پہلا نکاح عثمان بن مطعمونؑ کی بیوی زینب کے ساتھ ہوا۔ عثمان بن مطعمونؑ سابقین صحابہ میں تھے، یعنی اسلام لانے والوں میں ان کا چودھروں نمبر تھا۔ ہر ہجری میں وفات پائی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفات کا اس قدر صدمہ ہوا کہ آپ ان کی لاشہ کوبو سے دیتے تھے اور بے اختیار روتے تھے۔ عثمانؑ کے دوسرے بھائی قدامہ بھی اکابر صحابہ میں سے تھے۔ زینب مسلمان ہو کر کہہ معلمہ میں مریں، حضرت عبد اللہ اور حضرت حفصہ انہی کے بطن سے ہیں۔ دوسری بیوی قربیہ بنت ابی امتحہ المخزوی تھیں جو آخر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مبارکہ سلمہؑ کی بیوی تھیں۔ چونکہ یہ اسلام نہیں لائیں تھیں۔ اور مشرک عورت سے نکاح جائز نہیں۔ اس لئے صلح حدیبیہ کے بعد اڑ ہجری میں ان کو طلاق دے دی۔

تیسرا بیوی ملیکۃ بنت جرول العزاوی تھیں، ان کو ام کلثوم بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی اسلام نہیں لائیں اور اس وجہ سے اڑ ہجری میں ان کو بھی طلاق دے دی۔ عبد اللہ انہی کے بطن سے ہیں۔

زینب اور قریبیہ قریش کے خاندان سے اور ملیکہ خزانہ کے قبیلہ سے تھیں مدینہ میں آگر انصار میں قرابت پیدا کی۔ یعنی یہ ہجری میں عاصم بن ثابت بن ابی الالف جو ایک معزز الفصاری تھے اور غزوہ بدروم میں شریک رہے تھے۔ ان کی بیٹی جمیلہ سے نکاح کیا۔ جمیلہ کا نام پہلے عاصیہ تھا۔ جب وہ اسلام لائیں تو آخر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر جمیلہ نام رکھا۔ لیکن ان کو بھی کسی وجہ سے طلاق دے دی۔

## حضرت ام کلثوم سے نکاح کرنا

آخر عمر میں ان کو خیال ہوا کہ خاندان بوت سے تعلق پیدا کریں۔ جو مزید شرف اور برکت کا سبب تھا۔ چنانچہ جناب امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت ام کلثوم کے لئے درخواست کی۔ جناب محمود نے پہلے ام کلثوم کی صفر سنی کے سبب سے انکار کیا۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زیادہ تمنا ظاہر کی اور کہا کہ اس سے مجھ کو حصول شرف مقصود ہے تو جناب امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منظور فرمایا اور ۲۰ ہزار مرپر نکاح

ہوا۔ (حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ کی تزوج کا واقعہ تمام محدث مورخوں نے تفصیل لکھا ہے۔ علام طبری نے تاریخ کبیر میں، ابن حبان نے کتاب الشفاعة میں، ابن قیمیہ نے معارف میں، ابن الشیر نے کامل میں تصریح کے ساتھ لکھا ہے کہ ام کلثوم بنت فاطمہ زہرا حضرت عمر کی زوج تھیں۔ ایک دوسری ام کلثوم بھی ان کی زوجہ تھیں، لیکن ان دونوں میں مورخوں نے صاف تفہیق کی ہے علام طبری و ابن حبان و ابن قیمیہ کی تصریحات خود میری نظر سے گذری ہیں۔ اور ان سے بڑھ کر تاریخی واقعات کے لئے اور کیا سند ہو سکتی ہے۔ وہ خاص عبارتیں اس موقع پر نقل ہوں۔ ثقات بن حبان ذکر خلافت عمر و واقعات کے لہر بھری میں ہے۔ ثم تزوج عمروام کلثوم بنت علی ابن ابی طالب فہی من فاطمۃ و دخل بهافی شهری القمۃ۔ معارف بن قبیہ ذکر اولاد عمر میں ہے وفاطمۃ وزید و امہاتھا ام کلثوم بنت علی ابن ابی طالب من فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسد الغابہ فی احوال السعابہ لابن الاشیر میں جماں حضرت ام کلثوم کا حال لکھا ہے تفصیل کے ساتھ ان کی تزوج کا واقعہ نقل کیا ہے۔ اسی طرح طبری نے بھی جاہجا تصریح کی ہے کہ ہم توطیل کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں سب سے بڑھ کر یہ کہ صحیح بخاری میں ایک ضمی م موقع پر حضرت ام کلثوم کا ذکر آیا ہے جس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ عورتوں کو چادریں تقسیم کیں، ایک بیجی رہی اس کی نسبت ان کو تردود تھا کہ کس کو دی جائے۔ ایک شخص نے ان سے مخاطب ہو کر کہا یا امیر المؤمنین اعطیہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیتی عندک یہ یہ دفن ام کلثوم۔ (صحیح بخاری باب ابی جماد مطبوعہ میرٹھ صفحہ ۲۰۳) اس میں صاف تصریح ہے کہ ام کلثوم جو حضرت عمر کی زوج تھیں خاندان نبوت سے تھیں)۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور بیویاں تھیں۔ یعنی ام حکیم بنت الحارث بن ہشام المخزوی، لکھمیہ، یمنیہ عائلہ بنت زید بن عمرو بن نفیل، عائلہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پچھری بیوی۔ ان کا نکاح پہلے حضرت ابو بکر کے فرزند عبد اللہ سے ہوا تھا۔ اور پونکہ نہایت خوبصورت تھیں۔ عبد اللہ ان کو بست چاہتے تھے عبد اللہ غزوہ طائف میں شہید ہو گئے۔ عائلہ نے نہایت درد انگیز مرغیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے

فالیلت لا تنفك عینی حزینۃٌ عليك ولا ينفك جلیلی اغبرا  
”میں نے تم کھائی ہے کہ میری آنکھ ہیشہ تیرے اور ٹھکیں رہے گی اور بدن خاک آؤ رہے گا۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر بھری میں ان سے نکاح کیا۔ دعوت ولیمہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کثرت سے ہوئی جن میں سے حضرت حفظہ اس

لئے زیادہ ممتاز ہیں کہ وہ انواع مطہرات میں داخل ہیں۔ ان کا نکاح پہلے خسیں بن حذافہ کے ساتھ ہوا تھا جو مہاجرین صحابہ میں سے تھے۔ خسیں جب غزوہ احمد میں شہید ہوئے تو وہ سر ہجری میں جناب رسول اللہ کے عقد میں آئیں۔ ان سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں اور بہت سے صحابہ نے ان سے یہ حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۲۵ ہجری میں ۳۳ برس کی عمر پا کر انتقال کیا۔

### اولاً ذکور

اولاً ذکور کے یہ نام ہیں۔ عبد اللہ، عبد اللہ، عاصم، ابو شمہ عبد الرحمن، زید، مجیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان میں تین سابق الذکر زیادہ نامور ہیں۔

### عبد اللہ بن عمر

حضرت عبد اللہ فقہ و حدیث کے بڑے رکن مانے جاتے ہیں۔ بخاری و مسلم میں ان کے مسائل اور روایتیں کثرت سے مذکور ہیں، وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کہ میں اسلام لائے اور اکثر غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراکب رہے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اور ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں ان کا حال تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جس سے ان کے علم و فضل اور نہد و تقدیس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ علم و فضل کے علاوہ حق گوئی میں نسایت بیباک تھے۔ ایک دفعہ حاجج بن یوسف کعبہ میں خطبہ پڑھ رہا تھا۔ عین اسی حالت میں انہوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ ”یہ خدا کا دشمن ہے کیونکہ اس نے خدا کے دوستوں کو قتل کیا ہے۔“ چنانچہ اس کے انتقام میں حاجج نے ایک آدمی کو متین کا جس نے ان کو مسموم آکہ سے زخمی کیا۔ اور اسی زخم سے یہاں ہو کر وفات پائی۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا معاملہ حکم کے ہاتھ دے دیا تو لوگوں نے حضرت عبد اللہ سے اگر کہا کہ تمام مسلمان آپ کی خلافت پر راضی ہیں۔ آپ آمادہ ہو جائیے تو ہم لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ انہوں نے انکار کیا۔ اور کہا کہ میں مسلمانوں کے خون سے خلافت کو خریدنا نہیں چاہتا۔

### سالم بن عبد اللہ

حضرت عبد اللہ کے بیٹے سالم فہمائے بعد یعنی مدینہ منورہ کے ان سات فہماء میں

سے محسوب ہیں۔ جن پر حدیث و فقہ کا مدار تھا اور جن کے فتوے کے بغیر کوئی قاضی فیصلہ کرنے کا مجاز نہ تھا۔ سالم کے علاوہ باقی چھ فقہاء کے نام یہ ہیں۔ خارجہ بن زید، عروہ بن الزبیر، سلیمان بن یسار، عبد اللہ بن عبد اللہ، سعید بن المیب، قاسم بن محمد۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تمام محدثین کے نزدیک حدیث کے دو سلسلے سب سے زیادہ مستند ہیں، اور محدثین اس سلسلے کو زنجیر رکھتے ہیں۔ یعنی اول وہ حدیث جس کی روایت کے سلسلے میں امام مالک، نافع، عبد اللہ بن عمر ہوں وو سری وہ حدیث جس کے سلسلے میں زہری، سالم اور عبد اللہ بن عمر واقع ہوں۔ امام مالک اور زہری کے سوا باقی تمام لوگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے گھرانے کے ہیں۔ عبد اللہ اور ان کے بیٹے سالم اور نافع غلام تھے۔

### عبد اللہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے بیٹے عبد اللہ شجاعت اور پسلوانی میں مشہور تھے۔

### عاصم

تیرے بیٹے عاصم نہایت پاکیزہ نفس اور عالم و فاضل تھے اور بھری میں جب انہوں نے انقال کیا تو حضرت عبد اللہ بن عمر نے ان کا مرہیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے

**فَلِمَتَ الْمَنَا هَا كَنْ خَلْفَنْ عَاصِمًا لَعْشَنَاجِنْهُمَا وَأَذْهَنَ بَنَامًا**

”کاش موت عاصم کو چھوڑ جاتی تاکہ ہم سب ساتھ رہتے یا نہ جاتی تو سب کو لے جاتی۔“

عاصم نہایت بلند قامت اور جسم تھے اور خوب شعر کرتے تھے چنانچہ اہل ادب کا قول ہے کہ شاعر کو کچھ نہ کچھ وہ الفاظ بھی لابے پڑتے ہیں جو مقصود نہیں ہوتے لیکن عاصم اس سے متثنی ہیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز ان ہی کے نواسے تھے۔ ابن قیمیہ نے کتاب المعارف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پتوں پر پتوں اور نواسوں کا حال بھی لکھا ہے لیکن ہم اختصار کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں۔

## خاتمه

لِيْسَ مِنَ اللَّهِ بِمُسْتَكِرٍ  
إِنْ يَجْعَلِ الْعَالَمَ فِي وَاحِدٍ

”خدا کی قدرت سے یہ کیا یہید ہے کہ تمام عالم ایک فرد میں سا جائے۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوانح اور حالات تفصیل کے ساتھ اور اس صحت کے ساتھ لکھے چاہکے جو تاریخی تصنیف کی صحت کی اخیر حد ہے دنیا میں اور جس قدر بڑے بڑے نامور گزرے ہیں ان کی مفصل سوانح عمر بن ہبیل سے موجود ہیں۔ یہ دونوں چیزیں اب تمہارے سامنے ہیں اور تم کو اس بات کے فیصلہ کرنے کا موقع ہے کہ تمام دنیا میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی ہم پایہ گذر اہے یا نہیں؟

قانون فطرت کے نکتہ شناس جانتے ہیں کہ فضائل انسانی کی مختلف انواع ہیں۔ اور ہر فضیلت کا جدرا راستہ ہے ممکن ہے بلکہ کثیر الواقع کے ایک شخص فضیلت کے لحاظ سے تمام دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ لیکن اور فضائل سے اس کو بہت کم حصہ ملا تھا۔ سکندر سب سے بڑا فاقہ تھا۔ لیکن حکیم نہ تھا۔ ارسٹون حکیم تھا لیکن کشورستان نہ تھا۔ بڑے بڑے کمالات ایک طرف چھوٹی چھوٹی فضیلتیں بھی ایک شخص میں مشکل سے جمع ہوتی ہیں۔ بہت سے نامور گزرے ہیں جو بہادر تھے۔ پاکیزہ اخلاق نہ تھے۔ بہت سے پاکیزہ اخلاق تھے لیکن صاحب تدبیر نہ تھے۔ بہت سے دونوں کے جامع تھے لیکن علم و فضل سے بے بہرہ تھے۔

اب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات اور مختلف حیثیتوں پر نظر ڈالو تو صاف نظر آئے گا وہ سکندر بھی تھے اور ارسٹون بھی..... سچ بھی تھے سلیمان بھی تھے اور نوشیروان بھی امام ابو حنیفہ بھی تھے اور ابراہیم ادہم بھی۔

سب سے پہلے حکمرانی اور کشورستانی کی حیثیت کو لو۔ دنیا میں جس قدر حکمران گذرے ہیں ہر ایک کی حکومت کی تھے میں کوئی مشورہ دریافت سے سالار مخفی تھا۔ یہاں تک کہ اگر اتفاق سے وہ دریافت سے سالار نہ رہا تو دفعہ فتوحات بھی رک گئیں یا نظام حکومت کا ڈھانچہ بگزیا۔

سكندر ہر موقع پر ارسٹو کی ہدایتوں کا سارا لے کر چلتا تھا۔ اکبر کے پوئے میں ابو الفضل اور ثوڑا مل کام کرتے تھے۔ عبایہ کی عظمت و شان برآمدہ کے دم سے ٹھی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صرف اپنے دست و بازو کا بیل تھا۔ خالد کی عجیب غریب معزکہ

آرائیوں کو دیکھ کر لوگوں کو خیال پیدا ہو گیا کہ فتح و ظفر کی کلید انہی کے ہاتھ میں ہے لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو معزول کر دیا تو کسی کو احساس تک نہ ہوا کہ کل میں سے کون سا پرنہ نکل گیا ہے۔ سعد بن وقار صاحب فتح ایران کی نسبت بھی لوگوں کو ایسا وہم ہو چلا تھا۔ وہ بھی الگ کر دیئے گئے اور کسی کے کان پر جوں بھی نہ چلی یہی تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود سارا کام نہیں کرتے تھے اور نہ کر سکتے تھے لیکن جن لوگوں سے کام لیتے تھے ان میں سے کسی کے پابند نہ تھے وہ حکومت کی کل کو اس طرح چلاتے تھے کہ جس پر زے کو جہاں سے چلہا نکال لیا۔ اور جہاں چلہا لگا دیا۔ مصلحت ہوئی تو کسی پر زے کو سرے سے نکال دیا۔ اور ضرورت ہوئی تو نئے پر زے تیار کر لئے

وہ نہیں کوئی حکمران ایسا نہیں گزرا جس کو ملکی ضرورتوں کی وجہ سے عدل و انصاف کی حد سے تجاوز نہ کرنا پڑا ہو۔ نو شیر و اہ کو زمانہ عدل و انصاف کا پیغمبر تسلیم کرتا ہے لیکن اس کا دامن بھی اس داغ سے پاک نہیں۔ بخلاف اس کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تمام واقعات کو چھانڈوالاں قسم کی ایک نظیر بھی نہیں مل سکتی۔

وہ نہیں کے اور مشهور سلاطین جن ممالک میں پیدا ہوئے وہاں مدت سے حکومت کے قواعد اور آئین قائم تھے اور اس لئے ان سلاطین کو کوئی نئی بنیاد نہیں قائم کرنی پڑتی تھی۔ قدم انتظامات یا خود کافی ہوتے تھے یا کچھ اضافہ کرنا پڑتا تھا۔ بخلاف اس کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس خاک سے پیدا ہوئے وہ ان چیزوں کے نام سے نا آشنا تھی۔ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۲۰ برس تک حکومت و سلطنت کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا اور آغاز شباب تو اونٹوں کے چرانے میں گزرا تھا۔ ان حالات کے ساتھ ایک وسیع مملکت قائم کرنی اور ہر قسم کے ملکی انتظامات مثلاً تقسیم صوبجات و اضلاع انتظام حاصل صیغہ عدالت فوجداری اور پولیس، پبلک ورکس، تعلیمات، صیغہ فوج کو اس قدر ترقی دینی اور ان کے اصول اور ضابطے مقرر کرنے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اور کس کا کام ہو سکتا۔

تمام دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا حکمران دکھا سکتے ہو؟ جس کی معاشرت یہ ہو کہ قیصہ میں دس دس پیوند لگے ہوں۔ کاندھے پر مشک رکھ کر غریب عورتوں کے ہاں پانی بھر کر آتا ہو فرش خاک پر پڑا رہتا ہو۔ بازار میں پڑا پھرتا ہو۔ جہاں جاتا ہو جریدہ و تباہ چلا جاتا ہو۔ اونٹوں کے بدن پر اپنے ہاتھ سے تیل ملتا ہو۔ درود بار، نقیب و چاؤش، حشمت و خدم کے نام سے آشنا نہ ہو۔ اور پھر یہ رعب و داب ہو کہ عرب و عجم اس کے نام سے لرزتے ہوں اور جس طرف رخ

کرتا ہونہ میں دھل جاتی ہو۔ سکندر و تیمور تیس تیس ہزار فوج رکاب میں لے کر نکلتے تھے جب ان کا رب قائم ہوتا تھا۔ عمر فاروق کے سفر شام میں سواری کے اونٹ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ لیکن چاروں طرف غل پڑا ہوا تھا کہ مرکز عالم جنپش میں آگیا ہے۔

اب علی حیثیت پر نظر ڈالو۔ صاحبیہ میں سے جن لوگوں نے خاص اس کام کو لیا تھا اور رات دن اسی شغل میں بس رکرتے تھے مثلاً عبد اللہ بن عباس، نبیہ بن ثابت، ابو ہریرہ، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے مسائل اور اجتہادات کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسائل اور اجتہادات سے موازنہ کرو۔ صاف مجتہد و مقلد کا فرق نظر آئے گا۔ زمانہ مابعد میں اسلامی علوم نے بے انتہا ترقی کی اور بڑے بڑے مجتہدین اور آئندہ فن پیدا ہوئے مثلاً امام ابو حنیفہ، شافعی، بخاری، غزالی رازی۔ لیکن انصاف سے دیکھو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس باب میں بچھے ارشاد فرمایا اس پر بچھے اضافہ نہ ہو سکا۔ مسئلہ قضا و قدڑ تعظیم شعائر اللہ حیثیت بیوت، احکام شریعت کا عقلی و فلسفی ہونا احادیث کا درجہ اقبالہ مخبر آحادی کی قابلیت احتجاج، احکام خمس و غیمت، یہ مسائل شروع اسلام سے آج تک معزکہ آراء رہے ہیں۔ اور آئندہ فن نے ان کے متعلق ذہانت اور طبائی کا کوئی دیقیقیتیں اٹھا رکھا ہے۔ لیکن انصاف کی نگاہ سے دیکھو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان مسائل کو جس طرح حل کیا تھا۔ تحقیق کا ایک قدم بھی اس سے آگے بڑھ سکا؟ تمام آئندہ فن نے ان کی پیوی کی یا اخراج کیا تو اعلانیہ غلطی کی۔

اخلاق کے لحاظ سے دیکھو تو انبیاء کے بعد اور کون شخص ان کا ہم پایہ مل سکتا ہے؟ نہ تو قاتعت، تو اضع و اکساری، خاکساری و سارگی، راستی و حق پرستی، صبر و رضا، شکر و توکل یہ اوصاف ان میں جس کمال کے ساتھ پائے تھے کیا لقمان، ابراہیم بن ادہم، ابوبکر شبلی، معروف کرخی میں اس سے بڑھ کر پائے جاسکتے ہیں؟

شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس خصوصیت (یعنی جامیعت کمالات) کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے اور ہم اسی پر اپنی کتاب کو ختم کرتے ہیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

سیدنا فاروق اعظم را بمنزلہ خانۂ تصویر کرن کہ وہ بائے خلف دارو، ورہروے صاحب کمالے نشستہ دریک در مثلاً سکندر نزو القرینیں باں ہمہ سلیقه ملک گیری و جہاں ستانی و جمع جیوش و برہم نزوں اخراج و روز در دیگر نو شیر و انسے باں ہمہ رفق دیں و ریاست پروری و وادگستری (اگرچہ ذکر

نوشیر وال در بحث فضائل حضرت فاروق شوء ادب است) و در درودگر امام ابوحنیفه<sup>ؒ</sup> یا امام مالک<sup>ؒ</sup> باش همه قیام به علم فتویٰ و احکام و درود رودگر مرشدے مثل سیدی عبد القادر جیلانی یا خواجہ بهاؤ الدین و درود رودگر محمد شے بروزن ابو ہریرہ و ابن عمر و درود رودگرے حکیمے مانند مولانا جلال الدین روی یا شیخ فرید الدین عطار و مولان گردآگرداں خانہ ایستاده اند و هر چنانچه حاجت خود را از صاحب فن درخواست می نماید و کامیاب می گردد۔

هر جولائی ۱۸۹۸ء

شبلی نعمانی  
مقام کشمیر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

# تَرْبِيَتُ السَّاكِن

مُجْدِ دُلْتَ حَجِيمُ الْأَمْتَ، مَحْمَدُ الصَّنْتَ،  
حَضْرَتْ شَاهِ مُحَمَّدِ أَشْرَفِ عَلَى تَهَانُوْيِ

تَعْمِلُ كَامِلُ سَيِّدُ



## وَالْأَزْلَالُ لِلْإِسْلَامِ

— اردو ازانہ ایم۔ لے جذع روڈ کارپی ।

# عورتوں اور بچوں کے لئے بہترین اسلامی کتب اپنیں

اسوہ رسول اکرم	حدیث کی مستند کتب سے تعلق کے ہر پہلو کے متعلق جامی بخاریات۔ ذاکر جلد اٹھی
اسوہ صحابیات اور سیر الصحابیات	صحابی خواتین کے حالات مولانا عبد السلام ندوی
تاریخ اسلام کامل	سوال و جواب کی صورت میں مکمل سیرت طیبہ مولانا محمد میسان
تعلیم الاسلام	روا رو، سوال و جواب کی صورت میں عقائد اور احکام اسلام مفتی محمد فیض اللہ
تعلیم الاسلام	روا روی اسال و جواب کی صورت میں عقائد اور احکام اسلام بنان انگریزی
رسول عربی	آسان زبان میں سیرت رسول اکرم اور شفیعیت
رحمت عالم	آسان زبان میں مستند سیرت طیبہ
بیماریوں کا لکھری یو علاج	ہر قسم کی بیماریوں کے لکھریوں ملائی و نتنے بیہقی ام الفضل
اسلام کا نظائر عفت و عصمت	اپنے موضع پر محققانہ کتاب مولانا فیض الدین
آداب زندگی	چار پہلوں کتابوں کا مجموع حقوق و معاشرت پر مولانا اشرف علی
بہشتی زیور	د کامل گیراہ حقیقی، احکام اسلام اور لکھریوں امور کی جامی شہر کتاب
بہشتی زیور	را نگری ترجمہ، احکام اسلام اور لکھریوں امور کی جامی کتاب بنیان انگریزی
تحفۃ العروس	منڈ نازک کے موضوع پر اسال و زبان میں سہی جامی کتاب مودودی
آسان نہماز	نماز مکمل بخشش لکھنے اور چالیس مسنون دعائیں۔ مولانا حاشیہ اہلبی
شرعی پرداہ	پورہ اور جماعت پر مددہ کتاب
مسلم خواتین کیلئے بیس بیق	عورتوں کے لئے قسمیم اسلام
مسلمان بیوی	مرد کے حقوق صورت پر
مسلمان خاوند	صورت کے حقوق مرد پر
میان بیوی کے حقوق	عورتوں کے وہ حقوق جو مردوں اہلیں کرتے مولانا امیر حسین
نیک بیباں	پار شہر صحابی خواتین کے حالات مولانا امیر حسین
خواتین کیلئے شرعی احکام	عورتوں سے متعلق جلد مسائل اور حقوق ذاکر جلد اٹھی عارفان
تبیدہ الغافلین	چھوٹی چھوٹی تینی تفصیلیں میکاہ اتوال اور حجہ اور دین اٹھکھا۔ تبیدہ الغافلین
آنحضرت کے ۳۰۰ معجزات	آنحضرت ۳۰۰ معجزات کا مستند ذکرہ
قصص الانبیاء	انبیاء طیبین اسلام کے قصتوں پر مشتمل جامی کتاب مولانا ہبھر صورتی
حکایات صحابہ	صحابہ کی حکیماں حکایات اور واقعات مولانا از کری امام صاحب
کنہا بنے لذت	ایسے گناہوں کی تفصیل جیسے ہیں کرنی فائدہ نہیں اور کم بتالاں
وار الامات اعادتے ارد و بیزار کراچی جو شے فونجے	
نہیں کتب نفت ایک ۱۲۳۶۹۸	